

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَجْلَدُ الْعُرْفَانِ لِلدَّكْتُورِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
فَارُوقِ كُنْجِي نَسِيحَتِ جَابِلِ كُنْجِي لِي أَسَانِ كَرِيمِ  
تَرْجُمَانِ تَرْكِيَا كَرِيمِ نَسِيحَتِ جَابِلِ كَرِيمِ ۱۹۱۹ء

# مَجْلَدُ الْعُرْفَانِ

## دُرُوسُ الْقُرْآنِ

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرّسۃ العلوم کراچی

مترتب

الحاج لعل دین ایم لے [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق کنجی گوجرانوالہ



روزانہ درس قرآن پاک



# تفسیر

① سورة الرعد

② سورة ابراهيم

③ سورة الحجر

④ سورة النحل



جلد : ۱۱

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجسم  
خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

بیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق ناظمین محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ زمر، ابراہیم، حجر، نحل) جلد ۱۱
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹن لاهور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطا طین حضرت شاہ نفیس الحسنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق کتب گوجرانوالہ
قیمت	۳۰۰/- (تین سو روپے)

تاریخ طبع: ۱۰ ایل ایڈیشن رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ جولائی ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

- (۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
- (۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق کتب گوجرانوالہ
- (۳) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۴) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار اولہ پٹنری
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ ہنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۸) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
- (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور



# فہرست مضامین مع عالم العصر فی درس القرآن جلد اول

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۲	زمین کا پھیلاؤ		
۳۳	سلسلہ ہائے کوہ	۱۹	سورۃ الرعد
۳۴	پہاڑوں کے فائدے	۲۰	درس اول (آیت ۱ تا ۲۰)
۳۵	مختلف الانواع پھل	"	آیات و ترجمہ
"	شب و روز کا تغیر	۲۱	نام اور کوائف
۳۶	زمینی خطے	"	مضامین سورۃ
۳۸	باغات اور کھیتیاں	"	محکمات، متناسبات اور مقطعات
"	مختلف الاقسام درخت	۲۲	بحث برائے تفسیر فہم
۴۱	درس سوم ۳ (آیت ۵ تا ۷)	۲۳	اللہ کی سجدت
"	آیات و ترجمہ	۲۴	شاہ ولی اللہ کی توجیہ
۴۲	ربط آیات	۲۵	الکتاب
"	قیامت کا انکار	"	قرآن برحق
۴۳	منکرین کے لیے سزا	۲۶	آسمان کی حقیقت
۴۵	بھلائی سے پہلے برائی	۲۸	استیاری علی العرش
۴۶	معانی اور سزا	۲۹	تسخیر شمس و قمر
۴۷	معجزے کی فرمائش	۳۰	بعث بعد الموت
۴۸	ہر قوم کے لیے ہادی	۳۱	درس دوم ۲ (آیت ۳ تا ۴)
۵۰	درس چہارم ۴ آیت ۸ تا ۱۱	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۳۲	ربط آیات

۸۲	سیلاب کی جھاگ	۵۱	ربط آیات
۸۳	وصات کی جھاگ	"	شکم مادر میں بچے کی کیفیت
۸۵	حق و باطل میں کشمکش	۵۳	عالم الغیب والشاہدۃ
۸۶	حق و باطل کی مثال	۵۵	اللہ تعالیٰ کا صحافتی نظام
۸۷	شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	۵۷	اجتماعی حالت کی تبدیلی
۸۸	مسلمین اور مکذبین	۶۰	درس پنجم ۵ آیت (۱۲ تا ۱۴)
۸۹	سورہ الحجاب	"	آیات و ترجمہ
۹۰	درس ہشتم ۸ آیت ۱۹ تا ۲۴	۶۱	ربط آیات
"	آیات و ترجمہ	۶۲	خوف اور امید کا اتصال
۹۱	ربط آیات	"	گنہ اور چمک
۹۲	عالم اور نابینا کی مثال	۶۳	خدائی طاقت
۹۳	مغفلانہ رویوں کے اوصاف	۶۶	دعوت حق
"	۱۔ ایضاً عمد	۶۹	درس ششم ۶ آیت (۱۵ تا ۱۶)
۹۶	۲۔ باہمی تلامب	"	آیات و ترجمہ
۹۷	۳۔ تہنیت الہی	"	ربط آیات
"	۴۔ صبر	۷۳	سجدہ تلاوت
۹۸	۵۔ اقامتِ صلوٰۃ	۷۴	مسائل سجدہ تلاوت
۹۹	۶۔ اتفاق فی سبیل اللہ	۷۵	آسمان و زمین کا رب
۱۰۰	۷۔ برائی کا ازالہ نیکی سے	۷۶	مشرک اور مؤحد کا تقابل
"	جنت میں گھر	۷۷	شُرک کی تردید
۱۰۱	فرشتوں کا سلام	۷۹	درس ہفتم ۷ آیت (۱۷ تا ۱۸)
۱۰۲	درس نهم ۹ آیت ۲۶ تا ۲۶	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۸۰	ربط آیات

۱۲۷	اجتماعی ہدایت	۱۰۲	رابط آیات
۱۲۸	یائیس کے مختلف معانی	۱۰۳	عہد شکنی
۱۲۹	کفار کے لیے دائمی مشکلات	۱۰۴	فاد فی الارض
۱۳۱	مسلمانوں کے لیے عبرت	۱۰۵	لعنت کا طوق
۱۳۳	درس سوازدہم ۱۲ (آیت ۳۲ تا ۳۵)	۱۰۶	رزق کی کشادگی اور تنگی
"	آیات و ترجمہ	۱۰۷	دنیا کا حقیر سامان
۱۳۴	رابط آیات	۱۱۰	درس دہم ۱۰ (آیت ۲۷ تا ۳۰)
۱۳۵	استہزائے رسل	"	آیات و ترجمہ
۱۳۶	خدا کے شریک	۱۱۱	رابط آیات
۱۳۸	بے حقیقت باتیں	"	نشانی کا مطالبہ
۱۴۰	تشریح اعمال	۱۱۳	اطمینان قلب
۱۴۲	متقین کے لیے انعامات	۱۱۴	ذکر الہی کے طریقے
۱۴۵	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۳۶ تا ۴۷)	۱۱۶	ایک اشکال
"	آیات و ترجمہ	۱۱۷	اہل ایمان کے لیے بشارت
۱۴۶	رابط آیات	۱۱۸	تلاوت قرآن پاک
"	تشریح کتاب پر خوشی	۱۲۰	اسمائے پاک
۱۴۷	اہل کتاب کا کردار	۱۲۲	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۱)
۱۴۸	حق پرست اہل کتاب	"	آیات و ترجمہ
۱۵۱	قرآن کا عملی انکار	۱۲۳	رابط آیات
"	شرک سے برأت	"	شان نزول
۱۵۳	دعوت الی اللہ	۱۲۴	قرآن ذریعہ ہدایت
۱۵۴	قرآن اور عربی زبان	۱۲۵	قرآن کا مفہوم
۱۵۶	وعید عامہ	۱۲۶	قرآن کی برکات

۱۸۴	ظلمت سے نور کی طرف	۱۵۷	درس چہارم <sup>۱۴</sup> (آیت ۳۱ تا ۴۰)
۱۸۵	کافروں کا انجام	"	آیات و ترجمہ
۱۸۶	دین کے راستے میں رکاوٹ	"	رابط آیات
۱۸۷	تسبیح کی تلاش	۱۵۸	انبیاء کی ازواجی حیثیت
۱۸۹	درس سوم <sup>۲</sup> - (آیت ۴ تا ۶)	۱۶۱	معجزات کا اظہار
"	آیات و ترجمہ	"	نسخ شراعیع اور احکام
۱۹۰	رابط آیات	۱۶۳	شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ
"	رسول در زبان قوم	۱۶۴	غلبہ اسلام کی پیشین گوئی
۱۹۲	جزائے عمل کے اسباب	۱۶۷	درس پانزدہم <sup>۱۵</sup> (آیت ۴۱ تا ۴۳)
۱۹۳	قومی رہن الاقوامی نبی	"	آیات و ترجمہ
۱۹۴	مسلمانوں کا عروج و زوال	۱۶۸	رابط آیات
۱۹۵	موسیٰ علیہ السلام کی بعثت	"	کفار کی پے درپے ناکامی
۱۹۶	مذکورہ آیات اللہ	۱۶۹	عبداللہ بن عباسؓ کی توجیہ
۱۹۷	فرعونوں سے نجات	۱۷۱	مسلمانوں کا منزل
۲۰۰	درس سوم <sup>۳</sup> (آیت ۷ تا ۹)	۱۷۲	حب مال و عیال
"	آیات و ترجمہ	۱۷۳	خدائی مذہب کی کامیابی
۲۰۱	رابط آیات	۱۷۵	رسالت کا انکار
"	مقام شکر	۱۷۷	سورۃ ابراہیم
۲۰۲	انسان پر انعامات اللہ	۱۷۸	درس اول <sup>۱</sup> (آیت ۱ تا ۳)
۲۰۳	نعمت کا صحیح استعمال	"	آیات و ترجمہ
۲۰۵	شکر کا مقابلہ ناشکری	۱۷۹	نام اور کوائف
۲۰۶	ناشکری کی سزا	"	مضامین سورۃ
۲۰۷	خدا تعالیٰ سے بے نیازی	۱۸۰	حروف مقطعات

۲۳۷	دور کی گھمراہی	۲۰۸	سابقہ اقوام کا حشر
"	مخلوق کی تبدیلی	۲۱۰	انبیاء سے سلوک
۲۴۰	درس ہفتم (آیت ۲۱)	"	خدا کی پروگرام کا انکار
"	آیات و ترجمہ	۲۱۲	درس چہارم (آیت ۱۰ تا ۱۲)
"	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۲۴۱	خدا کے حضور پیشی	۲۱۳	رابط آیات
"	مخفی کاموں کا ظہور	۲۱۴	دعوت الی اللہ
۲۴۲	تابع اور متبوع	۲۱۵	بشری رسالت کا انکار
۲۴۳	غلاب میں تخفیف کی تدبیر	۲۱۷	بشری رسالت کی تصدیق
۲۴۵	بے قراری یا صبر	۲۱۹	توکل پر خدا
۲۴۷	درس ہشتم (آیت ۲۲ تا ۲۳)	۲۲۰	اسباب کی تین قسمیں
۲۴۸	رابط آیات	۲۲۱	صبر کی دولت
"	جہنمی اور شیطان آمنے سامنے	۲۲۳	درس نہم (آیت ۱۳ تا ۱۷)
۲۵۰	امام شیخی	"	آیات و ترجمہ
۲۵۱	شیطان کی تقریر	۲۲۴	رابط آیات
۲۵۳	ملاصت کے قابل کون ؟	"	کفار کی دیکھی
"	اہل ایمان کی کامیابی	۲۲۶	ایک اشکال
۲۵۴	سلامتی کی دعائیں	۲۲۷	اللہ کی طرف سے تسلی
۲۵۶	درس نہم (آیت ۲۴ تا ۲۶)	۲۲۹	فیصلے کا مطالبہ
"	آیات و ترجمہ	۲۳۱	منکرین کے لیے سزا
"	رابط آیات	۲۳۳	درس ششم (آیت ۲۸ تا ۳۰)
۲۵۷	کلمہ طیبہ کی مثال	۲۳۴	کفار کے اعمال کی مثال
۲۵۸	درخت اور مسلم مرد	۲۳۵	ایمان شرط قبولیت ہے

۲۷۸	شکر فریضہ گمراہی ہے	۲۵۹	پاکیزہ درخت کی خصوصیات
۲۸۰	اقامتِ صلوات	۲۶۰	کلمہ طیبہ کی خصوصیات
۲۸۱	اتفاق فی سبیل اللہ	۲۶۱	مرد مسلمان اور کھجور کا درخت
۲۸۲	بر محل اور بروقت خرچ	"	سد بار آور کھجور
۲۸۵	درس یازدہم ۱۲ (آیت ۳۲ تا ۳۴)	۲۶۲	شاہ ولی اللہ کی توجیہ
"	آیات و ترجمہ	۲۶۳	کلمہ خبیثہ کی مثال
۲۸۶	رابط آیات	۲۶۵	درس دہم ۱۰ (آیت ۲۷)
"	خدا تعالیٰ کی سبحان	"	آیات و ترجمہ
۲۸۸	آسمان اور زمین کی تخلیق	"	رابط آیات
"	بارش اور اس کے فوائد	۲۶۶	نابت قدمی کا وعدہ
۲۸۹	دیگر انعامات اللہ	"	قبر کی منزل
۲۹۰	کشتیوں کی تسخیر	۲۶۷	قبر کا حال
۲۹۱	تسخیر شمس و قمر	۲۶۸	قبر کے سوال و جواب
۲۹۲	مطلوبہ نعمت کی عطائیگی	۲۶۹	قبر کا عذاب
۲۹۳	نعمت شماری پر عدم قدرت	۲۷۰	فتنہ قبر
۲۹۵	انسانی کمزوریاں	۲۷۱	روح اور جسم کا تعلق
۲۹۶	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۳۵ تا ۳۷)	۲۷۲	ظالموں کی گمراہی
"	آیات و ترجمہ	۲۷۳	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۸ تا ۳۱)
۲۹۷	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
"	شکر امن	۲۷۵	رابط آیات
۲۹۸	شکر سے بیزارگی	"	کفرانِ نعمت
۲۹۹	گمراہی اور معافی	۲۷۶	انعامات اللہ
۳۰۰	اولاد الابرار ہمیک کی آباد کاری	۲۷۸	قوم کی جنم رسیدگی

۳۲۵	اللہ کے حضور پیشی	۳۰۲	فطہ عرب میں سبزہ زار
۳۲۸	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۵۲)	"	مخترم گھر
"	آیات و ترجمہ	۳۰۳	دلوں کی کشش
"	خلاصہ مضامین	۳۰۵	درس چہارم ۱۴ (آیت ۳۸ تا ۴۱)
۳۲۹	۱۔ پیغام خداوندی	"	آیات و ترجمہ
۳۳۲	۲۔ انذار بزرگ قرآن	۳۰۶	ربط آیات
۳۳۳	۳۔ دعوت توحید	"	اللہ کا علم محیط
۳۳۴	۴۔ نصیحت برائے اہل عقل	۳۰۷	جھٹلے اولاد پر شکریہ
"	خلاصہ کلام	۳۰۸	اقامت صلوٰۃ کی دعا
۳۳۷	سورۃ الحج	۳۱۰	مشرک کے لیے دعا مغفرت
۳۳۸	درس اول ۱ (آیت ۵ تا ۱۵)	۳۱۳	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۲۲ تا ۲۶)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۳۳۹	نام اور کوائف	۳۱۴	ربط آیات
"	مضامین سورۃ	۳۱۵	ظالموں کے لیے جہلت
۳۴۰	حروف مقطعات	۳۱۷	دنیا میں والہی کی خواہش
۳۴۱	قرآن کی حقانیت	۳۱۸	خدا تعالیٰ کا جواب
۳۴۲	کفار کی آرزو	۳۱۹	کفار کی مخفی تدبیریں
"	کفار کے لیے جہلت	۳۲۰	مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ
۳۴۳	حضور علیہ السلام کی تشویش	۳۲۲	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۴ تا ۱۵)
"	مقررہ وقت پر ہلاکت	"	آیات و ترجمہ
۳۴۶	درس سوم ۲ (آیت ۶ تا ۱۵)	۳۲۳	ربط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	اللہ تعالیٰ کا وعدہ
۳۴۷	ربط آیات	۳۲۴	زمین و آسمان کی تبدیلی

۳۴۰	درس پنجم ۵ (آیت ۲۶ تا ۳۵)	۳۴۷	دیوانی کا الزام
"	آیات و ترجمہ	۳۴۸	نزول ملائکہ کی فرمائش
۳۴۱	ربط آیات	۳۴۹	حفاظت قرآن کا ذمہ
۳۴۲	مشکل تخلیق انسان	۳۵۰	حفاظت قرآن کا قدرتی نظام
۳۴۳	انسانی وجود کے عناصر	"	قبول اسلام کا ایک واقعہ
۳۴۴	فرشتوں کی تخلیق	۳۵۲	لفظی اور معنوی حفاظت
"	انسان کی برتری	۳۵۳	رسولوں کے ساتھ استہزاء
۳۴۵	جنت کی تخلیق	"	کفار کا مسلسل انکار
۳۴۶	انسان کی تخلیق	۳۵۵	درس سوم ۳ (آیت ۱۶ تا ۲۱)
"	روح کا مسد	"	آیات و ترجمہ
۳۴۷	فرشتوں کو مسجد کے کا حکم	۳۵۶	ربط آیات
۳۴۸	سجدہ تعظیمی	"	آسانی بوج
۳۴۹	ابلیس کا انکار	۳۵۷	شیاطین کے لیے شباب
۳۵۰	شیطان راندہ درگاہ	۳۵۸	زمین کے فوائد
۳۵۱	درس ششم ۶ (آیت ۳۶ تا ۴۲)	۳۵۹	معیشت کے سامان
"	آیت و ترجمہ	۳۶۰	قدرت کے خزانے
۳۵۲	ربط آیات	۳۶۲	درس چہارم ۴ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
"	ملت کی درخواست	"	آیات و ترجمہ
۳۵۳	گمراہ کرنے کا عزم	۳۶۳	پانی کی قدرتی ہیومرسانی
۳۵۵	مخلصین کی حفاظت	۳۶۶	زندگی اور موت کا نظام
۳۵۶	گمراہوں کی جہنم رسیدگی	۳۶۷	متفہمین اور منافقین
۳۵۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۴۵ تا ۶۰)	۳۶۸	عمورتوں اور مردوں کی صفیں
"	آیات	"	قیامت اور جزائے عمل



۴۱۲	قوم پر عذاب	۳۹۱	رابط آیات
"	مسئلہ فرست	"	متقین کے لیے بہشت
۴۱۳	نشانات عبرت	۳۹۲	کہ ورت سے پاک دل
۴۱۶	درس و حکم ۱۰ (آیت ۸۰ تا ۸۹)	۳۹۳	خوف اور امید
"	آیات و ترجمہ	۳۹۴	ابراہیم علیہ السلام کے لیے خوشخبری
۴۱۷	رابط آیات	۳۹۵	ابراہیم علیہ السلام کی حیرانگی
"	اہل حجر کی تکذیب	۳۹۶	قوم لوط پر عذاب
۴۱۸	نشانیوں سے اعراض	۳۹۹	درس ۸ (آیت ۶ تا ۷۰)
۴۱۹	پرانی تہذیبوں کے آثار	"	آیات و ترجمہ
۴۲۰	عذاب کی آمد	۴۰۰	رابط آیات
"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۰۱	فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس
۴۲۲	بیع منافی کا نزول	۴۰۲	اہل بستی کی اغلاقی بستی
۴۲۳	مال و دولت سے بے رغبتی	۴۰۳	لوط علیہ السلام کی طرف سے دفاع
"	اہل ایمان کے لیے شفقت	۴۰۴	فرشتوں کی مداخلت
۴۲۵	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۹۰ تا ۹۹)	۴۰۵	بستی سے خروج کا حکم
"	آیات و ترجمہ	۴۰۶	عذاب کا فیصلہ
۴۲۶	رابط آیات	۴۰۷	درس نہم ۹ (آیت ۱ تا ۷۹)
"	کتب الیہ کی تقسیم	"	آیات و ترجمہ
۴۲۹	لازمی باز پرس	۴۰۸	رابط آیات
۴۳۰	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	"	لوط علیہ السلام کی پیشکش
۴۳۲	تبیح و تحیہ	۴۰۹	ہم جنسی کی سزا
۴۳۳	آخر دم تک عبادت	۴۱۰	قوم کا اصرار
	سورة التہ	۴۱۱	مذمت

۲۵۶	پانی کی ضرورت	۲۳۶	درس اول (آیت ۱ تا ۴)
۲۵۸	نباتات کے لیے پانی	"	آیات و ترجمہ
۲۶۰	شمس و قمر کی پیمائشیں	۲۳۷	نام اور کوائف
۲۶۲	مچھلی بطور تازہ گوشت	"	مضامین سورۃ
"	فقہی مسائل متعلقہ مچھلی	۲۳۹	عذاب الہی کی آمد
۲۶۳	سمندر میں کے دیگر فوائد	"	نقلیہ اسلام کی پیش گوئی
۲۶۶	درس چہارم ۶ (آیت ۱۵ تا ۲۱)	۲۴۰	نزول وحی
"	آیات و ترجمہ	۲۴۱	رسالت کا انتخاب
۲۶۷	ربط آیات	"	دعوت توحید
"	زمین کا توازن	۲۴۲	تخلیق انسانی بطور دلیل
۲۶۸	سمندری اور زمینی راستے	۲۴۳	درس سوم ۲ (آیت ۵ تا ۹)
۲۶۹	انعامات الہیہ	"	آیات و ترجمہ
۲۷۱	شکر کی ترویج	"	ربط آیات
۲۷۳	درس پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۲۵)	۲۴۴	موشیوں کے فوائد
"	آیات و ترجمہ	۲۴۵	اُون اور گوشت
۲۷۵	ربط آیات	۲۴۶	دوڑھ کی نعمت
"	مسئلہ الوہیت	۲۴۸	خوبصورتی کا ذریعہ
۲۷۶	لفظ "اللہ" کی تحقیق	۲۴۹	جانوروں کے حقوق
۲۷۷	فکر آخرت	۲۵۰	بار برداری کا کام
۲۷۸	عکبر کی بیماری	"	ناخوردنی جانور
۲۷۹	وحی الہی کا انکار	۲۵۱	منتقل کی سواریاں
۲۸۰	دوسرا ترجمہ	۲۵۲	مستقیم اور منحنی راستے
۲۸۲	درس ششم ۶ (آیت ۲۶ تا ۲۹)	۲۵۳	درس سووم ۳ (آیت ۱ تا ۱۲)
		"	آیات و ترجمہ
		۲۵۸	ربط آیات

۵۰۹	ہدایت اور گمراہی	۴۸۲	آیات و ترجمہ
۵۰۹	درس تہم (آیت ۳۷ تا ۴۰)	۴۸۳	رابط آیات
۵۱۱	آیات و ترجمہ	۴۸۴	مخالفین کی چال بازیوں
۵۱۲	رابط آیات	۴۸۵	مزد اور فرعون کی کارگزاری
۵۱۲	ہدایت سے محرومی	۴۸۷	مسل سازشیں
۵۱۵	تسلی کا مضمون	۴۸۹	ظالموں کی رسوائی
۵۱۵	اچھی اور بُری حرص	۴۹۱	جنم میں داخلہ
۵۱۷	بعث بعد الموت کا انکار	۴۹۲	درس ششم (آیت ۳۰ تا ۳۴)
۵۱۹	قیامت کی ضرورت	۴۹۳	آیات و ترجمہ
۵۲۰	خدا کا اٹل فیصلہ	۴۹۳	رابط آیات
۵۲۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۴۹۴	متیقن سے سوال و جواب
۵۲۲	آیات و ترجمہ	۴۹۵	متیقن کے لیے بہتر گھر
۵۲۳	رابط آیات	۴۹۶	پاکیزہ موت
۵۲۳	ہاجرین کی حوصلہ افزائی	۴۹۷	جنت میں داخلہ
۵۲۴	ہجرت کے وسیع معانی	۴۹۸	غذاب کا انتظار
۵۲۵	ہجرت کی اقسام اور مسائل	۵۰۱	درس ششم ۸ (آیت ۳۵ تا ۳۶)
۵۲۷	ہاجرین کے لیے اجر	۵۰۱	آیات و ترجمہ
۵۲۹	رسول مرد ہوتے ہیں	۵۰۲	رابط آیات
۵۳۱	تقلید کی ضرورت	۵۰۲	شُرک پڑانی بیماری ہے
۵۳۲	فقہی اختلاف کی حیثیت	۵۰۳	مشرکین کی دلیل
۵۳۴	تشریح بذریعہ سنت	۵۰۵	انسان کی فعل مختاری؟
۵۳۶	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۵ تا ۵۰)	۵۰۷	رسولوں کی ذمہ داری
۵۳۶	آیات و ترجمہ	۵۰۸	انت کیا ہے؟

۵۵۵	آیات و ترجمہ	۵۳۷	رابط آیات
"	رابط آیات	"	مشکین کے لیے سخت وعید
۵۵۶	خدا کے لیے بیٹیاں	۵۳۸	از زمین میں دھنس جانا
۵۵۷	تزیید بیٹی پر روسیاہی	۵۳۹	۲۔ بیرونی ذرائع سے عذاب
۵۵۸	بیٹی سے گلہ خلاصی	"	۳۔ چلتے پھرنے گرفت
۵۵۹	زنہ درگور	۵۴۰	۴۔ عذاب بعد از خوف
۵۶۰	صدی کی مثال	۵۴۱	زمانہ جاہلیت کے اشعار
۵۶۱	جہیز کی لعنت	۵۴۲	سائے کا سجدہ
۵۶۲	عورت نصف النایت ہے	۵۴۳	ہر چیز سجدہ نہیں ہے
۵۶۳	درس چہار و حکم ۱۴ (آیت ۶۱ تا ۶۵)	۵۴۴	فرشتوں کا تعمیل حکم
"	آیات و ترجمہ	۵۴۵	درس مواز و حکم ۱ (آیت ۵ تا ۵۶)
۵۶۵	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۵۶۶	ظالموں کی گرفت	۵۴۶	رابط آیات
۵۶۷	ظلم کا اثر	"	عقیدہ اثینیت
"	مقررہ وقت تک دولت	۵۴۷	عقیدہ تثلیث
۵۶۸	بہائی سے بھلائی کی توبہ	۵۴۸	کبر و طول معبود
۵۶۹	دوزخ کی آگ	۵۴۹	دائمی اطاعت
"	تزیین اعمال	۵۵۰	النعامت اللہیہ
۵۷۰	تین کتاب کا قرینہ	۵۵۰	مصیبت میں رجوع الی اللہ
۵۷۱	برائیت اور رحمت	۵۵۱	شکر کا دکا حصہ
۵۷۲	مادی حیات کا سامان	۵۵۲	نذر بغیر اللہ
۵۷۳	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۶۶ تا ۶۷)	۵۵۳	لاذی بائیس
"	آیات و ترجمہ	۵۵۵	درس نیر و حکم ۱ (آیت ۵۷ تا ۶۰)

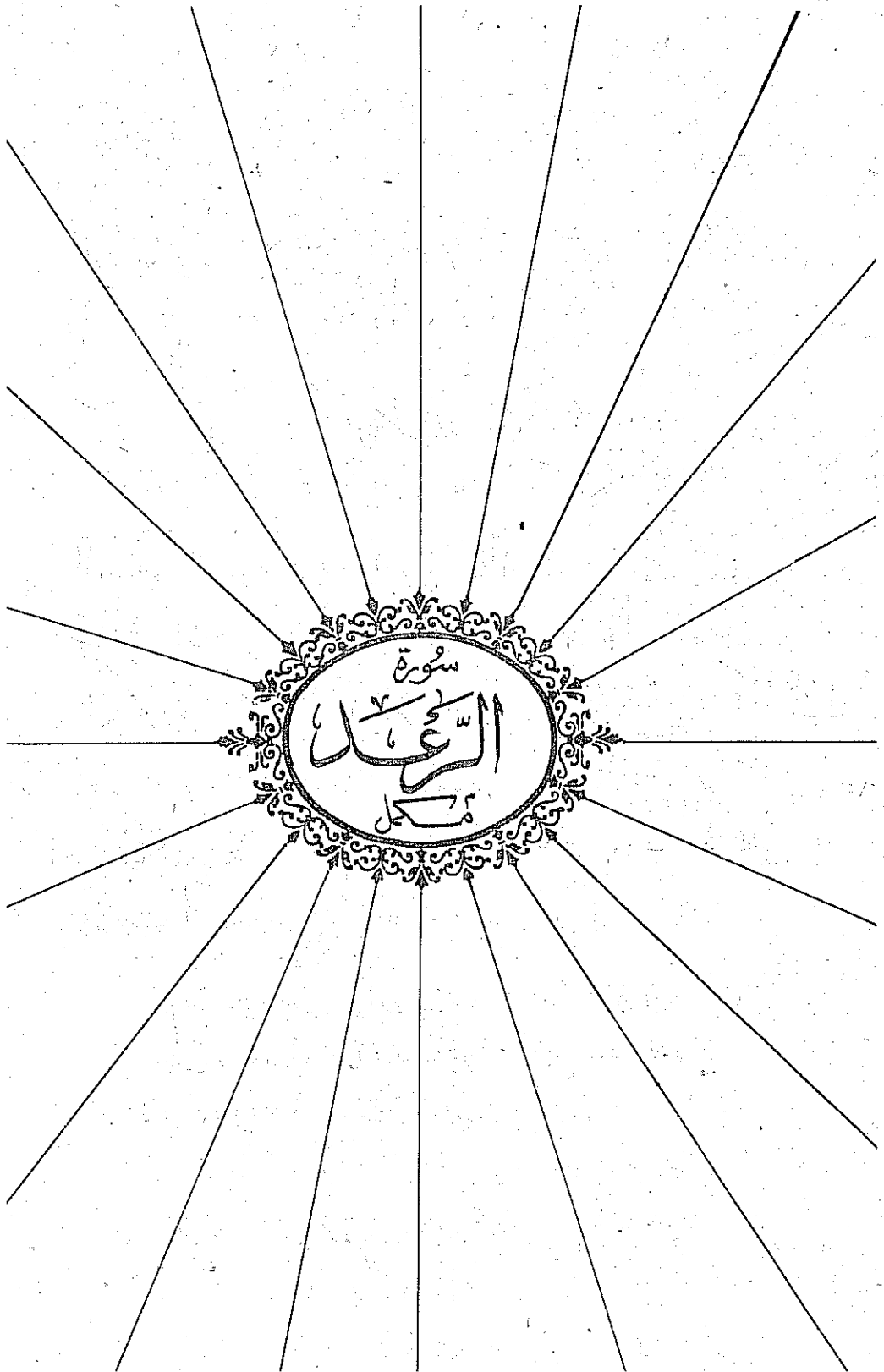
۶۰۰	حافظہ کی کمزوری	۵۷۵	رابط آیات
۶۰۲	درس ہفتم ۱۸ (آیت ۱ تا ۲۲)	۵۷۶	موتھیوں میں سامانِ عبرت
"	آیات و ترجمہ	۵۷۷	دودھ کی نعمت
۶۰۳	رابط آیات	۵۸۰	دودھ کا کارخانہ
"	رزق میں تفاوت	"	مشروب اور اچھی روزی
۶۰۴	حقوق کی ادائیگی	۵۸۲	لفظ "سکر" کی تحقیق
۶۰۵	مختلف نظامہا کے معیشت	۵۸۴	درس ششم ۱۶ (آیت ۶۸ تا ۶۹)
۶۰۶	قطری اور غیر قطری مساوات	"	آیات و ترجمہ
۶۰۷	نوعی اور شخصی بقار	"	رابط آیات
۶۰۹	شرک کی تردید	۵۸۵	مکھیوں کی طرف وحی
۶۱۰	اللہ سے براہِ راست تعلق	۵۸۶	مکھیوں کا چھتہ
۶۱۳	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۷۵ تا ۷۶)	۵۸۷	مکھیوں سے استفادہ
"	آیات و ترجمہ	"	شہد میں شفا ہے
۶۱۴	رابط آیات	۵۸۹	شہد کی پیداوار
"	غلام اور آزاد کی مثال	۵۹۱	مکھیوں کی فضیلت
۶۱۶	رزقِ حلال	"	مکھیوں کی تنظیم
۶۱۷	باطنی اور ظاہری خرچ	۵۹۲	مکھیوں کا مقام
"	گونگا غلام اور عادل آزاد	۵۹۳	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۷۰)
۶۱۸	غلامی کی تاریخ	"	رابط آیات
۶۱۹	غلاموں سے حسن سلوک	۵۹۴	زندگی اور موت
۶۲۰	قومی غلامی	"	زندگی کا عروج و زوال
۶۲۱	خلاصہ کلام	۵۹۶	ارذل العمر
۶۲۲	درس ستم ۲۰ (آیت ۷۷ تا ۷۹)	۵۹۷	پیری شعراء کی نظر میں

۶۲۲	آیات و ترجمہ	۶۲۲	درس نسبت ۲۳ (آیت ۸۸ تا ۸۹)	۶۲۲	آیات و ترجمہ
"	ربط آیات	"	آیات و ترجمہ	"	ربط آیات
"	استعداد عمل اور جزاء	۶۲۳	ربط آیات	"	ربط آیات
۶۲۸	عالم الغیب والشہادۃ	۶۲۴	اسلام کے راستے میں رکاوٹ	۶۲۴	اسلام کے راستے میں رکاوٹ
۶۵۰	قیامت کی اچانک آمد	۶۲۵	مفسدین کے لیے سزا	۶۲۵	مفسدین کے لیے سزا
۶۵۱	قبر کی منزل	۶۲۶	انبیاء کی گواہی	۶۲۶	انبیاء کی گواہی
۶۵۲	انسان کے ذرائع علم	"	قرآن بطور تہذیب	"	قرآن بطور تہذیب
۶۵۳	فلسفہ معاش	۶۲۸	ہدایت، رحمت اور خوشخبری	۶۲۸	ہدایت، رحمت اور خوشخبری
۶۵۵	درس نسبت یک (آیت ۸۰ تا ۸۳)	۶۳۱	درس نسبت چہار (آیت ۹۰)	۶۳۱	درس نسبت چہار (آیت ۹۰)
"	آیت و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	ربط آیات	۶۳۲	ربط آیات	"	ربط آیات
"	گنچھر ذریعہ سکون	"	جامع ترین آیت	"	جامع ترین آیت
۶۵۷	انسان کی بنیادی ضروریات	۶۳۳	اسلام کا عالمی پروگرام	۶۳۳	اسلام کا عالمی پروگرام
۶۵۸	چمڑے کے خیمے	۶۳۵	تین مثبت چیزیں (۱) عدل	۶۳۵	تین مثبت چیزیں (۱) عدل
۶۶۱	سایہ کی نعمت	۶۳۶	۲- احسان	۶۳۶	۲- احسان
۶۶۲	سچاؤ کی تمیزیں	۶۳۷	۳- قرابتہ اول کا حق	۶۳۷	۳- قرابتہ اول کا حق
۶۶۳	النعائم الہی کا شکر	۶۳۸	تین منفی چیزیں - ۱- فحاشی	۶۳۸	تین منفی چیزیں - ۱- فحاشی
"	درس نسبت ۲۴ (آیت ۸۴ تا ۸۷)	۶۴۰	۲- منکر	۶۴۰	۲- منکر
"	آیات و ترجمہ	"	۳- سرکشی	"	۳- سرکشی
۶۶۵	انسان کے خلاف گواہیاں	۶۴۱	درس نسبت پنج ۲۵ (آیت ۹۱ تا ۹۵)	۶۴۱	درس نسبت پنج ۲۵ (آیت ۹۱ تا ۹۵)
۶۶۵	کفار کی بے بسی	۶۴۲	آیات	۶۴۲	آیات
۶۶۶	شرکاء کا انکار	۶۴۳	ربط آیات	۶۴۳	ربط آیات
۶۶۸	عبدالہزمرگ و اولیاء	۶۴۴	تخریف معنوی کی جہارت	۶۴۴	تخریف معنوی کی جہارت

۶۹۰	رابطہ آیات	۶۶۸	عہد کی پابندی
۶۹۱	وقتی طور پر رخصت	۶۶۹	عہد شکنی کی ممانعت
"	دین کی خاطر قربانیاں	۶۷۰	اغیار کی عہد شکنی
۶۹۳	عبداللہ بن خالد کعبہ کا ایمان	۶۷۱	گمراہی اور ہدایت کا راستہ
۶۹۴	اضطراری حالت کے مسائل	۶۷۲	پر عہد ہی ذریعہ فساد ہے
۶۹۵	عزیمت اور رخصت	۶۷۳ (آیت ۲۶ تا ۱۰۰)	درس نسبت و شش ۲۶ (آیت ۲۶ تا ۱۰۰)
۶۹۷	درس نسبت نمبر ۲۹ (آیت ۱۱ تا ۱۱۳)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۶۷۵	فانی اور باقی مال
۶۹۸	رابطہ آیات	۶۷۶	حیات طیبہ
"	ذاتی طور پر جواب دہی	۶۷۹	ظہور سے پہلے تعویذ
۶۹۹	پورا پورا بدلہ	۶۸۰	شیطان کی غلبہ
"	خوشحال بستی کی مثال		
۷۰۱	نماذری کی سزا	۶۸۲	درس نسبت و شش ۲۷ (آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵)
"	انکار رسالت پر عذاب	"	آیات و ترجمہ
۷۰۳	امن و امان کی ضرورت	۶۸۳	رابطہ آیات
۷۰۴	حلال اور طیب روزی	۶۸۴	نسخ آیات کی حکمت
۷۰۵	شکر گزاری	۶۸۶	نزول قرآن کی غرض
۷۰۶	درس سنی ۳ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۹)	"	روح القدس
"	آیات و ترجمہ	۶۸۷	نزول قرآن پر اعتراض
۷۰۷	چار حرام چیزیں	"	اس کا جواب
۷۰۸	۱- مردار	۶۸۸	مشکوکین قرآن کے لیے سزا
۷۰۹	۲- خون	۶۸۹	درس نسبت و شش ۲۸ (آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)
"	۳- خنزیر کا گوشت	"	آیات و ترجمہ

۴۳	ربط آیات	۱۰	۴- نذر غیر اللہ
۲۵	مہفتے کے دن کی تعظیم	۱۱	بحالت اضطراری
۲۷	جمعہ کے دن آسانی	۱۲	حلت و حرمت کا قانون
۲۸	فریضہ تبلیغ (۱) حکمت	۱۴	وقتی محرمات
۲۹	۲- موعظت حسنہ	۱۵	رحمت الہی
۳۱	۳- مباحث بطریق احسن	۱۶	درس سی و یک (آیت ۱۲ تا ۱۲۳)
۳۵	درس سی و دو (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۱۷	ربط آیات
"	زمانہ نزول	"	امامتِ ابراہیمی
۳۶	شان نزول	۱۹	اطاعت اور خلیفیت
"	اشقامی کاروائی کی حدود	۲۰	ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت
۳۹	صبر کی ترغیب	"	شکر نعمت
"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۲۲	دنیا کی کھلائی
۴۰	تعظیم اور شفقت	۲۳	ملتِ ابراہیمی کا اتباع
۴۱	سعیت الہی	۲۴	درس سی و دو (آیت ۱۲۴ تا ۱۲۵)
		"	آیات و ترجمہ





سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَالرَّجُزُ آيَةٌ وَفِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ  
سورة رعد مدنی ہے یہ تینتالیس آیات اور اس میں چھ ۶ رکوع ہیں

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے محدود مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْمَرْقِفِ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ  
رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ①  
اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا  
ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ  
الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ②

ترجمہ :- المرقف یہ آیتیں ہیں کتاب کی، اور وہ جو نازل کیا گیا  
ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کا جانب سے برحق ہے، لیکن  
اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ① اللہ کی ذات وہ ہے جس نے  
بلند کیا ہے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو۔  
پھر مستوی ہوا عرش پر اور اُس نے منخر کیا ہے سورج اور چاند  
کو۔ یہ سب چلتے ہیں ایک مقررہ وقت تک۔ وہ تدبیر کرتا  
ہے معاملے کی اور تفصیل بیان کرتا ہے آیتوں کی، تاکہ تم

اپنے رب کی ملاقات کے ساتھ یقین رکھو ۲

نام اور  
کوالف

اس سورۃ کا نام سورۃ الرعد ہے۔ رعد بادل کی گرج کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں بادلوں اور انکی گرج کا ذکر ہے، اس لیے اس سورۃ کو رعد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ یوسف کی طرح یہ سورۃ بھی مکی ہے جو کہ سبکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔ یہ وہی دور ہے جب حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکار سخت مصائب کا شکار ہوئے تھے، اسس سورۃ کی تینتالیس آیات، ۸۵۵ کلمات اور ۲۰۵۶ حروف ہیں۔ یہ زیادہ لمبی سورۃ نہیں بلکہ چھ رکوع کی درمیانی سورۃ ہے۔

مضامین سورۃ

سورۃ یوسف اور سورۃ رعد کے زمانہ نزول کی طرح ان کے مضامین بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ مکی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ قرآن پاک کی تحائنت اور صداقت کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ توحید کے ساتھ ساتھ شرک کی تمام اقسام کی ترویج کی گئی ہے اور ایمان کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔ تو اس سورۃ رعد میں بھی بالعموم انہی چیزوں کا ذکر ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ منہی باتیں بھی آئیں گی۔ سبکی سورتوں میں اصلاح عقیدہ کے موضوع کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کی فکر پاک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی عبادات، معاملات اور اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

محکمات  
تشابہات  
اور قطعاً

قرآن پاک میں تین قسم کی آیات آتی ہیں۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح اور حقیقت روشن ہو۔ ایسی آیات پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے دوسری قسم تشابہات کی ہے ان آیات کا معنی تو سمجھ میں آتا ہے مگر ان کی حقیقت انسانی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ جیسے اگلی آیت میں ہے

ثُمَّ اسْتَدْرَىٰ عَلَى الْعَرْشِ بِحُورٍ كَمَا تَعَالَىٰ عَرْشُ يَسْتَوِي هُوَ اس  
 حصہ آیت ۱۰ معنی تو معلوم ہے مگر یہ تہذیب و تہذیب انسان سمجھ میں نہیں آسکتی  
 کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے۔ یہ تشابہات  
 ہیں۔ سے ہے۔ ایسی آیات کے متعلق سورۃ آل عمران میں حکم دیا  
 گیا ہے کہ ان کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کر دو۔  
 آیات یا الفاظ کی تیسری قسم مقطعات کی ہے۔ ایسے الفاظ کا مطلب  
 تو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ امام جلال الدین  
 سیوطی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں اللہ اعلم بصدورہ بذلک  
 یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ ہمارا فرض  
 یہ ہے کہ ہم عقیدہ رکھیں کہ ان الفاظ سے اللہ نے جو بھی مراد لی ہے  
 وہ برحق ہے۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ہماری عقل ناقص اور ذہن  
 کمزور ہے۔ اس لیے ہم ہر چیز کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے  
 بعض چیزوں کا انکشاف اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا علم آخرت  
 میں چلے گا۔ اس کی مثال کے طور پر محمدؐ میں کرم فرماتے ہیں، کہ  
 تقاریر کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسکی حقیقت جنت میں جا کر کھلے گی، اسی  
 طرح حروف مقطعات کے معانی ہیں، جنہیں ہم نہیں جانتے اور یہ  
 اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ ہمیں صرف ان پر ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ  
 برحق ہیں۔ ایسی چیزوں کو زیادہ کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ ایسا  
 کرنے سے انسان گمراہ ہو سکتا ہے۔ لہذا تفسیر میں یہ طریقہ بہتر سمجھا جاتا  
 ہے کہ انسان ایسی چیزوں میں زیادہ کرید نہ کرے۔

بعض مفسرین اور متکلمین تشابہات اور مقطعات میں محسوس  
 اس لیے بحث کرتے ہیں کہ انسانوں کے اذہان قرآن کرم کے  
 قریب رہیں اور لوگ اللہ کی کتاب سے دور نہ ہو جائیں۔ وگرنہ حقیقت

یہی ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے بھی حروف مقطعات کے متعلق کوئی بحث نہیں کی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں ذکر کرتے ہیں کہ ان حروف میں نہ تو آنحضرت نے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے کلام کیا ہے بلکہ آپ ان حروف کو اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح یہ نازل ہوئے ہیں، البتہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حروف کو من و عن تسلیم کر لو اور ان کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ پھر صحابہ کرام کے آخری دور میں جب عجم کے اکثر لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے متعلق کبریٰ کی تو ان کے بعض معانی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہوئے مگر یہ محض تقریب فہم کے لیے ہے، یقین سے پھر بھی کچھ نہیں کہا جاتا جب حضرت علیؓ سے تقدیر کے مسئلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا **سُئِلَ اللّٰهَ فَلَا تَفْتَحُوْا** یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں، ان میں تحقیق نہ کرو، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ شرابی پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ بعض مفسرین اور محدثین **اَلْاَمْرَ** کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اجتماع کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں اور ان حروف مقطعات کا اشارہ رحمت خداوندی کے اکٹھا ہونے کے مقام کی طرف ہے۔ بعض ان حروف سے بلندی کا جذبہ امرادیتے ہیں اور یہ اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو قرآن کریم کی تعلیمات کو اپناتے گا۔ بعض فرماتے ہیں کہ علوم الہیہ یا معارف باقی کی چمک ان حقائق سے ہے جو اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں اور **اَلْاَمْرَ** سے وہ حقائق مراد ہیں۔ علی ہاشمیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس سورۃ میں اللہ نے ہدایت اور رشد کی پوشیدہ باتیں اور لطائف و اسرار کو بیان کیا۔ ہے اور ان حروف سے یہی چیز مراد ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْقُرْآن میں اسے مراد اللہ کے معنی انعامات  
 ل سے لطف اور م سے لازوال ملک مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوا  
 کہ تمام نعمتیں، بے انتہا لطف اور لازوال بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ  
 ہی کو منزاوار ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْقُرْآن محففت ہے  
أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ وَأَرْحَمُ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہوں میں  
جاننا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ الْقُرْآن سے وہ اسرار  
 لطیفہ مراد ہیں جو رشد پر مبنی ہیں اور شک کو زائل کرتے ہیں۔ امام رازیؒ  
 نے بعض بزرگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے أَنَا اللَّهُ الْعَلِيُّ الرَّحْمَنُ یعنی اللہ  
 فرماتا ہے کہ میں اللہوں جو بادشاہ اور رحمان ہوں۔ بہر حال مختلف مفسرین  
 نے یہ مختلف معانی بیان کیے ہیں اور قرآنِ کریم اتنی مطالب و معانی کا مظہر ہے  
 امام شاہ ولی اللہ نے اپنی تین کتابوں العنود الجبیر، الخیر الکثیر اور ہوامح  
 میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طریقے  
 سے سمجھایا ہے کہ الْقُرْآن سے اُن عیوب کی طرف اشارہ ہے جو مقلد  
 عالم یعنی عالم بالا سے عالم متدلس میں آکر بنی آدم میں پائے جانے والے  
 قبائح کے ساتھ آکر ٹکراتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس مقام سے  
 فتنہ آن پاک نازل ہوتا ہے وہ خطیرۃ القہر کا مقدس جہان ہے  
 جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے اور عالم متدلس یہ مادی جہان ہے  
 جہاں ہر قسم کی آلودگی، شرور و فتن، بد عقیدگی، بد وضعی، بد اخلاقی، کفر،  
 شرک، فحاشی، الحاد اور گندگی پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ  
 ایمان، تقویٰ، نیکی اور طہارت بھی ملی جلی ہوتی ہے۔ تو عالم بالا سے  
 آنے والے علوم و معارف کا تصادم اس مادی جہان کی برائیوں سے  
 مسلل ہوتا رہتا ہے، چونکہ اس سورۃ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے  
 تو الْقُرْآن سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حق و باطل ہمیشہ ٹکراتا رہتا

امام شاہ ولی  
 کی تفسیر

ہے جس سے حق واضح ہوتا ہے اور باطل مٹتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ یہ آیات ہیں الْكِتَابِ تَفْسِيرًا لانا  
شاہ شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ الْكِتَابِ سے عظیم کتاب مراد ہے قرآن کریم  
ہی وہ عظیم کتاب ہے جو صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے اس  
کے علاوہ باقی تمام کتابیں مجازاً کتاب کہلاتی ہیں حقیقی کتاب یہی ہے یہ  
خدا تعالیٰ کے علم اور صفات کا ظہور ہے۔

امام سیوطیؒ دوسری صدی ہجری کے امام ہیں۔ ایک موقع پر استاد  
کے سامنے عبارت پڑھتے ہوئے تلفظ کی غلطی کی تو استاد صاحب نے فرمایا  
کہ تم دین کی تعلیم حاصل کرتے ہو مگر تمہارا تلفظ بھی درست نہیں امام صاحب  
یہ سن کر سخت افسردہ ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے پختہ  
ارادہ کیا کہ عربی قواعد کی تعلیم حاصل کیے بغیر آگے نہیں بڑھوں گا۔ چنانچہ  
انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ علم نحو کی تحقیق و جستجو میں گزار دیا جب آپ نے  
اس علم میں کمال حاصل کر لیا تو استاد کے پاس آئے۔ بہر حال امام صاحب  
نے علم نحو کی تحقیق میں دو ضخیم جلدوں میں الکتاب نامی کتاب بھی لکھی۔ اگرچہ  
یہ کتاب آجکل نہیں پڑھائی جاتی مگر اس سے اخذ ضرور کیا جاتا ہے اس  
کتاب کو بھی اس کی عظمت کی بنا پر الکتاب کہا جاتا ہے۔ تاہم سب سے  
عظیم الشان کتاب قرآن حکیم ہے اور اس کے متعلق یہاں ارشاد ہے کہ یہ  
الکتاب کی آیتیں ہیں۔

قرآن کریم

فرمایا یہ بڑی کتاب کی آیتیں ہیں، وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ  
رَبِّكَ الْحَقُّ اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے  
اتارا گیا ہے، وہ برحق ہے۔ حق کا معنی ثابت چیز ہوتا ہے جس میں شک  
شبه کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ قرآن پاک کو حق کہا گیا ہے۔ جس کے تمام علوم و  
معارف واقع کے مطابق ثابت ہیں اور اس میں کوئی غلط یا مشکوک چیز

شامل نہیں ہے۔ پھر اسی کتاب کے ضمن میں دین کے جو اصول شریعت اور ملت ہیں، وہ بھی بلاشبہ حق ہیں۔ وَلَٰكِن اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ مَعَكُمْ اِس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اکثریت غلط عقیدے پر ہی رہی ہے۔ لوگ صحیح عقیدے اور صحیح بات کو تسلیم کرنے کی بجائے غلطی، قومی اور ملکی رسم و رواج کے پیچھے چلتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب کے اصول و احکام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سابقہ سورتائیں بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے دین ہی رہی ہے بہر حال یہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان بھی ہو گیا۔

آسمان کی  
حقیقت

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو دلائل کے ذریعے سمجھایا ہے اور ساتھ ساتھ قیامت کو بھی برحق قرار دیا ہے۔ ہر دو مسائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ سے ہوا ہے اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جن کو تم دیکھتے ہو۔ یعنی نیگوں آسمان تمہیں صاف نظر آ رہا ہے۔ عربی میں اس کے لیے خضر یعنی سبزی مائل کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی تعریف میں فرمایا مَا اَظْلَمَتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا اَقْلَمَتِ الْعَبْرَاءُ عَلٰی ذِي لَهْجَةٍ اَصْدَقُ مِنْ اَبِي ذَرٍّ یعنی سبزی مائل آسمان اور گرد و بخار والی زمین کے درمیان حضرت ابوذر غفاریؓ سے سچا آدمی کوئی نہیں ہے۔ یہ زہد و تقویٰ میں عیسیٰ ابن مریم کے مشابہ ہیں۔ بہر حال آسمان کے لیے خضر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ اس کی زکات نیگوں ہے۔

بعض لوگ آسمان کی حقیقت کے قائل نہیں بلکہ اسے محض



حدنگاہ سے تعمیر کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آسمانی کائنات کی وضع قطع بھی زمین جیسی ہی ہے۔ دیگر آسمانی کرپوں کی طرح زمین بھی ایک کمرہ ہے اور فضا میں معلق ہے۔ تین تریں راکٹ کے ذریعے جو لوگ زمین سے بہت دور فضا میں چلے جاتے ہیں انہیں زمین بھی چاند، سورج اور دیگر سیاروں کی طرح ایک گول مہوٹل سیارہ ہی نظر آتی ہے مگر انہیں چاند روشن اور زمین تاریک نظر آتی ہے کیونکہ چاند کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں۔ بہر حال شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آسمان محض ایک حدنگاہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا ارشاد موجود ہے کہ اُس نے تمہارے لیے زمین کو فرش "وَالسَّمَاءَ بِنَاءً" اور آسمان کو چھت بنایا۔ ظاہر ہے کہ چھت ایک محسوس چیز ہوتی ہے جو دیواروں اور ستونوں پر کھڑکی کی جاتی ہے، مگر آسمان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ چھت ضرور ہے مگر بغیر دیواروں اور ستونوں کے ہے بلکہ اللہ نے اسے اپنی کمال قدرت کے سامنے کھڑا کیا ہے۔

سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ تمام آسمانی کمرے قانون کشش کے ذریعے اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں اور یہ آپس میں ٹکراتے نہیں آخر قانون کشش بھی تو خدا تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے جس نے تمام کرپوں کو مربوط بنا رکھا ہے جب تک یہ قانون موجود ہے۔ موجودہ نظام شمسی اسی طرح برقرار ہے۔ پھر جب اس قانون کو ختم کر دیا جائے گا تو سارا نظام درہم برہم ہو کر کرات آپس میں ٹکرا جائیں گے اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس دن آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر اس وقت تک یہ آسمان ایک حقیقت کے طور پر قائم ہے جس کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے

بلکہ کیا ہے جسے ہر شخص سچشم خود ملاحظہ کر رہا ہے۔  
 فرمایا اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو کھڑا کیا ثُمَّ اسْتَوَىٰ  
عَلَى الْعَرْشِ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ یہ آیت اس لحاظ سے  
 قشایات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت  
 کسی کو معلوم نہیں۔ چنانچہ مشکلمین اس کی توجیہ تین طریقوں سے کرتے ہیں  
 بعض حضرات اس کو مجازی معنوں میں لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا عرش پر  
 قائم ہونا اس طرح نہیں جس طرح ہم چارپائی یا کرسی پر بیٹھتے ہیں بلکہ اس  
 کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر خدا تعالیٰ کا کنٹرول ہے۔ عربی میں  
 کہتے ہیں اسْتَوَىٰ بِشَيْءٍ عَلَى الْغُرَاقِ مِنْ عَيْنِ دَمٍ مُّتَوَاقٍ  
 یعنی بشر عراق کا بادشاہ بن گیا بغیر خون کا قطرہ بہائے۔ تو یہاں پر استوی  
 کا معنی اقتدار حاصل ہونا ہے یعنی اُسے پورے عراق پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔  
 بعض آئمہ کرام اور سلف صالحین استوی کا حقیقی معنی امر دیتے  
 ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر ہم اُس کی کیفیت  
 سے نااہل ہیں۔ ہم خدا کے بیٹھنے کو اس طرح محمول نہیں کر سکتے۔ جس طرح  
 ہم کسی چیز پر بیٹھتے ہیں۔ ہم مادی دنیا میں رہتے ہیں، ہم جہاں بھی مقیم  
 ہوں ہمارے دائیں بائیں آگے پیچھے، اوپر نیچے جہت ہوتی ہے۔  
 اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ مادی تصورات، محسوسات اور جہت  
 سے پاک ہے۔ لہذا اُس کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت ہمارے  
 ذہن میں نہیں آسکتی۔ ہم اسی چیز پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش  
 پر مستوی ہے جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس کے  
 عرش پر بیٹھنے کی کیفیت کو متعین نہیں کر سکتے۔  
 اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اُس معاملہ کو آسان طریقے سے  
 پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ارض و سما، ملائکہ، روح اور مقام

مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ اسی طرح عرش بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عرش سے نیچے کی تمام اشیاء مخلوق میں داخل ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراہ الورد ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی تجلی جب عرش پر پڑتی ہے تو سارے عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ پھر اس تجلی کے اثرات نیچے تمام کائنات پر پڑتے ہیں اور پھر عرش کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو عرش پر پڑنے والی تجلی کو تجلی اعظم کہا جاتا ہے اور اسی تجلی کے لیے ہم اپنی زبان میں اللہ کا لفظ بولتے ہیں اسی کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ انسانی ذہن خدا تعالیٰ کی اس تجلی اعظم تک ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے جو انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حظیرہ القدس میں پہنچ جائے تو وہ تجلی اعظم کو نمایاں طور پر محسوس کر سکے گا۔ کیونکہ یہ وہاں پر براہ راست پڑ رہی ہے مگر اس مادی دنیا میں بہتے ہوئے وہاں تک رسائی ممکن نہیں، البتہ مرنے کے بعد آخرت میں جا کر انسان تجلی اعظم تک ترقی کر سکتا ہے اور اس کو واضح طور پر سمجھ سکتا ہے۔

تفسیر شمس

فرمایا اللہ عرش پر مستوی ہوا وَسَجَّ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر لیا یعنی کام میں لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل یخسب ہی لاجل مسجی ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت کے لیے چلتا ہے۔ سورج اور چاند اپنے اپنے راستے پر محو سفر ہیں سورج پچھل بارہ ماہ تک ایک ہی مدار میں چلتا ہے۔ جب کہ چاند ہر ماہ اپنا مدار تبدیل کرتا رہتا ہے۔ بہر حال اللہ نے ان کے لیے اپنی اپنی منازل مقرر کر دی ہیں جس میں وہ چلتے رہتے ہیں اور انسان

کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ سورج انسانی ضروریات کے لیے روشنی اور  
 حرارت بہم پہنچا رہا ہے اور اس کے اثرات سے اناج اور پھل پکتے  
 ہیں۔ چاند کی وہی روشنی سے پھلوں میں رس پیدا ہوتا ہے۔ سمندر کے  
 پانیوں میں مد و جزر کا عمل پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر ہواؤں پر بھی ہوتا  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورے نظام شمسی کو ایک مقررہ مدت تک کے  
 لیے جاری فرما دیا ہے۔ جب یہ نظام اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے  
 گا تو سارا نظام فوراً برجم ہو جائے گا اور پھر دوسرا نظام شروع ہو جائیگا۔  
 فرمایا اِنَّ سَآءِ اَلْاَمْرَ الَّذِیْ تَعَالٰی بِہِ مَعَالَمَہِ الْکِیْفِیَّةَ تَدْبِیْرِہِ  
 اکثر لوگ صفت دوسروں میں تسلیم کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔  
 وہ غیر اللہ کو بھی تدبیر کنندہ مانتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ  
 ہے۔ پھر فرمایا لَیْفَصِّلُ الْاٰیٰتِ اللّٰہِ تَعَالٰی آیتوں کو کھول کر بیان  
 کرتے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ اور یہ اس لیے کرتا  
 ہے۔ لَعَلَّکُمْ یَلْفَحُوْنَ اَرْبَابَہُمْ فَاَنْتُمْ تَرْجُوْنَ اَنْ تَاْتِیَہُمْ رَبُّہُمْ  
 کسی ملاقات پر یقین رکھو یہ مطلب یہ ہے کہ قیامت واقع ہوگی اور  
 مرنے کے بعد اللہ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ وہاں حساب کتاب  
 کی منزل آئیگی اور ہر ایک کو اپنے کیے کا بھگتا کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے  
 توحید کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے کہ جب خدا قادر مطلق ہے، اس نے  
 آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہے، تمام معاملات کی تدبیر کرتا  
 ہے، تو کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ اللہ تعالیٰ  
 نے اپنی آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت پر  
 ایمان لاؤ اور بعثت بعد الموت پر یقین رکھو۔

بعث بعد  
 الموت

الرعد ۱۳

آیت ۲ تا ۴

وما ابریٰ ۱۳

درس دوم ۲

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ  
 وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا  
 زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ إِنَّ فِي  
 ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲﴾ وَفِي الْأَرْضِ  
 قِطْعٌ مَّتَّجِرَاتٌ وَجَدَّتْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٍ  
 وَنَخِيلٍ صِنَوَانٍ وَغَيْرِ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ  
 وَنُفُوسٌ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ  
 لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳﴾

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پھیلا  
 ہے زمین کو اور رکھے ہیں اس میں بوجھل پہاڑ اور پانی کی نہریں  
 اور ہر قسم کے پھلوں سے بنایا ہے اس (زمین) میں جوڑا جوڑا۔  
 وہ اڑھاتا ہے رات کو دن پر۔ بیشک اس میں البتہ  
 نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۳﴾  
 اور زمین میں مختلف خطے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ  
 ملے ہوئے، اور باغات ہیں انگوڑوں کے اور کھیتیاں ہیں  
 اور کھجوریں ہیں ایک تنے سے نکلے ہوئے اور آگ آگ  
 بھی۔ ان کو سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے، اور ہضم  
 فضیلت دیتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر کھانے

میں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (۴)

سورۃ رعد میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے۔ پہلی آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا۔ اس کے بعد دلائل قدرت میں سے علویات کا ذکر ہوا اور اللہ نے آسمانوں کی تخلیق اور عرش کو بغیر ستونوں کے قائم کرنے کا ذکر کیا۔ سورج اور چاند کی تسخیر کا ذکر کر کے اللہ نے پوری کائنات پر اپنے کنٹرول اور تسلط کا اظہار فرمایا۔ ان بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت پر دلیل قائم کی اور سمجھایا کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال کی جو پہچ کرنا ہوگی۔ اب آج کے درس میں آیات سفلیہ کو توحید کی دلیل بنایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس پر پیدا کی جانے والی بڑی بڑی چیزوں کا تذکرہ کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ انسان دلائل قدرت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اللہ نے انسان کو اپنی عقل استعمال کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ جو لوگ عقل کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے یا غور و فکر نہیں کرتے ان کے لیے دلائل قدرت کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔

ربط آیات

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي مَكَدَ الْأَرْضَ وَهُوَ خَدَّاءُ تَعَالَىٰ كِي ذَاتِ هِ  
جس نے زمین کو پھیلا یا ہے۔ مد کا معنی پھیلانا یا ہموار کرنا ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِي  
کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ زمین کو سمجھانے والا وہی ہے۔ دنیا میں ایسے  
لوگ بھی موجود ہیں جو زمین کو معبود مانتے ہیں حالانکہ معبود تو وہ ذات ہے جس نے  
زمین کو انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی وضع  
ایسی بنائی ہے کہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔ زمین انسانوں  
کے پاؤں تلے روندی جاتی ہے تو یہ عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے ؟

زمین کا  
پھیلاؤ

ایسا عقیدہ رکھنا تو نہایت ہی جہالت اور بے وقوفی کی بات ہے۔  
 یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین اسی طرح پھیلی ہوئی ہے  
 جس طرح زمین پر کوئی کپڑا یا چمڑا پھیلا دیا جاتا ہے؟ مفسرین کو ہم فرماتے  
 ہیں کہ زمین کے پھیلاؤ کا یہ مطلب نہیں ہے۔ چھٹی صدی کے عظیم  
 مفسر قرآن امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین گیند کی طرح گول ہے۔ یہ  
 ایک بہت بڑا کھمبہ ہے جس کا قطر چوبیس ہزار میل ہے۔ اب ظاہر  
 ہے کہ اتنی بڑی چیز کی گولائی تو نظر نہیں آسکتی بلکہ جہاں بھی دیکھیں گے  
 یہ پھیلی ہوئی ہموار ہی نظر آئے گی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ زمین سمیت  
 تمام کیمے گول ہیں۔ البتہ ان کی جسامت میں بڑا فرق ہے۔ زمین  
 اور سورج میں ایک اور تیرہ لاکھ کی نسبت ہے یعنی سورج زمین کی  
 نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور دونوں کا درمیانی فاصلہ نو کھربوڑیس  
 لاکھ میل ہے۔ جہاں تک چاند کا حلق ہے، یہ زمین سے قدرے  
 چھوٹا ہے۔ زمین اور چاند کا درمیانی فاصلہ پونے تین لاکھ میل سے  
 سے پانچ لاکھ میل تک ہے۔ یہ تمام آسمانی کیمے ہماری زمین سے  
 دوری کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ زمین سمیت تمام  
 کیموں کو اللہ نے فضا میں معلق کر رکھا ہے جو کہ اس کی قدرتِ تامہ  
 کا شاہکار ہے۔

سلسلہ کتب

فرمایا اللہ کی ذات وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا و ج جعل  
 فیہا دار واسی واظہر اور اس زمین میں بوجھل پہاڑ اور پانی کی نہریں  
 رکھی ہیں۔ دنیا بھر میں اونچے اونچے پہاڑ پائے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و  
 ہند کی شمالی سرحد پر سلسلہ کوہ ہمالیہ تین ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے۔  
 اس میں مونٹ الورسٹ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے جو سطح سمندر سے  
 ایتیس ۲۹ ہزار فٹ بلند ہے۔ پاکستانی سرحد کے ساتھ ملنے والا کوہ قراقرم

اور بعض دو سو ہزار پانچیس ہزار فٹ بلند ہیں۔ پہاڑوں کے چھوٹے  
 بڑے سلسلے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پرانی ریاضی والے کہتے ہیں کہ  
 سطح ارضی پتیس ہزار فٹ بلند پہاڑ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک  
 گتہ لمبی کسی چیز پر جو کے ستر تھویں حصے کی کیا حیثیت ہے۔ اس طرح زمین  
 کے پھیلاؤ اور وسعت کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا پہاڑ بھی کوئی  
 حیثیت نہیں رکھتا۔ لہذا پہاڑوں کی موجودگی زمین کے پھیلاؤ پر کچھ  
 اثر انداز نہیں ہوتی۔ البتہ پہاڑی حصے کچھ اٹھ رہے ہوئے نظر آئیں گے  
 جب کہ باقی زمین ہموار ہی نظر آئے گی۔ اسی لیے زمین کے لیے صد  
 کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر حقیقت میں زمین گیند کی طرح گول  
 شکل کی ہے۔

سورۃ انبیاء میں زمین پر پہاڑ پیدا کرنے کی حکمت یہ بیان کی گئی  
 ہے اَنَّ تَمِیْدَ دَہْرٍ تَاکُمْ زَمِیْنٌ سَمْرٰتٌ اِنَّکُمْ لَیَّازِیْمٌ مُضْطَرِبٌ  
 نہ ہو مفسرین نے تَمِیْدَ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ پہلا معنی تو  
 عام فہم ہے کہ زمین پر پوچھل پہاڑ رکھ لیے ہیں تاکہ اس کا توازن قائم  
 رہے اور یہ مضطرب نہ ہو یعنی ڈولنے نہ پائے مگر شاہ ولی اللہ محدث  
 دہلوی مضطرب کو اس معنی میں لیتے ہیں کہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی  
 علاقوں کی انسانی زندگی مضطرب ہوتی کیونکہ وہ پہاڑوں سے پیدا ہونے  
 والی ضروریات زندگی سے محروم رہ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں  
 انسانی زندگی کی بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں۔ مثلاً ندی نالوں اور دریاؤں  
 کے منبع جات پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر سینکڑوں سالوں  
 سے برف پڑی ہوئی ہے جو آہستہ آہستہ پگھل کر ندی نالوں کے لیے  
 پانی ہیا کرتی ہے۔ یہ پانی دریاؤں کے ذریعے میدانوں میں پہنچتا ہے  
 اور پھر دریاؤں سے نہریں نکال کر میدانی زمین کو سیراب کیا جاتا ہے



جس سے پھل سبزیاں اور اندج پیدا ہوتا ہے۔ یہی پانی پہاڑوں کے اندر ہی اندر چلتا رہتا ہے اور کسی جگہ چشموں کی شکل میں ابل پڑتا ہے جس سے خود پہاڑی علاقوں کے انسان، جانور اور زمین سیراب ہوتی ہے پہاڑوں کی بعض چٹری بوٹیاں ہیں جو انسانی صحت کے لیے بڑی مفید ثابت ہوتی ہیں۔ تمام معدنیات مثلاً سونا، چاندی، لوہا، ایسہ، ابرق، چوننا اور پتھر پہاڑوں ہی کی پیداوار ہیں جو انسانی زندگی کے لیے نہایت مفید ہیں۔ پہاڑوں میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے درخت عمارتی اور دوسری کارآمد لکڑی مہیا کرتے ہیں، جو انسانی معاشرے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تسمید کا معنی یہ ہے پہاڑوں کی عدم موجودگی کی صورت میں انسانی زندگی مضطرب رہتی۔

وَمِنْ جَمَلِ الشَّمَرَاتِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے زمین میں ہر قسم کے پھل بھی پیدا کیے۔ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ زمین میں ان کا جوڑا جوڑا بنایا۔ زوجین کا ایک معنی نونہ اور مادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں میں نونہ اور مادہ پھل پیدا کیے ہیں۔ اور دودھ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک پھل میٹھا ہے تو دوسرا بھید کا ہے ایک شرس ہے تو دوسرا ترش ہے یا ایک اعلیٰ درجے کا ہے تو دوسرا ادنیٰ درجے کا۔ ہم روزمرہ زندگی میں ایسے پھلوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ مختلف قسم کے پھل ہیں جن کی شکلیں مختلف ہیں۔ رنگ اور ذائقہ مختلف ہیں۔ کہیں پھل کا پھل کام دیتا ہے تو کہیں میٹھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہیں ترش چیز درکار ہوتی ہے تو کہیں سیلا کام دیتا ہے گویا انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف الانواع پھل پیدا فرمائے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ يَعِشِي الْمَيْلَ الْتَهَارَ وَطَهَانِكَ

مختلف  
الانواع  
پھل

شہ روز  
کا تغیر

دیتا ہے رات کو دن پر۔ شب دروز کا آگے پیچھے آنا خود بخود نہیں  
 بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ دن کو ختم کر کے اس پر رات کو اور  
 دیتا ہے۔ گویا دن پر رات کی چادر ڈال دیتا ہے۔ سورۃ نور میں ہے  
 «يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ» اللہ تعالیٰ رات اور دن کو پلٹیاں  
 دیتا ہے۔ کہیں رات بڑھی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں  
 دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ شب و روز کا یہ نظم  
 اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی حرکات سے پیدا کیا ہے۔ سید کلیم  
 یعنی متمدن دنیا میں دن اور رات کی طوالت قریب قریب ہوتی ہے البتہ زمین کے کائنات کی طوالت  
 انتہائی شمال اور انتہائی جنوب میں دن اور رات کی طوالت میں بڑا فرق ہوتا ہے کہیں دو ماہ کی  
 رات اور دو ماہ کا دن ہوتا ہے اور کہیں دن اور رات کی طوالت چھ چھ ماہ تک ہوتی ہے مگر عموماً دن  
 و دنیا میں دن اور رات جو ہمیں گھنٹے میں مکل ہو جاتے ہیں۔ قرمیا ان فی ذلک لآیۃ  
 لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُونَ بیشک ان تمام چیزوں میں البتہ نشانیاں  
 ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر انسان اس بات  
 میں غور کرے کہ اللہ نے یہ چیزیں کیوں پیدا کی ہیں، ان میں اختلاف  
 کیوں رکھا ہے۔ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو یہ چیزیں  
 پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسان لاجمالہ اس نتیجے پہنچتا ہے کہ ان  
 تمام دلائل کو پیدا کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور یہی بات خدا تعالیٰ  
 کی وحدانیت کو باور کراتی ہے۔

آگے فرمایا وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّنْ جَبَلٍ اور زمین  
 میں مختلف خطے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ساری  
 زمین ایک جیسی نہیں بلکہ متفاوت ہے مگر ہر خطہ ایک دوسرے  
 سے علا ہوا ہے۔ کسی علاقے کی زمین سیاہ ہے، کسی کی سرخ کھی  
 کی سفید ہے اور کسی خطے کی مٹیالی، کوئی زمین سخت ہے اور کوئی نرم۔

کوئی ریتی ہے اور کوئی سچھری ملی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کے مختلف خطوں سے مختلف الانواع مٹی لے کر اُس سے آدم علیہ السلام کا مجسمہ بناؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح انسان کی تخلیق مختلف قسم کی مٹی سے ہوئی اسی طرح ان کے اخلاق بھی مختلف ہیں۔ مٹی کی طرح کوئی سخت مزاج ہے اور کوئی نرم مزاج۔ بعض کلدوالی زمین کی طرح نکمے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کے طبائع زرخیز زمین کی طرح بڑے باصلاحیت ہوتے ہیں گویا زمین کا اختلاف نوع انسانی کے اختلاف سے ملتا جلتا ہے۔ حضور کے فرمان کے مطابق تمام نسل انسانی میں مٹی کا اثر قیامت تک موجود ہے گا۔ بعض انسان پاکیزہ اخلاق ہوں گے اور بعض خبیث طینت، اسی طرح بعض لوگ خوش اخلاق ہوں گے اور بعض بد اخلاق۔ یہ تو اس زمین کا اثر ہے اور اس دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ قیامت کے بعد جب نئی زمین پیدا ہوگی تو وہ میرے یا چاندی کی مانند سفید ہوگی اور اس کے کسی حصے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ ساری زمین یکساں نوعیت کی ہوگی۔

اس زمین کے مختلف الانواع ہونے میں یہ حکمت بھی ہے کہ ہر حصے سے مختلف قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کہیں سے پیٹرول نکل رہا ہے تو کہیں گے کوئلہ اور لوہا برآمد ہو رہا ہے۔ کہیں مرمر کا پتھر پایا جاتا ہے تو کہیں سمنٹ اور چونا ملتا ہے۔ کہیں سونا چاندی ہے اور کہیں جواہرات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی ضروریات کی ہیں اور ایک حصے کی چیزیں دوسرے حصے کے بھی کام آتی ہیں اگر ساری زمین ایک سی ہوتی تو ایسی مختلف ضروریات زندگی کی تکمیل کیسے ممکن ہوتی؟

فرمایا اللہ نے زمین میں مختلف خطے پیدا کیے ہیں وَجَدْتُمْ مِّنْ  
 اَعْنَابٍ اور انگوروں کے باغات بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں بِمَنْجَلٍ  
 کھجور، انار کے آم اور انگور بھی بستی پھیل ہے۔ وَزَّرَعْنَاهُ اور اللہ  
 نے کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں، جن میں اناج، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی  
 ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے لازمی ہیں۔ وَخَجِيزٍ اور اللہ  
 نے کھجوریں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ کھجور کا درخت بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے  
 اس کی سینکڑوں قسمیں ہیں جن کے مختلف ذائقے ہیں۔ ان کی  
 شکلیں اور جسامت بھی مختلف ہے۔ کوئی لمبی ہے اور چھوٹی، کوئی  
 سیاہ ہے اور کوئی سُرخ، کوئی گھٹلی والی اور کوئی بغیر گھٹلی کے، کوئی  
 جلدی استعمال کرنے والی ہوتی ہے اور کوئی لمبے عرصہ تک کار آمد  
 رہتی ہے۔ کھجور کے درخت بھی کوئی چھوٹے ہوتے ہیں اور کوئی  
 بہت لمبے۔ بعض درخت صدیوں تک قائم رہتے ہیں اور پھل بھی  
 دیتے رہتے ہیں۔ جب تک اس کی بعض اقسام کم عمر بھی ہوتی ہیں۔  
 حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کھجور کے درخت کو مومن انسان  
 کے ساتھ بہت حد تک مشابہت ہے۔ جس طرح مومن ہمیشہ سربلند  
 رہتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی سدا بہار ہے۔ جس طرح اس  
 درخت سے لوگ ہر وقت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح مومن کے  
 اعمال و اخلاق بھی انسانوں کے کام آتے ہیں کیونکہ مومن کا دل نورانی  
 سے منور اور اس کا عقیدہ پاک ہوتا ہے۔ جس طرح کھجور کا درخت  
 اوپر کی طرف فصائیں پھیلتا ہے اسی طرح مومن کے اعمال و اخلاق  
 بھی پھیلتے ہیں۔ جس طرح کھجور کے درخت کی چوٹی بہت بلند ہوتی  
 ہے، اسی طرح مومن کے اخلاق بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔  
 اللہ نے کھجور کے درخت کے تذکرے میں فرمایا

صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ کہ بعض درخت ایک جڑ سے دو تنے والے ہوتے ہیں جب کہ بعض کا ایک جڑ پر ایک ہی تنا ہوتا ہے اس قسم کے درخت کھجور کے بھی ہوتے ہیں اور بعض دوسرے بھی۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی حضرت عباسؓ سے کسی بات پر تلخ کلامی ہو گئی حضورؐ کو پتہ چلا تو فرمایا اے عمرؓ! کیا تم نہیں جانتے اِنَّمَا الْعَمَلُ صِنَوَانٌ کہ چچا باپ کی شاخ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی درخت کی ایک جڑ سے دو تنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک داد کی اولاد میں باپ اور چچا دو تنے یا دو شاخیں ہوتی ہیں۔ فرمایا عباسؓ میرے چچا اور واجب الاحترام ہیں۔ یاد ہے کہ حضور علیہ السلام کے چار چچا تھے جنہوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ ان میں سے حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ نور ایمان سے مشرف ہوئے جب کہ ابو لہب اور ابوطالب کفر پر ہی گئے۔ البتہ ابو لہب حضورؐ کا سوت و دشمن جب کہ ابوطالب آپ کا ہمدرد تھا۔ اُس کے ایمان نہ لانے کا حضورؐ کو بڑا افسوس تھا مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔ میں بہتر جانتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں فرمایا مختلف قسم کے درخت ہونے میں اَلْشَّجَرَةُ بَصَائِدٌ وَوَاحِدٌ جنہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ وَكَفَضَّلَ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْاَكْلِ اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر کھانے میں۔ بعض نہایت ہی خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض پھیکے، ترش یا بد ذائقہ حالانکہ پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے۔ امام رازیؒ، امام ابو بکر حباصؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نیچریوں کا رویہ ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہر کام نیچر کے تحت خود بخود ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک ہی کیفیت میں ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والا کوئی خرپوزہ میٹھا اور کوئی پھیکا نہ ہوتا بلکہ فطرت

کے قانون کے مطابق سب کارنگ اور ذائقہ ایک ہی ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پھلوں کو پیدا کرنے یا نیکر کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ کا شاہکار ہے جس نے بعض درختوں اور پھلوں کو بعض دوسروں پر فضیلت بخشی ہے۔

فَرَأَيْتَ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ  
 بیشک ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ زمین کے مختلف خطے، باغات، کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت انسانی قدرت میں سے ہیں فَبِئْسَ كَلِمَةً  
 ذَلِيلٌ أَنَّهُ وَاحِدٌ إِنَّ فِي سَائِرِ شَيْءٍ مِّنْ دُونِ  
 ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔ مگر یہ دلائل ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جو صاحب عقل ہیں۔ اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل کو استعمال نہیں کرتے۔ "الصُّمُّ الْبُكْمُ  
 الذُّبُنُ لَا يَعْقِلُونَ" (انفال) یہ ہرے، گونگے اور بے عقل ہیں۔ نیز فرمایا "أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" یہ تو جانوروں سے بھی بہتر ہیں۔ ان کو دلائل قدرت نظر آتے ہیں مگر یہ فلاح نہیں پائیں گے۔

وما ابرئى ۱۳

الرعد ۱۳

رس سوم ۳

آیت ۵ تا ۷

وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلِهِمْ إِذْ كُنَّا تُرْبَاءَ إِنَّا  
 لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ  
 الْأَغْلَامُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ  
 فِيهَا خَالِدُونَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ  
 الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ  
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ  
 وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُولُ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا كَوْلًا نَزَلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا  
 أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

ترجمہ

ترجمہ :- اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کی بات  
 زیادہ قابل تعجب ہے (جب کہ وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم  
 مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔  
 یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ، اور یہی  
 لوگ ہیں کہ طوق ہونگے اسی گردنوں میں، اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے  
 جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ⑤ اور آپ سے جلدی طلب  
 کرتے ہیں یہ بُرائی کو بھلائی سے پہلے۔ اور تحقیق گزر چکی ہے  
 اس سے پہلے مثالیں (عذاب کی)۔ اور بیشک تیرا پروردگار

البتہ بخش کر نیوالا ہے لوگوں کیلئے باوجود اُن کی زیادتی کے اور بیشک تیرا پروردگار البتہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۶﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اس کے پروردگار کی طرف سے۔ بیشک آپ ﷺ نے سنانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ہادی ہوا کرتے ہیں ﴿۷﴾

ربط آیات

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ پر مشتمل بعض دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔ زمین اور اس میں پیدا ہونے والے مختلف قسم کے درختوں اور پھولوں کا ذکر فرمایا۔ سائے ایک پانی سے سیراب ہونے والے پھولوں کے ذائقے اور رنگ مختلف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کام ہے۔ فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں۔ جو ایسا نہیں کہتے ان کو یہ واضح دلائل بھی کچھ مفید نہیں ہوتے، وہ اپنی جہالت اور نادانی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ کافروں کی ضد اور ہٹ دھرمی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی بھی دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ تَعَجَّبَ اَلْاٰرَءَآءُ اَلْاٰسَافِیْنَ اگر آپ تعجب کریں اس بات پر کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید، بعد الموت اور محاسبہ اعمال پر ایمان کیوں نہیں لاتے فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ تو ان کی یہ بات زیادہ تعجب انگیز ہے عَرَا اِذَا كُنَّا تُرَابًا کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے ہمارے اجسام ذرات بن کر خاک میں مل جائیں گے عَرَا اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ تو کیا ہم نئے سے نئے سے پیدا ہوں گے؟ کفار کی یہ منطقی سورۃ السم سجدة میں اس طرح بیان ہوئی ہے عَرَا اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ جب ہمارے اجزاء زمین میں رُل مل جائیں گے تو کیا ہم پھر سے دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ سورۃ

قیامت  
کا انکار



الذَّارِعَاتِ مِيس كَفَار كَابِه بِيَان بِيْهِي نَذ كُور هِي "عَرَاذَا كُنَّا عَظْمًا مَّا نَحْرَةَ"  
 كِيَا جِب هِي بُو سِيْدَه بِيْاِيَا هُو جَابِيْس كِي تُو بِيْر زِنْدَه هُو جَابِيْس كِي؟ كُو يَا  
 اُن كُو كُوِي كَا بَعْدِ لِمُوْتِ پَر لِيْقِيْن نِيْسِي تَحَا۔ اللّٰهُ نِي فرَمَا اِن كَا  
 اِن كَار نِهَابِيْت هِي تَعْجِب اِن كِيْز اُو ر اِن فُوْنَا ك هِي۔ جُوِب اللّٰهُ تَعَالَى نِي  
 اِس عَظِيْم كَا سُؤْلَات كُو بَعِيْر مَادِي، سَابِقَه مَنُوْنِي اُو ر آسِي كِي پِيَا فرَمَا يَا  
 تُو اِن سَان جِيْلِي جِيْوِي تُو يِيْز كُو دُو بَارَه پِيَا كِه نَا اِس كِي لِي كُوْن سِي —  
 مِشْكَل بَا ت سِي وَه تُو پِيْلِي عِيَانَا ك

كُو پِيَا كِه چِكَا هِي، تُو اِب اِس كُو دُو بَارَه كِيُوِي نِيْسِي كُحْمَرَا كِه سَكِي كَا؟  
 بِيْر حَال وَه كُو كِي قِيَامِيْت كِي وَقُوْع اُو ر دُو بَارَه زِنْدَكِي پَر تَعْجِب كَر تِي تَحِي  
 كَفَار كِي دُو سَرِي تَعْجِب اِن كِيْز بَا ت يِي مَعْنَى كِه وَه كِيْتِي تَحِي "اَجْعَلْ  
 اِلٰهَةً اِلٰهًا وَاَحَدًا مِيس اِلٰهًا هٰذَا كُنْشِي عَرَجَاب"  
 (ص) كِيَا تَمَام مَجْبُو دُوِي كُو كُحْمُوْر كُر صُرْف اِي ك مَجْبُو د كِي پُو جَا كِي جَا تِي،  
 يِي تُو بِيْوِي عَجِيْب بَا ت سِي۔ هَارِي آبَا وَا جِبَاد نِي سِر كَام كِي لِي كِي  
 عِيْلِيْدَه عِيْلِيْدَه مَجْبُو دِنَا كِي كِي هِي جُو پِيْنِي اِنِي دَا ئِرَه اِخْتِيَارِي مِيس كُو كُوِي كِي بِيْر كِي  
 بِنَاتِي هِي، اِن كِي حَا جَرِيْت رُو اِنِي اُو ر مِشْكَل كُتَا ئِي كَر تِي هِي، مَجْبُو لَاتِي  
 سَارِي كَام صُرْف اِي ك مَجْبُو دِي كِي سِي اِن جَام دِي سَكِيْتِي هِي۔ يِي تُو نَا مَمْلُوْن  
 بَا ت نَظَرَا تِي اِي هِي۔ اللّٰهُ نِي اِن كِي دُو نُوِي بَا تُوِي كِي نَفْخِي فرَمَا ئِي هِي  
 اِس كِي قُدْرَتِي مِيس وَقُوْع قِيَامِيْت اُو ر مَحْسَبِيْدَه اِعْمَال بِيْوِي هِي اُو ر  
 كَا سُؤْلَات كِي تَمَام اُمُوْر اللّٰهُ وَهْدَه لَا شَرِي ك هِي اِن جَام دِي سِي پَر قَادِر هِي  
 اُو ر اِس كَا كُو ئِي شَرِي ك نِيْسِي۔

مَسْئَلَتِي  
 سَنَا

فرَمَا اُو لِيْلِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يِي وَه كُو كِي هِي  
 جِيْنُوِي نِي اِنِي پَر دُر دِكَا۔ كَا اِن كَار كِيَا، اِس كِي قُدْرَتِي كَا لِيْقِيْن نِي كِيَا اُو ر  
 اِس كِي صِفَتِي هِي كُوْنَه سَبِيْحَانَا۔ وَه كِيْتِي تَحِي كِه مَرْنِي كِي بَعْد كُوْن زِنْدَه هُو كَا

مگر اللہ نے فرمایا سَبَّحِ لِلّٰہِ وَعُدَّ عَلَیْہِ حَقًّا (النحل) ہمارا  
 وعدہ بالکل سچ ہے اور ہم ایسا ضرور کریں گے مگر افسوس کہ آخر لوگ  
 نادانی میں ٹپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی سزا بھی سن لیں وَأُولَئِکَ  
 الْأَعْدَالُ فَمَنْ أَعْنَاقِہُمْ قِیَامَتِہِ وَاللّٰہُ بِذُنُوبِہِمْ  
 شَہِیدٌ طوق ہوں گے جو کہ ذلت کی نشانی ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں  
 باطل کو سینے سے لگائے رکھا۔ قیامت والے دن یہی چیز ان کے  
 گلے کا طوق بن جائے گی۔ سورۃ لیس میں ہے إِنَّآ جَعَلْنَا فِیْ  
 أَعْنَاقِہُمْ أَغْلَالًا فِہِی الْکَلْبُ الْأَذْقَانُ فِہِمْ مَثَقُولٌ  
 ان کے گلے میں طوق ہوں گے جن کی وجہ سے ان کی گردنیں اوپر  
 کواٹھی ہوں گی۔ اور پھر مجرموں کو کھینچنے کے لیے بڑھی بڑھی زنجیریں  
 ہوں گی سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ میں ہے فَمِنْ سِلْسِلَۃٍ ذُرْعُہَا  
 مَبْعُودٌ ذِرَاعًا تَمْتَرُ تَرَکْرِبُہَا زَجْجِرٌ ہونچی جن سے باندھ کر دوزخ  
 میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص خواب  
 میں بیری یا تھکڑی لگی دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص دین میں  
 نسبتاً قدم ہے اور یہ اس کے حق میں اچھی علامت ہے۔ اور اگر  
 کوئی گدڑی یا کتا پڑا ہوا دیکھے تو یہ ذلت کی نشانی ہے۔ غرضیکہ  
 مشرکین کی شرک کی باتیں۔ باطل رسم و رواج اور کفریہ کلمات ہی قیامت  
 کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائیں گے۔ بخیل کے متعلق بھی  
 سورۃ آل عمران میں آتے ہیں سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِہِ  
 بخیل کی وجہ سے ان کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ  
 بن کر نخیل کو ڈسے گا۔ کیونکہ اس نے دنیا میں مال کا حق ادا نہیں کیا۔  
 زکوٰۃ نہیں دی یا معاشرے کے کمزور لوگوں کا خیال نہیں رکھا۔ فرمایا

وَأَوْلَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هِيَ لَأُولَٰئِكَ دُونَ مَا كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۚ وَأُولَٰئِكَ يَخْلَفُ الَّذِينَ يَأْتُونَكَ بِهِ مِمَّنَّ لَا تُؤْتِيهِمْ حِصَّةً وَلَا عِلْمًا ۚ ذَٰلِكُمْ جَزَاءُ الْفٰسِقِينَ ۖ

انجام کو پہنچ جائیں گے ہُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہوگی کیونکہ کفر اور شرک کی سزا دائمی ہے۔ البتہ اعمال کی خرابی کی سزا وقتی ہوگی جو کہ تطہیر قلب کے لیے دی جائے گی۔

مصلاتی  
سے پہلے  
برائی

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور کفرین کی ایک اور خرابی کا ذکر فرمایا ہے وَاسْتَعْجِلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكُمْ كُفْرًا وَلَا يُؤْتِيهِمْ فِيهَا فَتًى ۚ وَتُجْرَبُونَ فِي نَارٍ ذَاتِ آلَافِ مَسْجِدٍ ۚ

آپ سے مصلاتی سے پہلے برائی کو چاہتے ہیں۔ مصلاتی تو ایمان قبول کرنے اور نیکی اختیار کرنے سے آتی ہے مگر یہ تو انہوں نے کیا نہیں وہ اپنے کفر اور شرک پر اڑے ہوئے ہیں اور خود اپنی زبان سے عذاب طلب کرتے ہیں۔ سورۃ انفال میں ان کا یہ بیان موجود ہے "اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ أَوِ اثْبِتْنَا بِعَذَابِ إِلَيْهِمْ" اے اللہ! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائے یا کوئی اور دردناک عذاب نازل کر دے سورۃ سبأ اسرائیل میں ہے "أَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْكَ إِنَّا كَسَفْنَا بِهَذَا السَّمَاءَ كَاسْفِ الْهَبْلِ ۚ إِنَّهُمْ لَكٰفِرُونَ" اور ہم تو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنے بے وقوف لوگ ہیں جو اپنے مومنوں سے سزا کے طالب ہیں اور جب یہ سزا آجاتی ہے تو پھر ٹالی نہیں جاتی۔ فرمایا وَقَدْ خَلَقْتُمْ مِنْ قَبْلِهِم مَّثَلًا ۚ وَرَأَوْا آيَاتِنَا وَلٰكِنْ كَانُوا أَكْثَرَ أَفْوَاجًا ۚ وَكَانُوا أَكْثَرَ سَعَةً ۚ فَصَلِّ لِمَنْ عَادَى مِنَ الْأَعْدَاءِ لِلَّذِينَ عَادَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُو۟لَٰئِكَ سَيُعَذِّبُ اللَّهُ النَّاسَ فِي آيَاتِهِ وَلَٰكِنْ لَا يَشَاءُ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ لِكُلِّ فِتْنَةٍ مَّثَلًا ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَيُجْزَوْنَ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۖ ذَوَاتِ الْأَعْنَاقِ وَالْوَجَاهِ لِيُصَلُّوا عَلَيْهِمْ ذُرًى عَظِيمًا ۚ

کی مثالیں گن رہی ہیں۔ اللہ نے نافرمانوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا مگر یہ لوگ ان مثالوں کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں

کرتے بلکہ کفر و شرک پر اصرار کر کے ویسی ہی منزلوں کا دوبارہ مطالبہ کر رہے ہیں جو کہ سخت نادانی کی بات ہے۔

فَرَمَا قَرَأَ رَبُّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلِيمٍ  
ظَلَمَ هُمْ شَيْكًا تِيْرًا بِرُؤْيَا رَابِعًا رَابِعًا رَابِعًا رَابِعًا  
کے لیے باوجود ان کے ظلم اور زیادتی کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
بخشش کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی پر فوری  
گرفت نہیں کرتا بلکہ حمت دیتا ہے اور دوسری یہ کہ جو شخص اپنے  
عقیدے اور فکرم کو پاک کر لیتا ہے اُس کے لیے بخشش کا ذریعہ  
پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سَبَّحْتَ عِبَادِي عَنِّي  
أَفِيءُ أَنَا الْعَفْوُ الرَّحِيمُ هُوَ وَإِنَّ عَذَابِي لَهَوَّ الْعَذَابِ  
الْأَلِيمُ" (انجیر، میرے بندوں کو مطلع کرو کہ میں بخشش کرنے والا اور  
مہربان ہوں، اور میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ایک  
طرف تو تیرا رب زیادتی کرنے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے والا ہے  
اور دوسری طرف وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ خدا تعالیٰ سخت  
سزائینے والا بھی ہے۔ انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات  
کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کسی کو حمت ملے تو اُسے معذور نہیں ہونا چاہیے  
کیونکہ خدا تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ حضرت سعید ابن مسیبؓ  
کی روایت میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی معافی اور درگزر نہ ہو آ تو انسانوں  
کے لیے زندگی قطعی خوشحکوار نہ ہوتی بلکہ نہایت تلخ ہوتی۔ فرمایا اگر خدا کی  
گرفت نہ ہوتی تو لوگ بھروسہ کر کے ہی بیٹھ جاتے، گویا معافی اور سزا کا  
قانون ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔  
الْإِيمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ، یعنی انسان کا ایمان خوف  
اور امید کے درمیان ہے۔ انسان کو اللہ کی پکار کا ڈر بھی ہو اور اس

معافی اور  
سزا

کی بخشش کی امید تھی۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ ایک بزرگ ابو حسان حسن ابن عثمان نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ایک آدمی کی سفارش فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اَلَمْ يَكْفِكَ كَمَا يَأْتِي فِي سُورَةِ اَعْرَافِ كَيْ يَرِي آيَةً كَافِيَةً مِنْ هَيْئِكَ وَرَبِّكَ لَذُو مَعْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظَلْمِهِمْ یعنی تیرا پروردگار لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود بخشنے والا ہے۔ بشرطیکہ تم پاک ہو۔

مفسر  
کا  
نشان

کفار کی ہڈی دھری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا

وَكَيْفَ قَوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَوَلَّمَا نَزَلَ عَلَيْكَ آيَةٌ مِنْ رَبِّكَ كَافِرًا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ اِنَّ رَبَّنَا لَشَانِي مِنْ رَبِّكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ اِنَّ رَبَّنَا لَشَانِي مِنْ رَبِّكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ اِنَّ رَبَّنَا لَشَانِي مِنْ رَبِّكَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ

کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پیغمبر پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر خود اپنے منہ سے طلب کرتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر بے شمار نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں مگر ضدی لوگ محض اپنی من مانی نشانی پر اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سچے میں باغ لگ جائیں، ان میں نہریں جاری ہوں آپ سیر بھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے سامنے کتاب لائیں فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں یا خدا خود سامنے آکر کھڑا ہو جائے (العیاذ باللہ) کوئی منصف مزاج آدمی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ ایسی جاہل قوم تھی کہ من مرئی کی نشانی پانے کے باوجود انکار کر دیتے تھے۔ انہوں نے شوقِ القہر کا معجزہ خود طلب کیا، مگر جب ظاہر ہو گیا تو کہنے لگے دِرْحَمٌ مُسْتَمْعَةٌ یہ تو جلتا ہوا جادو ہے یعنی مجھ نے جادو کر دیا ہے۔ تو فرمایا کافر کہتے ہیں کہ نبی پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ اس کے جواب میں

اللہ نے فرمایا کہ تثنیوں کا ظاہر کہنا نبی کا کام نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا کام ہے، وہ جب چاہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر کرے کوئی نبی اپنی مرضی سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا۔

اللہ نے فرمایا، اے نبی علیہ السلام! اِنَّكَ اَنْتَ مُنْذِرٌ  
 آپ تو ڈرسانے والے ہیں۔ آپ لوگوں کو شدید محاسبے اور عذاب سے  
 ڈرائیں کہ آگے ایک منزل آنے والی ہے، اس کے لیے تیاری کریں  
 ہر نبی کو اللہ نے مبشر اور منذر بنا کر بھیجا ہے "وَسُلَّامًا مَّبَشِّرًا  
 وَمُنْذِرًا" (النساء) انبیاء کے علاوہ ان کے پیروکار بھی منذر  
 ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھی اہل حق ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو کفر، شرک،  
 اور معاصی کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا آپ تو ڈرسانے  
 والے ہیں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ہر قوم کا ہادی ہوتا ہے۔ یہ  
 سنت اللہ ہمیشہ جاری رہی ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں  
 اللہ نے اپنے آخری نبی کو بھی ہادی بنا کر بھیجا ہے آپ کا کام ہدایت  
 کا راستہ دکھانا اور ڈرسانا ہے۔ لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنا آپ کے  
 فرائض میں شامل نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سابقہ انبیاء خاص  
 خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے  
 متعلق فرمایا "وَمَرْسُولًا اِلَيْهِ اَسْمٰى اَمِّيْنٌ" (آل عمران) یعنی آپ  
 کو نبی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو  
 تمام اقوام عالم کی طرف نبوت عامہ عطا کی گئی۔ آپ ہر قوم کے ہادی اور  
 رہنما ہیں سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
 رَاتِي رَسُولَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا" اے نبی علیہ السلام! آپ  
 کہہ دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں آپ کے علاوہ  
 اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت عامہ سے سرفراز فرمایا

ہر قوم کے  
 لیے ہادی

”إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا“ (البقرہ) حضور علیہ السلام تمام قوموں کی طرف رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا کُفِّتُ اِلَکَ الْاَسْوَدَ وَالْاَحْمَرَ مجھے تمام کانے اور سُرخ لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اس میں ہر قوم اور ہر ملک چین، جاپان، روس، امریکہ، افریقہ اور ایشیائی ممالک شامل ہیں۔ سورۃ النعام میں ہے کہ آپ کو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے ”لَتُنذِرَ اُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا“ تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و پیش کے لوگوں کو ڈرائیں۔ اور فرمایا یہ قرآن آپ کی طرف اس لیے نازل کیا گیا ہے ”لَا نُنذِرَکُمْ بِہِ وَ مَنَ وَ مَنَ“ تاکہ آپ ان کو بھی ڈرائیں اور ان کو بھی جہاں تک یہ قرآن پہنچے۔ تمام جہان والے آپ کے مخاطب ہیں۔ آپ کو تسلیم کیے بغیر کسی کے لیے ہدایت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ بہر حال اللہ نے ہر قوم کے لیے راہ دی بھیجے۔

وما آبرئى ۱۳

الرعد ۱۳

درس چہارم ۴

آیت ۸ تا ۱۱

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ  
 الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ⑧  
 عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَاءٌ  
 مِنْكُمْ مَنِ اسْرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ  
 هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهُ  
 مَعْقِبَاتٌ مِنْ أَيْمَنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ  
 يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ  
 حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ  
 سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ  
 مِنْ وَّالٍ ⑪

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ وہ ہے جو جانتا ہے وہ جو اٹھاتی  
 ہے ہر مادہ اور جو سکتے ہیں رحم اور جو بڑھتے ہیں۔ اور  
 ہر چیز اُس کے نزدیک ایک خاص اندازے کے مطابق  
 ہے ⑧ وہ جانتے والا ہے پوشیدہ باتوں کا اور ظاہری  
 باتوں کا۔ وہ بڑا ہے اور سب سے بڑتر ہے ⑨ برابر  
 ہے تم میں سے جو پوشیدہ بات کرتا ہے اور جو پکار کر  
 کرتا ہے وہ بات۔ اور وہ جو چھپنے والا ہے رات



کے وقت اور جو چلنے والا ہے دن کے وقت ⑩ اُس کیلئے آگے پیچھے آنوالے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اسی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں تبدیل کرتا کسی قوم کی حالت یہاں تک کہ وہ تبدیل کریں جو کچھ اُنکے نفس میں ہے۔ اور جب ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا، پس نہیں کوئی اُس کو پھیرنے والا، اور نہیں ہے اُن کے لیے اُس کے سوا کوئی کارساز ⑪

رابط آیات

جیسا کہ سورۃ ہذا کے تعارف میں بیان ہو چکا ہے، اس میں بنیادی حقائق ہی کا ذکر ہے۔ اللہ نے ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کرنے کے بعد توحید کے دلائل ذکر کیے۔ ان دلائل میں سے بعض کا تعلق عالم بالاست اور بعض کا عالم زیریں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا گیا ہے اور درمیان میں حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر بھی آچکا ہے اب آج کے درس میں بھی توحید ہی کے دلائل بیان کیے گئے ہیں جن پر غور کر کے انسان مسئلہ توحید کو پہچان سکتا ہے اور اپنے ایمان کو درست کر سکتا ہے۔

شکم مادر میں  
بچے کی کیفیت

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ اٹھاتی ہے ہر مادہ۔ مادہ سے مراد عورت بھی ہو سکتی ہے اور ہر جانور کی مادہ بھی جس کے رحم میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْوَحْشِ وہی جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ مطلب یہ کہ پیدا ہونے والے بچے کی تفصیلات سے نہ تو بچے کی ماں واقف ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص جانتا ہے بلکہ اس کی اصل کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ موجودہ میڈیکل سائنس اس حد تک تو ترقی کر چکی ہے کہ یہ بتا سکے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ پیدا

ہونے والا بچہ تمام الخلق ہے ہو گا یا ناقص الخلق اس کا رنگ کالا ہو گا یا  
گورا۔ یہ بڑا ہو کر سعادت مند ہو گا یا شقی۔  
یہ کس وقت پیدا ہو گا، اس کی عمر کتنی ہو گی، دولت مند ہو گا یا مخلس تعلیم  
ہو گا یا نہیں۔ فرمایا ان تمام چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے جو خالق اور مالک  
اور ہی اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

فَرِيَا وَمَا تَعِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَنَزَّادُ رَحْمَ مَادِرِ كَسَ سَكْرَانِي  
اور پھیلنے کو بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ رحم میں موجود مادے کی مقدار کبھی کم  
ہوتی ہے اور کبھی زیادہ۔ اس کی مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ  
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ہر چیز اس کے نزدیک ایک ازانہ  
کے مطابق ہوتی ہے۔ بعض اوقات رحم میں صرف ایک بچہ ہوتا ہے  
جب کہ بعض اوقات دو یا زیادہ بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات رحم  
بالکل خالی ہوتا ہے۔ عام طور پر صحت مند بچے کے لیے مدتِ حمل نو ماہ  
ہوتی ہے مگر بعض اوقات بچہ چھ ماہ پر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض حمل  
قبل از وقت بھی لہ جاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ بچہ رحم  
مادر میں مدتِ حمل نہیں پوری کر سکا۔ بعض اوقات مدتِ  
حمل نو ماہ سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ تجربات کی بناء پر فرماتے ہیں کہ  
مدتِ حمل کے چار سال تک طویل ہونے کے شواہد بھی ملے ہیں  
امام شافعیؒ بھی زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل چار سال تک بتاتے ہیں جب  
کہ امام مالکؒ پانچ سال تک کے قائل ہیں۔ امام صحاکؒ تین یا چار سال تک  
شیخہ مادر میں رہنے اور پیدائش کے وقت ان کے دانستے بھی نکلے ہوئے  
تھے۔ بہر حال مدتِ حمل کے کم و بیش ہونے کی حکمت کو بھی اللہ ہی

بہتر جانتا ہے۔  
 یہی بات کہ ایک عورت کے ہاں بیک محل کتنے بچے پیدا ہو سکتے ہیں اس  
 کی کوئی انتہا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بیک وقت چار بچے ہو سکتے  
 ہیں اور بعض چھ یا زیادہ کی تعداد بھی متعین کرتے ہیں، تاہم تجربات اس  
 سے زیادہ کے بھی ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں ہندوستان میں قاضی  
 قدوہ گزرے ہیں۔ ان کے متعلق قاضی شہار اللہ پانی پتی تفسیر منظری میں  
 انکشاف کرتے ہیں کہ ان کی بیوی کے ہاں ایک محل میں سو بچے پیدا ہوئے  
 اللہ کی قدرت وہ سارے کے سارے اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے  
 اور حسب معمول مختلف کام کاج کرتے رہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ  
 کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے  
 غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ شکم مادر کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے، اور  
 اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ ہے۔

عالم الغیب  
 والشہادۃ

آگے ارشاد ہے عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهِيَ اللَّهُ لَا يُشْرِكُ  
 اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔  
 وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ (یونس)  
 کائنات میں ذرے کے برابر بھی کوئی چیز تیرے رب سے غائب  
 نہیں ہے۔ اس کی نظر تو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر  
 چیز پر ہے۔ مگر یہاں پر غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کی  
 نسبت سے غائب ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔  
 بعض چیزیں بلا شک کی نسبت سے بھی غائب ہیں اور بعض ان کے سامنے  
 ہیں۔ بعض چیزوں کا احساس انسان کو جو اس کے ذریعے ہوتا ہے اور  
 اور بعض چیزیں۔ دراء المحسوسات ہیں یعنی وہ عقل و حواس سے باہر ہیں۔

تو بہر حال وہ تمام چیزیں جو انسانوں کی نسبت سے غائب ہیں اور جو چیزیں سامنے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ عالم الغیب و الشہادۃ کا یہی معنی ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات الکیبیر ہے یعنی وہ بہت بڑی ہستی ہے۔ اس کی وسعت کو کوئی نہیں جان سکتا اور نہ کوئی اس کے علم اور قدرت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ المتعالی یعنی بہت بلند و برتر ہے۔ اس کو ہر قسم کا تصرف حاصل ہے۔ وہ ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے، وہ قدرت نامہ اور حکمت بالغہ کا مالک ہے، لہذا جو چاہے سو کرے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

فرمایا سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَ الْقَوْلِ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ جو کوئی تم میں سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کرتا ہے یا ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے سب برابر ہے۔ وہ ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہے وہ تَوَعَّلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے جو سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بھی برابر ہے وَمَنْ هُوَ مَسْتَحْفٍ بِاللَّيْلِ جورات کے وقت چھپنے والا ہے۔ بعض لوگوں کا کاروبار رات کے وقت شروع ہوتا ہے چور اور بدکار لوگ اپنا کام رات کے وقت انجام دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ سکیں۔ یہ رات کے وقت چھپنے والے لوگ ہیں وَسَادٍ بِالنَّهَارِ اور دن کے وقت چلنے والے بھی اللہ کے ہاں برابر ہیں جو لوگ دن کے وقت کاروبار کرتے ہیں۔ گلی کو چوں اور بازاروں میں ٹھومتے پھرتے ہیں، اوہ بھی اللہ کے علم میں ہیں۔ گویا اس کی نظروں سے رات اور دن میں کوئی بھی غائب نہیں، اوہ سب کو جانتا ہے۔ انسان کسی بھی

حالت میں ہوں، اللہ کے نزدیک برابر نہیں۔ وہ ان پر نظر رکھتا ہے اور ان کا ضرور محاسبہ کرے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور خصوصیت ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَآ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ  
وَأَمِّنٌ خَلْفَهُ ہر شخص کے لیے آگے پیچھے آنے والے مقرر ہیں، اُس کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ اس سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں جو اُس نے ہر آدمی کے لیے بطور نگران مقرر کر رکھے ہیں۔

يَحْفَظُونَكَ مِمَّنْ أَمِنَ اللَّهُ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُس شخص کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی دو طرح کی حفاظت کا انتظام کر رکھتا ہے۔ ایک تو ہر شخص کے اعمال کی حفاظت کا کام ہے اور اس کے لیے اللہ نے کرامات کا تین دو فرشتے لگا رکھے ہیں۔ دائیں طرف والا ایک اعمال لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بُرے اعمال محفوظ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سورۃ ق میں موجود ہے "مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" جو بھی کلمہ انسان کی زبان سے اچھا یا بُرا نکلتا ہے، فرشتے فوراً لکھ لیتے ہیں۔ یہ فرشتے دن اور رات کے لیے الگ ہوتے ہیں۔ دن کے فرشتے عصر کے وقت تبدیل ہو جاتے ہیں اور رات کے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جاتے ہیں اور ان کی جگہ دن کے فرشتے ڈیوٹی سنبھال لیتے ہیں۔ اسی لیے عصر اور فجر کی دو نمازیں بڑی اہم ہیں کہ ان اوقات میں فرشتے ہر انسان کے متعلق رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ بہر حال یہ سلسلہ انسان کے ساتھ عمر بھر قائم رہتا ہے، پھر جب وہ فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا سبکل نامہ اعمال اُس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے جو قیامت کے دن کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اسی طرح گویا ہر انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ محفوظ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر عمل کو احاطہ تحریر میں لانے کے

اللہ کا  
حفاظتی  
نظام

علاوہ ان کی شکل و صورت بھی بنائی جاتی ہے۔ جب فرشتے بعض اعمال کی شکل بنانے سے عاجز آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عمل کو اسی طرح لکھ دو، اس کی شکل و صورت میں خود بنا لوں گا۔

انسان کے اعمال کے حفاظتی فرشتوں کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ بعض ایسے فرشتے بھی مقرر ہیں جو اسے موزی جانوروں، اجنبات اور شیاطین کے شر اور ہر قسم کے حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ حفاظت اس وقت تک ہوتی رہتی ہے۔ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو حفاظت اٹھالی جاتی ہے اور فوراً کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل حفاظتی نظام قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعے ہر شخص کی جان اور اس کے اعمال کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ فریضہ آگے پیچھے یعنی یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے انجام دیتے ہیں۔

امام ابن جریر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور امام شاہ ولی اللہ نے کمانہ عدوی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہر انسان کی حفاظت کس لیے کتنے فرشتے مقرر ہیں آپ نے فرمایا کہ دو فرشتے تو دائیں بائیں اعمال کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں اور دو آگے پیچھے حفاظت کے لیے ہیں۔ دو فرشتے ہر انسان کی آنکھوں پر مقرر ہیں اور دو ہونٹوں پر۔ ایک فرشتہ منہ پر مقرر ہے کہ کوئی خطرناک چیز منہ میں نہ چلی جائے اور ایک فرشتہ پیشانی پر مقرر ہے اس طرح ہر انسان کے ساتھ کل دس فرشتے بنتے ہیں۔ لیکن امام ابن جریر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ جو فرشتے اس کے اعمال اور اس کے جسم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں، ان کی کل تعداد تین سو ساٹھ ہے وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ یہ روایت ابو یعلیٰ کے

حوالے سے بیان کی جاتی ہے جس کے درجے کا کچھ علم نہیں۔ بہر حال  
فشرتوں کی تعداد جو بھی ہو، اعمال کے حفاظت کنندگان تو نص قرآنی سے  
ثابت ہیں اور انسان کے جسم کی حفاظت کرنے والوں سے متعلق ان  
احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ یہ سارا حفاظتی نظام اس لیے ہے تاکہ انسانی  
ذہن میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔ اور پھر جب محلے کی منزل اُٹنے لگی تو انسان  
کا ہر قول، فعل اور عمل بالکل محفوظ حالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اور  
کسی قسم کا اشتباہ نہیں سے دیا جائے گا۔

اجتماعی  
حالت  
کے تبدیلی

ارشاد ہوتا ہے **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغَيِّرُ مَا قَدَرَبَشَا**  
**اللّٰهُ تَعَالٰی** نہیں تبدیل کر تا کسی قوم کی حالت کو حتیٰ **يَغَيِّرُ وَاَمَّا**  
**بِالْقِسْمِ**۔ یہاں تک کہ وہ تبدیل کرے اس چیز کو جو ان کے نفسوں  
میں ہے۔ یہ سنت اللہ ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اسباب میں نہیں  
کرتی، اس کی حالت تبدیل نہیں کی جاتی۔ اگر کسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے کوئی  
نعمت عطا کی ہے تو وہ اس وقت تک نہیں چھنتی جب تک قوم  
اپنے عمل کے ذریعے اس کے چھین جانے کے حالات پیدا نہیں کرے  
دیتی۔ اسی طرح جب کوئی قوم تکلیف میں ہوتی ہے اور وہ اچھائی چاہتی  
ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس قوم کو بہتری کی طرف نہیں لاتے  
جب تک قوم اپنے اعمال و کردار کے ذریعے ثابت نہیں کر دیتی کہ  
وہ مطلوبہ بھلائی کی اہل بن چکی ہے۔ گویا ہر قوم اور فرد کے نتائج اس  
کے حیا کردہ اسباب پر مرتب ہوتے ہیں جو قوم خود تو بہتری کی کوشش  
نہیں کرتی۔ ایسے اقدام نہیں کرتی جو اسے ترقی کی طرف لے جائیں تو  
پھر خالی دعاؤں سے تو اللہ تعالیٰ ان کی مراد پوری نہیں کرتا۔ جب  
تک وہ خود اس کے لیے تگ و دو نہ کریں۔

مسلمانوں کی اجتماعی حالت تا تاریخوں کے زمانہ سے زوال پذیر

ہے اور آٹھ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ قوم کسی ٹھکانے پر لگتی نظر نہیں آتی اس وقت مسلمانوں کا پورا نظام بگڑ چکا ہے۔ فواجش، غزوات اور خود غرضی کا دور دورہ ہے جسے مسلمان ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہر شخص آرام طلب ہو چکا ہے۔ محنت سے جی چراتا، عکاسیوں کو اسی آرام طلبی اور حب مال و جاہ نے تباہ کیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں مسلمانوں میں انفرادی طور پر تو بڑے اچھے لوگ بھی موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے مگر ان کی اجتماعی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ صغیرین کے واقعہ تک اور پھر کچھ عرصہ بعد تک بھی مسلمان اجتماعی حیثیت سے قابل رشک تھے مگر بعد میں خود غرضی کی وجہ سے ان کی حالت کافروں سے بھی بدتر ہو گئی ہے پورے یورپ اور امریکہ میں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا۔ مگر ہمارے ایشیائی ممالک میں ہر گلی کوچے اور بازار میں بھکاری آپ کا پیچھا کرتے ہیں۔ انگریزوں میں فحاشی اور عیاشی ضرور ہے۔ مگر بھکاری کوئی نہیں، کیونکہ وہ ہر بیکار آدمی کو گزارہ الاؤنس دیتے ہیں مادی ترقی کا جذبہ بھی مسلمانوں کی نسبت کافروں میں بہت زیادہ ہے جاپانی اپنے ملک کی خاطر ہم لے کر چینوں میں کر دگئے وہ لوگ محنت کے عاری ہیں۔ وقت کو ضائع نہیں کرتے جب کہ ان کے مرقابے ہیں مسلمان تحصیل کوڑے دلدارہ ہیں۔ فضول رسومات۔ لڑائی جھگڑا، اہل خانہ مسلمانوں کے مشاغل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ذلت میں مبتلا اور اغیار کے دست نگر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب تک مسلمان خود اس حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس قبیح حالت کو تبدیل نہیں کرے گا۔

فرمایا وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ سُوًّا أَرَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ سُوًّا أَرَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ سُوًّا أَرَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ سُوًّا



قوم کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے خود قوم ایسے  
 اسباب پیدا کرتی ہے تو فرمایا فَلَا مَسْرَدَ لَهُ، تو اس بُرائی کو پھر کوئی  
 ٹال نہیں سکتا۔ پھر وہ ذلت کے گڑھے میں ہی گرتے ہیں۔ وَمَا كَا  
 لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِثٌّ وَالِیْ پھر اُن کے لیے  
 خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار اور کارساز بھی نہیں ہوتا۔ وہ لاکھ شریک  
 عقائد کو اپنائیں، غیر اللہ سے مدد مانگیں، مگر اُن کی کہیں شنوائی نہیں ہو  
 گی اور کوئی بھی اُن کی مدد نہیں کرے گا۔

الرعد ۱۳

آیت ۱۲ تا ۱۴

وما ابرئىٰ ۱۳

درس پنجم ۵

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ  
 السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ  
 وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ  
 الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ  
 يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝۱۳  
 لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ  
 دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ  
 كَفِيٍّ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ  
 وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۝۱۴

ترجمہ :- وہی اللہ تعالیٰ ہے جو دکھاتا ہے تمہیں بجلی  
 خوف اور طمع کے لیے اور وہ اٹھاتا ہے بادل بوجھل ۝۱۲  
 اور تیسج پڑھتا ہے رعد اُس کی تعریف کے ساتھ اور  
 فرشتے بھی اُس کے خوف سے ۔ اور چھوڑتا ہے کڑک کو،  
 پس پہنچاتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہے ۔ اور یہ لوگ  
 جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے معاملے میں حالانکہ وہ بہت  
 سخت طاقت والا ہے ۝۱۳ اُسی کی دعوت برحق ہے  
 اور وہ جو لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا، نہیں جواب دے

سکے، مگر جس طرح کوئی پھیلانے والا ہو اپنے ہاتھ کو پانی کی طرف تاکہ پیچ جائے پانی اس کے منہ تک۔ اور نہیں ہے وہ پینے والا اس تک۔ اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر گمراہی میں (۱۴)

یہ آیات بھی پہلی آیات کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ گذشتہ درس میں انسان کی پیدائش کے ضمن میں رجموں کا گھٹنا بڑھنا اور مدت حمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا بیان تھا۔ اللہ کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جس کے مطابق وہ تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔ کوئی شخص کسی چیز کو چھپانے یا ظاہر کرنے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں چھپنے والے اور دن کے وقت چلنے پھرنے والے ہر نفس سے واقف ہے۔ اس نے انسان کی جان اور اعمال کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو یکے بعد دیگرے آگے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ پھر جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ انسان کی حفاظت ہوتی رہتی ہے۔

گذشتہ درس میں ایک دستور الہی کا ذکر بھی کیا گیا تھا کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تگ و دو نہ کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وہ کسی کو اس کی شامت اعمال کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور خدا کے سوا کسی کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ حدیث شریف میں آنا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کا ارشاد ہے کہ گرفت آئی جس میں سارے کے سارے ہلاک ہوں گے، اَذْهَلِكُمْ فَيَسْتَصِلِحُونَ تو کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب بُرائی زیادہ ہو جائی تو نیک و بد سب ہلاکت کا شکار ہوں گے

حضور نے یہ بھی فرمایا اَلتَّاسُّ اِذَا رَاَوْظَالَ مَافَلَا  
 يَأْخُذُوْا يَدِيْكَ جِبْ لُوْكَ دِيْجُوْهُ سِيْ هُوْلُ كِهْ ظَلَمٌ ظَلَمٌ كِهْ رَهَا  
 ہے اور پھر اُس کے ہاتھ پکڑ کر ظلم کو نہ روکیں، تو قریب ہے کہ اللہ  
 ان سب کو سزا میں مبتلا کرے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایسے  
 لوگ دعائیں کریں گے مگر وہ مستجاب نہیں ہوں گی۔ گویا عام برائی  
 کے دور میں نیک و بد سب کے سب گرفتار بلا ہوں گے، یہ الگ  
 بات ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں ان کی نیت کے مطابق نجات  
 حاصل ہو جائے گی۔

اب آج کے درس میں بھی دلائل تو حید ہی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا  
 ہے هُوَ الَّذِي يُسَبِّحُكُمْ التَّرْقِ خُذَا كِي ذَاتِ وَهْ هُوَ تَقْمُ كُو بَرَقِ  
 یعنی بجلی دکھلاتا ہے۔ برق کا معنی چمکنا ہوتا ہے اور اسے بجلی پر محمول  
 کیا جاتا ہے کیونکہ وہ چمکتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں بجلی دکھاتا ہے  
 خَوْفًا وَطَمَعًا خَوْفِ اُوْر اَمِيْدٍ دَلَانِ كِهْ لِيْے۔ جب بادل گرجتا  
 ہے اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان کا خوف بھی آتا ہے، اور  
 اس سے خوشحالی کی امید بھی ہوتی ہے کہ بارش برسے گی، سبزیاں  
 اناج اور پھل پیدا ہوں گے۔ جس سے انسان اور جانور مستفید ہوں گے۔  
 اللہ تعالیٰ انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہے کہ ایمان  
 کا صحیح مقام خوف اور امید کے درمیان ہی ہے۔ انسان نہ تو اللہ کے  
 عذاب سے بے خوف ہو جائے اور نہ ہی اس کی رحمت سے  
 مایوس ہو، ان دونوں کے اتصال میں ہی کامیابی ہے۔

فرمایا وہی اللہ ہے جو تمہیں خوف اور طمع کے لیے بجلی دکھاتا ہے  
 وَيُنِيْشِيْ السَّحَابَ التَّقَالَ اُوْر اِطْحَا تَهْ هُوْ بَادِلِ جُو بَرَقِ بُوْجَلِ بُوْتِيْ  
 ہیں۔ یہ بادل پانی سے بھر پور ہوتے ہیں اور ہوئیں انہیں اُس طرف

خوف اور  
 امید کا  
 اتصال

ترجمہ اور  
 چمک

لے جاتی ہیں جہاں بارش برسا نا مقصود ہوتا ہے۔ بارش کی کھی یا زیادتی،  
 صغیر یا مضر اللہ تعالیٰ کے ارادے، مشیت اور تصرف کے ساتھ ہوتی  
 ہے۔ گویا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ نیز فرمایا  
وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ اور رَعْدُ فَرَشْتَةِ اللَّهِ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا  
 ہے اس کی تعریف کے ساتھ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ  
 اور دو فرشتے بھی خدا تعالیٰ کے خوف سے اس کی تسبیح اور حمد بیان  
 کرتے ہیں۔ رعد لغوی طور پر گرج کو بھی کہا جاتا ہے مگر اس مقام پر چھوڑ  
 علیہ السلام نے فرمایا الرَّعْدُ مَلَائِكَةٌ كُلُّ رَعْدٍ أَيْكُ فَرَشْتَةٍ ہے جو  
 بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا ہے جس کے ڈرینے  
 وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔ کوڑا مارنے سے جھک پیدا ہوتی ہے اور پھر  
 بادلوں کے آپس میں ٹکرنے سے بڑی خوفناک گرج پیدا ہوتی ہے۔ سائنس دان  
 بھی یہی کہتے ہیں کہ بادلوں میں مثبت (POSITIVE) یا زیٹو۔ اور منفی  
 (NEGATIVE) نیگیٹو، عناصر ہوتے ہیں جن کے ٹکرنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو اس موقع کے لیے  
 حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھلائی ہے۔ اللَّهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا  
لِفَضْلِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ  
سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ  
مِنْ خِيفَتِهِ اے اللہ! اپنے غضب سے ہمیں  
 قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے  
 ہمیں عافیت عطا فرما۔ پاک ہے وہ ذات کہ رعد اس کی تسبیح بیان  
 کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف  
 سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ

کہ کمال کو بھیجتا ہے۔ جب کسی کو نقصان پہنچانا مطلوب ہوتا ہے تو اس پر بجلی بھیجی جاتی ہے جو اللہ کی نشاء کے مطابق محسوس یا زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ بعض اوقات یہ بجلی ہپاٹوں، درختوں یا جانوروں پر گرتی ہے تو اس کے حسب حال نقصان ہوتا ہے۔ مفسرین کہہ نام فرماتے ہیں۔ کہ بعض اوقات بجلی اس طرح پڑتی ہے کہ آدمی کے کپڑے اٹار کر درخت کی شاخ پر رکھ دیتی ہے اور اس آدمی کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

بجلی تو طبعی طاقت والی چیز ہے اور ہر چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے اگر کوئی چیز اس کی زد میں آنے کے بعد بھی بچ جاتی ہے تو اس تکا مطلب یہ ہے کہ ایسا کسی سیر طاقت کے مشیت، ارادے اور حکم سے ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جہاں کسی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے بجلی ہلاک کر دیتی ہے۔ اور بچانا مقصود ہو تو بال بچا نہیں ہوتا۔ فرمایا فِيصِيْبُ يَهَامِكُ يَشَاءُ پس پہنچاتا ہے اسکے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔ نقصان اسی کا ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ چاہتا ہے۔ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ اور وہ لوگ اللہ کے معاملے میں جھگڑا کرتے ہیں، طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ حالانکہ وہ بڑی سخت قوت والا ہے لفظ مِحَال کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً عذاب دینا، گرفت کرنا اور ریت۔ یہاں پر قوت اور طاقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے، اس کے سامنے تمام طاقتیں بھیج ہیں۔ یہ لفظ کم کی زبرد کے ساتھ محال بھی آتا ہے، جس کا معنی ناممکن ہے۔ اگر یہ میم کی پیش کے ساتھ محال ہو تو معنی ہوگا باطل، جھوٹ یا خلاف واقعہ۔ تاہم اس مقام پر محال ہے جس سے قوت اور طاقت مراد ہے

خدائی  
طاقت

بجلیاں، گہراج اور حجاب اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مظاہر ہیں۔  
 مفسرین کہہ رہے ہیں کہ قیام مدینہ کے دوران قبیلہ عامر کے  
 دو بڑے آدمی عامر ابن طفیل اور اربد ابن ربیع حضور علیہ السلام کے قتل کے  
 ارادہ بد سے آئے۔ عامر نے اربد سے کہا کہ تم میرے ساتھ رہنا، میں  
 محمد سے بات چیت کروں گا۔ جب میں ان کو اس بات چیت میں  
 الجھا دوں تو تم ان پر تلوار سے حملہ کر دینا۔ چنانچہ دونوں ساختھی حضور  
 علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ عامر حضور علیہ السلام سے مخاطب ہوا  
 کہ اے محمد! اگر میں آپ کا اتباع کر لوں تو آپ میرے لیے کیا  
 حصہ رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ، تو  
 تمہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں  
 اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی۔ جو دوسرے مسلمانوں پر عاید  
 ہوتی ہیں۔ عامر کہنے لگا۔ کیا ایسا کہہ سکتے ہیں کہ وہاں میں میری حکومت  
 ہو اور شہروں پر آپ حکومت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو میرے اختیار میں  
 نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نیابت اور حکومت عطا کرتا ہے  
 پھر عامر کہنے لگا کہ میں آپ سے کچھ اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں  
 آپ ذرا اٹھ کر ادھر آئیں۔ حضور اٹھ کر ایک طرف آئے۔ عامر کا دوسرا  
 ساختھی اربد موقع کی تلاش میں تھا اس نے میان سے تلوار نکالنا چاہی۔ مگر  
 اس کا ہاتھ وہیں جام ہو کر رہ گیا اور وہ تلوار نکال ہی نہ سکا۔ اس طرح  
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ  
 مِنَ النَّاسِ" (المائدہ) اللہ تعالیٰ ہی آپ کو لوگوں سے  
 محفوظ رکھے گا۔ پھر یہ دونوں ساختھی واپس جا رہے تھے کہ اربد پر بغیر  
 بادل کے بجلی گہری اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ عامر کو راستہ چلتے طاعون کی  
 لگتی تھی۔ راستے میں قبیلہ سلول کی عورت کا خیمہ تھا، وہاں پناہ حاصل کی

اپنی جہالت کی بنا پر گلٹی کو ٹپٹل کر کہا غدا غدا البعیر یہ تو اونٹ کی  
گلٹی جیسی گلٹی ہے اور میں سولہ کے خمیے میں سر رہا ہوں، مجھے یہ بات  
پہنڈ نہیں ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تلوار سونٹ لی۔ گھوڑے  
کو دوڑانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام اور ملک الموت کو گالیاں  
دینے لگا۔ ملک الموت کو کہتا ہے کہ اگر میرے سامنے آ جاؤ تو فوراً مٹنا  
کام کہ دوں۔ پھر وہ گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے ہی ہلاک ہو گیا۔ بہر حال یہ واقعہ  
اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت بہت شدید ہے۔ لوگ  
اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اس کی طاقت کو تسلیم نہیں کرتے  
جس کی وجہ سے کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ہلاک ہوتے ہیں  
لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کو تسلیم  
کریں، اسی کی عبادت کریں اور اسی کو کارساز اور متصرف سمجھیں۔

ارشاد ہوتا ہے لَا دَعْوَةَ الْخَاقِ اس کی دعوت بہ حق ہے

دعوتِ حق سے مراد وہ دعوت ہے جو ایمان اور توحید کی طرف ہی

جانے۔ سب سے پہلے یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اہل مکہ کو دی اور

فرمایا قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لوگو! کہہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی فَاحْصُوا تَوَفَّارِجَ بَابِ جَوْدِ۔

صرف اللہ کی عبادت ہی حق کی دعوت ہے اور اس کے برخلاف

اخیر کی عبادت سراسر باطل، کفر، شرک، بتا ہی اور بربادی ہے دوسری

بات یہ ہے کہ اپنی تمام جوانی و ضروریات میں اسی ایک اللہ کو

پکارنا بہ حق ہے کیونکہ اس کے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے اور نہ حاجت روا

نہ کسی کے ہاتھ میں شفا ہے اور نہ موت و حیات، ترقی و تنزل، خیر اور

شر سب اسی کے ہاتھ میں ہے، لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو رہا ہے

فرمایا وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ جو لوگ اس کے

ت



علاوہ مومنان کو پکار نہیں لیا گیا کہ آگے ہاتھ پھیلا دیں وہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں  
 فرمایا لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَتَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ وہ پکارنے والوں کو  
 کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ کے سوا مافوق الاسباب کوئی کسی  
 کے کام نہیں آسکتا، نہ کسی کی کوئی مشکل حل کر سکتا ہے۔ جس طرح  
 پکارنے والا مخلوق ہے۔ اسی طرح جنات، فرشتے، پیغمبر، اولیاء  
 سب مخلوق ہیں۔ قادر مطلق، علیم کل اور مختار کل صرف اللہ کی ذات  
 ہے۔ وہی پکارنے کے لائق ذات ہے، اس کے علاوہ دوسرے  
 کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے الْاَلْكَبَابُ سِطْرٌ كَفَيْتَهُ اِلْحٰكَمُ  
الْكَمَاءُ لِيَبْلَغَ فَاَهٌ جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے  
 تاکہ وہ اس کے منہ میں چلا جائے وَمَا هُوَ بِكَ الْعِبْدُ مگر وہ اس  
 تک پہنچے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص لاکھ آوازیں دے  
 پانی کی طرف ہاتھ بھی بڑھائے اور چاہے کہ پانی خود بخود اس کے منہ  
 میں چلا جائے، فرمایا ایسا نہیں ہوگا جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح  
 غیر اللہ کو پکارنا بھی بے سود ہے۔ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوگی  
 بعض فرماتے ہیں کہ پانی کی طرف ہاتھ بڑھانے کا مطلب یہ  
 ہے کہ آدمی پانی کو مسٹی میں پھونکنے کی کوشش کرے۔ جس طرح  
 پانی مسٹی میں بند نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر اللہ سے حاجت روائی کا  
 منتظر رہنا امر محال ہے۔ تاہم پہلا معنی زیادہ راجح ہے۔ بہر حال  
 حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف ذات خداوندی سے ممکن ہے  
 جو اس کی مستحق اور متصرف ہے فَرَمَا يَا وَهَّاءُ الْكٰفِرِيْنَ  
الْاٰفِ ضلّٰل اور کافروں کی پکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے  
 مطلب یہ کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنا بے گمراہی ہے۔ جن کو

کچھ اختیار ہی نہیں، ان کو پکارنا حماقت محض ہے۔ قرآن کریم میں  
اس مضمون کو مختلف انداز سے بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔

---

وما ابرئ ۱۳

الرعد ۱۳

درس ششم ۶

آیت ۱۵ تا ۱۶

وَاللّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 طَوْعًا وَكَرْهًا وَظَلَمْتَهُمْ بِالْغَدُوِّ وَالْاَصَالِ ⑮  
 قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ  
 قُلْ اَفَاخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ  
 لَانْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي  
 الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ  
 وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلَ اللّٰهُ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ  
 فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ  
 كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ ریز ہوتا ہے

جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، خوشی سے

یا ناخوشی سے، اور ان کے سائے بھی صبح اور پچھلے پر ⑮

(بے اختیار) آپ کہہ دیجئے، کون ہے جو رب ہے آسمانوں

کا اور زمین کا۔ آپ کہہ دیجئے، وہ اللہ ہی ہے۔ آپ کہہ

دیجئے (ان سے) کیا تم نے بنایا ہے۔ اُس کے سوا دوسرے

کو کارساز، جو نہیں مالک اپنے نفسوں کے لیے نفع کے اور

نہ نقصان کے۔ آپ کہہ دیجئے، کیا برابر ہے انڈھا اور دیکھنے

والا - یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی - کیا ٹھہرائے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک - کہ انہوں نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح - پس مشابہ ہو گئی ہے ان پر مخلوق - آپ کہہ دیجئے، اللہ ہی ہے پیدا کرنے والا ہر ایک چیز کا، اور وہ اکیلا ہے اور سب کو دبا کر رکھنے والا ہے - (۱۶)

رہط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے شرک اور مشرک کی تردید اور توحید کے دلائل بیان کئے تھے۔ آج کی آیات بھی سابقہ مضمون کے تسلسل میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کی حقانیت و صداقت، نبوت و رسالت اور قیامت کا ذکر ہی زیادہ تر فرمایا ہے۔ توحید کے علوی اور سفلی دلائل بیان کیے ہیں توحید کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا پکارنا ہی برحق ہے۔ جو لوگ دوسروں کو بھی پکارتے ہیں، وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا یا کنویں پر کھڑا ہو کہ پکارے کہ پانی اس کے منہ میں خود بخود چلا جائے۔ یا وہ پانی کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہے، فرمایا جس طرح یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں، اسی طرح غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنا بھی بے سود ہے۔ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

سورۃ حج اور بعض دیگر سورتوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ انسانوں میں مگر وہ پائے جاتے ہیں - ایک وہ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے اختیار اور ارادے سے توحید الہی کو نہیں مانتے اور ان پر عذاب الہی ثابت ہو چکا ہے۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے علاوہ باقی تمام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے

رہ چیز سجدہ  
کرتی ہے

سجدہ ریزہ ہوتی ہیں۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَكَرٌ فِي السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے سجدہ ریزہ ہوتا ہے جو آسمانوں  
 میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ آسمانی مخلوق اللہ کے فرشتے ہیں اور  
 فضا میں دوسری چیزیں بھی ہیں۔ اسی طرح زمین پر مختلف قسم کی چیزیں  
 ہیں جن میں انسان، جانور، درخت، پہاڑ وغیرہ ہیں، یہ سب اپنے پروردگار  
 کے سامنے سجدہ ریزہ ہونے میں طوعاً و کرہاً خوشی سے یا ناخوشی سے۔  
 خوشی سے ملو یہ ہے کہ اپنے اختیار اور ارادے سے سجدہ کرتے ہیں جو ایما تدار میں اللہ تعالیٰ کی  
 وحدانیت کو پہچان کر، خوشی اس کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں اور جو ناقران مشرک اور کافر ہیں  
 وہ اپنی خوشی سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں بلکہ  
 لوگ خدا تعالیٰ کے تکوینی اصول کے مطابق سجدہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ  
 خود نہیں جھکے تو ان کا سایہ تو بہر حال صبح و شام اپنے خالق کے سامنے  
 سجدہ ریزہ ہوتا ہے۔ یہ ناخوشی کا سجدہ ہے۔ اسی طرح انسان موت کے  
 قانون میں بھی جکڑا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ اس پر ناخوش ہے، مگر موت  
 ہر صورت میں آکر ہے گی۔ تو فرمایا اللہ کے لیے ہر چیز سجدہ ریزہ ہوتی ہے  
 خوشی سے یا مجبوری سے۔

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیا زمندی کا نام ہے اور یہ  
 ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس  
 وقت ابن آدم خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتا ہے، تو شیطان  
 اگک ہو کر واویلا کرتا ہے سر پر ٹی ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن آدم کو سجدے  
 کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا فَلَکَ جَنَّةٌ پس اُس کے بدلے میں اُسے جنت  
 ملے گی مگر افسوس ہے میری حالت پر کہ مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، تو میں  
 نے سجدہ نہ کیا فَکَلِی نَارٌ پس میرے لیے دوزخ ہے۔ محمد تین فرماتے  
 ہیں کہ شیطان کا واویلا کرنا بربانی کا حصہ ہے، وگرنہ وہ اس طرح نادوم نہیں

ہونا جس طرح کوئی شخص اپنی غلطی کا اعتراف کر کے تائب ہوجاتا ہے۔  
 بہر حال انسان کے لیے وہی سجدہ کارگر ہوگا۔ جو اس نے اپنے ارادے  
 اور اختیار سے کیا ہوگا۔ اور جو کوئی مجبوراً سجدہ ریز ہوگا۔ جیسے سایہ کا سجدہ یا اللہ  
 کے تکوینی اصولوں کے مطابق غیر ارادی سجدہ ہرگز مفید نہیں ہوگا۔

فرمایا وَظَلَّلَهُمْ بِالْغَدُوقِ وَالْأَصْكَالِ اور ان کے سامنے بھی  
 سجدہ ریز ہوتے ہیں صبح بھی اور پچھلے پہر کو بھی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے  
 اگر انسان اللہ کو سجدہ نہ بھی کرے اور اکھڑ جائے تو اس کا سایہ تو بہر حال زمین  
 پر ہی سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اس ضمنوں کو سورۃ نخل میں بھی بیان کیا گیا ہے۔  
 اَوْ كَمْ يَرَوْنَ الْهَبَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَّبِعُونَ  
 ظِلَّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ  
 ذَخِرُونَ کیا ان لوگوں نے مخلوق خدا میں ایسی چیزیں نہیں دیکھیں۔  
 جن کے سامنے دائیں اور بائیں سے لوٹتے رہتے ہیں اور خدا کے آگے  
 عاجز ہو کر سجدے میں پڑے ہتے ہیں۔ اگلی آیت میں یہ بھی فرمایا کہ تمام  
 جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سب خدا کے آگے سجدہ  
 کرتے ہیں، اور فرشتے بھی، اور وہ ذرا غور نہیں کرتے۔

یہاں پر صبح کے وقت کو صفر و استعال کیا گیا ہے اور پچھلے پہر کو جمع  
 اگلی آیت میں بھی نور کو واحد اور ظلمت کو جمع کے صنفے میں بیان کیا گیا ہے  
 گو یا صبح کو روشنی سے اور پچھلے پہر کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور  
 حقیقت بھی یہی ہے کہ روشنی ایک ہی ہے اور اندھیرے بہت سے  
 ہیں۔ نور ایمان ایک روشنی ہے جب کہ اندھیرے مختلف ہیں جیسے  
 روحانی اندھیرے اور مادی اندھیرے۔ اندھیرا کفر کا بھی ہوتا ہے۔ اور شرک  
 کا بھی۔ نفاق کا اندھیرا بھی ہے اور ریاکاری کا بھی۔ اندھیرا قبر کا بھی ہوگا  
 اور پلٹرا کا بھی اور پھر انسان کے دل و دماغ میں بھی اندھیرے ہونے

ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے الظلم ظلماتٌ لیوم القیامۃ  
قیامت والے دن اندھیرا کئی قسم کی شکلوں میں نظر آئے گا۔

سجده  
تلاوت

قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ان مقامات میں سے ہے جن کو پڑھنے  
سے سجده لازم آتا ہے۔ اسے سجده تلاوت کہتے ہیں اور یہ قرآن کریم کے  
چودہ مقامات پر آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سجده واجب  
ہے جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجده واجب ہیں جب  
کہ باقی تین غیر مؤکدہ ہیں۔ البتہ باقی امہ اور محدثین سجده تلاوت کو سنت  
کا درجہ دیتے ہیں۔ واجب نہیں سمجھتے۔ آیت سجده کو پڑھنے اور  
سننے والے سب پر سجده واجب ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں یا تو سجده  
کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یا سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور یا سجده نہ  
کرنے والوں کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے، لہذا امام ابوحنیفہؒ کا  
مسک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجده واجب ہے۔

جس وقت آیت سجده تلاوت کی جائے تو وہ پڑھنے والا ہے یا  
سننے والا اگر سجده کی شرائط پوری کرنا ہے تو فوراً سجده کر لے اور اگر اس  
کے لیے تیار نہیں تو بعد میں جب بھی موقع ملے، سجده کر لے۔ حدیث  
میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مجلس میں سورۃ بقرہ کی آخری آیت  
تلاوت فرمائی اور اسی مجلس میں سجده کیا۔ آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے  
بھی سجده ادا کیا۔ اس کے علاوہ کچھ کافر اور مشرک بھی مجلس میں موجود تھے  
وہ بھی سجده کرنے پر مجبور ہو گئے، صرف ایک بوڑھا کافر ایسا تھا جس  
نے سجده تو نہ کیا، البتہ حضورؐ کی سیٹی لے کر اپنی پیشانی پر بنگالی۔ یہ شخص  
ابی ابن خلف یا امیہ ابن خلف تھا۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعودؓ کہتے ہیں  
کہ میں نے اس شخص کو بدر کی جنگ میں بجاالت کفر مرتے ہوئے دیکھا۔  
امام شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ حضور علیہ السلام نے  
لے بخاری ص ۳۲ ج ۱ ، لے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۷ ج ۲

ترجمہ الہی کے مطابق سجدہ کیا اور مسلمانوں نے آپ کے اتباع میں ایسا کیا ہرگز مشرکوں نے کیسے سجدہ کر دیا؟۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور علیہ السلام تلاوت فرماتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی قہری سبکی نازل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے کافر اور مشرک بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مسائل  
سجدہ تلاوت

سجدہ تلاوت کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو نماز کے سجدہ کے لیے ہیں یعنی انسان باطہارت ہو، اس کے کپڑے اور جسم پاک ہو اور وہ قبلہ رو ہو کہ سجدہ کرے۔ اس سجدے کی دو تجزیس ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جانے، تبلیغ پڑھے اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو۔ اس میں رفع یدین کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، کوئی آدمی کسی ایک مجلس میں متعدد بار بھی آیت سجدہ پڑھے گا۔ یا سنے گا تو سجدہ ایک ہی واجب ہو گا البتہ اگر مقام تبدیل ہو جائے تو ہر مقام پر پڑھنے یا سنانے پر ایک سجدہ لازم آئے گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا نماز کی طرح سجدہ تلاوت کے لیے بھی با وضو ہونا ضروری ہے مگر مولانا مودودی کا یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ سجدہ تلاوت بغیر وضو کے بھی ہو سکتا ہے ایک ضروری مسئلہ یہ بھی ہے کہ سجدہ تلاوت صرف اس وقت لازم آئے گا۔ جب قرآن پاک کے اصل الفاظ پڑھے یا سنے گا۔ اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا محض ترجمہ پڑھے یا سنے گا تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہو گا۔ سورۃ منزل میں ”فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو اس کے الفاظ میں پڑھنا ضروری ہے اسی لیے نماز میں بھی اصل قرآن پڑھنا ضروری ہے کسی دوسری زبان میں محض ترجمہ پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوگی۔ البتہ بعض مفتیان کہہ رہے ہیں کہ سجدہ تلاوت کے لیے مجلس میں موجود آدمی کا آیت سجدہ



پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے گریہ فون، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو یا ٹیلیوژن پر سجدہ کی آیت سنی ہے تو اس پر سجدہ نہیں اُٹے گا۔ مگر صحیح بات یہی ہے کہ اگر الفاظ قرآن کسی انسان نے پڑھے ہیں اور وہی سننے میں بھی آئے تو ذریعہ سماعت کوئی بھی ہو، اس پر سجدہ کر لینا ہی بہتر ہے۔

آسمان و  
زمین کا  
رب

ارشاد ہوتا ہے **قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اے معجزہ! آپ کہہ دیجئے کہ کون ہے رب آسمان کا اور زمین کا۔ رب کا معنی پتھر پر کینے والا ہے۔ عربی میں اس کو کہتے ہیں تَنْزِيْهًا الشَّيْءُ عَنِ كَمَا لَا يَحْتٰلَا یعنی کسی چیز کو بندرتج حد کمال تک پہنچایا۔ انسان حیوان یا پودا کوئی بھی ہو اسے حد کمال تک پہنچنے کے لیے ایک زمانہ صرف ہوتا ہے۔ اور یہ کام آہستہ آہستہ کون کرتا ہے۔

فرمایا **قُلِ اللّٰهُ اے پیغمبر! آپ اس کا جواب**

یہ دیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کی تربیت کرتے ہیں۔ حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور اگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں

**تَوْفِيْلًا اَفَا تَخْتٰلِفُ عَلٰى دُوْنِهِۦٓ اَوْلِيَآءَ اَب**

کہہ دیجئے، کیا تم نے اس کے سوا دوسروں کو کار ساز بنا لیا ہے؟ مطلب

یہ ہے کہ جب پرورش کینے والا اور حد کمال تک پہنچانے والا فقط

اللہ ہے تو تم مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دوسروں کے آگے

دست سوال کیوں دراز کرتے ہو؟ آگے خلق کی دلیل بھی آرہی ہے۔ کہ

اللہ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں اور کار ساز بھی کوئی نہیں تو پھر اس کے

سوا معبود بھی کوئی نہیں۔ مافوق الاسباب اسی کو پکارو اور اسی سے

حاجت روائی کے لیے درخواست کرو۔ یہ شرک کی تردید ہو رہی ہے

فرمایا اگر تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے، ان کی حد درجہ بے عظمت

کرو گے، ان کے نام کی نذر و نیاز دو گے تو یاد رکھو کہ وہ تمہاری حاجت برائی

کیا کہیں گے لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا۔ وہ تو اپنی جان کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے جیسے قُلْ اِلٰهٌ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا (الجن) آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اللہ نے سورۃ یونس میں اپنے نبی علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا ہے قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَلَا تَرَ اَنَّهُ لِيَوْمِ تَوٰبِنَا جَانِ كَيْفَ يَلِيهِ بَعْضِي نَفْعَ نَقْصَانِ كَا مَا لَكَ نَهِيْهُنَّ جَوَّ اللّٰهُ جَابِئٌ۔ النافع اور المضار اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہی اس کا مالک ہے اُس کے سوا کسی کے نفع نقصان پر کوئی قادر نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰی وَاَلْبَصِيْرُ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی۔ کوئی مستعملند آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بینا اور نابینا برابر ہیں یا روشنی اور اندھیرا برابر ہیں۔ یہ دراصل مشرک اور موحّد کی مثال ہے۔ مشرک دل کا اندھا ہے جسے توحید کی روشنی نظر نہیں آتی اور وہ شرک کی نجاست میں ہی پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ كَجَسَدٍ مِّمَّ (التوبہ) بیشک مشرک ناپاک ہیں۔ سورۃ حج میں ہے "فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" بت پرستی کی گندگی اور نجاست سے بچو۔ قلبی طہارت تو نور ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور دین کی سمجھ آتی ہے اور مستقبل کے بارے میں بھی عقیدہ پاک ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا نہ تو اندھا اور بینا برابر ہیں اور نہ ہی اندھیرے اور روشنی۔ لہذا مشرک اور موحّد بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مشرک کی بخشش

مشرک اور  
موحّد کا  
تقابل

کا کوئی جاس نہیں جبکہ مُوحِدُ اللّٰهِ کی ابدی رحمت میں ہوگا۔  
 آگے اللہ نے شرک کی تردید ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔  
اَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ كَمَا كُنُوا يُعْبَدُونَ اللہ کے لیے  
 شرک ٹھہرایے ہیں خَلَقُوا كَخَلْقِهِ اور ان شرکاء نے  
 بھی اسی طرح مخلوق پیدا کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو  
 پیدا فرمایا ہے فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ اور اس پیدائش  
 کا اُن پر شبہ پڑ گیا۔ یعنی پتہ ہی نہیں چلتا کہ خدا کی مخلوق کون سی ہے  
 اور شرکاء کی کون سی ہے۔ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ان شرکاء  
 نے کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وَلِلّٰهِ خَلْقُ كُلِّ شَيْءٍ  
 آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور باقی سب مخلوق  
 ہے۔ مخلوق میں نہ تو رُبُوبیت کا کرشمہ مانا جاسکتا ہے اور نہ وہ کار ساز  
 بن سکتی ہے۔ مشرکین کا دوسروں کو کار ساز بنانا تو خلاف واقعہ اور صریح  
 شرک ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے اَرُوْنِي مَاذَا  
خَلَقُوا مِنْ اَلْاَرْضِ (فاطر) مجھے دکھاؤ تو سہی تمہارے شرکاء  
 نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے، کوئی انسان، جانور، پہاڑ، درخت، اناج  
 کھیتے، مگوڑے جیٹتے یہ سب کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے  
 اور ان میں کسی شرکاء کا کوئی حصہ نہیں۔

بعض مشرکین ایک کے بجائے کئی کئی خدا تسلیم کرتے ہیں مثلاً  
 ہندوؤں کے نزدیک پیدا کرنے والا برہما جی ہمارا ج ہے، جب کہ  
 قائم کہنیوالا وشنو جی ہمارا ج اور فنا کرنے والا شیو جی ہمارا ج ہے۔  
 اُدھر علیائیوں نے بھی باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا تسلیم کر لیے  
 ہیں۔ مجوسیوں نے اہرن اور یزدان دو خداؤں کو مانا مگر اللہ نے اُن فرمایا  
 کہ خدا نہ دو ہیں نہ تین اور نہ زیادہ بلکہ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وہ اکیلا

شرک کی  
 تردید

ہے اور ہر چیز کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ یعنی زندہ اور تھکنے والا بھی وہی ہے ”يُحْيِي وَيُمِيتُ“ یعنی زندہ کر دینا اور مارنے والا بھی وہی ہے آلا کہ الخَلْقِ وَالْأَمْنِ“ تمام پیدائش بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور جو خالق ہے

اللہ بھی وہی ہے۔ وہ قادرِ مطلق اور علیمِ کل ہے، وہ ہمہ بین، ہمہ دان اور ہمہ توان ہے، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ جو کوئی یہ صفات غیر اللہ میں مانے گا وہ مشرک ٹھہرے گا۔ غرضیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے۔

فرمایا وہ ایلا بھی ہے اور قہار بھی ہے۔ اس کی یگانگت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا وجود ذاتی ہے اور کسی کا عطا کردہ نہیں جب باقی تمام اشیاء اس کی عطا کردہ ہیں۔ جب ہر چیز اسی کی عطا کردہ ہے تو ہر چیز پر کنٹرول بھی اسی کا ہے ”هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ“ اگر الانعام (قہر کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دبا کر رکھنا۔ اس کے دباؤ سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ ہمت بھی دیتا ہے۔ مگر جب چاہتا ہے رسی کھینچ لیتا ہے۔ اس کے تسلط سے کوئی چیز باہر نہیں۔ لہذا انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کریں اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوں، اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھیں اور اپنی حاجات میں اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔

وما ابرئى ۱۳  
درجہ ہفتم

الرعد ۱۳  
آیت ۱۸ تا ۱۸

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُۥ بِقَدَرِهَا  
فَأَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ  
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ  
مِّثْلَهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ  
فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ  
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ  
يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝۱۷ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا  
لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا  
لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ  
مَعَهُ لَا فِتْنَدُوا بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ  
وَمَا أُولَئِكَ بِمَعْرُوفِينَ ۝۱۸

وقف النبی علیہ السلام

النص

ترجمہ: پھر اُس نے آسمان کی طرف سے پانی - پس  
بہہ پڑیں وادیاں اپنے اندازے کے مطابق - پس اٹھایا  
سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا اور اس میں سے جس کو وہ گرم کرتے  
ہیں آگ ہیں واسطے تلاش کرنے زیور کے یا سامان کے جس  
کے اوپر بھی جھاگ ہوتا اسی طرح - اسی طرح اللہ تعالیٰ  
بیان کرتا ہے حق اور باطل کو - بہر حال وہ جھاگ پس

وہ چلا جاتا ہے خشک ہو کر۔ اور جو چیز فائدہ پہنچاتی ہے لوگوں کو وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔ اسی طریقے سے اللہ بیان کرتا ہے مثالیں (۱۷) اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے قبول کیا اپنے رب کی بات کو، اُن کے لیے بھلائی ہے۔ اور وہ لوگ جو نہیں قبول کرتے اس کو، اگر اُن کے لیے ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا اور بھی اس کے ساتھ اور (پھر وہ فدیہ دیں اس کے ساتھ) پھر بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہے پُر احساب اور ٹھکانا اُن کا جہنم ہے، اور بہت بُرا ٹھکانا ہے (۱۸)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان کرنے کے بعد معاد کا ذکر فرمایا۔ پھر رسالت کا بیان ہوا۔ اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا اور شرک کا رد فرمایا۔ توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے اور شرک کی مختلف صورتوں کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور خالقیت کی دلیل پیش کر کے الوہیت کا استدلال پیش کیا کہ الہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو رب اور خالق ہے۔ چونکہ حقیقت اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی میں نہیں پائی جاتیں لہذا مستحق عبادت بھی صرف اللہ ہی ہے۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور مومنوں کی مثال اندھے اور بینا کی بیان فرمائی۔ شرک کو ظلمات سے تعبیر کیا اور ایمان اور توحید کو نور فرمایا اور یہ بھی کہ یہ دونوں چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ یہی سورتوں میں زیادہ تر سمجھانے ہی کا بیان ہے لہذا اس سورۃ میں بھی توحید کا مسئلہ اللہ نے پورے طریقے سے واضح کر دیا ہے۔

اب آج کے درس میں اس سورۃ کا مرکزی مضمون حق و باطل کی کشمکش بیان ہو رہا ہے۔ اللہ نے یہ مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ باطل کسی چیز پر آنے والی جھاگ کی مانند ہے جو وقتی طور پر تو بہت ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر

آیات

اور  
لے

جلد ہی مرٹ جاتی ہے۔ اور حق کو اس اصل چیز سے تشبیہ دی ہے جو  
 جھاگ سے نیچے ہوتی ہے اور جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں ارشاد ہوتا  
 ہے أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اللہ تعالیٰ نے آسمان  
 سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے کہنا زیادہ  
 مناسب ہے۔ بارش برسنے کی ظاہری وجوہات تو یہ ہیں کہ سورج کی گرمی  
 سے سمندروں کی سطح سے پانی بخارات بن کر بادلوں کی صورت میں  
 اٹھتا ہے۔ پھر ہوائیں ان بادلوں کو اس خطے کی طرف اڑانے  
 جاتی ہیں جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ بارش کا ذریعہ  
 صرف بادل ہی نہیں بلکہ اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے  
 اسی لیے یہاں پر السَّمَاءِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے  
 اس سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھی مراد ہے۔ اور عالم بالا کا  
 حکم الہی بھی اس میں شامل ہے۔ اسی لیے فرمایا وہ آسمان کی طرف سے  
 پانی اتارتا ہے۔

فرمایا جب بارش ہوتی ہے فَسَاكَتْ أَوْدِيَةٌ تو وادیاں بہ  
 نکلتی ہیں۔ اودیہ وادی کی جمع ہے مطلب یہ ہے کہ جب ربارٹوں  
 پر یا سطح مرتفع پر بارش ہوتی ہے تو اس کا پانی ندی نالوں کی صورت  
 میں بہ کر وادوں میں پہنچ جاتا ہے لَقَدْ رَهَا أَنْ کے اندازے  
 کے مطابق جس قدر ندی نالہ بڑا ہوگا اسی قدر پانی بھی اس کے  
 ذریعے زیادہ آنے گا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ندی نالوں کا پانی پاک ہونا ہے  
 ایسے پانی کی رنگت خواہ تبدیل ہو چکی ہو مگر یہ غسل اور کپڑے دھونے  
 کے لیے بالکل درست ہوتا ہے۔ اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے  
 پلانے زمانے میں پانی کے ذرائع ندی نالے یا کنوئیں تھے مگر

جدید دور میں ان کی جگہ ٹیوب ویلویں، ہینڈ پمپوں اور واٹر سپلائی نے لے لی ہے، تاہم بہاڑی علاقوں میں آجکل بھی ندی نالوں اور چشموں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ پانی دریا کے پانی کی طرح بالکل پاک ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ہم لوگ سمندر میں سفر کے دوران میٹھا پانی زیادہ ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اور اگر ہم اس محدود مقدار کے پانی سے وضو بھی کریں تو پینے کے لیے پانی نہیں بچتا۔ تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو اور غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا هُوَ الطَّهَّوْرُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا شکار یعنی مچھلی وغیرہ حلال ہے۔ سمندر کا پانی اگرچہ سخت کڑوا ہے اور پینے کے قابل نہیں ہوتا اور پینے سے بیماری لاحق ہونے کا بھی خطرہ ہوتا، مگر یہ پانی بہر حال پاک ہے۔

فرمایا جب بالائی علاقوں میں زیادہ بارش ہوتی ہے تو ندی نالے سیلاب کی صورت میں بہ نکلتے ہیں فَاَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَيْكًا ڈابیا۔ پس وہ سیلاب اٹھا لاتا ہے جھاگ پھولی ہوئی۔ سیلاب کا پانی جن وادیوں سے گزرتا ہے۔ وہاں کی مٹی، نئے اور کڑا کوئلے بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مٹی کی وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا ہے اور اس پر جھاگ بھی آجاتی ہے زمین کا کڑا کوئلے بھی جھاگ کے ساتھ مل کر پانی کی اوپر والی سطح پر نظر آتا ہے۔ اور اس طرح پانی کی سطح ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ ڈابیا گڑ سے ہے۔ ربر سانس کی بیماری کہتے ہیں جس سے سانس پھول جاتا ہے اور ربو زاید مال یعنی سود کہتے ہیں جو بغیر استحقاق کے حاصل کیا جاتا ہے زَيْدًا جھاگ کہتے ہیں زید عظیم کو بھی کہتے ہیں حدیث شریف

بَاب  
جھاگ



میں آتا ہے کہ ایک مشرک نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا **ثُمَّ إِنَّا عَن زَيْدِ الْمُشْرِكِينَ** یعنی ہمیں مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں دین کا فائدہ ہو وہاں ایسا ہدیہ قبول کر لینا چاہیے۔ اقامت دین و ملت اور مسلمانوں کے غلبے کی خاطر ایسا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر ایسے ہدیہ کی وجہ سے دین و ملت کو نقصان پہنچے گا خطرہ ہو یا مشرکین کی تعظیم ہوتی ہو یا ان کے غلبے کو تقویت حاصل ہو تو پھر ان کا ہدیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح زہد مگھن کو کہا جاتا ہے اور زہد اس جھاگ کو بھی کہتے ہیں جو سونا چاندی یا کوئی دوسری دھات پگھلانے سے اس پگھلے ہوئے پانی پر آ جاتا ہے اور محطوری دیر بعد ختم ہو جاتا ہے۔

دھات کی  
جھاگ

سونا اور چاندی عموماً زیورات بنانے کے لیے پگھلایا جاتا ہے چاندی تو عدلی پگھل جاتی ہے مگر سونے اور تانبے وغیرہ کے لیے بہت زیادہ ٹمپرچر کی ضرورت ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے **وَمَا يُوقِدُونَ عَلَيْكَ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ** اور اس میں بھی جھاگ آتی ہے جس کو وہ آگ میں گرم کرتے ہیں زیور بنانے کے لیے۔ حلیہ اس زیور کو کہا جاتا ہے جسے مردوزن زینت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عورتوں کے لیے تو سونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو۔ البتہ مردوں کے لیے صرف سونا چاندی کی محدود اجازت ہے اور سونا یا نکل ممنوع ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک خاتون اور اس کی بیٹی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے سونے کے موٹے موٹے کنگن پہن رکھے تھے حضور نے دریافت کیا، کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی

ہو؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ یہی کنگن آگ کے بن کر تمہارے ہاتھوں میں پڑے ہوں؟ اس خاتون نے وہ کنگن فوراً اتارے اور صدقہ کر دیے۔ بہر حال اگر زیور نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زیور کا زیر استعمال آنا ضروری نہیں ہے۔ زیور خواہ پہنا جائے، صندوق میں پڑا ہے یا کسی بنک کے لاکر میں محفوظ ہو، زکوٰۃ بہر حال ادا کرنا ہوگی، جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

فرمایا اَوْصَاتُكَ ذِكْرٌ شَدِيدٌ یا کوئی دوسرا سامان بنانے کے لیے کسی دھات کو پگھلایا جائے تو اس پر بھی جھاگ آجاتی ہے پلاٹینم سونے سے بھی قیمتی دھات ہے اور اس سے بھی زیورات بنتے ہیں۔ باقی دھاتوں میں لوہا سرفہرست ہے جس سے ہر قسم کی مشینری اور اس کے پرزہ جات بنتے ہیں۔ موجودہ دور میں لوہا اور پٹرول بنیادی ضروریات میں شامل ہیں اور ان کے بغیر پوری دنیا کا نظام ریل و سائل ٹھہر ہو سکتا ہے۔ تمام گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں اور پٹرول سے چلتی ہیں۔ عام مشینری ضروریات کے لیے استعمال ہونے والی کاروں اور بسوں سے لے کر کھجری اور ہوائی جہاز تک لوہے کے مڑھوں پر بنتے ہیں۔ جتنی ساز و سامان میں الفضل، توبہ، ٹینک ہوائی جہاز، میزائل اور راکٹ وغیرہ سب لوہے سے بنتے ہیں جسے پگھلانا پڑتا ہے۔ دنیا میں لوہے اور پٹرول کے ذخائر کم ہو رہے ہیں تو قدرت ان کا متبادل بھی پیدا کر رہی ہے۔ لوہے سے پیتل، تانبے اور سلور وغیرہ کی بجائے اب پلاسٹک کے برتن اور دوسری ضروریات زندگی تیار ہو رہی ہیں۔ تیل کا متبادل اللہ نے گیس پیدا کر دی ہے جسے ایندھن کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب سورج کی شعاعوں سے

حق و باطل  
میں کشمکش

ایزمن کا کام لینے کے تجربات ہوئے ہیں۔  
 غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی جھاگ کا ذکر فرمایا ہے، ایک جو  
 سیلاب کی وجہ سے پانی کے اوپر آتی ہے اور دوسری جو دھات  
 پگھلانے سے دھات کے پانی پر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی دھات  
 سے بات سمجھانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے كَذَلِكَ يَضْرِبُ  
اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ حق اور باطل  
 کو بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی اور جھاگ کو حق اور باطل کے  
 ساتھ تشبیہ دی ہے فرمایا فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً  
 جھاگ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے۔ جو سیلاب آتا ہے یا دھات  
 کو گرم کیا جاتا ہے تو کچھ وقت کے لیے اوپر جھاگ آتی ہے۔ مگر  
 آہستہ آہستہ خشک ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ  
فِي مَكْتَبٍ فِي الْأَرْضِ اور جو چیز لوگوں کے لیے  
 مفید ہوتی ہے وہ نیچے زمین میں رہ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ  
 جب سیلاب کا پانی مع اپنی جھاگ کے گزر جاتا ہے تو وہ اپنے پیچھے  
 زمین میں زرخیز مٹی (بھل) چھوڑ جاتا ہے جس سے زمین زرخیز ہو جاتی  
 ہے اور خوب اناج اور پھل اگاتی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے  
 ہیں۔ اسی طرح سونا چاندی یا لوہا تانبہ وغیرہ پگھلانے سے جو اوپر  
 جھاگ آتی ہے، وہ تو کچھ لمحوں کے بعد خشک ہو جاتی ہے اور اصل  
 جوہر پیچھے رہ جاتا ہے جس سے زیورات اور روزمرہ زندگی کی ہزار  
 ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ فرمایا كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ  
 اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا  
 ہے۔ آسمان سے بارش برسی جس کا پانی ندی نالوں میں بہہ نکلا۔ اس  
 کے اوپر جھاگ، کوڑا کچرہ، میل بھیل وغیرہ آئی جو کچھ دیر بعد ختم ہو گئی

اسی طرح دھاتوں کے پگھلاتے وقت دھات کے پانی پر آنے والی جھبک بھی محض طریقی دیر بعد ختم ہو جاتی ہے، اور دونوں صورتوں میں کارآمد اشیاء یعنی پانی، زرخیز مٹی اور دھات وغیرہ بچے رہ جاتی ہے، اور یہی وہ اصل ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر حق و باطل کی مثال سمجھنی ہو تو یوں سمجھو کہ انسانوں کے دلوں پر وحی الہی کا اثر اُن کی دلی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں صلاحیت زیادہ ہوگی وہاں وحی الہی کا اثر بھی زیادہ ہوگا اور جہاں استعداد کم ہوگی وہاں اثر بھی کم ہی ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس بات کو اس طرح سمجھایا کہ عام طور پر زمین کے خطے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض خطے نہایت اچھے ہوتے ہیں۔ جب آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو ایسے خطے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ اور پھر اس زمین سے پھل، انار، چارہ اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے مخلوق خدا استفید ہوتی ہے۔ فرمایا زمین کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے کہ اُس میں روٹیدگی کی صلاحیت تو نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے اندر پانی کو جمع کر لینے کی استعداد رکھتی ہے۔ ایسی زمین میں تالابوں، جھنوں اور جھیلوں کی صورت میں پانی جمع ہو جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سیراب ہوتے ہیں۔ فرمایا زمین کی تیسری قسم ایسی ہے جو نہ تو خود پیداوارینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ وہ پانی کو سلور کر سکتی ہے کہ اس سے دوسرے لوگ ہی فائدہ اٹھا سکیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے جو وحی، ہدایت اور شریعت نازل ہوتی ہے اُس سے بھی تین قسم کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں اچھی صلاحیت والے لوگ وحی الہی کی تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں اور اس سے

خوب مستفید ہوتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگ خود تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر وہ اس علم کو اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں۔ جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بالکل نیکے ہوتے ہیں جو وحی الہی سے نہ تو خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے لیے وحسب استفادہ بنتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کی یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو باطل حجاج کی مانند اُپر آجاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے مگر وہ آخر کار دب جاتا ہے اور کار آمد حق پیچھے رہ جاتا ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ وحی الہی کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب انسان کے دل میں حق اُترتا ہے تو بعض اوقات وہ ہم اور شیوک و شبہات بھی جوش مارتے ہیں مگر حجاج کی طرح یہ بھی کچھ وقت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے دل میں حق بات ٹھہر جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باطل کے وقتی جوش و خروش کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے: "إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" (نبی اسرائیل) باطل تو مرٹ جانے والی چیز ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعات، معاصی کتنا بھی زور ماریں وہ بالآخر ختم ہوں گے اور ایمان ہی باقی رہے گا۔ باطل کی عمر زیادہ سے زیادہ اس عارضی دنیا کی زندگی تک ہو سکتی ہے۔ مگر ایمان نیکی، توحید اپنی جگہ پر قائم رہیگی۔ اور یہی چیزیں لوگوں کے لیے سفید ہوں گی۔

شاہ ولی  
کافلہ

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عالم مقدس سے انبیاء پر نازل ہونے والا حق اس مقدس جہان کے شہر و قبائح سے ٹکراتا

رہتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ کی تشریح میں میں نے شاہ صاحب کی حکمت کے مطابق عرض کیا تھا کہ انبیاء کی تعلیمات جو عالم بالا سے نازل ہوتی ہیں۔ وہ اس دنیا میں آکر انسانوں کے برے اخلاق، شرک، کفر، معصیت وغیرہ سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں باطل مٹا رہتا ہے اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے باطل میں کتنا ہی جوش و خروش کیوں نہ ہو، وہ حق کے مقابلے میں نہیں بٹھ سکتا۔ حق و باطل کی کشمکش کا یہی مطلب ہے۔

فَرِیَآءُ لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنٰی اٰجِنُوْنَ  
 نے اپنے رب کی بات کو قبول کیا ان کے لیے بھلائی ہے، اچھا بدلہ ہے۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَسِبُوْا لِحُسْنٰی اٰجِنُوْنَ  
 اسے قبول نہیں کیا ان کی حالت یہ ہوگی کہ لَوْ اَنَّ كَلِمَةً  
 صَآفٍ اَلْاَرْضُ حٰصِبًا اٰجِنُوْنَ اگر اس زمین کی ہر چیز ان کی ملکیت ہو وہ مشکل، معذرت اور اس کے ساتھ اس جیسی اور بھی ہو۔  
 دوسری جگہ ہے کہ سونے چاندی اور پے پیسے سے پوری زمین بھری ہوئی ہو اور اس سے ڈبل بھی ہو، اور اگر وہ شخص جان خلاصی کے لیے پوری کی پوری زمین فدیہ دینا چاہے لَا فِتْنَةٌ وَاٰیٰتٌ  
 تو وہ مقبول نہیں کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائے گا، اے ابن آدم! اگر یہ ساری زمین سونے سے بھری ہوئی ہو، تو کیا تم فدیہ دینے کے لیے تیار ہو؟ وہ آدمی عرض کرے گا، پروردگار! ہاں میں تیار ہوں۔ اللہ فرمائے گا، تم جھوٹے ہو، تم ابھی باپ کی پشت میں تھے جب میں نے تم سے مطالبہ کیا تھا "اَلَا تَشْرِكُ بِرَبِّكَ شَيْئًا" میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، مگر تم نے میرا حکم نہ مانا۔ اب یہ ساری زمین اور اس

مسلمین اور  
 مکذبین

سے ڈگتی بھی تمہارے لیے فدیہ نہیں بن سکتی۔  
 ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ  
 یہ لوگ برے حساب والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ برے حساب کی وجہ  
 سے تو گرفت ہی آئیگی، بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی حضور علیہ  
 الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے مَنْ لُوِّقِشَ فِي الْحِسَابِ  
هَلَكَ جس شخص کے ساتھ حساب کتاب کے موقع پر جھگڑا ہو  
 گا، اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا، فرمایا وہ  
 شخص ہلاک ہو گیا، وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتا۔ اور جس شخص کو اللہ  
 تعالیٰ فرمائے گا کہ اے فلاں! تو نے یہ یہ کام کیے اور وہ امتسار  
 کرنا کیا تو اس کا حساب آسان ہوگا۔ امید ہے کہ اُسے معافی مل جائے  
 گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے اللَّهُمَّ حَاسِبِي  
حِسَابًا يَسِيرًا اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا۔ کہیں فرمائیے  
 گا۔ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ بَعْدَ حِسَابٍ بَغِيرِ حِسَابِ كِتَابِ  
 کے جنت میں چلا جا، اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی فرمائے گا۔ البتہ ایسے  
 لوگ بہت محصور رہے ہوں گے جو ایک ہی قطار میں جنت میں داخل ہو  
 جائیں گے۔ اور جو لوگ باطل کے ساتھ ہی مذکور ہے، اس بات کو تسلیم  
 ہی نہ کیا۔ فرمایا وَمَا وَدَّعْتُمْ جَهَنَّمَ ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا و  
يَبْسُ الْيَمِّ ہوا آرام بچڑنے کی بہت بری جگہ ہے۔ وہاں آرام  
 نہیں بلکہ دکھ ہی دکھ ہوگا۔

وما ابرئی ۱۳

درس ہشتم ۸

الرعد ۱۳

آیت ۱۹ تا ۲۳

اَفَمَنْ يَعْلَمُ اَنْمَّا اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ  
 كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ۱۹  
 الَّذِيْنَ يُوفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ  
 الْمِيْثَاقَ ۲۰ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ  
 اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ  
 سُوءَ الْحِسَابِ ۲۱ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا بِتَغْيٰ  
 وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوا  
 مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِيَةً وَيَدْرَءُوْنَ  
 بِالْحَسَنَةِ السَّيْئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى  
 الدَّارِ ۲۲ جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ  
 صَلَحَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ  
 وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ  
 بَابٍ ۲۳ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَاِنَّمَا  
 عُقْبَى الدَّارِ ۲۴

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جو جانتا ہے کہ بیشک جو چیز  
 اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب



سے وہ سق ہے، کیا وہ اس کی طرح ہو گا جو انڈھا ہے؟  
 بیشک نصیحت پکڑتے ہیں عقل مند لوگ (۱۹) وہ لوگ جو پورا  
 کرتے ہیں اللہ کے عہد کو، اور نہیں توڑتے پختہ عہد و پیمان  
 کو (۲۰) اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اُس چیز کو جس کو اللہ  
 نے ملانے کا حکم دیا ہے، اور ڈرتے ہیں اپنے پروردگار  
 سے اور خوف کھاتے ہیں بُرے حساب سے (۲۱) اور وہ  
 لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی تلاش  
 کرتے ہوئے اور انہوں نے قائم رکھی نماز، اور خرچ کیا انہوں  
 نے اس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے، پرتیبہ  
 بھی اور ظاہر بھی، اور مٹاتے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ برائی  
 کو، یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے (۲۲)  
 وہ باغات ہیں بہنے کے، داخل ہوں گے ان میں، اور  
 جو بھی نیک ہو گا اُن کے آبا و اجداد، ان کی بیویوں اور  
 اُن کی اولادوں میں۔ اور فرشتے داخل ہوں گے اُن پر ہر  
 دروازے سے (۲۳) اور کہیں گے وہ سلامتی ہو تم پر اس  
 وجہ سے کہ تم نے صبر کیا، پس اچھا ہے آخرت کا گھر (۲۴)

شُرک کی تردید اور توحید کے بیان کے بعد اس کے ماننے اور نہ ماننے  
 والے ہر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا۔ حق و باطل کی کشمکش کا ذکر فرمایا کہ ان دونوں  
 میں ہمیشہ ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ باطل کی مثال سیلاب کے پانی پر آنے والی جھاگ یا  
 کسی دھات کو پھلانے پر دھات کے پانی پر آنے والی جھاگ کی ہے۔ ہر دو قسم  
 کی جھاگ تھوڑی دیر کے لیے جوش مارتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز کراہ  
 اور مفید ہوتی ہے، وہ اس جھاگ کے نیچے تر نشین ہو جاتی ہے۔ دھات کی صورت

میں اصل دھات کے زیورات ماہرتن یا دیگر سامان تیار کر لیا جاتا ہے۔ فرمایا نیکی اور بری کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ ان کا بھی آپس میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات بُرائی جوش بھی مارتی ہے مگر بالآخر وہ مرٹ جاتی ہے اور باقی حق ہی رہتا ہے۔

آج کے درس میں قرآن پاک، دین اور شریعت کو ملنے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ تیز قرآن پاک کی تعلیمات سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ يَعْظُمُكُمْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ  
مِثْرًا وَرَبِّكُمُ الْحَقُّ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کے رب کی طرف سے نازل کردہ چیز برحق ہے کمن ہوا عظمیٰ  
 اُس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے کسی چیز کو جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اُس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ علم رکھتا ہے کہ قرآن پاک برحق ہے مگر خود اس پر ایمان نہیں لاتا تو اگلے کا محض علم کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس مقام پر علم سے مراد اعتقاد بھی ہے یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ برحق کتاب ہے، وہ قرآن پاک کے منبر کی طرح تو نہیں ہو سکتا جس کو اندھے سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً ”فَاعَلِمَ اَنْهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کا محض علم ہونا مفید نہیں کیونکہ یہ علم تو یہود و نصاریٰ کو بھی تھا مگر وہ اس کو مانگتے نہیں تھے، لہذا ان کا صرف جانتا مفید نہیں ہے۔ اور جس شخص کے پاس نہ تو علم ہے کہ قرآن پاک برحق ہے اور نہ وہ

عالم اور  
 نابینا کی  
 مثال

اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھتا ہے اُسے قرآن پاک کی غرض و غایت کا ہی علم و یقین نہیں، وہ نابینا آدمی کی طرح ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسا آدمی تو حق و باطل، نور اور ظلمت، صحیح اور غلط میں امتیاز ہی نہیں کر سکتا۔ گویا ایسا ذرا آدمی بینا کی طرح ہے اور مشرک، کافر اور منافق نابینا کی طرح اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فرمایا

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ بِشَيْءٍ صَاحِبِ عَقْلٍ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ

ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بے عقل اور نادان لوگ نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے متعلق تو سورۃ انفال میں یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ

وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل کو صحیح طور پر استعمال ہی نہیں کرتے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں

وَالَّذِينَ يُوَفُّونَ بِعَهْدِ اللَّهِ

جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں وَلَا يَنْقُضُونَ الْعَيْثَاقَ اور پختہ عہد و پیمانہ کو نہیں توڑتے۔ جب کوئی شخص کلمہ توحید زبان سے ادا کرتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ تو وہ دو چیزوں کا عہد کرتا ہے۔ ایک یہ کہ میں اللہ کی وحدانیت پر ہمیشہ قائم رہوں گا اور دوسری یہ کہ میں اُس دین اور شریعت کا پابند رہوں گا جو اللہ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ یہ تو توحید و رسالت کا عہد ہو گیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اس عہد میں تمام قسم کے عہد آجاتے ہیں جو ایک انسان اپنے خالق کے ساتھ کرتا ہے یا ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے ایک جماعت کا دوسری جماعت سے اور ایک سلطنت کا دوسری سلطنت سے عہد بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو، پورا کرنا لازمی ہوگا

عقلمندوں  
کے اوصاف  
اور ایقانے  
عہد

سورۃ مائدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! «**أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**» عہد و پیمان کو پورا کرو۔ سورۃ نبی اسرائیل میں ہے کہ لوگو! عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ «**إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا**» اس کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

میتاق کے متعلق مفسرین کہیں فرماتے ہیں کہ ایک تو میتاق الست ہے جو اس جہان میں آنے سے پہلے اللہ نے تمام انسانوں کی روحوں سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور فرمایا **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** "تلاؤں میں تمہارا رب ہوں یا نہیں"۔ **قَالُوا بَلٰی** "تو سب نے کہا کہ پروردگار! کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا رب ہے پھر اس نچتہ عہد کی یاد دہانی کے لیے اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کتاہیں نازل فرمائیں تاکہ کل قیامت کو یہ بہانہ نہ کر سکو کہ ہمیں یاد دلانے والا کوئی نہیں آیا تھا، حالانکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت کو یہ عہد یاد دلایا ہے۔ غرضیکہ میتاق الست اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کیونکہ ہر شخص کی روح اس کا اقرار کر چکی ہے۔ اور یہی وہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ توڑنے کا حکم دیا ہے اگرچہ اس دنیا میں آکر عام آدمی اس عہد کو بھول جاتے ہیں تاہم ایسے سلیم الفطرت لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو روحانیت کے اعتبار سے بیدار ہوتے ہیں۔ تابعین اور تابعین کے زمانے کے بعض حضرات کا بیان ملتا ہے جنہوں نے کہا کہ ہمیں تو وہ عہد بالکل تازہ بتا رہے ہیں۔ ہوتا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ عالم ارواح میں ہم نے یہ عہد کیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ عقل مند آدمی وہ ہیں جو عہد کو پورا کرتے ہیں اور میتاق کو توڑنے نہیں خواہ وہ عہد الست ہو یا کوئی اور عہد۔

آج کی دنیا میں بد عہدی عام ہو چکی ہے، افراد ہوں یا جماعتیں یا حکومتیں  
 وعدے کی پابندی نہ صرف ختم ہو چکی ہے بلکہ اس کے اعلان سے  
 اظہار کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ انگریزوں کے وزیر جنگ نے  
 جنگ عظیم کے موقع پر یہ بلا کہا تھا کہ ترکوں کے ساتھ عہد محض  
 وقت گزارنے کے لیے کیا گیا تھا، اُس کو پورا کرنا مقصود نہ تھا۔  
 آج بھی امریہ، یارنس، ڈانس ہو یا جرمنی وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے  
 سے عہد کو ٹالتے رہتے ہیں۔ ہمارا پڑوسی ملک بھارت کشمیر لوں سے  
 کیے گئے عہد استصواب رائے کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ  
 ٹالتا جا رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہوں  
 نے کبھی عہد کو پورا نہیں کیا۔ البتہ مسلمان جب تک ایک زندہ قوم  
 تھی، ان کو عروج حاصل تھا تو یہ عہد پر بھی قائم ہوتے تھے۔ مگر  
 جب سے انحطاط پذیر ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بھی دیگر اقوام  
 کی طرح ہی ہو گئی ہے۔ بہر حال عہد کی پاسداری کرنا سچے مسلمانوں اور  
 عقلمندوں کا کام ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے کہ ایک عقلِ معاد ہوتی  
 ہے اور دوسری عقلِ معاش۔ معاش کی عقل تو اس دنیا تک محدود  
 ہے۔ یہاں پر بڑے بڑے اہل عقل و ہنر، دانش ور، سرسبز اور پی  
 انج ڈی حضرات موجود ہیں۔ مگر عقلِ معاد سے خالی ہیں "کَعْلَمُونَ  
 ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - وَهُمْ عَنِ  
 الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ" (الروم) ان کا علم دنیا تک  
 محدود ہے اور یہ آخرت سے غافل ہیں۔ مگر یہاں پر تو آخرت کو  
 سمجھنے والی عقل کی ضرورت ہے اور صحیح عقلمند وہی ہے جو آخرت  
 کی منزل کو سمجھتا ہے اور جسے آخرت کا احساس ہو گا وہ عہد کی پابندی

کرے گا اور اسے قطع نہیں کریگا۔

اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ  
يَصِلُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ اور وہ لوگ جو  
ملاتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ سب سے  
پہلے اللہ نے ایمان اور نیکی کو ملانے کا حکم دیا ہے۔ قرآن پاک  
میں جگہ جگہ موجود ہے "الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ" یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے  
گو یا نیکی ایمان کے ساتھ بالکل بڑھی ہوئی ہے۔ نہ تو نیکی کے بغیر  
ایمان کا کچھ فائدہ ہے اور نہ صرف نیکی کسی کام کی ہے۔ ایمان کا تقاضا  
یہ ہے کہ انسان نیکی کرے۔ باہمی ملاپ میں قرابتداری اور صلہ رحمی  
بھی آتی ہے۔ اللہ نے قرابتداروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور  
قطع رحمی سے منع فرمایا ہے۔ اس کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے  
بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ صالح انسان وہی ہوگا جو اللہ کے  
حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے۔ جس طرح  
ایمان کے ساتھ نیکی کو ملانا ضروری ہے اسی طرح حقوق اللہ کے ساتھ  
حقوق العباد کا ملانا بھی لازمی ہے۔

قرابت داروں کے حقوق کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے کا حق  
ہے۔ اپنے پڑوسی کا حق ہے، دوہم ضرور کا آپس میں حق قائم ہوتا  
ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔ اپنے پیر کا حق ہے، استاد  
کا حق ہے۔ افسر اور ماتحت کا حق ہے۔ مالک اور مزدور کے درمیان  
حقوق کی تقسیم ہے اور امام اور مقتدی کا بھی آپس میں حق ہے۔ تو  
عقلمند وہ لوگ ہیں جو ان تمام حقوق کو ملاتے ہیں۔ اور ان میں اختلاف  
نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (انحراست) تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا وہ اخوت اور بھائی چارے کے جذبے کے ساتھ ہی رہیں۔ مسلمان خواہ کسی ملک میں رہتا ہو اور کوئی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے۔ ہم سب ایمان کے رشتے میں بیرونی ہیں، کلمہ طیبہ ہی جامع ایمان ہے۔

(۳) خنثیت الیٰ

عقل مندوں کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ وَ كَيْفَ تَعْلَمُونَ رَبَّهُمْ ۚ وَهُوَ يُعَلِّمُ الْوَعْدَ وَالْغَيْبَ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِمَا تُكْسِرُونَ كُنُوزَهُمْ ۚ وَمَا يَضِلَّ رَبُّكُمْ سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ ۚ وَهُوَ الَّذِي يُعَلِّمُ الْوَعْدَ وَالْغَيْبَ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِمَا تُكْسِرُونَ كُنُوزَهُمْ ۚ وَمَا يَضِلَّ رَبُّكُمْ سَبِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ ۚ

کرام فرماتے ہیں کہ خنثیت وہ چیز ہے جو علم کے ساتھ چل رہی ہوتی ہے جب کوئی شخص اچھائی اور برائی میں امتیاز نہ کر لیتا ہے اور پھر وہ برائی کے کام سے ڈر جاتا ہے تو یہی خنثیت الیٰ ہے۔ سورۃ فاطر میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" علم والے لوگ ہی اللہ کا خوف رکھتے ہیں فرمایا وَيَخْشَوْنَ سُوءَ الْحِسَابِ یہ وہی لوگ ہیں جو حساب کی نگرانی سے ڈرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے خوف کھاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حساب آسان ہو جائے۔ یہی مدیہ راستے پر چلنے والے لوگ ہیں۔

(۴) صبر

ابن عقل و خرد کی چوتھی صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۚ

وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی کی تلاش کے لیے جنہوں نے دنیا کے مصائب و آلام جھیلے اور ناگوار باتوں پر صبر کیا۔ صبر اطاعت پر بھی ہوتا ہے، معصیت سے بچنے کے لیے بھی اور تکلیف کو برداشت کرنے پر بھی۔ صبر ملت ابراہیمی کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ قرآن پاک میں اس کی بہت سی تفصیلات

موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا يُوفِّ الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** (الزمر) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملیگا۔ گھرمی کے دلوں میں روزہ رکھنا صبر کی بات ہے۔ صبر کے بغیر انسان گھرمی اور سردی میں وضو نہیں کر سکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، حج و عمرہ ادا نہیں کر سکتا۔ صبر نفس کو برائی سے روکتا ہے اور اطاعت پر آمادہ کرتا ہے۔ تو فرمایا عقلمند لوگوں کی پوجہ تھی صفت صبر ہے۔

ایک مومن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رضا اللہ حاصل ہو جائے۔ ہمارے تمام نیک کاموں اور تمام عبادت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ** (التوبة) اللہ تعالیٰ کی بخوشنودی ہی رضا بھی حاصل ہو جائے تو وہ ہر چیز سے بڑی ہوگی۔ ہمارے بزرگ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ لوگ لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر میری دعا بالکل مختصر ہوتی ہے **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ** اللہ میں تجھ سے تیری رضا کا طالب ہوں اور جنت کا سوال کرتا ہوں جب کہ تیرے غضب اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔ غرضیکہ جس کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی۔ اس کو سب کچھ مل گیا اور جو کوئی خدا کے غضب سے بچ گیا، وہ تمام برائیوں سے بچ گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا۔ صبر بہت بڑی حقیقت اور ملت ابراہیمی کا اہم اصول ہے۔

فرمایا عقلمندوں کی پانچویں صفت یہ ہے **وَاقَامُوا الصَّلَاةَ**

۱۰ شام امداد یہ ص ۲۷



کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز بھی بہت بڑی حقیقت ہے۔ حساب کتاب کے موقع پر سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا۔ نماز ہی کے ذریعے انسان کا تعلق باللہ قائم رہتا ہے۔ نماز مومن کی پہچان ہے۔ مومن اور کافر کے درمیان نماز ہی خط امتیاز ہے۔ نماز ہی ہونا بھی مومن اور اہل عقل کی صفت ہے۔

(۶۱)  
انفاق فی سبیل اللہ

فرمایا، اُن کی چھٹی صفت یہ ہے وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ اہل عقل وہ ہیں جنہوں نے خرچ کیا اُس چیز میں سے جو ہم نے انہیں روزی دی ہے۔ انسان جو بھی خرچ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز سے ہی کرتا ہے کسی کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی محنت، ہنر اور عقل سے کوئی چیز کھائی ہے تو وہ نادار ہے یہ تو سب جیلے ہیں، یہ تو انسان کو اللہ کے حکم سے تصرف حاصل ہوا ہے۔ تو عقلمند وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں مگر نیکی کے کاموں پر، نہ کہ شیطانی راستوں پر۔ انفاق فی سبیل اللہ میں کھیل تماشہ، گانا بجانا، شراب نوشی، جوا بازی، شکر کی لہر اور رسومات باطلہ نہیں آتیں۔ یہ تو سب ناجائز عبادت ہیں۔ ہاں قابل قبول خرچ وہ ہے جو خدا کی رضا کے لیے ہو اور اس میں تمام انفرادی اور اجتماعی حقوق بھی شامل ہوں جن پر خرچ کرنا عقلمندوں کی صفت ہے۔

اور اُن کے خرچ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خرچ کرتے ہیں سِرًّا وَعَلَانِيَةً پوشیدہ طور پر بھی اور علی الاعلان بھی۔ اگر پوشیدہ طور پر کوئی چیز مستحقین تک پہنچا دی جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس میں ریاکاری نہیں ہوگی۔ اور اگر کھلے طور پر خرچ کرنے سے دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہو تو ایسا کرنا بھی درست ہے تاہم زیادہ اجر پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کا ہے۔

فرمایا ان کی ساتویں صفت یہ ہے وَكَذَرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ  
السَّيِّئَةِ کہ وہ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے ہیں۔ اگر کوئی غلطی  
 سرزد ہوگئی ہے تو اس کے جواب میں کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں  
 تاکہ برائی کا ازالہ ہو جائے حضور علیہ السلام نے حضرت ابو ذر غفاریؓ  
 سے فرمایا تھا کہ غلطی کو نیکی کے ساتھ مٹاؤ۔ جب نیکی کرو گے تو برائی  
 خود بخود مٹ جائے گی۔ اگر کوئی آدمی تمہارے ساتھ بد اخلاقی سے  
 پیش آتا ہے، گالی دیتا ہے یا کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے  
 جواب میں تم بھی غلط کام نہ کرو بلکہ تم برائی کا جواب نیکی سے دو گے  
 تو برائی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر ایک گولی کے جواب میں دو گولیاں  
 چلیں، ایک گالی کا جواب دو گالیوں سے ملے اور ایک گھونٹے  
 کی بجائے دو برسوں تو پھر برائی مٹے گی نہیں بلکہ مزید پھیلے گی۔ حال  
 البتہ بعض مواقع پر برائی اور ظلم کا بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے اور  
 بعض اوقات معاف کر دینا بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک  
 میں ان کے محلات بیان کر دیے ہیں۔ تو فرمایا اہل عقل وہ ہیں جو  
 برائی کا ازالہ نیکی سے کرتے ہیں۔

فرمایا جن لوگوں میں مذکورہ سات اوصاف پائے جائیں گے  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَقِبَى الدَّارِ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت  
 کا گھر ہے اور وہ گھر کیا ہے جنت عَدْنِ وہ رہائش کے قابل  
 باغات ہیں۔ جنت کے کئی طبقات ہیں جیسے جنت الفردوس  
 جنت النعیم اور جنت عدن وغیرہ۔ تو جنت عدن وہ باغات  
 ہیں جو صرف درختوں اور پودوں کے باغات ہی نہ ہوں بلکہ ہنسنے  
 کے لیے ان میں محلات بھی موجود ہوں۔ فرمایا يَدْخُلُونَهَا  
 مذکورہ صفات کے حاملین ان باغوں میں داخل ہوں گے، اور وہ

وہاں ایسے نہیں ہوں گے بلکہ فَمَنْ صَاحِبٌ مِنْ آبَائِهِمْ  
وَآزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ اُن کے آباؤ اجداد اور اولادوں میں  
 سے نیک لوگ بھی ان کے ساتھ جنتِ عدن میں داخل ہوں گے۔  
 ایک یمن کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ان کے متعلقین اگرچہ عمل میں ان سے  
 کم تر ہوں گے مگر ان کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ جنت کے  
 اعلیٰ مقام میں ہوں گے۔ جنتِ عدن کا قیم جب اپنے اعزہ واقارب  
 کے متعلق اللہ کے حضور تشویش ظاہر کرے گا اور پوچھے گا کہ وہ کس طبقے  
 میں ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اسی کے ساتھ ملا دے گا۔ تاکہ اُس جنتی کو  
 کوئی ذہنی کوفت بھی نہ ہو دوسری جگہ پر ہے وَإِنَّ بَعْضَهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ  
بِإِيمَانٍ (الطُّور) اگر ایمان اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی اولادوں  
 کو بھی ان کے ساتھ ملا دیگا۔

فرشتوں کا  
سلام

فَرَمَا وَالْمَلَائِكَةَ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ  
بَابٍ اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہونگے مگر اللہ تعالیٰ  
 کی اجازت کے بغیر داخلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات  
 کوئی شخص اپنے اہل و عیال میں مشغول ہوتا ہے تو ایسے میں مغل ہونا درست  
 نہیں ہوتا۔ فرشتے داخل ہو کر کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تم پر  
 سلامتی ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بِمَا صَبَّاتُمْ اس وجہ سے کہ تم نے  
 اس دنیا میں صبر کیا۔ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے  
 جو صبر کی بدولت حاصل ہوا۔ فرشتے مبارکبادیں گے جس سے اہل ایمان کی  
 خوشی میں اضافہ ہوگا۔ یہ نیک لوگوں کا انجام بیان ہوا۔ اب اگلی آیت  
 میں بڑے لوگوں کا حال بیان ہوگا۔

وما آبرئى ۱۳

الرعد ۱۳

درس نهم ۹

آیت ۲۵ تا ۲۶

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ  
 وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ  
 وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ  
 اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ (۲۵) اللَّهُ يَبْسُطُ  
 الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا  
 بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي  
 الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝ (۲۶)

ترجمہ :- اور جو لوگ توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد  
 کو بعد اس کے مضبوط کرنے کے ، اور قطع کرتے ہیں  
 اُس چیز کو کہ اللہ نے حکم دیا ہے ۔ اُس کو جوڑنے کا ، اور  
 فاد کرتے ہیں زمین میں ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت  
 ہے اور اُن کے لیے بُرا گھر ہے ۝ (۲۵) اللہ تعالیٰ کشادہ  
 کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے  
 (جس کے لیے چاہے) اور خوش ہو گئے ہیں یہ لوگ  
 دنیا کی زندگی پر ، حالانکہ نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت  
 کے مقابلے میں مگر ایک حقیر سامان ۝ (۲۶)

مسئلہ توحید اور شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں  
 کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ جو قرآنی تعلیمات سے مستفید ہوتے ہیں، یہ عقل معاد

آیات

رکھتے والے لوگ ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے تھے کہ یہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، ان کو توڑتے نہیں۔ یہ لوگ بڑے حساب سے اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے صبر کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے لیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اور برائی کا ازالہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرمایا کہ ان کے لیے قابل رہائش باغات ہوں گے اور اگر ان کے آباء واجداد، بیویاں اور اولادیں بھی صاحب صلاحیت ہوں گی، تو وہ ان کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر ان کو سلام کریں گے اور پھر انہیں صبر کرنے کی وجہ سے اچھے انجام کی خوشخبری دیں گے۔

اب آج کے درس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو قرآنی تعلیمات سے مستفید نہیں ہوتے درحقیقت یہ لوگ عقلمند نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے اوصاف بیان کیے ہیں اور ان کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں ایمان اول کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ نافرمانوں کا حال بھی بیان ہوتا ہے جہاں محنین کی بات ہوتی ہے وہاں فساق و فجار کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، اس طرح گویا ترغیب و ترہیب ساتھ ساتھ چلتی ہیں گذشتہ درس میں قرآن سے مستفید ہونے والوں کا ذکر تھا، اب نافرمانوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔

قرآنی  
عہد

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ  
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ

ہیں اس کو بچتہ کرنے کے بعد۔ اس میں عہد ازل سے لے کر سارے عہد آجاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور سنی نوع النان کے درمیان عہد یہ ہے کہ بندے اس کی توحید کو مانیں، اور امر کی پابندی کریں، تو اسی سے باز نہ ہیں، اطاعت کرتے رہیں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ مومن کبھی عہد کو نہیں توڑتا۔ البتہ منافق کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِذَا عَاهَدَ غَدْرٌ جَبَّ وَهُوَ عَاهِدٌ كَمَا تَابَهُ تَوَاسَكَوْا وَلَا تَنْهَوْنِي عَنْ عَهْدِي كَمَا تَنْهَوْنَ عَهْدِي تَوْرَتِي وَاللَّهُ يَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْعَبَثِ۔

آگے فرمایا وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرُ يُؤْصَلُ اور جو قطع کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ نیکی کو جوڑو مگر وہ نہیں جوڑتے۔ اللہ تعالیٰ تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے مگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ اسی بیماری کے مریض ہیں جو بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ بیان قرآن پاک میں موجود ہے۔ "ثَوَمَّ مَنِ بَعِضَ وَكَفَرَ بِبَعْضٍ" (المائد) یہ تو کفر ہے اور بے عقلی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرابتداروں کو باہمی جوڑنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ قطع رجمی کرتے ہیں۔ یہ دوسری صفت ہو گئی۔

فرمایا ایسے بے عقل لوگوں کی تیسری صفت یہ ہے وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ یہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے سپروکار امام بیضاویؒ پانچویں صدی کے بڑے امام گذرے ہیں۔ ان کی تفسیر مختصر تفسیر میں سب سے اہم تفسیر ہے۔ بعد والے ان کی تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔ تو امام بیضاویؒ فساد فی الارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عربی زبان

میں فساد کی ضد اصلاح ہے۔ جب کوئی چیز اعتدال پر ہوتی ہے تو وہ درست حالت پر ہوتی ہے مگر جب وہ اعتدال سے باہر نکل جاتی ہے تو اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

فساد فی الارض کا مفہوم بڑا وسیع ہے، مثلاً کفر، شرک اور نفاق فساد فی الارض ہے۔ اس کے برعکس ایمان اور توحید درستگی اور اصلاح ہے۔ یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اس سے متام چیزیں اعتدال پر آتی ہیں، کافروں کے ساتھ دوستانہ کرنا، ان کو مسلمانوں کے راز پہنچانا، فتنہ برپا کرنا، غلط رسومات کو رواج دینا، دین کے خلاف بات کرنا، شرعی قوانین کو توڑنا، قتل و غارت گری کرنا، معصیت کے حق میں پراسیڈہ کرنا، فحاشی پھیلانا، اخلاق سوز باتیں کرنا، بد عقیدہ ہونا، خلاف سنت کام کرنا۔ بدعت جاری کرنا، زنا، بدکاری، چوری، ماڈاکہ، خیانت، آبروریزی کرنا۔ سب فساد فی الارض میں شامل ہے۔ "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفٰسَادَ" اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل سے محروم ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ اہل عقل اور اہل ایمان ہیں وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں۔ ان میں غریب پروری اور سخی نوع انسان سے ہمدردی کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ تعلق باللہ قائم کرتے ہیں اور عہد کے پابند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے اور فساد فی الارض کرنے والے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔

لعنت کا طریق

فَرَمَا أَوْلِيكَ كَهْمَ اللَّعْنَةِ سِوَىٰ لَوْكَ هِيَ جَنِّكَ لِيْلَهُ  
لعنت ہے۔ لعنت کا لغوی معنی ہے بَعْدَ عَنِ الرَّحْمَةِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ جس طرح شیطان سر دود اور خدا کی رحمت سے محروم ہے اسی طرح تمام کافر بھی اللہ کی

رحمت سے دور ہیں۔ فساد فی الارض کرنے والا ہمیشہ لعنت میں گرفتار ہے گا۔ وہ اللہ کی رحمت سے کچھ حصہ نہیں پاسکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس دُنیا میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ اور قیامت کے دن بھی ان کے گلے میں طوق پڑا ہوگا۔ سورۃ ہود میں اللہ نے نافرمان قوموں کا حال بیان کر کے فرمایا: وَأْتَدْعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ هَذِهِ أُولَئِكَ میں بھی ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ اسی میں پھنسنے رہیں گے۔ وَلَهُمْ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ لَعْنَةٌ كَبْرًا بہت بُرا گھر ہے۔ بڑے گھر کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے کہ ایسے لوگ جہنم کا شکار بنیں گے۔ بہر حال قرآن پاک سے مستفید ہونے والے اور اس سے نصیحت حاصل نہ کرنے والے دونوں گروہوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ان کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

نا فرمان لوگوں کی دُنویٰ خوشحالی اور آرام و آسائش دیکھ کر بعض اذہان میں شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر یہ واقعی خدا تعالیٰ کے باسخی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عیش و آرام کیسے عطا کر رکھا ہے۔ ایسے ہی شبہات کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی آیات میں رفع فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ آسودگی اور تنگ دستی انسانوں کے فہم، محض اور پلان کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہ کسی انسان کا اپنا کمال نہیں ہونا ہے بلکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور مصلحت کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق کشادگی یا تنگی کا فیصلہ

مرزوقی  
کشادگی  
اور تنگی



کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَكُوْبَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ  
 لِعِبَادِهِ لَبَعْوًا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ تَسْتَكْبِرُ  
 مَا يَشَاءُ“ (الشوریٰ) اگر اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے سب  
 کے لیے یکساں کھلا دیتا تو سب کے سب نافرمان ہوتے، لہذا  
 وہ اپنے اندازے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔  
 کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ بعض اوقات نافرمانوں کو بھی  
 رزق میں بڑی وسعت عطا کرتا ہے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ  
 تمام بڑے لوگ آسائش میں ہوں۔ بہت سے کافر بھی تنگی میں  
 وقت گزارتے ہیں۔ کفر اور افلاس اگر دونوں چیزیں گچھا ہو جائیں  
 تو بہت ہی بُری بات ہوگی مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔  
 لیکن بہت سے نافرمان، بد اخلاق اور بد عقیدہ لوگ آرام و آسائش  
 میں بھی ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر موقوف ہے  
 فضیلت کا معیار دنیا کا مال و دولت نہیں بلکہ نیکی، تقویٰ اور  
 ایمان ہے، لہذا کسی سنگم کی خوشحالی دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ شخص خدا  
 تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

دنیا کا  
 حقیر  
 سامان

فرمایا وَقَرِّحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ لوگ دنیا کی زندگی پر  
 خوش ہو گئے ہیں، فریفتہ ہو گئے ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلہ  
 میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي  
 الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ہمیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے  
 میں مگر حقیر سامان۔ اس دنیا کا سارا سارا سامان ایک بالکل معمولی سی  
 چیز ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے كُوْبَا نَتِ  
 الدُّنْيَا تَقْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ كَعُوْضَةٍ مَّاسِيَةٍ  
 كَافِرًا مِنْهَا شَرِبَ كَ اَكْرَمَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَ تَرْدِيكِ دُنْيَا كِي

قدر و قیمت مجھ کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر اور منکر کو پانی  
 کا ایک گھونٹ بھی نہ پلانا۔ مگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک حقیر چیز  
 ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آخرت کے مقابلے  
 میں دنیا کی حیثیت ایسی ہے کہ **كَمَا حَقَل أَحَدُكُمْ**  
**إِصْبَعَهُ فِي الْيَوْمِ** جیسے کوئی شخص اپنی انگلی ہنڈر میں  
 ڈبو کر نکالے **فَلْيَنْظُرْ لِمَ يَرْجِعُ** پھر دیکھ لے کہ  
 پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
 ہے **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَلْبَقَىٰ (الاعلیٰ)** آخرت ہی پائیدار  
 اور بہتر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی، ترمذی شریف ہی کی روایت  
 میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام **مَسَّ بِجَذِي أَسَدًا**  
**مَيِّتًا** چھوٹے کانوں والے بچہ کے مردہ بچے سے گزرے۔  
 آپ علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون ہے جو  
 اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا  
 حضور! یہ تو حقیر سا مرہوا بچہ ہے۔ **لَا حَيْثُ أَتَاهُ لَسَا**  
**لَيْسَتْحَىٰ** ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں  
 آپ علیہ السلام نے فرمایا بخدا! اللہ کے نزدیک پوری دنیا کی  
 قیمت اس مردہ بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے مگر لوگوں کا حال یہ ہے  
 کہ اس دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر کوئی اس کے پیچھے  
 دوڑ رہا ہے۔ اس لئے حقیر سامان کو سمیٹ سمیٹ کر رکھ رہا ہے  
 اسی کو پائیدار سمجھ لیا ہے اور اپنے **فَالْأَرْضُ** منصبی سے غافل ہو گیا  
 ہے۔ دنیا کے آرام و آسائش، محلات، کاروں اور دیگر لوازمات  
 میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے۔ مگر اصل منزل تو آخرت کی منزل ہے  
 جو پائیدار بھی ہے اور جس کو دوام بھی حاصل ہے۔ اس آیت

میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا تقابل بھی کر دیا ہے اور دونوں  
 کی حیثیت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اب یہ بندوں کا کام ہے کہ وہ  
 ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہیں۔

---

الرعد ۱۳

آیت ۲۴، ۲۵

وما ابرئى ۱۳

درس ۱۰

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا انزَلَ عَلَيْهِ آيَةٌ  
 مِنْ رَبِّهِ قُلْ ابْتَغُوا اللَّهَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ  
 وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يَبْتَغِي ۚ إِنَّا بِأَنْفُسِكُمْ أَهْلٌ  
 وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ  
 اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۚ ۲۸ الَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحَسُنَ  
 مَا أَجْرُهُمْ ۚ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَّةٍ قَدْ  
 خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لَّتَتَّبَعُوا  
 عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ  
 يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ  
 إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۚ ۳۰

ترجمہ :- اور کہتے ہیں وہ لوگ جنوں نے کفر کیا  
 کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اُس کے رب  
 کی طرف سے۔ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ  
 گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی  
 طرف اُس کو جو رجوع رکھتا ہے ۲۸ وہ لوگ جو ایمان  
 لائے اور مطمئن ہوتے ہیں اُن کے دل اللہ کے ذکر سے

آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں (۲۸) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے خوشخبری ہے اُن کے لیے اور اچھا ٹھکانا (۲۹) اسی طریقے سے ہم نے بھیجا ہے آپ کو رسول بنا کر ایک امت میں۔ تحقیق گنہگار چکی ہیں اس سے پہلے بہت سی امتیں، تاکہ آپ تلاوت کریں اُن پر وہ چیز جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف۔ اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں رحمان کا۔ آپ کہہ دیجئے وہ میرا رب ہے نہیں کوئی معبود اُس کے سوا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے (۳۰)

گذشتہ آیات میں قرآن کریم کی نصیحت سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بیان اور اُن کا انجام بیان ہوا۔ پھر اس نصیحت سے مستفید نہ ہونے والوں کے اوصاف بیان ہوئے کہ یہ لوگ عہد کو توڑتے ہیں۔ جس چیز کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو کاٹتے ہیں اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی لعنت اور آخرت میں بُرا ٹھکانا ہوگا۔ اگر ایسے نافرمان لوگوں کو دنیا میں وافر روزی نصیب ہو تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ رزق کی وسعت اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ دنیا کا مال و اسباب خدا کی جانب سے آزمائش ہوتی ہے، یہ کسی شخص کے پسندیدہ ہونے کی علامت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ تاہم وہ ہر شخص کی صلاحیت کے مطابق ہی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی حکمت کو کوئی مخلوق نہیں جان سکتی۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کرنے والوں کا شکوہ بیان کیا ہے

کہ یہ لوگ محض ضمیر اور عباد کی بنا پر فضول مطالبات کرتے تھے حالانکہ ان پر حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ کھنڑ کا لغوی معنی انکار ہی ہے۔ اور اصطلاحاً توحید، ایمانیات، کتاب، انبیاء، کتب سماویہ، قیامت اور ملائکہ کا انکار مراد ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَةً مِنْ رَبِّنَا کیوں نہیں اتاری جاتی اُس (پیغمبر) پر نشانی اُس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر لوگ خود اپنے مومنوں سے طلب کرتے تھے نشانیاں تو مہزاروں اللہ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! وَقُلْ أَسأَلُكُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے وَيَهْدِي أَلَيْسَ مَنْ أَنْزَلَ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع رکھتا ہے، ہدایت اور گمراہی دونوں چیزوں کے اسباب ہیں۔ جو شخص ضد اور مہرٹ صحرانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے، وہ راہِ راست سے محروم رہتا ہے۔ سورۃ نسا میں ہے بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی ہے خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے ہدایت کے لیے طلب کا ہونا ضروری ہے، جو شخص ہدایت کی خواہش رکھے گا، اُسے حاصل ہوگی اور جو عناد اور ضد رکھے گا، اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ گمراہی میں ہی جھٹکتا رہیگا

مکہ کے مشرکین حضور علیہ السلام سے من مانی نشانیاں طلب کرتے  
ہتے تھے۔ کہتے تھے کہ مکہ کے ان پہاڑوں کو یہاں سے چلا دے تاکہ  
ہم یہاں پر کھیتی باڑی کر سکیں۔ کبھی کہتے ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دے  
اس قسم کی بیہودہ فرمائشیں کرتے مگر تسلیم نہیں کرتے تھے شق القمر کا  
معجزہ انہوں نے خود طلب کیا، پھر جب اللہ نے اسے ظاہر کر دیا۔  
تو کہنے لگے "سَبَّحُ لِلَّهِ الْمُسْتَسِيمِ" (القمر) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔  
پہلے بھی ہوتا تھا، اب بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین  
کی ذہنیت کا ذکر کیا ہے کہ یہ بہت دھرم لوگ، اللہ کی طرف رجوع  
نہیں رکھتے لہذا انہیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہدایت اس  
شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے اس کا طلبکار ہوگا۔

اطمینان  
قلب

کفار کے تذکرے کے بعد اب اہل ایمان کا ذکر آ رہا ہے۔  
ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ  
ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جو بھی ایمان  
آدمی اللہ کا ذکر کرے گا اس کے دل میں سکون پیدا ہوگا۔ ساتھ یہ بھی  
فرمایا إِلَّا آكَاہ رَمُوا اور سن لو، يَذْكُرُ اللّٰہَ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ  
اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اطمینان  
قلب کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے  
کہ جب اللہ کا نام لیا جائے یا اس کا کلام پڑھا جائے یا کوئی شخص  
منقول ذکر کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو اس کے دل میں خاص  
قیم کا انس پیدا ہوتا ہے اور وحشت دور ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ  
یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے جس سے وہ  
خاص قسم کا لطف محسوس کرتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا کے

آرام و آسائش کے تمام لوازمات بھی اکٹھے کر لیے جائیں تو جسم کو آرام تو مل سکتا ہے مگر سکونِ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا عیش و آرام تو ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی انسان کبھی بھی سیر نہیں ہوتا بلکہ اس کا معاملہ ”هَلْ مِتَّ مَقْنِيْدٍ وَالَا هُوَ جَانِتٌ“ ہے، کہ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری سہولت کے لیے ہاتھ پیرا ہوتا ہے۔ اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ اطمینانِ قلب سے محروم رہتا ہے۔ بڑے بڑے دولت مند حتیٰ کہ سلطنتوں کے مالک بھی ذکرِ الہی سے دوری کی وجہ سے چین ہی رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف اپنے دلوں کو ذکرِ الہی سے منور کرنے والے مزدور پیشہ لوگوں کو بھی سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے ان کی ساری وحشت دور ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اطمینانِ قلب کا واحد ذریعہ ذکرِ الہی ہے۔

ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام طور پر ذکرِ زبانی ہوتا ہے۔ انسان نماز پڑھتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے یا دیگر ذکر و اذکار کرتا ہے۔ جنہیں زبان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیوں اور نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے کہ اللہ نے انہیں کیسی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو یہ بھی اللہ کے ذکر کے مترادف ہے۔ اس کے علاوہ ایک ذکرِ قلبی بھی ہے۔ بزرگانِ دین اس کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ انسان دل کے ساتھ کس طرح اللہ کا ذکر کرے۔ متاخرین بزرگانِ دین جن میں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی یا بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر بہت سے لطائف رکھے ہوئے ہیں، جب وہ لطائف

ذکرِ الہی  
کے  
طریقے



کثرت ریاضت سے بیدار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ہر وقت اللہ کا  
 ذکر کرتے رہتے ہیں اور یہ مکہ مرشد برحق سے سیکھنے پر حاصل ہوتا ہے  
 اس کے علاوہ نفس کے ساتھ بھی ذکر ہوتا ہے۔ بزرگان دین ایسا  
 طریقہ بھی سکھاتے ہیں کہ انسان کے جسم کے اندر جانے والی اور باہر  
 آنے والی ہر سانس اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ تاہم آسان ترین ذکر کسائی ہے  
 امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دن کے لیے کسی مومن کا ذکر  
 الہی میں حصہ اس سے کم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ سُبْحَانَ اللَّهِ -  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ - سو مرتبہ  
 کہے۔ بعض بزرگان دین اس کے ساتھ ساتھ ایک سو مرتبہ  
 استغفار اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین بھی کرتے  
 ہیں۔ مشائخ چریت کے طریقے پر بیعت ہونے والے عوام کو  
 یہ عمل ہر روز صبح و شام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اذکار کے  
 تمام کلمات جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں یا  
 جو سلف صالحین سے منقول ہیں، وہ سب الطینان قلب کا باعث ہیں  
 حصین کی روایت میں آتا ہے كَلِّمْ مُطِيعَ ذَاكِرِ اللَّهِ  
 یعنی اللہ کا ہر اطاعت گزار اُس کا ذکر ہے۔ یعنی اگر وہ زبان سے  
 ذکر نہیں بھی کرتا مگر اُس کی طرف سے خدا کی اطاعت کا ہر کام  
 اس کی طرف سے ذکر ہی سمجھا جائے گا۔ تاہم زبانی ذکر ملت ابراہیمی  
 کا بہت بڑا اصول ہے "وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ اللَّهُ" اللہ کا ذکر ہر چیز  
 سے بڑا ہے۔ جب انسان اللہ کا اسم پاک اپنی زبان سے ادا  
 کرتا ہے تو اُس پر خدا تعالیٰ کی تجلی نازل ہوتی ہے جس سے اُسے  
 سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ آپ بزرگوں کی سولہ حیات پڑھ  
 کر دیکھ لیں، یہ اللہ والے دنیا کے ساز و سامان سے بے نیاز مگر سکون

قلب کی دولت سے مالا مال ہے ہیں۔ انہیں کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر سکون والی اور کوئی چیز نہیں مفسرین کہرام فرماتے ہیں۔ کہ بعض بزرگ زیادہ تر ذکر

الہی ہیں ہی ہنسا رہتے ہیں۔ وہ دنیا کے لوازمات کی طرف محض اس لیے راغب نہیں ہوتے کہ اس دوران خدا تعالیٰ کی تجلی کا نزول نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ لہذا وہ خدا کی تجلی کے حصول کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تاکہ ان کے سکون قلب کی دولت میں کسی وقت بھی کمی نہ آنے پائے۔ بہر حال سکون قلب کے لیے ذکر کا طریقہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی بدعتی یا غیر مشروع طریقہ اختیار کیا گیا۔ تو اس سے چین نصیب نہیں ہوگا کیونکہ بہتر نتیجہ صحیح راستہ اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوگا۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے اس اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس آیت کی رو سے تو ذکر الہی اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے جب کہ سورۃ الفال کی آیت ”إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر الہی سے دل ڈرتا ہے ہیں یعنی خوف طاری ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں آیات متعارض معلوم ہوتی ہیں مگر مفسرین کہرام فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں کیفیتوں کے مراجع مختلف ہیں مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے مومنوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور جن آیات میں اللہ کی وعید اور اس کے عذاب کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے اہل ایمان کے دل ڈرتے ہیں۔ گویا جس وقت خدا تعالیٰ کے عدل کا تذکرہ ہوتا ہے تو مومنوں کے دل خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور جب

خدا تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا ذکر ہوتا ہے تو اہل ایمان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا ان آیات میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔

صاحب تفسیر منطہری قاضی ثناء اللہ ربانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ خوف اور امید اکٹھے بھی ہوسکتے ہیں۔ انسان کے دل میں یاد الہی سے جو انس پیدا ہوتا ہے اس میں خوف اور رجحان دونوں چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ دونوں کی یکجائی کے متعلق حدیث میں مثال موجود ہے ایک نوجوان زندگی کے آخرت لمحات پر تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ تم اپنے آپ کو کیا پاتے ہو؟ اس نوجوان نے عرض کیا حضور! أَخَافُ ذُنُوبِي میں اپنی غلطیوں کا گناہ ہوں اور گناہوں کی وجہ سے خوفزدہ ہوں وَ ارْتَجُو اللّٰهَ اور میں خدا تعالیٰ سے اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص میں خوف اور رجحان اکٹھے ہو گئے وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔ فرمایا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُسے وہ چیز عطا کرے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچا لے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ گویا ایک کامل الایمان آدمی میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ خدا کے عدل سے ڈر بھی ہوتا ہے اور اس کی رحمت سے امید بھی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت بیان کی گئی ہے "يَدْعُونَكَ رَغْبًا وَرَهْبًا" (انبیاء) وہ ہمیں پکارتے ہیں ہماری نعمتوں میں رغبت رکھتے ہوئے اور ہمارے جلال سے ڈرتے ہوئے۔

اہل ایمان  
کے لئے  
بشارت

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ امام مجتہد فرماتے

ہیں کہ ایمان کے بعد اچھے کاموں میں بنیادی طور پر عبادتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے جو آدمی ایمان لائے کے بعد ان عبادت کو انجام دے گا۔ اللہ اس کو جنت میں پہنچا دیگا۔ اگرچہ وہ گھر میں ہی بیٹھا ہے بشرطیکہ اس کا خاتمہ اپنی اعمال پر ہو۔ اس کے علاوہ صالحات ہیں ہر قسم کی بدنی، مالی، قولی اور فعلی نیکیاں شامل ہیں۔ تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے طوبیٰ کہہ کر ان کے لیے خوشخبری ہے و کحسبہ صاب اور اچھا ٹھکانا ہے۔ طوبیٰ کا معنی خوشخبری کے علاوہ پاکیزگی بھی آتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جو اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ تمام جنتیوں پر چھایا ہوا ہوگا۔ بعض تفسیری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کا تاج حضور علیہ السلام کے گھر میں ہوگا اور اس کی شاخیں تمام بہشتوں میں سارے اہل ایمان پر سایہ فگن ہوں گی۔ بہر حال طوبیٰ کا عالم فہم معنی اشارت ہے۔ درخت ہونا بھی کوئی اجنبی بات نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہرۃ المنتہیٰ کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ بھی عجیب و غریب قسم کا درخت ہے جسے انسانی زندگی کے ساتھ خاص لگاؤ ہے۔ ان چیزوں کا راز اس دنیا میں تو نہیں کھل سکتا۔ جب انسان اگلے جہان میں پہنچے گا تو سب پر مے اٹھ جائیں گے اور یہ ساری چیزیں واضح ہو جائیں گی۔

آگے کفار کی من مانی نشانیوں کے مطالبہ کے تسلسل میں ہی ذکر ہو رہا ہے کہ نہ تو نبوت اور رسالت دنیا میں کوئی نئی چیز ہے اور نہ ہی منکرین کا انکار عجیب چیز ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ تو ابتداء سے ایسے ہی چلا آرہا ہے۔ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّتِكَ أَيْ طَرِحَ ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ اس آخری امت میں۔ پہلی امتوں کی طرف

بھی انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ انہوں نے بھی خدا کا  
 پیغام، اس کا حکم اور شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی مگر منکرین اسی  
 طرح خدا اور مہرِ خدا دوسری کا مظاہرہ کرتے رہے یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں  
 بلکہ آپ کی بعثت اور لوگوں کا انکار پرانے سلسلے کی ہی آخری کڑی  
 ہے۔ فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ أُمَمٌ اس سے  
 پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اور سابقہ انبیاء کی طرح ہم نے  
 آپ کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے لَتَتْلُوا عَلَيْكُمْ  
الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ تاکہ آپ پڑھ کر سنا دیں ان کو وہ  
 چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ کتاب الہی کی تلاوت  
 انبیاء کا پہلا کام ہوتا ہے۔ سورۃ العنکبوت میں بھی موجود ہے أَتْلُو  
مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ جو کچھ ہم نے کتاب  
 میں سے آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ اسے پڑھ کر لوگوں کو  
 سنا دیں۔ یہ پہلا کام ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم دینا، حکمت  
 سکھانا، لوگوں کا تزکیہ کرنا، یہ سب قرآن اور کتاب الہی  
 کے موضوعات ہیں۔ چنانچہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام  
 تو مشہور کاتبان وحی میں سے کسی شخص کو بلا کر آیات الہی لکھواتے  
 بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نزول وحی کے بعد آپ گھر  
 سے باہر تشریف لاتے اور جو آدمی ملتا اسے اللہ کا کلام سناتے۔  
 کلام الہی کو پڑھ کر سنانے میں دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو مطلوبہ  
 بات دوسروں تک پہنچ جاتی ہے اور دوسرے مقصد یہ ہے کہ اطمینان  
 قلب حاصل ہو اور اجر و ثواب بھی ملے۔ قرآن پاک کی زیادہ سے  
 زیادہ تلاوت میں یہی راز پنہاں ہے کہ ہمارا تعلق قرآن پاک سے قائم  
 ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے حکم کے مطابق آپ کو ان کو قرآن

پڑھ کر سنا تے ہیں مگر کفار و مشرکین کی حالت یہ ہے وَهُوَ  
يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ کہ وہ رحمان کا انکار کر دیتے ہیں۔

سچا پاک

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کو تسلیم نہیں کرتے تھے  
ان کے نزدیک تو رحمان اہل یمانہ سلیہ کذاب تھا۔ مگر قرآن پاک نے  
صاف صاف بتلایا ہے کہ رحمان اللہ تعالیٰ کی اسی طرح صفت ہے  
جس طرح اس کا اسم پاک اللہ ہے۔ رِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ  
الرَّحِيْمِ میں اسم ذات اللہ کے ساتھ اس کی صفات رحمان  
اور رحیم دونوں کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے  
”قُلْ ادْعُوا اللّٰهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ“ آپ کہہ دیں کہ اے لوگو!  
اللہ تعالیٰ کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے پکارو ایسے  
جس نام سے بھی پکارو ”فَلَا الٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَسْبِيَ“ اس کے ساتھ  
ساتنے نام کھلے ہیں۔ یہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے  
نانویں نام ہیں جو شخص ان کو یاد کرے گا اور ان کو پڑھتا ہے گا۔  
وہ جنت میں داخل ہوگا بغرضیکہ مشرکین رحمان کے نام سے بدکتے  
تھے اور رِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی بجائے رِسْمِ  
اللّٰهِ کہتے تھے۔ بعض مشرکین کہتے کہ یہ نبی ہمیں تو ایک  
اللہ کی طرف دعوت دینا ہے اور خود ساتھ رحمان کا ذکر بھی کرتا  
ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں تھیں مشرکین کے لغو اعتراضات  
تھے حالانکہ رحمان اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور یہ اس کا صفاتی

نام ہے۔  
فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے هُوَ رَحِيْمٌ وہ میرا  
پورہ دگار ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس  
کو جس نام سے بھی پکارا جائے وہ راضی ہوتا ہے، اور پھر قرآن نے

یہ سکہ بھی بیان کر دیا ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ يُكْفِرُوْنَ فِيْ  
 اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا" (احمد سجدہ) اللہ تعالیٰ کے  
 اسمائے پاک میں جو شخص الحاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو بھی پہچانتا  
 ہے۔ الحاد کا مطلب یہ ہے کہ اسمائے پاک کا غلط مطلب لیا جائے،  
 جیسے پڑیہ کہتا ہے کہ اللہ سے مراد ذات اللہ نہیں بلکہ قانون مراد ہے  
 حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اس کے نیچے ایک حقیقت  
 پوشیدہ ہے اور اس لفظ کا ذکر کرنے سے وہ حقیقت ذہن میں  
 آتی ہے۔ اسی طرح لفظ رحمان بھی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک  
 خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے مگر مشرک لوگ اس نام کو تسلیم نہیں کرتے  
 غرضیکہ اللہ کا معنی قانون نہیں بلکہ اس نام سے اللہ کی ذات کا اظہار  
 ہوتا ہے۔ کسی ذات کا تشخص نام کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ انان  
 بھی ناموں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذاتی نام ہے  
 اگر لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس سے ذات مراد ہوگی اور لفظ رحمان  
 سے یاد کیا جائے۔ تو اس سے اللہ کی صفت رحمت مراد ہوتی ہے  
 فرمایا وہ میرا رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عَلَيْكُمْ تَوَكَّلْتُ فِيْ اٰسِيْ بِرَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ  
 مَتَابِ اور ہر وقت میرا ہی کی طرف رجوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، تمہارا رجوع خود بخود اُس کی طرف ہو جائیگا  
 خدا کی رحمت ہر وقت متوجہ رہتی ہے لہذا اُس سے مایوس نہیں ہوتا  
 چاہیے۔ دوسری جگہ فرمایا "اٰتِبُوْا اِلٰهَ رَبِّكُمْ وَاَسْلَمُوْا لَهٗ"  
 (الزمر) رجوع کے لیے انصاف شرط ہے۔ ضد، ہٹ دھرمی  
 اور عناد مشرکوں کا شیوہ اور محرومی کی علامت ہے۔

وما ابرئ ۱۳

الرعد ۱۳

درس یازدہم ۱۱

آیت ۳۱

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ  
 بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتُ بَلَّ اللَّهُ الْأَمْرَ  
 جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِسَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ  
 لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا  
 قَارَعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّى  
 يَأْتِيَ وَعْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ  
 الْمِيعَادَ ۝۳۱

۱۰

ترجمہ :- اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ساتھ  
 پہاڑوں کو چلایا جاتا یا اس کے ساتھ زمین کے ٹکڑے کپے  
 جاتے یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا (تو پھر بھی  
 یہ لوگ نہ مانتے) بلکہ معاملہ سب کا سب اللہ کے  
 ہاتھ میں ہے۔ کیا مایوس نہیں ہوئے وہ لوگ جو ایمان  
 لائے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر ایت سے سب  
 لوگوں کو۔ اور برابر رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ،  
 پہنچتی ہے گی ان کو اس وجہ سے جو انہوں نے کیا ،  
 کھٹکانے والی چیز۔ یا اترے گی وہ ان کے گھروں سے  
 قریب یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ



نہیں خلاف کہ تا وعدے کا (۳۱)

رابطہ آیات

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ کافر اور مشرک لوگ من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ ضدی اور خفاوی لوگ ہیں، انہیں حقیقت کی طلب نہیں ہے، اس لیے انہیں راہ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔ صراطِ مستقیم کے حقدار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اطمینانِ قلب کا نسخہ بھی بتلا دیا کہ یہ ذکرِ الہی ہی ہے جو دلوں کے سکون کا باعث بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے انجام کا ذکر بھی فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے لیے تلی کا ضمنون بھی نازل فرمایا کہ کفار و مشرکین کی طرف سے مخالفت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے، اسی طرح آپ کے پہلے بھی بہت سی امتیں گزری چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھی ہادی بھیجے مگر وہ لوگ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے مخالفت پر اڑے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی طرف سے مخالفت کی پروا کیے بغیر اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

شانِ نزول

آج کا درس مشرکین کے اعتراضات کے جواب میں ہی ہے وہ لوگ طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے، مثلاً یہ کہ آپ اس قرآن کے ذریعے مکے کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹادیں، یہاں پر زمین ہموار ہو جائے اور ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں، وہ یہاں پر نہیں جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرتے تھے نیز یہ بھی مطالبہ کرتے کہ آپ اس قرآن کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کھردیں یا ہمارے

فوت شدہ آباؤ اجداد کو زندہ کر دیں تاکہ ہم ان کے ساتھ رات چریت کر سکیں۔ مشرکین ایمان لانے کے لیے اس قسم کی شرائط اور سپردہ اعتراضات پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آج کے درس میں مشرکین کی غلط فرمائشوں کا رد فرمایا ہے اور ان کو جواب دیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب قرآن کریم اس قسم کی فرمائشوں کی تکمیل کے لیے نازل نہیں کی بلکہ اس کتاب کو اللہ نے ذریعہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر کامیابی کی منزل حاصل کر سکیں۔

قرآن ذریعہ  
ہدایت

ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ سُئِلَتْ بِهِ الْجِبَالُ اس کے ذریعے پہاڑوں کو چلایا جاتا اور قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ یا اس کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کر دیے جاتے اور أُكَلِّمَ بِهِ الْمَوْتَى یا مردوں سے باتیں کی جاتیں مگر اللہ نے اپنی کتابیں اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کتب سماویہ اور صحائف کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن پاک بھی اللہ کی آخری کتاب ہے اور دیگر کتب کی طرح منع رشد و ہدایت ہے، مگر اس سے چھو منتر کا کام نہیں لیا جاسکتا کہ اس کو دم کر کے لوگوں کی فرمائشیں پوری کی جائیں۔ یہ کتاب تو گمراہی کو دور کر کے نیکی اور ہدایت کی طرف بلانے والی چیز ہے۔ اس کے ذریعے کفر و شرک مٹتا اور ایمان آتا ہے۔ ظلم و جور کی جگہ عدل و انصاف لینا ہے، نجاست کی بجائے پاکیزگی، اور بد اخلاقی کی جگہ اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کا مقصد خود قرآن کی زبان سے یہ ہے كُنْتُ أَنزَلْتُ إِلَيْكَ مَائِدًا لِّئَلَّا تُكْفِرُوا بِآيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص ۳)

ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور دانا لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں ہی قرآن کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے "لِنُخْرِجَ الْكَافِرِينَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" تاکہ اس کے ذریعے آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ کفر، شرک، بدعت، معاصی وغیرہ سب ظلمات ہیں، ان سے چھڑکارا حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کو اپنانا ہوگا۔ اس کے بغیر ایمان اور توحید کی روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

قرآن  
کا مقصد

اس مقام پر قرآن سے مراد قرآن پاک بھی ہے اور مطلق کتاب بھی۔ قرآن کے لغوی معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ چاروں کتب اور صحافت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں بھی قرآن کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، اور یہی اس کے برحق ہونے کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں قرآن کا اطلاق زبور پر بھی کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن کا پڑھنا آسان کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے خادم کو حکم کرتے کہ گھوڑے کو اصطبل سے نکال کر اس پر زین ڈالو یہ حکم دے کر آپ زبور کی تلاوت شروع کر دیتے اور جب تک خادم گھوڑے کو سواری کے لیے تیار کرتا۔ آپ پوری زبور کی تلاوت کر لیتے۔ قرآن کریم کے متعلق بھی آتا ہے کہ بعض حضرات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوتی ہے جو گھوڑے وقت میں بہت زیادہ تلاوت کر لیتے ہیں۔ بعض بیچارے

زیادہ وقت میں بھی تھوڑی سی تلاوت کر پاتے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ کی دین اور اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے کلام کی تلاوت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

الغرض! اس مقام پر اگر قرآن سے مراد مطلق کتاب لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر کسی کتاب سے بہاڑوں کو چیلانے، زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے یا مردوں سے ہم کلام ہونے کا کام لیا جاسکتا تو قرآن پاک سے تو بطریق اولیٰ ایسا ہو سکتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کوئی بھی کتاب یا صحیفہ اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمایا کہ اس سے لوگوں کی فرمائش پوری کی جائیں بلکہ اللہ کی کتابیں تو منبع رشد و ہدایت ہیں، جو ان کی طرف رجوع کرے گا اسے راہِ راست میسر آجائے گا جس پر چل کر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔

فرمایا، یہ قرآن اللہ نے تمہاری خواہشات کی تکمیل کے لیے نازل نہیں فرمایا، يَسِّرُ لِلَّهِ الْأَمْرَ جَمِيعًا بلکہ معاملہ سارے کا سارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو بہاڑوں کو چیلانے سے مگر اس مالک الملک نے یہ کتاب نازل فرما کر بہاڑوں کی طرح کفر و شرک پر جیسے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر انوار و تجلیات کی وادیوں میں پہنچا دیا ہے اور ان کے دلوں میں حجبی ہوئی برائیوں کو اکھاڑ کر رکھ دیا ہے اور وہاں پر نور ایمان اور معرفت کے چشمے جاری کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرح پیچیدہ رسومات باطلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور مردہ قوموں اور مردہ دلوں کو ابھری زندگی عطا کر دی ہے قرآن تو اس مقصد کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اللہ نے سورۃ یونس میں قرآن پاک کا ایک

مقصود یہ بھی بنایا ہے "قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" یہ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور تمام روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے انسان کی تمام عقلی اور روحانی ضروریات اسی قرآن پاک کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔

اجتماعی  
ہدایت

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ جب کافر و مشرک طرح طرح کی فرمائشیں پیش کرتے تو بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوتا کہ اگر ان کی خواہش پوری کر دی جائے تو شاید یہ ایمان لائیں مگر اللہ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ دل میں ایسا خیال نہ لائیں، یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں، اگر ان کی فرمائش پوری کر بھی دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ سورۃ النعام میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "قُلْ إِنَّمَا أَدِيتُ عِندَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ لِأَنَّهُمْ إِذَا جَاءَتْكُمْ لَيُؤْمِنُونَ" اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ تمام نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، وہ جسے چاہے ظاہر کر دے۔ مگر کہتے ہیں کیا معلوم ایمان والو! اگر ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی اور عنادی لوگ ہیں اور اپنی ہٹ دھرمی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

فرمایا أَفَلَمْ يَأْتِ الَّذِينَ آمَنُوا كَمَا آتَى الَّذِينَ كَفَرُوا كَيْشَاءَ اللَّهِ كَمَا أَكْرَمَ اللَّهُ تَعَالَى چاہے لہدای التماس جمعاً تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دے۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہے تو تمام انسانوں کو جبراً ہدایت کے راستے پر ڈال دے مگر

یہ چیز اسکی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معاملہ خود انسان کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے اس نے حق و باطل میں امتیاز تبلا کر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ بِهِ" وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (ورد الکریم) چاہے تو ایمان قبول کرے اور چاہے تو کفر پر اڑا ہے۔ وہ جو بھی راستہ اختیار کرے گا۔ اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ البتہ کسی سے زبردستی کوئی چیز منوانا اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے وہ تو انسان کو ہر طریقے سے آزما رہا ہے "وَنَبِّئْهُمْ بِاللَّسْرِ وَالْخَيْرِ فَرِيشةً زَالِئِيَا" وہ برائی کے ساتھ بھی آزما رہا ہے اور نیکی کے ساتھ بھی۔ پھر جو اُس کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ کامیابی کا حقدار وہی ہوتا ہے۔ الغرض اجتماعی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے۔ ہدایت کا حصول ہر شخص کی اپنی صلاحیت اور طلب پر منحصر ہے۔

یائیس کا عام فہم معنی تو بالوی ہے، تاہم شاہ عبدالقادر اس لفظ کا ترجمہ "خاطر جمع کو مانا" کرتے ہیں مطلب یہ کہ کیا ان اہل ایمان کے لیے خاطر جمع نہیں ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے، یعنی ہدایت پر مجبور کر دے بعض مفسرین فرماتے ہیں یائیس کا معنی یقینی بات ہے اور اس طرح جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ کیا اہل ایمان کے لیے یہ یقینی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے مگر وہ ایسا نہیں کرے گا، اہل ایمان کو مشرکین سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قبیلہ شیخ کی زبان میں یائیس کا معنی اجانتا بھی ہوتا ہے اور جملے کا مفہوم یہ ہے کہ کیا اہل ایمان

یائیس کے  
تفسیر

نے اس بات کو نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو راہِ راست پر لے آئے  
مگر یہ اس کی حکمت کے منافی بات ہے۔ اس لفظ کو اردو زبان میں بھی  
استعمال کیا جاتا ہے اور یاس کو نابوسمی کے معنوں پر محمول کیا جاتا ہے۔  
اصغر شاعر کہتا ہے :-

یاس اک جنوں ہوشیاری امید فریب زندگی کا

جنوں ہوشیاری یہ ہے کہ انسان کو قطعی طور پر یقین ہو جائے کہ ایسا  
نہیں ہوگا۔ یاس زندگی کا ایک جنون ہے اور امید محض دھوکہ ہے  
انسان ساری زندگی امید کے دھوکے میں مبتلا رہتا ہے مگر باوقا  
اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہر حال ہدایت کا فائدہ اسی کو حاصل ہوگا جو  
اپنی مرضی سے اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتا۔  
فرمائیں کرنے والے ازلی منکرین کے متعلق اللہ نے فرمایا

کفار کے  
بے  
دائمی مشکلات

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنوں  
نے کفر کیا۔ تَصِيدُهُمْ لِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً سَمِعْتُمْ كَيْفَ  
کو ان کے کپے کی وجہ سے گھٹکھٹانے والی چیز گویا ایسے لوگوں  
کو امن و سکون نصیب نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ مشکلات میں گھبرے رہیں  
گے۔ یا تو جنگ و جدل میں مصروف رہیں گے۔ یا بیرونی حوادث  
کا شکار ہوں گے۔ اَوْ تَحُلُّ قَرْيَةً مِّنْ دَارِهِمْ حَرْبًا  
وہ گھٹکھٹانے والی چیز ان کے گھروں کے قریب اترے گی یا ان  
پر پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہر وقت خوف میں مبتلا رہیں گے، گویا ان  
کو ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت کا گھٹکا لگا رہے گا۔ چنانچہ مشرکین عرب  
ہمیشہ لڑائی کے خوف میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ان  
کے گھروں کے قریب مصیبت اترنے کی مثال لڑنے کا واقعہ  
حدیبیہ ہے حضور علیہ السلام نذرہ سو جانباڑوں کے ساتھ حدیبیہ کے

مقام پر اترے جسکی وجہ سے مکے والوں میں پھیل چکے گئی اور آخر کار یہ معاملہ ایک معاہدے کے تحت طے ہوا۔ الغرض! سخیلہ اگر مخاطب کا صیغہ ہو تو معنی ہوگا کہ آپ اتریں اور اگر غائب کا صیغہ تسلیم کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے گھروں کے قریب کوئی آفت یا مصیبت اترے۔

جب کسی علاقے میں آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قریبی علاقے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہے۔ آج ہمارے قریب مشرقی پنجاب میں سکھوں پر مصیبت پڑی ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی عبرت پکڑنی چاہیے۔ ذرا ۳۵ سال پہلے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، ان ظالم سکھوں نے مسلمانوں پر کتنے ظلم کیے۔ اللہ کے گھروں کی بے حرمتی کی، مسجدوں کو صلیب اور بیت الخلاء بنایا، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، مگر آج ان کے گوردوارے کا حال بھی ملاحظہ کریں۔

ان کے مقدس مقام کی بے حرمتی ہوئی، گولی چلی اور سینکڑوں کھمارے گئے۔ تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے، اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُدھر گذشتہ پانچ سال سے روس ہماری سرحدوں پر دست دے رہا ہے۔ افغانوں پر مظالم ڈھا رہا ہے۔ مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ہمیں اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ہمارے قریب نازل ہونے والی آفت کہیں ہم پر بھی نہ آ پڑے۔ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں جو انقلاب آیا تھا اس میں دو کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ بڑے بڑے باعزت آدمیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر تین تین میل تک گھسیٹا گیا۔ اپنے قریب مصیبت دیکھ کر انسان کو تنبیہ ہونی چاہیے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیے ظلم و زیادتی سے تائب ہو جانا چاہیے۔ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو



دشمن کو حاکم کرنے کی دعوت دے۔ اندرونی طور پر طوفان اور زلزلے بھی آسکے ہیں۔ یہ بھی انسانوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے، اللہ سے معافی مانگ لیں۔

مسلمانوں کے لیے عبرت

بنیادی طور پر تو یہ کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے مگر یہ مسلمانوں کے لیے بھی تمام عبرت ہے۔ ابتدائی دور میں مصیبت کفار کے گھروں کے قریب اترتی رہی جس میں ان کے لیے تہذیب تھی مگر آخر کار یہ مصیبت خود ان پر بھی آن پڑی۔ اسی لیے فرمایا کہ انسان کو عبرت حاصل کرنے چاہئے۔ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعَدُ اللّٰهِ بِمَا بَكَ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ یہ تھا کہ وہ اسلام کو غالب کرے گا، چنانچہ اللہ نے وہ وعدہ پورہ کر دیا۔ خلافت راشدہ قائم ہوئی اور آدھی دنیا پر مسلمانوں کو کنٹرول حاصل ہو گیا، اور باقی آدھی دنیا ساڑھے چھ سو سال تک مغلوب رہی، کسی میں دم مارنے کی مہمت نہ تھی۔ پھر جب مسلمانوں میں انحطاط پیدا ہوا، کافروں نے سر اٹھایا اور مسلمان مغلوب ہوتے چلے گئے۔

وعدے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ دنیا ختم ہوگی تو دوسری دنیا قائم ہوگی۔ اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، پھر جزائے عمل کی منزل آئیگی اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ موت کا وعدہ انسان کے لیے انفرادی طور پر آتا ہے اور پھر اجتماعی طور پر فنا کا وعدہ اُس وقت پورا ہوگا۔ جب قیامت برپا ہو جائے گی کائنات کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور پھر نئی دنیا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ ایسے ہی وعدے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعَدَا

عَلَيْنَا (انبیاء) ہمارا وعدہ برحق ہے "إِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ" ہم  
 اس نظام کو تبدیل کر کے دوسرا نظام ضرور لائیں گے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا  
 يُخْلِفُ الْمِيعَادَ بیشک اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرنا  
 اس کا وعدہ پورا ہو کر ہے گا۔

---

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَامَلَيْتُمْ  
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ اخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾  
 اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ  
 وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلُوبًا سَمُّوهُمْ اَمْ تُنَبِّئُونَهُ  
 بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ يَبْظَاهِرُ مِن  
 الْقَوْلِ بَلْ زَيْنٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ  
 وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ  
 فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ  
 الدُّنْيَا وَلِعَذَابٌ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ  
 مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي  
 وَعَدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ  
 اُكْلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ  
 اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق محسوس کیا گیا رسولوں کے

ساتھ آپ سے پہلے۔ پس میں نے مہلت دی ان لوگوں

کو جنہوں نے کفر کیا۔ پھر میں نے پھڑپھڑا ان کو، پس کیسی

تھی سزا (۳۲) بھلا وہ ذات جو قائم ہے ہر ایک نفس

اللہ کے لیے شریک - آپ کہہ دیجئے ، اُن کے نام لو ۔  
 کیا تم بتلاتے ہو اُس کو وہ جو نہیں جانتا وہ زمین میں ،  
 یا سرسری بات ۔ بلکہ مزین کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیے  
 جنہوں نے کفر کیا اُن کا بکرہ ۔ اور روکے گئے ہیں وہ راتے  
 سے ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے پس نہیں ہے اُس  
 کو کوئی ہدایت دینے والا (۳۳) اُن لوگوں کے لیے عذاب  
 ہے دنیا کی زندگی میں ، اور آخرت کا عذاب بہت سخت  
 ہے ۔ اور نہیں ہو گا اُن کے لیے اللہ سے کوئی بھی بچانے  
 والا (۳۴) مثال (اور حال) اُس جنت کا جس کا وعدہ کیا  
 گیا ہے متقیوں کے ساتھ ، جاری ہیں اُس کے سامنے  
 نہریں ۔ اور پھل اُس کے ہمیشہ ہننے والے ہیں اور اُس  
 کا سایہ بھی ۔ یہ ہے انجام اُن لوگوں کا جو ڈرتے رہے ۔  
 اور انجام کفر کرنے والوں کا جہنم کی آگ ہے (۳۵)

گذشتہ آیات میں مشرکین کی تردید کے متعلق دو باتیں بیان ہو چکی ہیں  
 پہلی بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین اللہ کے نبی سے من مانی نشانیاں طلب  
 کرتے تھے اور یہ مطالبہ کسی اشتباہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ضد اور عناد کی وجہ  
 سے ہوتا تھا ۔ اُن کا منصوبہ یہ ہوتا تھا کہ اپنی خواہش کی نشانیاں طلب کی جائیں اور  
 جب آپ پیش نہ کر سکیں تو آپ کا تمسخر اڑایا جائے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے  
 حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی محض  
 کیا گیا ، اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کوئی نئی بات نہیں ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ  
 میں نے ایسے لوگوں کو ایک مقررہ مدت تک ہدایت دی اور پھر بالآخر انہیں سخت  
 عذاب میں مبتلا کیا ۔ فرمایا آپ کے مخالفین کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی رحمت

بط آیت

ہوئی مصلحت سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں، ورنہ سابقہ اقوام کی طرح وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اب اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ ان لوگوں کی بے عقلی کا حال ملاحظہ کریں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ایسی ہے جو ہر چیز پر قائم اور نگران ہے، وہ قادر مطلق ہے، ہر قسم کا تصرف اسی کو حاصل ہے مگر یہ لوگ اس ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو شریک بنا رہے ہیں، حالانکہ ان شکر کا، کا نہ کوئی اختیار ہے اور نہ وہ کسی چیز پر تصرف رکھتے ہیں، نہ وہ کسی کی حاجت کو جانتے ہیں، نہ ان کے پاس علم ہے۔ بلکہ وہ تو عاجز مخلوق ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو خدا کا شریک بنا کر کتنی بوقرانی اور حماقت ہے۔

استنزا  
رسول

ارشاد ہوتا ہے وَقَدْ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلِ مَنْ قَبْلِكَ الْبَيْتِ سَخِيفٌ طَهَّطَا كَا كَا بَيْتِ سِ رَسُوْلُوْنَ كِ سَا تَهَّ اُيْ سِ سِ سِ ر فرمایا یہ تو چلنے جاہلوں اور کافروں کا دستور ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو تمسخر کا نشانہ بناتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر آپ تسلی رکھیں کہ یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں گے، مگر ان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ طہطے کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کا تمسخر اڑانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ وَلَا تَمَارًا اَخَالَكَ وَلَا تَمَانِحَ اِنْتِ بَحَائِي كِ سَا تَهَّ جِ جِ طِ ا نِ كِ و اور نہ اس کے ساتھ استنزا کر۔ فرمایا ایا وعدہ بھی نہ کر دیجئے پورا نہ کر سکو۔ مگر یہ خبریاں معاشرہ میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تو وہ کہنے لگے، کیا تو ہمارے ساتھ جھٹھا کر رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِّنْ

الْحَبِطِ الْمَيِّتِ (الْبَقْرَةَ) خدا کی پناہ! کہ میں جاہلوں میں سے بن جاؤں  
 کیونکہ کھٹا کھڑا تو جاہلوں کا کام ہے۔ میں تو اللہ کا نبی ہوں اور اس  
 کا حکم پہنچا رہا ہوں۔ غرضیکہ عام مسلمانوں کے ساتھ کھٹا کھڑا جس سے اس  
 کی تحقیر مقصود ہو، حرام ہے اور اللہ کے نبی کے ساتھ یہ سلوک کہنا تو کفر  
 ہے۔ نبی کی طرف جھکونی بات منسوب کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے  
 اللہ نے آپ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی  
 رسولوں کا مذاق اڑایا گیا فَأَمْلَيْتَ لِلذَّيْتِ كَفْرًا پھر میں نے  
 کفر کرنے والوں کو ہدایت دی تَتَمَّ أَحَدَهُمْ پھر میں نے  
 ان کو پکڑ لیا، ہدایت مل جانے سے انسان کو مغرور نہیں ہو جانا چاہیے  
 کہ وہ دہناتا پھرے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مگر میں کو پہلے ہدایت  
 دیتا ہے، پھر جب وہ اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آتے تو ان کو  
 پکڑ لیتا ہے۔ فرمایا، میں نے استنزاء کرنے والوں کو پکڑ لیا  
 فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ، پھر دیکھو! میری گرفت کیسی تھی۔ میں  
 نے ان کو کیسی سزا دی۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کو تنبیہ  
 کی جا رہی ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے قانون اہمال میں ہو۔ وہ جب  
 چاہے گا پکڑ لے گا اور پھر عبرت ناک سزا دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ هُوَ قَاتِلٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ  
 بَعْلًا وَهُوَ قَاتِلٌ لِعَيْنِ نَكَرٍ ان سے ہر نفس پر لے گا کسی کت  
 جو اس نے کھایا ہے قائم کا معنی خورد قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے  
 والا ہے اور نکر ان کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں  
 حصید اور وکیل کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کائنات کی تمام  
 چیزوں کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ہر چیز کی نگہ رانی  
 کر رہا ہے۔ اس کی نظروں سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے سورۃ فجر

رکے  
 سرب

میں ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ" بے شک تیرا پروردگار  
گھات میں ہے۔ جس طرح شکاری اپنے شکار کی گھات میں رہتا  
ہے اور جب اُسے غافل پاتا ہے تو پکڑ لیتا ہے، اسی طرح خدا  
تعالیٰ کی گھات اور نگرانی بھی باریک، قائم اور دائم ہے۔ بہر حال  
فرمایا کہ ہر نفس جو بھی کام کرتا ہے اس پر خدا کی نگرانی اور حفاظت  
قائم ہے۔ وہ علیم کل، قادر مطلق اور مختار کل ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر  
ہے افرمایا ایسی ہمتی کو اچھوڑ کر جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ اِنْ كَفَرُوْا مُشْرِكِيْنَ  
تے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کی حماقت  
کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے  
کہہ دیں سَمَّوْهُمْ اِنْ شَرِكُوْنَ كَيْفَ نَسُوهُمْ اِنْ كَفَرُوْا۔ بھلا بتلاؤ تو سہی  
کہ وہ کون ہیں جنہیں تم نے خدا کی صفت میں شریک کر رکھا ہے۔  
پھر یہ بھی بتاؤ کہ ان شریکوں کو کیا اختیار حاصل ہے اور وہ لوگوں کے  
نفع نقصان کے کہاں تک مالک ہیں۔ یہ کتنی بے وقوفی کی بات  
ہے کہ لوگوں نے ایسی ہمتیوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو نہ قائم  
ہیں نہ دائم ہیں۔ نہ علیم کل ہیں، نہ قادر مطلق اور نہ حاضر و ناظر وہ تو عاجز  
مخلوق اور محتاج ہیں، وہ خدا کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟  
فرمایا اَمْ تَدْبُرُوْنَ بِمَا لَا يَكْفُرُ الْاَرْضُ  
کیا تم اس اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں۔ مطلب  
یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کے شریک بنا رکھا ہے ان کی شرارت  
تو ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا کے علم میں ہوتا۔ تو گویا تم ایسی چیز  
کے متعلق بتلانا چاہتے ہو جو خدا کے علم میں نہیں ہے۔ اس کا صاف  
مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک تم سے موجود ہی نہیں۔  
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی

ہستی کو خدا کا شریک بناتے ہو جس کو زمین میں موجود ہر چیز کا علم ہی نہیں -  
وہ جانتا ہی نہیں کہ کون کس حال میں ہے، اس کی کیا حاجت ہے اور وہ  
کس طرح پوری کرتی ہے۔ تو کیا تم ایسی ہستیوں کو خدا کے شریک بنا دیتے  
ہو جن کا علم ہی محدود اور قلیل ہے۔ بھلا ایسی ہستی خدا کا شریک ہو سکتی  
ہے؟ یہ تو نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔

قرآن کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ چیز بتلاتے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں  
جانتا **أَمْ يَبْظَاهِرُ مِنْ الْقَوْلِ** یا مہر سہری کی بات بنا ہے  
ہو۔ شاہ عبدالقادر اپنے ترجمے میں ظاہر کا معنی ایسی بات کرتے ہیں  
جس کے تحت کوئی حقیقت نہ ہو۔ یہ شریک بنانے والی بات  
محض اوپر ہی سی ہے جس میں کوئی صداقت نہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ  
کی عبادت میں شریک بنایا جائے یا تدبیر میں، یہ ایک لغو بات  
ہے اور اسی کو **يَبْظَاهِرُ مِنْ الْقَوْلِ** سے تعبیر کیا گیا ہے  
عربی زبان میں ظاہر کا لفظ زائل یا باطل ہونے کے معنی میں  
بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو جملے کا مفہوم یہ  
ہوگا کہ یا تم ایسی بات کرتے ہو جو باطل محض ہے۔ عربی ادب میں

یہ لفظ مختلف اشعار میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً :-  
**أَعْيَّرْنَا الْبَانِهَا وَحَوْمَهَا**  
**وَ ذَلِكَ عَارٌ يَا ابْنَ رَيْطَةَ ظَاهِرٌ**

تم نے ہمیں طعن دیا ہے کہ ہم اونٹوں کی دیکھ بھال میں ہی لگے رہتے  
ہیں اور لڑائی لڑنا نہیں جانتے۔ یہ عار باطل ہے، جب ہم اسکی  
حقیقت بیان کریں گے تو تمہارا طعن باطل ہوگا۔

**وَعَيَّرَهَا الْوَأَشُونَ إِنَّ أَحْبَبَهَا**  
**وَتَلَّتْ شَكَاهُ ظَاهِرٌ عَنكَ عَارَهَا**

حقیقت  
ہیں



لوگوں نے اس کو بھڑکایا کہ میرا اُس کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ ایسی شکایت ہے جس کا عار دلانا باطل ہے۔

بہر حال ظاہر کا معنی اوپری بات ہو یا باطل چیز ہو، دونوں معانی درست ہیں۔ آپ دیکھ لیں شریکِ رسم و رواج میں پھنسے ہوئے لوگ محض سرسری اور اوپری باتیں کہتے ہیں جن کا کوئی سرسیر نہیں ہوتا۔ بعض لوگ بزرگی یا ملکی رواج میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی نے کوئی بات پکڑ لی اور کسی نے کوئی۔ ان میں بنیادی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ محض ایک دوسرے سے سچی سائی بات پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ کسی نے کہا دیا کہ میں نے درخت کے ساتھ دھاگا بانڈھا تھا تو میری مراد پوری ہوگئی، کسی نے کہا کہ فلاں قبر پر چادر پڑھانے سے بچہ پیدا ہو گیا اور کسی نے کہا کہ فلاں پیر کی نذر ماننے سے ہماری دُور ہوگئی۔ ایسی باتوں کی بنیاد نہ عقل پر ہوتی ہے اور نہ فطرت پر۔ لوگ محض بے بنیاد باتوں کے پیچھے چل نکلتے ہیں۔

حدیث شریف میں زید ابن عمرو ابن نفیل کا واقعہ ملتا ہے کہ وہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جانے اور لوگوں کو شرک میں مبتلا دیکھ کر کہتے، خدا کے بندو اقم جو کچھ کہتے ہو، غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ کفر کہنے والے بے عقل ہیں۔ ان کے شرکیہ افعال عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کے برخلاف ایمان اور توحید کی بنیاد سچے دلائل پر ہے جو کہ عقل اور فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہیں۔ رسم و رواج اور بدعات علاقائی چیزیں ہیں۔ ہر ملک، ہر خطے اور ہر علاقے کے اپنے اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں اسی طرح میدانی علاقوں کی بدعات اور پہاڑی علاقوں کی بدعات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ یہ چیزیں کتاب و سنت کے خلاف اور محض شیطان کا جھانسنہ ہوتی ہیں مگر افسوس کا مقام

ہے کہ لوگ اپنی امور کو عبادت اور کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔  
 ایسے ہی اعمال کے متعلق ارشاد ہوتا ہے بَلْ ذَرَبْتُمْ  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ بلکہ کفار کے مکر و فریب  
 ان کے لیے مزن کیے گئے ہیں۔ دوسرے مقام پر کفار کے  
 اعمال کا ذکر بھی ہے کہ ان کے لیے مزن کیے گئے ہیں۔ ان کے  
 تمام قبیح اعمال کو شیطان مزن کر کے دکھاتا ہے کہ تم بہت  
 اچھے کام کر رہے ہو۔ قیروں پر انجام قیلے جانے والے تمام شرکیہ  
 اعمال کو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ عرس، میلاد، قوالی وغنیہ  
 نہایت عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں، گویا کہ آخرت  
 کا دار و مدار اپنی چیزوں پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ شیطان کافروں کو ان  
 کے قبیح کام مزن کر کے دکھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انہیں انجام  
 دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا آضری وقت آجاتا ہے اور وہ ان کفر پر  
 اور شرکیہ امور پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔

وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ اور ایسے لوگ راہِ راست سے  
 روک دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو غلط کام کو اچھا سمجھ کر نہ گئے،  
 اس کے نزدیک حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے تو وہ سیدھے راستے  
 پر کیسے آسکتا ہے؟ گویا اس کے قبیح اعمال اُسے صراطِ مستقیم سے  
 روک رہے ہیں۔ اگر خدا تک پہنچنا ہے تو پھر تمام باطل عقائد، بدعات  
 اور باطل رسم و رواج کو ترک کر کے حقیقت، ایمان اور توحید کو اپنانا  
 ہوگا، اگر اس میں کامیاب ہو گیا۔ تو راستے کی تمام دکا و ٹہیں دور ہو  
 جائیں گی اور حقیقی منزلِ قریب آجائیگی۔ برخلاف اس کے جو شخص  
 غلط رسم و رواج اور بدعات پر کھرتا رہے گا، وہ گمراہی میں پڑا رہے  
 گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے

گمراہ ہو جاتا ہے اس کے راہِ راست پر آنے کی امید ختم ہو جاتی ہے  
 اسی لیے فرمایا وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ  
 جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں  
 اللہ تعالیٰ انسان کو قوت، توانائی، عقل، فہم اور ادراک عطا کر کے  
 اختیار دے دیتا ہے کہ وہ سچی اور باطل میں اسے جو نسا راستہ چاہے  
 اختیار کر لے۔ اس کے بعد جو شخص راہِ راست کی بجائے عنلط  
 راستے پر چل نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تَوَلَّاهُ مَا تَوَلَّيْتُ"  
 (انسان) ہم اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف وہ جانا  
 چاہتا ہے۔ اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ وَفَضَّلْنَا جَهَنَّمَ  
 ہم اسے جہنم میں داخل کر دیتے ہیں "وَسَاءَتْ مَصِيرًا"  
 جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ غرضیکہ جو کوئی شخص رسول کی مخالفت  
 کرتا ہے اور ایمان والوں کے راستے سے علیحدہ ہو جاتا ہے، تو  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جدھر جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ۔ ہم تمہیں نہیں  
 روکیں گے۔ ایسا شخص غلط راستے پر چل کر بالآخر جہنم کے کنارے  
 پہنچ جاتا ہے۔

فَرَّيَا لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ان لوگوں  
 کے لیے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ  
 اللہ نے مشرکین عرب کو اسی دنیا میں سزا دی۔ آٹھ نو سال تک  
 اہل ایمان سے برسہا برس پیکار رہی۔ لڑتے لڑتے مرے رہے۔ شکرست  
 کھاتے رہے، تباہ و برباد ہوئے اور آخر کار سارا ملک کفر و شرک  
 سے پاک ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا،  
 اب یہ دار السلام بن گیا ہے۔ جنگ کے علاوہ بھی یہ لوگ کبھی  
 ویائی امراض میں مبتلا ہوئے۔ کبھی قحط پڑ گیا۔ طوفان آگیا۔ زلزلے

آئے اور نہایت خوف کی زندگی گزارتے رہے۔ فرمایا یہ تو ان کی زندگی کا حال ہے وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ قَافٍ اور پھر انہیں اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں تو ناجائز ذرائع اختیار کر کے بچتے رہے۔ کبھی قانون کی نظروں سے غائب ہو گئے، کبھی وکیل نے کوئی اہم نکتہ پیش کر کے بچایا، کبھی جج نے رعایت دے دی اور کبھی سفارش اور رشوت چل گئی، مگر اللہ کی عدالت میں ایسا کوئی حربہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اور وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے مطابق کفار کی سزا کے بعد المتقين کے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ اس جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ مثال سے مراد بعض اوقات تعریف بھی ہوتی ہے۔ یعنی وہ جنت جو ڈرنے اور بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے اس کی تعریف یہ ہے، اور متقین وہ ہیں جو پہلے منبر پر کفر، شرک اور نفاق سے بچتے ہیں۔ پھر لباثر سے اور درجہ بدرجہ صفائے سے بھی بچتے ہیں۔ اور جیسا کہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی انتہا یہ ہے "حفاظت بر حدود شرع" یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنا۔ کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔ سورۃ توبہ میں مومنوں کی ساتویں صفت یہی بیان کی گئی ہے "وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ" کہ وہ اللہ کی حدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے خلاف نہیں چلتے۔ فرمایا جس جنت کا متقیوں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اس کے

سائے نہ رہیں بہتی ہیں۔ وہ ایسے باغات ہوں گے اُكْلُهَا دَائِمٌ  
 کہ ان کے پھل دائمی ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے، جو پہنی جنتی  
 کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، پھل فوراً اس کے قریب  
 آجائے گا۔ سورۃ واقعہ میں موجود ہے کہ وہاں پر کثیر تعداد میں پھل ہوں گے  
 «لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ» نہ ان کو ختم کیا جائے گا اور نہ روکا  
 جائیگا۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ جب مومن کسی درخت سے  
 پھل حاصل کر لے گا۔ تو اس درخت پر اسی وقت پہلے کی جگہ دوسرا  
 پھل پیدا ہو جائے گا۔ غیر ضعیف یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام ہوگا جو  
 کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

فرمایا ایک تو پھل دائمی ہوں گے وَظَلَّهَا اور اس جنت  
 کا سایہ بھی دائمی ہوگا۔ مفسرین کہہ کر فرماتے ہیں کہ جنت کی کیفیت  
 یہ ہوگی۔ کہ وہاں پر نہ تو دھوپ ہوگی اور نہ آبر، وہاں کا موسم نہایت  
 خوشگوار ہوگا۔ جس میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ سورۃ دہر میں  
 اللہ نے جنتیوں کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ تکیوں پر  
 ٹیک لگائے ہوں گے «لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَهْرًا»  
 وہ وہاں پر نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی بلکہ نہایت ہی معتدل  
 موسم ہوگا، گرمی اور سردی کا کوئی احساس نہیں ہوگا، لہذا کہہ سکے ہیں  
 کہ وہ سائے میں ہمیشہ رہیں گے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سائے کا مطلب  
 یہ ہے کہ بعض اہل ایمان جن پر تجلیات الہی کا نزول، اسمائے مبارکہ  
 اور صفات الہی کا ظہور ہو رہا ہوگا۔ بعض اوقات ان کا سائے میں  
 رہنے کو جی چاہے گا، تو ان کو وہاں سایہ محسوس ہوگا۔ حالانکہ وہاں  
 ایسی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فرمایا تِلْكَ عَقْبَتِي الَّذِينَ  
 اتَّقُوا یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جو ڈرتے رہے اور منکرات سے

نچتے ہے، فرمایا، یاد رکھو! وَعُقَيْبِ الْكٰفِرِيْنَ السَّارِّ اور کافروں  
 کا انجام جہنم کی آگ ہو گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکلنے  
 کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

وما آتٰہم

الرعد ۱۳

درس سیزدہم ۱۳

آیت ۳۶ تا ۴۰

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا  
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ  
 قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ  
 إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۝۳۶ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ  
 حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَمَا  
 جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ  
 وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝۳۷

۵۳۶

ترجمہ :- اور وہ لوگ جن کو دی ہے ہم نے کتاب  
 خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو اتاری گئی ہے آپ کی  
 طرف - اور بعض فرقوں میں سے وہ ہیں جو اس کی بعض  
 باتوں سے انکار کرتے ہیں - آپ کبھی دیکھئے، بیشک مجھے  
 حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اللہ کی اور اس کے  
 ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں - اسی کی طرف میں دعوت  
 دیتا ہوں اور اس کی طرف میرا لوٹ کر جانا ہے ۝۳۶  
 اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اس کو ایک فیصلہ عربی  
 زبان میں اور اگر آپ پیروی کریں گے ان کی خواہشات  
 کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو نہیں  
 ہوگا آپ کے لیے اللہ کے سامنے کوئی حمایت کرنے والا

اور نہ کوئی بچانے والا ﴿۳۷﴾

آیات

مہکی سورتوں میں زیادہ تر بنیادی حقائق کا ذکر ہے اور ضربات کم ہیں۔ اس سورۃ میں عہدے کی اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ درمیان میں کافروں اور مشرکوں کی مذمت بیان ہوئی، ان کے اوصاف اور ان کا انجام ذکر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان اور سچی ولے لوگوں کا تذکرہ ہوا، ان کے اوصاف اور ان کا انجام بھی بیان ہوا تیسرے رکوع میں یہ آیت کریمہ گزر چکی ہے "أَفَمَنْ يُعَلِّمُ أَنْتَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقَّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى" بھلا وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کی طرف آپ کے رب سے حق نازل کیا گیا ہے وہ اندھے آدمی کی طرح ہو سکتا ہے؛ بیشک عقلمند لوگ ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت کے حق میں بیان فرمائی۔ گویا قرآن کریم کو منزل من اللہ تسلیم کرنے والا شخص نور ہدایت پر ہوگا اور طے نہ تسلیم کرنے والا اندھے کے موافق ہوگا جو نور ایمان اور نور ہدایت سے خالی ہے۔

اب آج کی آیت میں قرآن پاک سے متعلق ہی ارشاد ہوتا ہے

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا كِتَابَ الْيَوْمِ كَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَهُوَ حَقٌّ

ہوتے ہیں اُس خیمہ پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ یہاں پر کتاب سے مراد خود قرآن حکیم بھی ہو سکتا ہے اور پہلی کتب سماویہ، تورات، انجیل وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر اس کا اطلاق قرآن مجید پر کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تنزیل کتاب پر حاملین قرآن خوش ہوتے ہیں اور یہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں۔

کتاب  
جو



ان لوگوں کا خوش ہونا فطری امر ہے کہ انہیں قرآن پاک کی صورت میں دین و دنیا کی فلاح کی چابی حاصل ہو گئی ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے اللہ نے فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت "وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" اور وہ چیز آگئی ہے جو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے آگے فرمایا اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہیں یہ چیز اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے "قَبِيْلًاۙ فَلْيَقُوْا اِيْسَاسَۙ" اس کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ "هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ" یہ بہتر ہے اس چیز سے جو یہ دنیا کا مال اکٹھا کرتے ہیں۔ مال و دولت تو فانی چیز ہے جب کہ قرآن حکیم باقی رہنے والی چیز ہے، لہذا اس پر خوشی منانا اہل ایمان کے لیے قدرتی بات ہے۔

اور اگر کتاب سے تورات اور انجیل مراد ہیں تو یہ مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو اللہ نے پہلی کتابوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں جتنی بھی سابقہ کتب موجود تھیں وہ سب کی سب بگڑ چکی تھیں، خود ان کتابوں کے ماننے والوں نے اپنی خواہشات کی خاطر کتابوں میں رد و بدل کر دیا تھا۔ زرتشتیوں کی کتاب کا علیہ ہی بگاڑ دیا گیا تھا، باقی صحائف کا بھی بہت برا حال ہو چکا تھا۔ البتہ تورات اور انجیل ایسی کتابیں تھیں جن کا بیشتر حصہ اگرچہ تحریف ہو چکا تھا، تاہم کچھ نہ کچھ اصلیت بھی باقی تھی، اور ان کے ماننے والے یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔ خود عیسائی علماء کا بیان ہے کہ گذشتہ صدی تک انجیل میں تین ہزار کے قریب تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بائبل کے ہر نئے ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی نئی تبدیلی آتی ہے۔ ابھی پچھلی صدی تک اس میں لفظ فارقلیط

اہل کتاب کا کھردار

موجود تھا۔ سرِ بانی زبان کے اس لفظ کا عربی معنی احمد بنتا ہے، جس کا مطلب ستودہ جہاں ہے۔ مگر موجودہ انجیل سے یہ لفظ حذف کر کے شفیع اور مددگار کا لفظ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق قرآن پاک نے بھی کی ہے۔ سورۃ صاف میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کا مصدق ہوں "وَمَبَشِّرٌ لِّأَبْنِ سُوُلٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" اور میں خوشخبری دیتے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے میرے ذمے دو فریضے لگانے ہیں، ایک یہ ہے کہ میں تمام بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اپنے بعد والے نبی کی بشارت سنانے کے لیے آیا ہوں۔

جس طرح تورات و انجیل کا کچھ نہ کچھ حصہ خود اس کے اپنے ہاتھ پر و کاروں کی دست برد سے ابھی تک محفوظ ہے، اسی طرح اہل کتاب میں سے کچھ نہ کچھ حق پرست بھی ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اگرچہ ان کی غالب اکثریت ہمیشہ ضد اور عناد پر ہی اڑی رہی ہے۔ مسلم شریفیت کی روایت میں آتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں مدینہ کے گروہِ ارجح میں یہودیوں کے دس بڑے بڑے عالم تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ دس آدمی اسلام قبول کر لیں تو آئندہ کوئی یہودی نظر نہیں آئے گا۔ مگر ہوا یہ کہ ان دس میں سے صرف ایک شخص عبد اللہ بن سلام کو اللہ نے ایمان کی توفیق بخشی، باقی سب چانتے بوجھتے ضد پر اڑے کہے اور اسلام کی مخالفت ہی کرتے رہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے ان کو خبردار کیا "وَلَا تَكُونُوا أُولَٰئِكَ"

کہ قرآن کے ساتھ سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بن جائیں۔ اگر تم نے قرآن کے ساتھ کفر کیا تو تمہارے بعد آنے والی نسلیں بھی تمہارے نقص قدم پر چلتے ہوئے انکار ہی کرتی چلی جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگر نین اہل کتاب نے انکار کیا تو آج منکرین کی تعداد اربوں میں ہے۔ آج دنیا میں اڑھائی ارب عیسائی موجود ہیں جو جوہرہ سو سال سے قرآن پاک کی متواتر مخالفت کرتے آئے ہیں۔ یہودی، اگر سپر تعداد میں بہت کم یعنی دو کروڑ کے قریب ہوں گے مگر اسلام کو نقصان پہنچانے میں انہوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کے بڑوں نے قرآن کا انکار کیا، اسلام کو قبول نہ کیا، تو آج ان کی اولادیں بھی اسی روش پر چل رہی ہیں۔ مگر جیسا کہ سورۃ آل عمران میں موجود ہے "لَیْسُوْا سَوَآءٌ" سب کے سب برابر نہیں مشہور مقولہ ہے کہ پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں۔ یہود و نصاریٰ میں سے بھی بعض حق پرست ہمیشہ موجود رہے ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی بعض سعادت مند اہل کتاب موجود تھے جنہوں نے بالآخر ایمان قبول کر لیا۔ عالموں میں سے عبداللہ بن سلام اور بعض دوسرے منصف مزاج لوگ ہیں۔ بادشاہوں میں سنجاشی والی حبشہ کا نام آتا ہے، اُس کے علاوہ ۳۲ دیگر حق طلب عیسائی بھی موجود تھے۔ اللہ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔ بخران کے چالیس آدمیوں نے بھی ایمان قبول کیا۔ تمیم داریؓ کا مذہب بھی عیسائیت تھا، بعد میں ایمان قبول کر لیا۔ سلمان فارسیؓ کا نام بھی اسی فہرست میں آتا ہے۔ ایسے لوگ پہلی کتاب کا علم رکھتے تھے اور حق کے طالب تھے، تو اللہ نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ نزول قرآن پر خوش ہوتے ہیں، ان کی خوشی کی وجہ یہ ہے کہ

جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ ان میں پیدا کی گئی غزبیوں کی نشاندہی کرتا ہے، بنیادی حقائق کی تصدیق کرتا ہے اور سارے نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس زمانے میں بھی کہیں نہ کہیں حق پرست مہکل آتے ہیں فرانس کے ایک بڑے سائنسدان نے اسلام قبول کیا، یہ شخص الجیزاٹریوں سے میل جول کے نتیجے میں مسلمان ہوا۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں مسٹر کوئیم بہت بڑا بیسٹری تھا۔ وہ اپنے خاندان کے اسی افراد سمیت مسلمان ہوا۔ اس وقت دنیا میں انگریز انتہائی عروج پر تھے، انہوں نے اس کے ساتھ بڑے جھگڑے کئے مگر وہ تنہا مقابلہ کرتا رہا۔ اور ایمان پر قائم رہا۔ یہودیوں میں سے جرمنی کے رہنے والے محمد کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ وہ ابھی زندہ ہے۔ محمد پھتال مترجم قرآن ہے۔ یہ شخص ترکوں کے آفری شیخ الاسلام کی مجلس میں سات سال تک بیٹھا رہا، آخر اللہ نے کایاپٹ دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ ان کا ترجمہ ہم پڑھتے ہیں۔ اس نے ترجمہ مہکل کلم کے مصری علماء کے سامنے پیش کیا تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو دور ہو سکے، اور اب یہ انگریزی ترجمہ ساری دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ شخص کچھ عرصہ تک ہندوستان کے صوبہ مدراس میں بھی رہا۔ نواب حیدرآباد کے ہاں بھی رہا۔ انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا، اب فوت ہو چکا ہے۔ اہل کتاب کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، بدھوں اور جینیوں میں سے بھی بعض حق پرست ہوئے مگر کوئی اکا دکا۔ یہودی نصاریٰ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ مومن ہیں "وَكَثَرَهُمُ الْفٰسِقُونَ" (آل عمران)

مگر ان کی اکثریت فاسق ہے۔

قرآن کا  
عملی انکار

فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ خوش ہوتے ہیں  
اس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ وَمَا سَأَلَ الْأَخْضَابِ  
مَنْ يَشْكُرُ بَعْضَهُ اور فرقوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس کے  
بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے موافقین اور مخالفین  
عربوں میں بھی تھے اور یہود و نصاریٰ میں بھی۔ آج مسلمانوں کی حالت  
یہ ہے کہ قرآن پاک کی بہت سی باتوں کا عملی طور پر انکار کر رہے ہیں۔  
جب انگریزوں نے برصغیر میں عمان حکومت سنبھالی تو اس نے لوگوں سے  
دریافت کیا تھا کہ تم شریعت کا قانون چاہتے ہو یا رسم و رواج پر  
عمل پیرا ہونا چاہتے ہو۔ اس طرح بعض اضلاع کے لوگوں نے  
رسم و رواج کو شریعت پر ترجیح دی اور ان کے معاملات شریعت  
کی بجائے رسم و رواج کی بنیاد پر فیصلہ ہونے لگے۔ ظاہر ہے کہ  
ان کو شرعی قانون اس لیے ناپسند تھا کہ وہ ان کی ذاتی خواہشات  
کے راستے میں حائل تھا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو قرآن کے بعض حصے  
کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ  
کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں ان کو ذلت ہوگی اور آخرت میں سخت  
عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جب تک قرآن پاک پر مکمل طور پر عمل نہیں  
ہوگا، اس وقت تک مسلمانوں کو اس دنیا میں عزت نصیب  
نہیں ہو سکتی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کیا ہے قُلْ  
آپ کہہ دیں إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مجھے تو یہی حکم  
دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں وَلَا أُشْرِكُ بِهِ  
اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ مشرکین میں کہتے تھے کہ

تم ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرو، ہم جو کچھ کہتے ہیں، ہمیں کہنے دیں۔ سابقہ مشرکوں کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں۔ وہ لوگ بھی کہتے تھے کہ ابراہیم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ آپ صاف کہہ دیں کہ یہ بے جان بت ہے معنی ہیں میں تو صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، کسی دوسرے کو اللہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے جو اس عقیدے سے اٹھے کہ جس سہی کی عبادت کر رہا ہوں اس کو مافوق الاسباب تمام اشیاء پر کنٹرول حاصل ہے۔ وہ علیم کل، خالق اور مدبر ہے۔ اس ذات کی تعظیم قول سے بھی ہوتی ہے، فعل سے بھی اور عمل سے بھی۔ چنانچہ سورۃ النعام میں اللہ نے شرک کی تمام اقسام کی مذمت بیان کی ہے۔ سورۃ کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ تم تم تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے "وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّجُومَ" تیز اندھیروں اور روشنی کو بھی پیدا فرمایا۔ یہ ان ثنوی فرقہ والوں کی تردید ہے۔ جو اندھیروں اور روشنی کا علیحدہ علیحدہ خالق تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی اور بدی کے خدا جدا جدا ہیں۔ یزدان اور امر من دو خدا تسلیم کرتے نا خدا کی ذات میں شرک کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی صفات میں شرک کرنے والے بھی بہت لوگ ہیں، جو خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ ایسے لوگ علیم کل، قادر مطلق، حاضر ناظر اور مختار مطلق غیر اللہ کو بھی مانتے ہیں، وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی مدبر مانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ فلاں بھی ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے یا کم از کم ہماری سفارش ہی کر سکتا ہے۔

تذرو نیاز میں شرک، قبر پرستی، چڑھاوے چڑھانا اور روشنی کمرے ناسرب  
 اسی قبیل سے ہیں۔ کبھی گنڈے تعویذ کے ذریعے غیر اللہ سے مدد مانگی  
 جاتی ہے، کبھی مکان کی بنیادوں میں خون گزرایا جاتا ہے تاکہ جنات  
 سے پناہ حاصل کی جائے۔ بسوں پر "یا علی مدد" اور یا سخوت الاعظم کے  
 کتبے لکھے جاتے ہیں، کبھی جبرائیل اور میکائیل کو مدد کے لیے پکارا  
 جاتا ہے اور کبھی اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی امید رکھی جاتی ہے  
 یہ سب شرک کی مختلف صورتیں ہیں جو آج بھی مسلمانوں میں رائج ہیں  
 اللہ کے سارے نبی اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے آئے ہیں۔  
 "لِقَوْمٍ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ" (زہود)  
 اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا  
 کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے  
 بھی یہی کہلوا یا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت  
 کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہراؤں۔

دعوت  
 الی اللہ

فرمایا، اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہہ دیں اِلٰهٍ اَدْعُوْا میں  
 اسی ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شرک  
 نہیں، نہ عبادت میں، نہ صفت میں اور نہ حقوق میں۔ سورہ اہقاف  
 میں بھی گزر چکا ہے اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوا یا کہ یہ میرا  
 راستہ ہے "اَدْعُوا اِلٰہَ اللّٰہِ" میں اللہ کی طرف دعوت دیتا  
 ہوں۔ "کَلِمَۃٌ بَصِیْرَةٌ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِ" میں بھی بصیرت  
 پر ہوں اور میرے پیروکار بھی۔ ایمان اور توحید کی دعوت بصیرت  
 کی دعوت ہے، کفر، شرک اور برائی کی دعوت ظلمت ہے۔ ایمان  
 کی دعوت نور ہے جس سے انسان کے قلب میں بصیرت پیدا ہوتی  
 ہے۔ مجھے اور میرے پیروکاروں کو دین کی کسی بات میں شبہ نہیں ہے

تمام انبیاء کی بات ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ لہٰذا کہ میری دعوت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے، تمام مشرکوں کو بھی جمع کر لو۔ **لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً** پھر تمہیں کسی بات میں شبہ نہیں رہنا چاہیے، میں واضح طریقے پر بات کر رہا ہوں، میں خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں **وَاللّٰهُ مَاب** اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے، مجھے بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حِكْمًا سَبِيًّا** اور اسی طریقے سے ہم نے اس قرآن کو ایک فیصلے کے طور پر اتارا ہے عربی زبان میں۔ کذا کی تشبیہ سابقہ کتب سماویہ کی طرف ہے کہ جس طرح ہم سابقہ ادوار میں انبیاء علیہم السلام پر وحی بھیجتے تھے۔ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے، اور یہ عربی زبان میں ہے قرآن پاک میں یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهٖ** (ابراہیم) ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سریانی یا عبرانی زبان بولتے تھے تو انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی۔ یہودی عبرانی زبان بولتے تھے تو تورات عبرانی میں نازل ہوئی۔ دیگر صحائف بھی ہر نبی کی قومی زبان میں نازل ہوئے۔ پھر سب سے آخر میں اللہ نے اپنے آخری نبی کو عربی زبان میں پیدا کیا۔ تو قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔

عربی زبان کی ترقی نزول قرآن سے سو لہ سترہ سو سال پہلے شروع ہوئی اور حضور کے زمانہ تک یہ زبان انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ پھر پھر میں اردو زبان کی ترویج خواجہ فرید الدین گنج شکر کے زمانے سے شروع

قرآن در  
عربی زبان



ہوئی اور اب تک یہ ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکی ہے۔ سائنس  
 فلسفہ، تاریخ، معاشیات، سیاسیات وغیرہ اس زبان میں منتقل ہو چکے  
 ہیں۔ انگریزی زبان کی ترقی انگریزوں کے دو سو سالہ عروج کی مرہونِ عزت  
 ہے۔ اسی طرح حضور کے زمانہ مبارک تک عربی زبان کو بڑی ترقی حاصل  
 ہو چکی تھی۔ عربوں میں بڑے بڑے شعرا اور خطیب تھے۔ بڑے بڑے نقیب اور  
 باریک بین متکلم موجود تھے، مگر عربوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ قرآنِ پاک کی  
 فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ مسئلہ کذاب نے  
 قرآن کے مقابلے میں اول قول کلام پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر  
 حضرت عمر و ابن العاصؓ کا اگرچہ اس کے ساتھ دوستانہ تھا اور وہ ابھی  
 اسلام بھی نہیں لائے تھے، مگر کہنے لگے، یہ تیرے بس کا روگ  
 نہیں۔ آپ نے اس کے منہ پر پھٹوک دیا تھا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے  
 ہیں کہ قرآن کا مقابلہ صرف زبان کے لحاظ سے نہیں بلکہ نظام  
 کے لحاظ سے بھی ہے۔ اگر قرآن کا چیلنج صرف زبان کے لحاظ سے  
 ہوتا تو صرف عربوں کو خطاب ہوتا، مگر اس کے مخاطب تو تم  
 بنی نوع انسان ہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر  
 آپ تمام لوگوں سے کہہ دیں "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ جَمِيْعًا"  
 میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں کسی خاص قوم یا  
 خط یا خاص زمانے کے لیے نہیں آیا بلکہ روئے زمین کے تمام بنی  
 نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور یہ میری ڈیوٹی ہے  
 کہ میں اسی قرآن کے ذریعے "لَا نَذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ كَفَرَ"  
 تمہیں بھی خبردار کر دوں اور ان سب لوگوں کو متنبہ کر دوں جہاں تک  
 یہ قرآن پہنچے۔ بہر حال اس کے اولین مخاطبین اہل عرب ہیں اور پھر

وہ تمام لوگ جہاں تک یہ پیغام الہی پہنچے۔  
فَرَمَا وَلِيْنِ اَتَدْعُوْا اَهُوْا هُمْ كَعَدَمٰٓ حَاكِمًا لَّدٰ  
مِنَ الْعِلْمِ اَلَمْ اَپْتَنِيْ اَنْ كِيْ خَوَابِشَاتِ كِي پِيْرِي  
 کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو یاد رکھیں مَا لَكُمْ  
مِنَ اللّٰهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا اٰوَاقِ اَپْتَنِيْ کے لیے اللہ  
 کے سامنے نہ کوئی سمانتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔ اس آیت کریمہ  
 میں مخاطب اگرچہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے مگر اس سے  
 مراد آپ کی قوم کو بات سمجھانا ہے کہ لوگو! اچھی طرح سن لو کہ  
 قانون اور ضابطہ آجانے کے بعد اس کی پیروی کی بجائے اگر خواہشات  
 نفسانیہ پر چلو گے اور رسم و رواج کو اپناؤ گے یا برادری اور قبیلے کی بات  
 پر عمل کرو گے تو پھر خدا کی گرفت میں آؤ گے اور اس سے بچ  
 نہیں سکو گے۔ علم کی عدم موجودگی میں تو انسان ایک حد تک مجبور  
 ہوتا ہے مگر قرآن کے ذریعے علم آ گیا تو اب کوئی حیلہ قابل قبول  
 نہیں ہوگا۔ اب صرف اور صرف قرآن کے پروگرام پر عمل کرنا ہوگا  
 اسلام کی جگہ اب کوئی اہم قابل قبول نہیں ہوگا۔ اگر اب بھی اسلام  
 کے نظام کو نہیں اپناؤ گے تو پکڑے جاؤ گے۔

وما آتوہم

الرعد ۱۳

درس چہارم ۱۴

آیت ۳۸ تا ۴۰

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا  
لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ط وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ  
أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ  
كِتَابٌ ۞ (۳۸) يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ  
وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۞ (۳۹) وَإِنْ مَا نُؤْتِيكَ  
بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ  
فَأَسْمَأُ عَلَيْكَ الْبَلْعُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۞ (۴۰)

ترجمہ :- البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول آپ سے  
پہلے اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد - اور  
نہیں تھا کسی رسول کے لیے کہ وہ لائے کوئی نشانی مگر  
اللہ کے حکم سے - ہر ایک وعدے کے لیے ایک لکھا  
ہوا نوشتہ ہے ۞ (۳۸) اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت  
رکھتا ہے (جس کو چاہے) اور اسی کے پاس ہے اصل  
کتاب ۞ (۳۹) اور اگر دکھلا دیں ہم آپ کو وہ چیز جس  
کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں - یا ہم آپ کو وفات  
دے دیں گے - پس بیشک آپ کے اوپر ہے پہنچا  
دینا، اور ہمارے ذمے ہے حساب لینا ۞ (۴۰)

رابطہ آیات

پہلے شکر کارو اور مشرکین کا انجام بیان ہوا۔ قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر

کہ کے اُس کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ اللہ نے خبردار کیا کہ وحی الہی کے آجانے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا۔ تو وہ گرفت سے نہیں بچ سکے گا اور نہ ہی اس کا کوئی حجامتی ہوگا۔ قطعی علم آجانے کے بعد رسم و رواج پر چلنا روا نہیں ہے بلکہ قطعی علم کا اتباع ضروری ہو جاتا ہے اس کے بعد اب رسالت کا بیان آ رہا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مشرکین کے اعتراضات کا ضمناً جواب ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں توجیہ کا ذکر آتا ہے، اس کے ساتھ شرک کی تردید بھی ہوتی ہے، اور جہاں وحی الہی کی بات ہوتی ہے، ساتھ نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بنیادی عقائد مکی سورتوں میں بکثرت موجود ہیں اور مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر ان عقائد میں سے کسی عقیدے میں بھی شک و شبہ یا تردید پیدا ہو جائے تو ایمان کی بنیاد ہی خراب ہو جاتی ہے اور انسان کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ ان بنیادی عقائد میں سے آج رسالت کا بیان آ رہا ہے۔

بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو پھر انہیں ہر وقت عبادت اور زہد میں مشغول رہنا چاہیے اور ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ برصغیر کے آریہ سماجی اور ہندو بھی معاذ اللہ نبی پر شہوت رانی کا الزام لگاتے ہیں کہ آپ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اسی قسم کا اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے بھی ہوتا رہتا ہے۔ آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے یہودہ اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَأَقْدَارُ سَلَّمَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ الْبَيْتَ تَحْقِيقًا

نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے۔ احادیث سے

انبیاء کی  
ازدواجی  
حیثیت

کل تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ملتا ہے، اور انبیاء کی تعداد تو ایک لاکھ بیس ہزار یا سو لاکھ کے قریب آتی ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مستقل شریعت یا کتاب عطا کرتا ہے۔ رسولوں کو اپنی اپنی شریعت اور کتاب کی تبلیغ کا حکم تھا۔ البتہ انبیاء علیہم السلام سابقہ شرائع اور کتب ہی کی تعلیم و تبلیغ پر مامور ہوتے تھے، تاہم اگر کوئی خاص بات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی انکاء کر دیتے تھے۔ نبی اسرائیل کے اکثر انبیاء کا فریضہ تورات کی تبلیغ تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ تم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے و جعلنا کہم آذواجاً اور نبائیں تم نے ان کے لیے بیویاں نکاح کیں اور بیوی سے اشتغال رکھنا کمال کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ازواج بشریت میں سے ہے۔ فرمایا بیویوں کے علاوہ و ذریعۃ اللہ نے بیویوں کی اولاد بھی بنائی، بیوی بچوں کا ہوتا کوئی عجیب والی بات نہیں ہے۔ بیویوں نے نکاح بھی کیے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔ اگر یہ خود و نصاریٰ کو نبی آخر الزمان کی بیویوں اور بچوں پر اعتراض ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے گوارا کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب کے بھی حیدر الانبیاء ہیں۔ آپ کی پانچ یا سات بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی تھی۔ بلکہ خلاف توحیح اللہ نے آپ کو بڑے صحابے میں اولاد عطا فرمائی۔ آپ کا پہلا بچہ چودہ ماہ کی عمر میں پیدا ہوا جب کہ دوسرا سو سال کے قریب عمر میں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق تو مشہور ہے کہ ان کی تین سو منگواہ بیویاں اور سات سو لڑکیاں تھیں، آپ کی سلطنت بھی بے مثال تھی اور اس کے باوجود آپ صاحب کمال نبی تھے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں

تھیں۔ بعض دوسرے انبیاء کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں، لہذا معتبر صحابین کا یہ اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے کہ بیوی اور اولاد کا ہونا کمال کے معنی میں ہے، بلکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک تو یہ ہے کہ تجربہ آدمی کو وہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا جو متاہل (شادی شدہ) آدمی کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر صاحبین صاحبِ اہل ہے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے نکاح میں نو بیویاں موجود تھیں جب کہ دو بیویاں حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ وفات پا چکی تھیں حضور علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کا آغاز حضرت خدیجہؓ کے نکاح سے ہوا، جو کہ اس سے پہلے دو خاوندوں سے بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی جب کہ آپ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی چنانچہ آپ نے جوانی کا بہترین زمانہ (تقریباً پچیس سال) اسی بیوہ کے ساتھ گزارا، اور سوائے حضرت ابراہیمؑ کے، ساری اولاد اسی سے پیدا ہوئی پھر اس بیوی کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر مبارک باون یا ثمرین سال ہوئی تو آپ نے دوسرا نکاح کیا۔ ان حالات میں اللہ کے نبی پر شہوت رانی کا الزام لگانا نہایت ہی احمق ہے۔ دیگر بیویوں سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اس سے اسلام کی تعلیم کو گھبر گھبر پھینچانا مقصود تھا۔ آپ علیہ السلام نے مختلف خاندانوں میں نکاح کئے اور ازواج کے ذریعے تعلیم پھیلائی۔ سورۃ احزاب میں موجود ہے: "وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي هٰؤُلَاءِ اَنْتُمْ سَوِيَّاتٌ مِّنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ" اے ازواج مطہرات! اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور حکمت جو تمہارے گھروں میں نازل کی ہے اس کا چرچا کرو۔ آیات سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ گویا کہ قرآن و سنت کی تشہیر کا ایک

ذریعہ حضور علیہ السلام کی بیویاں بھی تھیں اور آپ کے متعدد نکاحوں کا یہی مقصد تھا۔ اگر بیویاں زیادہ ہوں گی تو ذمہ داریاں بھی بڑھیں گی، محنت و مشقت زیادہ کرنی پڑے گی اور صبر بھی کمزور ہو گا، لہذا اس میں اجنبی بھی زیادہ ہو گا۔ غرضیکہ متعدد نکاح کمال کے منافی نہیں منکرین اپنی من مانی نشانیاں بھی بار بار طلب کرتے تھے،

معجزات  
کا اظہار

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ  
بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کہ وہ کوئی نشانی یا معجزہ لائے مگر اللہ کے حکم سے۔ معجزے کا اظہار اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے اور نبی اپنی مرضی سے جب چاہے کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کہ امت کا اظہار بھی کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ولی کا درجہ تو نبی سے بہت کم ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے جو اختیار نبی کو نہیں وہ ولی اللہ کو حاصل ہو۔ بعض لوگ کہ امت کو اولیاء اللہ کا فعل مان کہہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ معجزے کا اظہار اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا لِكُلِّ  
أَجَلٍ كِتَابٌ ہر وعدے کے لیے ایک لکھا ہوا نوشتہ ہوتا ہے یعنی ہر چیز کے ظہور کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے، اسی طرح معجزے کے اظہار کا بھی خاص وقت ہوتا ہے اور یہ ہر شخص کی خواہش پر ظاہر نہیں ہوتا۔

نسخ شائع  
اور احکام

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ  
مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے وَيُثَبِّتُ اور باقی رکھتا ہے جس کو چاہے وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب، کائنات کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی

تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود تقدیر کی الٹ پلٹ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ کسی چیز کو مٹانا چاہے یا کسی چیز کو باقی رکھنا چاہے تو اس کی مشیت میں کسی کو حجاز دخل نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے بعض گناہوں کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر کو دعائے سوا کوئی چیز نہیں بدل سکتی، اور عمر میں زیادتی کمرنے والی بجز نبی کے کوئی چیز نہیں۔ نسائی اور ابن ماجہ شریف میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ اس پر تھیلٹھ بار تو جہ فرماتا ہے۔ پھر جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، ام الكتاب اسی کے پاس ہے۔

مشکرین یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر سچا ہے اور اس کی کتاب سچی ہے تو پھر پہلے احکام منسوخ کیوں ہو جاتے ہیں، کیا خدا کو علم نہیں ہوتا کہ کونسا حکم بہتر ہے۔ پہلے وہ ایک شریعت نازل کرتا ہے۔ پھر اس کی جگہ دوسری لے آتا ہے۔ یہ آیت اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور احکام و شرائع کا نسخہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت پر ہوتا ہے۔ ہر چیز کو ایک خاص وقت تک مناسبت ہوتی ہے۔ اس وقت تک وہ چیز قائم رہتی ہے، پھر اس کو تبدیل کر دیا جاتا ہے مختلف شرائع میں علت و حرمت کے احکام بدلتے رہتے ہیں اور ایسا زمان و مکان کی مناسبت سے ہوتا تھا۔ اس کی مثال سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے لوگو! میں تو راست کی تصدیق کرنے والا ہوں وَلَا حِجْلٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ



عَلَيْكُمْ وَأُورِثُكُمْ" اور اللہ کے حکم سے تم سے بعض حرام قرار دی گئی چیزوں کو حلال قرار دیتا ہوں۔ گویا نسخ احکام کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو ایک وقت میں کوئی دوائی دیتا ہے جب کہ دوسرے وقت میں وہ دوائی تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی اور تجویز کر دیتا ہے۔ ایسا کہ نامریض کے مزاج اور بیماری کی کیفیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ڈاکٹر نے پہلی دوائی تبدیل کیوں کی ہے تو اس کی ناواقف ہوگی۔ اسی طرح نسخ شرع کا معاملہ بھی انسانی سوسائٹی کے احوال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے۔ ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہی مختلف شرائع اور احکام جاری فرماتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس اور بعض دیگر معصومین فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مذکور محو اور اثبات سے مراد تقدیر کی تمام چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس تقدیر کو چاہے مٹا دے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔ البتہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کی چار چیزوں کے مٹنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور وہ ہیں: عمر، روزی، سعادت اور شقاوت۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اور استقرارِ محل سے چار ماہ کے بعد ایک خاص منزل آتی ہے جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھ لو کہ اس کی عمر پہ ہوگی، اس کو روزی اس قدر نصیب ہوگی۔ اور یہ سعادت مند ہوگا یا شقی۔ تو گویا ان چار چیزوں میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے، یعنی معلق اور مبرم۔ تقدیر معلق میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے جب کہ مبرم یعنی قطعی تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

شاہ ولی  
ساختہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ تقدیر کے پانچ درجے ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ ازلی ہوتا

ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ دوسرا درجہ فرشتوں یعنی جنبرائیل  
 میکائیل وغیرہ کی پیدائش کا دور ہے جو انسان کی پیدائش سے اربوں سال  
 پہلے پیش آیا۔ نوع انسانی کی مصلحت ان فرشتوں پر موقوف ہے۔  
 شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقدیر کا تیسرا درجہ وہ ہے جب احکام و شرائع  
 میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ یہ تغیرات ہزاروں سال کے بعد آتے ہیں۔ چوتھا  
 درجہ وہ ہے جب انسان کے اس مادی جہان میں آنے سے پہلے اس  
 کی تقدیر بکھردی جاتی ہے اور پانچواں درجہ وہ ہے جب انسان اس مادی  
 جہان میں آجاتا ہے اور اپنی طبعی عمر گزارتا ہے۔ بہر حال یہ پانچ درجات  
 ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے بعض تقدیریں بدل جاتی ہیں اور  
 بعض قائم رہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے۔ انسان  
 کی دعا کی وجہ سے اس کی مصیبتیں مٹ جاتی ہیں۔ حدیث شریفین میں آتا ہے  
 کہ انسان کی دعا اور مصیبت آپس میں الجھتی ہیں اور انسان کی دعا مصیبت  
 کو انسان کی طرف آنے سے روکتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک  
 جاری ہے گا۔ بعض تغیرات نیکیوں کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں اور گناہ  
 مٹتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **إِنَّ الْعَبْدَ لَيُؤْتَى بِرُزْقِهِ  
 بِمَا لَدُنَّيْهِ** گناہ کی وجہ سے بندہ روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کوئی  
 ایسا گناہ کرے جس سے ملنے والی روزی موقوف ہو جاتی ہے۔ یہ  
 سارے تغیرات ازلی درجہ کے بعد والے درجات میں واقع ہوتے  
 ہیں۔ ازلی درجہ اللہ کے علم والا درجہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں  
 ہوتی۔ اسی کو مبرم سمجھ لیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو  
 تلقی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَإِنْ مَكَانُ رَبِّنَا لَبَعْضُ  
 الَّذِي نَعْبُدُهُمْ** اور اگر تم ہم دکھا دیں آپ کو وہ چیزیں جن کا ہم

میلہ اسلام  
 پیشین گوئی

ان سے وعدہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کی زندگی میں ہی پورا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کے مشرکین کو آپ کی زندگی میں ہی مغلوب کر دیا۔ سورۃ قمر میں ہے "سَيَهْتَمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الذَّبِيرَ" آج یہ مشرکین بڑے جتھے اور طاقت کے مالک ہیں، مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کہ رکھا ہے، اللہ کے نبی اور اس کے پیروکاروں کے جانی دشمن ہیں مگر ایک وقت عنقریب آنے والا ہے، جب یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ یہ وعدہ اللہ نے حضور کی زندگی میں بدر کے موقع پر ہی پورا کر دیا۔ مشرکین کی جمعیت تتر بتر ہو گئی اور وہ مغلوب ہو گئے۔

فرمایا اَوْ نَتَّوَفَيْتَكَ يَا اِهْمَ اَبٍ كُو و ف ا ت م ن م ن د ی س گے اگہ اسلام کا مجموعی غلبہ آپ کی زندگی میں نہ ہوا تو آپ کے بعد یہ وعدہ پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلام کا مجموعی غلبہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا۔ صفین کے واقعہ تک مسلمان نصف دنیا پر غالب آچکے تھے اور ان کے سامنے سر اٹھانے والی کوئی طاقت نہیں تھی۔ یہ کیفیت تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک قائم رہی۔ پھر مسلمانوں کا شریک شروع ہو گیا۔ تاتاریوں کے حملے نے مسلمانوں کو من حیث القوم درہم برہم کر دیا۔ اس وقت کا پھسلا ہوا قدم آج تک نہیں سنبھل سکا، ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح کے وقت سابقہ پوزیشن پھر بحال ہو جائے، ورنہ اس وقت تو حالات سخت، مخدوش ہیں اور بہتری کی کوئی رمت نظر نہیں آتی خلافت راشدہ کے زمانے میں اللہ نے مسلمانوں کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی "وَلَيَمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ" "وَلَيَسِّدَنَّ لَهُمْ مِّنْ اٰمَنٍ" (النور) اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو نچیتہ اور مضبوط کر دے گا

اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ اللہ نے فرمایا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور جس نے کفرانِ نعمت کیا وہ گرفت میں آئے گا یہ ساری باتیں حضور کے بعد واقع ہوئیں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوة کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نبوت کے کام کو مکمل کیا۔ اس میں چاروں خلفاء کا زمانہ شامل ہے۔ البتہ چوتھے خلیفہ کے زمانے میں آپس کے اختلاف کی وجہ سے اجتماعی حرکت میں فرق پڑ گیا۔ تاہم اسلام کا علیہ صدیوں تک قائم رہا۔

حضور علیہ السلام کی زندگی میں جب بدر کا معرکہ ہوا تو بڑے بڑے ائمہ کفر جنم واصل ہوئے۔ ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر قریبی کنوئیں میں پھینک دیا گیا اور حضور علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ نے ہم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا، اس کو ہم نے سچا پایا۔ اے مشرکین کے گروہ! تم سے اللہ نے جو مغلوب کرنے کا وعدہ کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو سچ پایا ہے یا نہیں؟ کسی کہنے والے نے کہا، حضور! آپ ان مردار لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ مردار اس وقت تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

تو فرمایا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، یا آپ کو وفات دے دیں گے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْعُ پس آپ کے ذمے پہنچا دیا ہے۔ آپ ان لوگوں کو دین اور شریعت کے احکام پہنچا دیں، آپ کا فریضہ یہ ہے وَعَلَيْكُمَا الْحِسَابُ اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم ایک ایک عمل کا حساب لیں گے، گرفت کریں گے اور پھر ان کے اعمال کی ان کو سزا بھی دیں گے۔ آپ اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں اور نتیجہ ہم پر چھوڑ دیں۔

وما ابرئى ۱۳

الرعد ۱۳

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۴۱ تا ۴۳

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ  
 اَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ  
 سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ  
 قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ  
 كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرَ لِمَنْ عَقَّبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾  
 وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ  
 كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ  
 عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

۶۷۱

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک  
 ہم آتے ہیں زمین پر، ہٹاتے ہیں اس کو اس کے اطراف  
 سے۔ اور اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے، کوئی نہیں ہے پیچھے ہٹانے  
 والا اس کے حکم کو، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴۱﴾  
 اور تحقیق محقق چالیں چلیں ان لوگوں نے جو ان سے پہلے  
 تھے۔ پس تمام تدبیر اللہ کے قبضے میں ہے۔ وہ جانتا ہے  
 جو کچھ کھاتا ہے ہر نفس، اور عنقریب جان لیں گے کفر کرنے  
 والے کہ کس کے لیے ہے آخرت کا گھر ﴿۴۲﴾ اور کہتے ہیں  
 وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے تو بھیجا ہوا رسول  
 آپ کہہ دیجئے کہ کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے درمیان

اور تمہارے درمیان گواہ، اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے (۴۳)

سورۃ نزا کی ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا، پھر مسئلہ توحید اور قیامت کا ذکر آیا اور اب آخر میں اس سورۃ کا اختتام رسالت کے بیان پر ہو رہا ہے۔ مشرکین مکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے اور پھر خدایا کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کی گئی ہے۔ درمیان میں محاورہ اثبات کا ذکر بھی ہوا۔ شراعی کی منسوخی اور نئے احکام کا اجرا، قضا و قدر میں تغیر و تبدل، کسی چیز کو مٹا دینا اور کسی کو باقی رکھنا، یہ سب اللہ کی قدرتِ تامہ کے تحت بیان ہو چکا ہے اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی بھی دی۔ فرمایا، ہم نے جن چیزوں کا آپ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ یا تو آپ کی حینِ حیات میں ہی آپ کو دکھا دیں گے، یا ان کا ظہور آپ کی اس دنیا سے رخصتی کے بعد ہوگا، بہر حال اللہ کا وعدہ حرفِ بچرف پورا ہوا

آج کی آیات مسلمانوں اور ان کے پیغمبر سے کئے گئے اس وعدے ہی سے متعلق ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے لئے درپے شکست اور اہل ایمان کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ مشرکین سمجھتے تھے کہ یہ نبی دین ہے، حضورؐ نے عرصہ میں ہی ہم لئے ختم کر کے اس کے ماننے والوں کو مغلوب کر لیں گے مگر اللہ تعالیٰ کا پروردگارِ اس دین کو غالب کرنے کا تھا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً نَّبَاتًا لَّذِي نَبَاتِ الْأَرْضِ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے

رابطہ آیت

غار کی  
بے درپے  
ناکامی

گھٹانے چلے آئے ہیں۔ اس میں مشرکین کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم سمجھی بھراہل ایمان کو ختم کر دیں گے اور خود غالب آجائیں گے، مگر یہ لوگ اپنے گمرویش کے حالات کی طرف نہیں دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہم ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کو نکال رہے ہیں یعنی ان کے قبضے سے عرب کے مختلف خطے نکلتے جا رہے ہیں اور وہاں پر اہل اسلام غالب آ رہے ہیں۔ چنانچہ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ سرزمین بھی مشرکین کے قبضہ سے نکل گئی اور دارالکفر دارالاسلام میں تبدیل ہو گیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ پر غلبہ حاصل ہوا اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا، پھر وہ خیبر کے مقام پر جمع ہو گئے اور بالآخر انہیں وہاں سے بھی نکلتا پڑا اور وہ سارا علاقہ اہل ایمان کے تسلط میں آ گیا۔ مدینہ کے گمرویش کی صفائی کے ساتھ ساتھ خیران اور مین والے لوگ خود بخود ایمان لے آئے۔ کفار و مشرکین کی شکست اور اسلام کا غلبہ حضور علیہ السلام کی وفات تک مسلسل جاری رہا اور پھر آپ نے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی دین بھلایا چلا گیا حتیٰ کہ پورے ملک عرب پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ہم کافروں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکالتے چلے جا رہے تھے **أَفْهَمُ الْعَالَمِينَ** کیا اب بھی آپ نہیں امید ہے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے؟ بہر حال اکثر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

حضرت  
عبدالرحمن  
بن عوف کی  
توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مختلف تفسیر بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اطراف طرف یعنی کنارے کی جمع نہیں بلکہ طرف کی جمع ہے اور اس کا معنی عمدہ گھوڑا یا کوئی دوسری نفیس چیز ہوتا ہے۔ آپ

کی توجیہ کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین سے اچھے لوگوں کو اٹھا رہے ہیں یعنی بالکمال اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہو رہے ہیں۔ جب اللہ کے پسندیدہ بندے اس دنیا میں باقی نہیں رہتے تو یہ کفار و مشرکین کس خیال میں پرٹے ہوئے ہیں، کیا یہ لوگ حق و صداقت کی مخالفت کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ جب اچھے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھا لیتا ہے تو پھر یہ کفار و مشرکین کس گنتی میں ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کیسے باقی رہ سکتے ہیں، اور کفر کا پروگرام کیسے مسلط کر سکتے ہیں؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ زمانے میں ایسا تغیر آئے گا کہ اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے اور رومی لوگ باقی رہ جائیں گے۔ وہ لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کریں گے جسی وجہ سے تمام نظام مختل ہو جائیں گے اور نتیجتاً تباہی و بربادی آئے گی۔ بہر حال سن رہا ہے کہ جب علماء، حکماء، عارف، سالک، عابد اور زاہد لوگ باقی نہیں رہیں گے تو کافر و مشرک بھی نہیں رہیں گے، لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے۔

بہر حال اس آیت کریمہ سے مراد کفار و مشرکین کے لیے زمین کی تباہی ہو یا صاحبِ فضیلت لوگوں کا دنیا سے اٹھ جانا، یہ سارا تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وَاللَّهُ يَحْكُمُ اللہ تعالیٰ ہی ہر معاملے کا حکم اور فیصلہ کرتا ہے لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا کوئی نہیں۔ اس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ جب اس نے غلبہ اسلام کا فیصلہ کر رکھا ہے تو اب منکرین اس فیصلے میں کیسے حائل ہو سکتے ہیں۔ انہیں یہ فیصلہ طوعاً و کرہاً قبول کرنا ہوگا۔



کبھی وہ وقت تھا کہ کافروں کے قدموں تلے سے زمین کو نکال مسلمانوں  
 کے دستوں نے مسلمانوں کو عروج عطا کیا، اور آج کے دور میں اس کا الٹ کا تنزل  
 ہو رہا ہے۔ اللہ کی زمین مسلمانوں کے تسلط سے نکل کر دہریوں، کافروں،  
 مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے تسلط میں جا رہی ہے۔ یہ برصغیر  
 پورے کا پورا دارالاسلام تھا۔ کابل سے لے کر یرہما تک اور نگ زب  
 عالمگیر کی حکومت تھی۔ لاہور کی شاہی مسجد اور حیدر آباد دکن کی مکہ مسجد اسی  
 کے کا زمانے ہیں۔ مگر اس کے بعد اس کے جانشین سخت نالائق ثابت  
 ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا برصغیر انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا، اور  
 دو سو سال کی جدوجہد کے بعد جب برطانیہ کی غلامی کا جوا، اُترا تو اس سرزمین  
 کا بیشتر حصہ ہندوؤں کے تسلط میں چلا گیا اور ایک تھوڑے سے حصے کو  
 پاکستان کا نام دیا گیا۔ مگر اس قوم کی نفس پرستی اور حب مال و جاہ کی وجہ  
 سے پاکستان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تاریخ  
 ایسے ہی سانحات سے بھری پڑی ہے۔ پنج، بھار، ختن، ناشقند وغیرہ  
 مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔ سنکا تک صوبے میں سات کروڑ  
 مسلمان آباد تھے مگر آج وہاں ایک کروڑ بھی نظر نہیں آتے۔ بھار میں  
 میں چالیس ہزار مساجد اور چار ہزار سے زیادہ مدرسے مگر آج وہاں دو ہزار مسجدیں  
 بھی موجود نہیں۔ البانیہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا ملک تھا جو ایشیا کیوں  
 کے قبضہ میں چلا گیا، چچو سلاواکینہ کے مسلمان بھی نہایت تنگی میں گئے اور  
 کہتے ہیں، اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکل چکی ہے اور وہ بے یار و  
 مددگار مظلومانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ فلسطین کا ساتھ آپ کے سامنے  
 ہے۔ مسلمانوں کا تاریخی خطہ اور انبیاء کی سرزمین یہودیوں کے قبضہ  
 میں جا چکی ہے۔ ترکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ ہم سال ہا سال تک  
 مسلمان حکومتوں سے اپیل کرتے رہے کہ اس مقدس سرزمین کی طرف

توجہ دو۔ یہودی اس خط میں دھڑا دھڑا غیر منقولہ جائیدادیں خرید رہے ہیں اور ان کی یہ حکیم خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ یہودیوں نے مسلمانوں سے سستے داموں زمینیں اور مکانات خرید لیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطین پر مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوتی گئی اور یہودیوں کے پاؤں جمتے گئے اور بالآخر وہ یہاں پر ایک خالص یہودی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج فلسطینی ہمارے دنیا میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ بیت المقدس ان کے قبضے سے نکل چکا ہے۔ بچے پورٹھے اور عورتیں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس شیطانی منصوبے میں برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس چاروں طاقتیں شامل ہیں۔ جنہوں نے فلسطین کے اصل باشندوں کو بے وطن کر کے طاقتور طاقت کو وہاں مسلط کر دیا ہے بہر حال اب مسلمانوں کا معاملہ اٹھا ہو گیا ہے۔ کبھی ان کا تسلط اختیار پر قائم ہوتا تھا۔ مگر اب اختیار ان پر مسلط ہو رہے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو حسب مال و جاہ، ذاتی اقتدار اور چوہدری اہٹ نے تباہ کیا ہے۔ بلوکیت کی سناری لعنت مال کی محبت کا نتیجہ ہے۔ جب تک لوگ ذاتی خواہشات کی تکمیل کرتے رہیں گے۔ ملی مفاد پس پشت ڈالا جاتا رہیگا، مسلمان من حیث القدم تنزل میں رہیں گے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مفاد پرست لوگ قومی دولت کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں مگر کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایوب کے زمانے میں ناچنے اور گانے والوں، فلم ایگٹروں اور ایکٹریوں کو بڑی بڑی جاگیروں سے نوازا گیا۔ بنگال کی بلیبل چوہدری کو پچاس ہزار روپے کا انعام ملا۔ ناہناؤ ملک ترقم کو مر بے لارٹ ہوئے۔ یہ کون کا نام ہے جس کی

حسب جاہ

پذیرائی ہوتی ہے۔ قوم کا سرمایہ کھیل کود اور لہو دلب میں صرف کیا جاتا ہے۔ کبھی فلک بوس عمارتوں پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ لاہور میں تعمیر ہونے والا مینار پاکستان ستر لاکھ روپے میں بنا مینار جناح کے مقبرے پر سات کروڑ روپیہ خرچ ہوا ان عمارات سے قوم کی کون سی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ اس میں فضول خرچی، بھود و نمائش اور ذہنی عیاشی کے سوا کیا رکھا ہے۔

دوسری بیاہ کن چیز ذاتی چوہدر اہٹ ہے۔ عراق اور ایران کے درمیان یہی وجہ تنازعہ ہے۔ تین چار سال کی جنگ میں دو مسلمان ملکوں کے دو لاکھ آدمی لقمہ اجل بن چکے ہیں، جب کہ مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ دونوں فریق مسلمان کہلاتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی نام تو اسلام ہی کا لیتے ہیں مگر باہم برسہا برس پیکار ہیں۔ یہی ہماری نالائقی کی علامت ہے ہم میں اسلام کی انقلابی روح باقی نہیں رہی۔ ہم ذاتی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں، اور معمولی ذاتی مفاد کی خاطر بڑے بڑے ملی مفاد قربان کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس آیت میں حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے اور تغیر و تبدل سے کافروں پر دلیل بھی قائم کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے زعم میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے ہیں تو یہ عبرت ہے کہ یونکہ اللہ کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا وَهُوَ سَرِيعٌ الْحِسَابِ اور وہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ پکڑے گا تو پھر اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

آگے ارشاد فرمایا وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
اور تحقیق مخفی تدبیر کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ عربی میں مکر مخفی چال کو کہا جاتا ہے، اس کے برخلاف اُردو اور پنجابی میں

خدائی تدبیر  
کی کامیابی

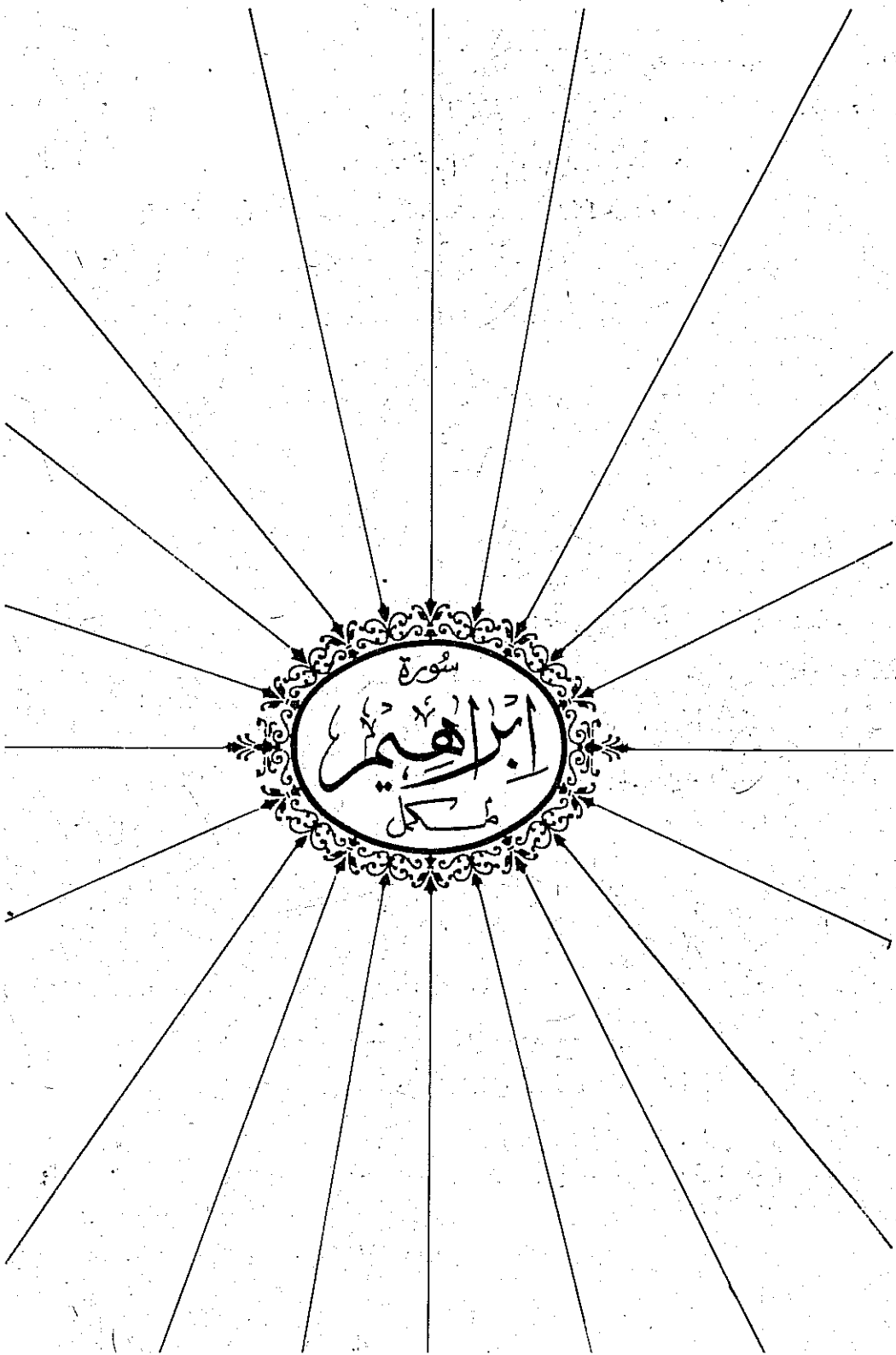
یہ لفظ دھوکہ اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے فرمایا، حتیٰ کو مٹانے کے لیے پہلے لوگوں نے بھی مخفی چال چلی اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ساری مخفی تدبیر اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کی کسی تدبیر کو کامیاب نہیں ہونے دیکھا۔ وجہ یہ ہے يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو کوئی نفس کما ہے، گویا ہر شخص کا ہر کام اس کی نگاہوں میں ہے۔ جب خدا تعالیٰ ہر ایک کے ہر کام سے واقف ہے، تو اس کی مخفی تدبیروں سے بھی واقف ہے، مخفی تدبیر جیسی کامیاب ہو سکتی ہے۔ جب کوئی دوسرا اس کے لیے لاعلم ہو مگر اللہ تعالیٰ تو ذرے ذرے سے واقف ہے لہذا اس کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ فرمایا وَسَيَعْلَمُ الْكٰفِرُ لِمَنْ عٰقِبِي الدّٰرِ اور کافر لوگ عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھبر کس کے لیے ہے۔ جلدی ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ آخرت کا آرام و آسائش کافروں کے حصے میں آتا ہے یا ایمان والوں کے حصے میں۔ یہ معاملہ تو گذشتہ آیات میں ہی حل ہو چکا ہے، اللہ نے فرمایا کہ جنہوں نے خدا کی رضا کے لیے صبر کیا، نماز قائم کی اور خفیہ اور اعلانیہ مال خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے رہے لَهُمْ عٰقِبِي الدّٰرِ آخرت کا گھبر تو ایسے لوگوں کے لیے ہو گا۔ یہ تو ایمانداروں کی صفات ہیں اور وہی آخرت کے حقدار ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا تِلْكَ عٰقِبِي الدّٰرِ تقویٰ کا راستہ اختیار کیا وَعٰقِبِي الدّٰرِ اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہو گا۔

فرمایا وَلَقَوْلِ الدِّينِ كَفَرُوا کہتے ہیں وہ لوگ جہنوں نے کفر کیا کَسَتْ مَرَسَدًا آپ اللہ کے بھیسے ہوئے رسول نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ کہنے لگے یہ شخص رسول کیسے ہو سکتا ہے جو "يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمَشِي فِي الْأَسْوَاقِ" (الفرقان) جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چل پھرتا ہے اور بار بار کہتا ہے۔ کبھی کہتے کہ ہم اس کو رسول تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ ہماری مطلوبہ نشانیاں پیش نہیں کرتا۔ کوئی کہتا، یہ خزانوں کا مالک نہیں ہے۔ اس کے پاس نوکریاں، باڈی گارڈ اور فرج نہیں ہے۔ مکے والے کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بناتا تو مکے اور طائف کے کسی آسودہ حال شخص کو یہ منصب عطا کرتا وہاں بڑے بڑے سردار موجود ہیں، ان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے دنیاوی لحاظ سے کمزور آدمی کو اپنا رسول کیسے منتخب کر لیا۔ کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی کامن اور جادوگر، اور اس طرح آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا قُلْ أَفَلَمْ يَكْفِ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِمَّنْ قَدْ رَمَىٰ رَمِيًّا اور تمہارے درمیان خدا تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو کہتے رہو۔ خود اللہ تعالیٰ جو مجھے مبعوث کرنے والا ہے، وہ گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے علاوہ بھی اگر گواہی چاہتے ہو تو وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ مِمَّنْ يَشْرِي الْبَشَرِ بِمَنْعَةٍ مِّنْ عِلْمِهِ يُبْيعُهَا بِبَعْدِ عِلْمِهِ وَيَسْلُكُ بِهَا الْكِبَالَ وَالْجِبَالَ وَأَشْرَىٰ بِهِ نَفْسًا أُخْرَىٰ مِن دُونِهَا بِعَبْثٍ وَلَا عِلْمٍ لِّهُ بِبِعْثِهَا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَهُ فِي عَذَابٍ مُّسْتَقِيمٍ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا قُلْ أَفَلَمْ يَكْفِ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِمَّنْ قَدْ رَمَىٰ رَمِيًّا اور تمہارے درمیان خدا تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو کہتے رہو۔ خود اللہ تعالیٰ جو مجھے مبعوث کرنے والا ہے، وہ گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے علاوہ بھی اگر گواہی چاہتے ہو تو وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ مِمَّنْ يَشْرِي الْبَشَرِ بِمَنْعَةٍ مِّنْ عِلْمِهِ يُبْيعُهَا بِبَعْدِ عِلْمِهِ وَيَسْلُكُ بِهَا الْكِبَالَ وَالْجِبَالَ وَأَشْرَىٰ بِهِ نَفْسًا أُخْرَىٰ مِن دُونِهَا بِعَبْثٍ وَلَا عِلْمٍ لِّهُ بِبِعْثِهَا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَهُ فِي عَذَابٍ مُّسْتَقِيمٍ

صداقت کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو یہودی عالم تھے، انہوں نے پہلی ہی نشست میں حضور علیہ السلام کو اپنی کتاب کے علم سے پہچان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ کہتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کے حق میں اتنا یقین نہیں ہے۔ جتنا حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت پر یقین ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اے کفار و مشرکین تم بے شک انکار کرتے رہو مگر کائنات کا خالق تو گواہ ہے جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے۔ لوح محفوظ میں درج ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں میرے لیے وہی گواہی کافی ہے، لہذا تمہاری گواہی کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ بھی موجود ہے ”قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْثَرُ مِمَّا دَعَا“ (الانفام) آپ کہہ دیں، اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی بہتر تھی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے یہ بھی کہلوا یا ”قُلِ اللّٰهُ قَسَمٌ مِّمَّكَ كَيْفَ وَبَيِّنٰتِكُمْ“ (الانفام) آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے۔ اس سے بڑی گواہی کے بعد اگر تم پھر بھی انکار کرتے ہو تو اس سے میری رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس انکار کا مولود تم سے آخرت میں ہوگا۔



سُورَةُ اِبْرٰهٖمَ مَرَكِبَةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ فَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا سَبْعٌ مِّمَّا رُكِّعَتْ  
سورة ابراہیم مکی ہے یہ باون (۵۲) آیات اور اس میں سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے محدود مہربان نہایت کرم نواز ہے

الرَّقْفِ كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ  
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى  
صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ① اللّٰهُ الَّذِي لَهُ  
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ  
لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ② الَّذِينَ  
يَسْتَحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ  
وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا  
عُوجًا ③ أُولَٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ④

ترجمہ :- الرقف یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے  
اتارا ہے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو  
اندھیروں سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم  
سے، عزیز اور حمید کے راستے کی طرف ① وہ اللہ  
جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ



زمین میں ہے۔ اور ہلاکت ہے کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب سے (۲) وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں، دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں، اور وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور تلاش کرتے ہیں (اس راستے میں) کجی۔ یہی لوگ ہیں جو گمراہی میں دُور پڑے ہوئے ہیں (۳)

اس سورۃ کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔ سورۃ کے چھٹے رکوع میں خانہ کعبہ کی تعمیر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور ملتِ ابراہیمیہ کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ سابقہ سورۃ کی طرح یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس کی باون آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۲۱ الفاظ اور ۳۴۳ حروف پر مشتمل ہے۔

جس طرح اس سورۃ کا سابقہ سورۃ سے زمانہ نزول ملتا ہے اسی طرح ان دونوں سورتوں کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی دین کے بنیادی عقائد، توحید، تردیدِ شرک، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے۔ نبوت و رسالت کے متعلق معتصرین کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ حق و باطل کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ تذکرہ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ جب کہ باقی انبیاء کا ذکر اجمالی طور پر آیا ہے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا ایک خاص موضوع مقصدِ بعثتِ انبیاء بھی ہے۔ چنانچہ اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی بنیادی عقائد کی تعلیم و تبلیغ کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا، خصوصاً اللہ کی وحدانیت کا مسئلہ اور ایمانیات کی تلقین ہمیشہ سے ملتِ ابراہیمیہ کا مقصد اور دینِ اسلام کی غرض و غایت اور منہائے مقصود رہا ہے۔ اس کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ، نماز اور بعض دوسری چیزوں کا ذکر ضمناً اس سورۃ میں آئے گا۔

اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کی تاریخ کا ایک حصہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اگلے درس میں آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں "وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِكُمْ اللَّهُ" اور انہیں تاریخی واقعات یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہیں جب اللہ تعالیٰ نے بعض اقوام پر نعمتیں نازل فرمائیں اور بعض کو سزا میں مبتلا کیا۔ ان کو اصطلاحاً ایام تنخیم اور ایام تعذیب بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اور اسکی ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ تعلیم و تربیت اور ان کی تبلیغ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ کافروں کے ساتھ محبت و مباحثہ کرتے وقت انہیں کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

سابقہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے ہوتی ہے اللہ۔ مفسرین نے تقریباً فہم کے لیے حروف مقطعات کے بہت سے ممکنہ معانی بیان کیے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ سے خود قرآن مراد ہے اور پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ بعض مفسرین تینوں حروف کے مختلف معانی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے انا، ال سے اللہ اور رس سے رویت مراد ہے، اور پورا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور تمہاری تمام حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہوں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ سورۃ کے موضوع کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ غیبی حقائق جو انبیاء کے ذریعے عالم بالا سے اس جہان میں منتقل ہوتے ہیں، ان کا تصادم انسانوں سے سرزد ہونے والے شرور و نسیہ (گندے شرور) سے ہونا رہتا ہے

سورۃ  
مکہ  
مقطعات

جس کے نتیجے میں حق بات واضح ہوتی رہتی ہے۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ الٰہی دراصل مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات مجھے ذوقی یعنی الہامی طریقے سے معلوم ہوئی ہے کیونکہ اسے عقلی دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

حروفِ مقطعات قرآنِ پاک کی ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرف مفرد اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے (اسے اللہ کا اسم ذات اللہ ہو سکتا ہے) ل سے لطیف اور ر سے رحمان یا رحیم مراد لیا جاسکتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ الٰہی اس سورۃ کا نام ہے، گو یا اس سورۃ کے دو نام ہیں ابراہیم اور الٰہی۔ قرآنِ پاک کی بعض سورتوں کے متعدد نام بھی آتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے پندرہ نام عرض کیے تھے۔ دسویں صدی کے حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی حروفِ مقطعات کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم جو کچھ اُس نے مراد لی ہے، وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حروف ابتلائے عباد یعنی بندوں کے امتحان کی خاطر نازل فرمائے ہیں۔ اسی لیے جب حضور علیہ السلام یہ حروف صحابہ کے سامنے پڑھتے پڑھاتے تھے تو کسی نے بھی ان کے معانی میں کمر نہ کرنے کی کوشش نہیں کی، یعنی کسی نے ان کا مطلب یا مراد دریافت نہیں کی، بلکہ جس طرح حضور نے پڑھایا، صحابہ نے پڑھ لیا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت علیؑ کے زمانے میں جب عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے معانی دریافت کیے، چنانچہ ان کے متعلق بعض باتیں حضرت علیؑ نے اور بعض حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی بیان کیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآنِ کریم کے ساتھ مانوس رہیں۔ حافظ

ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نے ان حروف کے متعلق کمرہ ید نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایمان لانا ہی ضروری ہے، اگر کوئی کمرہ ید کرے گا تو کسی غلطی میں مبتلا ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہ کے استاد امام شعبی جنہیں پانچ سو صحابہ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ان سے حروف مقطعات کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ اللہ کا راز ہے، اس کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ اللہ نے اسے گمراہی میں پڑنے کا خطرہ ہے صرف اَمَّا وَصَدَّقْنَا كَمَا كَرِهْتُمْ اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے جو بھی مراد لی ہے، وہ برحق ہے۔

کے  
تین  
بیس

حروف مقطعات کے بعد سورۃ کی ابتدا قرآن کریم کی صداقت و حقیقت اور اس کی غرض و غایت سے ہوتی ہے کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف۔ لفظ کتاب کو نکرہ لایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ اور حقیقت میں کتاب اہلانے کی مستحق ہی کتاب ہے، اس کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب کتاب کہلانے کی حقار نہیں ہے سورۃ القصص میں قرآن پاک اور تورات دونوں کے متعلق فرمایا قُلْ فَأَتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا اگر ہم اس قرآن کا انکار کرتے ہو تو پھر کوئی ایسی کتاب لے آؤ۔ جو ان دونوں سے بڑھ کر ہدایت دہندہ ہو۔ اپنے زمانے میں تورات بھی عظیم کتاب تھی اور اس میں قانون، شریعت اور عقائد کے تمام احکام تھے۔ مگر اس کی جامعیت قرآن سے کم تھی۔ بہر حال قرآن پاک ایک ایسی عظیم کتاب ہے کہ تمام مخلوق بل کہ عجبی اس کی کسی ایک آیت پر بھی حاوی نہیں ہو سکتی۔ امام شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ جب میں قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق مراقبہ کرتا ہوں تو مجھے اس کے نیچے حقائق و معارف کے لامتناہی سمندر نظر آتے ہیں، اور پاک نفوس کو ایسی باتیں نظر آنا بعید از قیاس نہیں۔ قرآن پاک اَنْزَلَ يَعْلَمُ اللّٰهُ اللّٰهُ کے علم سے نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ صفت لا محذور ہے لہذا لَا تَكُنْ قَصِي سَعَابَاتِہٖ قرآن پاک کے عجائبات لا تنہی ہیں ان میں جتنا بھی غور کریں۔ یہ عجائبات ختم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

فرمایا، یہ ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اس کی غرض و غایت یہ ہے لِيُخْرِجَ الْمَسْكِينِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں، یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہو رہا ہے۔ اس میں رسالت کا بیان آگیا۔ کہ جس طرح یہ کتاب عظیم النان ہے، اسی طرح جس رسول پر نازل کی گئی ہے، وہ بھی عظیم النان رسول ہے۔ یہاں پر ظلمات سے مراد کفر، بدعت، شرک، نفاق اور جملہ معاصی اور برائیوں ہیں۔ گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل اور روح پر تاریکی چھا جاتی ہے اور انسان کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سنت ایک روشنی ہے، جس سے روح و قلب اور دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو بصائر بھی کہا گیا ہے۔ "هٰذَا ابْصَارٌ مِّنْ رَبِّكُمْ" (اعراف) یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت ہے۔ بصیرت ایسی چیز ہے جو دل کو روشن کرتی ہے۔ دل میں اطمینان اور یقین پیدا ہوتا ہے۔ تو قرآن کی آیات بصیرت کی باتیں ہیں جو انسان کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، اخلاص، نیکی اور اطاعت کی روشنی کی طرف لاتی ہیں۔

یہ قرآن لوگوں کو رسومات باطلہ اور بدعات سے موڑ کر سنت کی طرف لانا ہے۔ دل کی تاریکیاں اگرچہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتیں مگر ان کی وجہ سے انسان کا فہم اور شعور ختم ہو جاتا ہے اور انسان نیچی اور بدی میں تمیز کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ برخلاف اس کے ایمان دار قرآن کو برحق سمجھتا ہے اور اللہ کا وعدہ یہ ہے "اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا" (الانفال) اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات بناتا ہے گا۔ تمہیں صحیح اور غلط کی تمیز آجائے گی اور تم تاریکی میں نہیں رہو گے۔ فرقان قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے جس کا معنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن کے ذریعے انسان ظلمت اور نور میں امتیاز پیدا کر لیتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اُس کی غرض و غایت ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔

فرمایا، روشنی کی طرف لانا کسی انسان کا ذاتی فعل نہیں بلکہ یاد دہانی کے ذریعے اُن کے پروردگار کے حکم سے ہے۔ جس انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی، وہ حق کو پالے گا اور آپ سے روشنی کی طرف لے آئیں گے۔ اور جو ضدی اور عنادی آدمی ہوگا، وہ اس نور سے استفادہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور یہ نور کیا ہے، الٰہی صَوَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ کمالِ قدرت کے مالک اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ ہے وہ ایسی کمال تعریفوں کا مالک ہے کہ اگر کوئی اُس کی تعریف نہ بھی کرے تو اُس کی خوبیوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بہر حال اپنی جگہ موجود ہیں۔ غرضیکہ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ آپ اُن کے پروردگار کے حکم سے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی

تعریف بھی بیان کی گئی ہے اللہ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے، حقیقت میں کوئی دوسری ہستی کسی چیز کی مالک نہیں۔ جو کوئی عارضی طور پر کسی چیز کا مالک بنتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنتا ہے۔ انسان تو اپنے وجود اور دیگر لوازمات کا بھی خود مالک نہیں ہے۔ ہر چیز کا مالک و تصرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ اس کی تعریف بھی ہو گئی۔

کافروں کا انجام

ان تمام حقائق کے باوجود جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرمادیا ہے وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہ تباہی و بربادی سے کفر کہنے والوں کے لیے سخت عذاب سے۔ قرآن پاک کے پروردگار کو تسلیم نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی سخت سزا کا سزا چکھیں گے۔

فرمایا الَّذِينَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں یعنی ان کی تمام تنگ و دو اسی زندگی کے لیے ہے جیسے فرمایا يَكْمُوْنَ طٰهَرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الرُّوم) وہ لوگ دنیا کی باریک ترین باتیں بھی جانتے ہیں مگر آخرت سے کھلی طور پر غافل ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے بڑے عقل مند ہیں مگر آخرت کے لحاظ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے، اسی دنیا میں ہے کہ کچھ نہیں۔ اسی لیے وہ اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں۔ رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص)

ہیں جو کچھ دنیا ہے قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں عطا کر لے

اللہ تعالیٰ نے عادات و رسوم کے متعلق فرمایا ہے کہ بڑے بڑے کاریگر، انجنیئر،  
صناع اور ماہرین تھے، دنیا کے اعتبار سے بڑی بصیرت رکھتے تھے،  
عقل معاش کے لحاظ سے بڑے ترقی یافتہ تھے مگر عقل معاد کی نسبت  
سے بالکل گورے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی تحقیر میں یہ  
دعا بھی سکھلائی ہے **اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا كَبْرَهُمِنَّا**  
**وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا** اے اللہ! صرف دنیا کو ہی ہمارا منتہا نہ  
مقصود نہ بنا۔ اہل ایمان تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہیں **رَبَّنَا آتِنَا فِي**  
**الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ**  
**النَّارِ** اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی عطا کر اور آخرت میں بھی، اور  
جہنم دوزخ کے عذاب سے بچا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مطلقاً دنیا کی پسندیدگی بُری نہیں ہے  
مال، دولت، اولاد، آسائش زندگی وغیرہ ایک فطری چیز ہے مگر اس  
کی طلب اور اس سے محبت اگر آخرت پر غالب آجائے تو پھر تباہ کن  
ثابت ہوگی۔ سورۃ العادیات میں موجود ہے **وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ**  
**لَشَدِيدٌ** انسان میں مال کی محبت ضرور ہے، مگر جب وہ آخرت  
کو فراموش کر کے حقوق و فرائض کو فراموش کر دے گا، تو پھر یہی مال اُس  
کے لیے وبال جان بن جائیگا۔ کافروں کا یہی وطیرہ ہے، خاص طور پر مغربی  
تمدن میں تو اُس کی انتہا ہو چکی ہے شیطان نے دنیا کے لوازمات کو  
اس قدر مزین کر کے دکھایا ہے کہ اکثر لوگ اسی میں متنہک ہو کر رہ گئے ہیں  
اور آخرت کو بالکل بھول چکے ہیں، دنیا کی زندگی سے محبت کا یہی مطلب  
ہے اور اسی کی مذمت کی گئی ہے۔

فرمایا کافروں کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے  
ہیں اور دوسری یہ کہ **وَيُصَدِّقُونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ** وہ خدا کے



راستے سے روکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا کہ خود تو دین سے دُور ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے روک دیا جائے، اس مقصد کے لیے انہوں نے ہمیشہ بڑے بڑے جال بچھائے ہیں، کبھی طاقت استعمال کر کے، کبھی سازش کر کے اور کبھی مکہ و فریب کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی مشنریوں، سکھوں، کاجوں، ہندوؤں اور رفاہی اداروں کا جال بھیلاتی ہیں اور اس قسم کا پراپیگنڈا کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں دین سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں، تاکہ نوجوان نسل دین سے بیزار ہو جائے یہ لوگ مال و دولت اور عورت کے لالچ میں دین سے بیگانہ کرتے ہیں اور کبھی وسیع لٹریچر کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ یورپی ممالک میں اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتا ہیں شائع ہو کر تقسیم ہو چکی ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں یہ کام مکے والے کرتے تھے۔ کبھی رغب کے ذریعے اور کبھی لالچ کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے، آج کی دنیا میں روس، امریکہ اور انگریز اس کام کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ غرضیکہ تمام کافروں کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو اسلام کے راستے سے روک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تیسری صفت یہ بیان کی ہے وَيَلْعَنُوا عَوَجًا یہ لوگ اللہ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ اسلام کو توڑ مڑ کر اس طرح پیش کرتے ہیں جس سے لوگوں کو اسلام کا راستہ ٹھٹھ نظر آئے اور وہ اسے چھوڑ دیں۔ کافر، مشرک، منافق، یہود، ہنود اور عیسائی سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولَٰئِكَ

فِي صَمَلِ الْعَيْدِ يَهْدِي لَوْ كَدُّرُ كِي كَمْرَاهِي مِيں پڑے ہوئے ہيں  
 ايمان والوں كے يه تيلي كا پہلو بهي ہے كه يه لوگ شب روز اني سا زنون  
 ميں نكے ہتتے هيں ، لهندا ان سے قبولي حق كي توقع ہتتيس ركھني چاہيے .  
 يه اسي طر ح كمر اهي ميں پڑے رهيں كے حقي كه اس دُنيا كا دور ختم ہو جائے  
 كا ، اور چھرا نہيں اس كمر اهي كا بدلہ مل كرے گا .

وما ابرئ ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس دوم ۲

آیت ۲ تا ۶

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ  
 لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
 مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ  
 أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ  
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ  
 اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ  
 شَكُورٍ ﴿۵﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ  
 اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُمْ  
 مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ  
 وَيَدْبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ  
 وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۶﴾

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اُس  
 کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے اُن کے لیے ۔  
 پھر گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور راستہ  
 دکھاتا ہے جس کو چاہے ، اور وہ غالب اور حکمت والا  
 ہے ﴿۴﴾ البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام  
 کو اپنی نشانوں کے ساتھ۔ (پھر اُن سے کہا) کہ نکالو اپنی

قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف - اور یاد دلاؤ اُن کو اللہ کے دن - بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا اور شکر گزار ہے (۵) اور (وہ بات قابل ذکر ہے) جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر، جب کہ اُس نے تمہیں نجات دی فرعون والوں سے - وہ پہنچاتے تھے تم کو بڑا عذاب، اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اسمیں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی (۶)

سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت اور اس کے نزول کی حکمت بیان فرمائی۔ اس کتاب کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے پیغمبر خدا لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں کفر، شرک، نفاق، بدعتیگی، بد اخلاقی اور بد اعمالی اندھیرے ہیں، اس کے مقابلے میں توحید، اخلاق، نیکی اور اطاعت بمنزلہ روشنی کے ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن کے پروردگار کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور اُن کے لیے عذاب کی وعید سنائی۔ فرمایا یہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور دین میں کجی تلاش کرتے ہیں، یہودہ اعتراضات کرتے ہیں، لہذا گمراہی میں دور پڑے ہوئے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے یہی سببوں میں یہی بنیادی مسائل توحید، رسالت، معاد، کفر، شرک کی تردید وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمام انبیاء اور رسل کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وحی الہی، ملائکہ، نقدِ ربیبی ایمانیات

بلیات

ل در  
تا قوم

میں داخل ہیں۔ تاہم ان آیات میں رسالت کے متعلق ارشاد ہوا ہے  
 وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ  
 کوئی رسول مگر اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرنے والا۔ اللہ نے اسی کی زبان  
 میں اُسے تعلیم دی لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ تاکہ ان لوگوں کے لیے وہ مقام  
 چیزیں بیان کرے جو ان کے لیے ضروری ہیں۔ اگر وحی کسی غیر زبان  
 میں ہوتی تو لوگوں کا اس سے استفادہ کمزور یا مشکل ہو جاتا۔ لہذا اللہ نے  
 ہر نبی کی قومی زبان میں وحی نازل کی، احکام و شرائع دیے اور اسی زبان  
 میں آگے تبلیغ کی تلقین کی۔ موسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے، لہذا  
 توّرات عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قومی زبان سریانی  
 تھی تو انجیل بھی اسی زبان میں آئی۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو اللہ نے عربوں اور خاص طور پر قوم قریش میں مبعوث فرمایا، آپ  
 اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے اور قرآن کریم قریش کی عربی زبان میں  
 نازل ہوا۔ دوسرے مقام پر اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر یہ  
 غیر زبان میں نازل ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہم اسے سمجھنے سے  
 قاصر ہیں، مگر اللہ نے اس اعتراض کی گنجائش نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر نبی  
 نے اپنی قومی زبان میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ دوسرے مقام پر یہ بھی  
 آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ جب  
 تک ان تمام باتوں کو واضح نہیں کر دیا جاتا جن سے بچنا ضروری ہے  
 یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو اس کی قومی زبان میں  
 مبعوث فرمایا۔ جزائے عمل کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے  
 کہ لوگوں کو شرائع اور احکام ٹھیک طریقے سے پہنچائے جائیں اور  
 ان کی اچھی طرح وضاحت کر دی جائے تاکہ کسی کے پاس عدم تبلیغ  
 کا کوئی بہانہ نہ رہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کی جزا چار اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے جزائے عمل ضرور واقع ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فطرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہمیت کے دو مادے رکھے ہیں جو ہمیشہ اس میں موجود رہیں گے، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ کر بھی یہ مادے انسان سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی نفس بالسمہ کا جو رخ عالم بالا کی طرف ہے وہ ملکیت کہلاتا ہے اور جو رخ مادی جہان کی طرف ہے، اسے بہمیت کہاجاتا ہے۔ ملکیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں کمال والی باتیں پیدا ہوں جب کہ بہمیت چاہتی ہے کہ انسان من مریضی کہتا ہے۔ ان دونوں مادوں کی آپس میں کشمکش ہوتی رہتی ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ بہمیت پر اس حد تک کنٹرول کرے کہ اسے ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دے اگر بہمیت نے اس حد کو پار کر لیا تو پھر خرابی پیدا ہو جائیگی ملکیت کمزور ہو جائیگی اور انسان حظیرۃ القدس، جنت یا بلند مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ غرضیکہ ملکیت چاہتی ہے کہ اسے تقویت حاصل ہو اور بہمیت کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں جو بھی قوت غالب آتی ہے، اس کے مطابق جزا کا عمل ضروری ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں جزائے عمل کے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر انسان اچھے اعمال انجام دیتا ہے تو فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے ہیں اور اگر برے اعمال کرتا ہے تو فرشتے بددعا کرتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تو فرشتوں کی دعا یا بدعا ضرور نتیجہ خیز ہوگی اور جزائے عمل بھی ضرور واقع ہوگا۔

جزائے عمل کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہر روز میں اپنے

پیغمبر بھیجے ہیں اور شریعت نازل فرمائی ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ اس شریعت یا قانون کی پابندی یا عدم پابندی کا نتیجہ برآمد ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ نزول شریعت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو اس سبب سے بھی جزائے عمل کا واقع ہونا ضروری ہے۔

انبیاء کی بعثت جزائے عمل کا چوتھا سبب ہے، ہر نبی اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے اور دین و شریعت میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ اس کے بعد اللہ کا واضح فرمان ہے "لِيَهْلِكَ مَن هَلَكَ عَن كَلِمَاتِي وَيُحْيِيَ مَن حَيَّيْتُ عَنْ آيَاتِي"

(انفال) اب جس شخص کو زندہ رہنا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور جسے ہلاک ہونا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو۔ تو گویا انبیاء کی بعثت اور احکام و شریعت کی وضاحت کا تقاضا بھی ہے کہ انسان کے لیے جزائے عمل واقع ہو۔

قوی و بین الاقوامی ہے

ایک بات تو واضح ہو گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی زبان عربی میں تکلم فرماتے ہیں۔ اور قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا تاکہ آپ کے اولین مخاطبین دین مبین کو اچھی طرح سمجھ سکیں مگر دوسری طرف اللہ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" (الاعراف) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربوں کی طرف مبعوث ہوئے اور وہی زبان بولتے تھے، تو آپ کی رسالت تمام انسانوں کی طرف کیسے ثابت ہوئی۔ اس اشکال کو امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "تخصیص الیوم" میں

میں رنچ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت دو  
 حیثیت سے ہے۔ اولاً آپ کو قریش کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور آپ  
 کے ساتھ انہی کی سعادت و البتہ کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے آپ تو نبی  
 نبی ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے قریش کو آکر اور جارحہ بنا کر اپنا پیغام تمام  
 اقوام عالم کو پہنچایا ہے، تو اس لحاظ سے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔ سورۃ  
 بقرہ میں موجود ہے ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا  
 لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ  
 عَلَيْكُمْ مُّشْهِدًا“ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر شہید کا  
 معنی معلم اور اتا دہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی تمہارا معلم ہے اور  
 تم باقی اہل جہان کے لیے بمنزلہ استاد اور معلم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے  
 دین اسلام عربوں ہی کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیلایا، تاہم اولاً حضور  
 علیہ السلام کو عربوں کی طرف ہی مبعوث کیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی  
 ارشاد ہے ”النَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ“  
 نیکی اور بدی میں سارے لوگ قریش ہی کے تابع ہیں۔ جاہلیت کے  
 زمانے میں بھی قریش کو باقی عربوں پر فوقیت حاصل تھی اور اسلام آنے کے  
 بعد بھی تمام اقوام کے مقابلے میں قریش ہی کو برتری حاصل ہوئی۔ بہر حال  
 قریش کے واسطے سے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔

امت مسلمہ کی خلافت کے منقطع حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ  
 جب تک قریش میں دو باصلاحیت آدمی بھی موجود ہیں، خلافت کا سلسلہ  
 انہی میں رہے گا، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ابتدائے زمانہ سے لے کر ساڑھے  
 چھ سو سال تک خلافت قریش میں ہی رہی۔ پھر جب مسلمانوں میں کمزوری  
 آگئی تو خلافت سلجوقیوں کو منتقل ہو گئی، پھر ترکوں کے پاس چلی گئی اور پھر  
 آخر میں یہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی

بلا توں کا  
 بیچ زوال



۵۲  
 باون ریاستیں ہیں مگر سب اغیار کی دست نگر ہیں۔ غیر مسلم اقوام نے  
 مسلمانوں کی اجتماعیت سے مخالفت ہو کر خلافت کا ہمہ گیر تصور ہی  
 ختم کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک  
 دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اب ان کی اپنی کوئی سیاست نہیں۔  
 نیم غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پوری دنیا میں کفار کو علیہ حاصل ہے  
 ان میں یا تو مذہبی کافر علیانی ہیں یا پھر دہریے کافر اشترکی ہیں۔ اوصی  
 دنیا پر ایک طاقت چھائی ہوئی ہے جب کہ باقی نصف دنیا دوسری  
 طاقت کے تسلط میں ہے۔

فرمایا، ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ  
 وہ ان کو ہر چیز کی وضاحت کرے پیغمبر کی طرف سے حق تبلیغ ادا  
 کرنے کے بعد فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ گمشاؤ و گمراہ کرے تا  
 ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے۔ جو کفر، شرک اور نفاق پر اصرار کرتا ہے  
 اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ گمراہی میں پڑا رہتا ہے۔  
وَ كَيْفَ هُدِيَّ مَن يَشَاءُ اور ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ  
 جس کو چاہے۔ جو ایمان کو قبول کر لیتا ہے، اُسے ہدایت نصیب  
 ہو جاتی ہے۔ وَهُوَ الْخَبِيرُ الْحَكِيمُ اور خدا تعالیٰ کمال قدرت  
 کا مالک بھی ہے اور کمال حکمت کا مالک بھی۔ اس آیت کریمہ میں  
 اللہ تعالیٰ نے رسالت کے متعلق بنیادی اصول بیان کر دیے۔  
 رسالت کا بحیثیت مجموعی ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا  
مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں  
 کے ساتھ۔ نشانیوں سے مراد معجزات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا اور  
 ید بیضا وغیرہ نو معجزات عطا فرمائے تھے جن کا ذکر مختلف مقامات

پر آیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور قبیلے دو قوموں کی طرف  
 مبعوث فرمایا تھا۔ قبیلوں نے تو آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا جس کی  
 پاداش میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ بنی اسرائیل آپ پر ایمان لائے تو اللہ  
 نے انہیں فرعونوں کے ظلم و ستم سے نجات دے کر ان پر طرح طرح  
 کے انعام بھی فرمائے، اور یہ سلسلہ ہزاروں سال تک چلتا رہا۔ بہر حال  
 موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرما کر حکم دیا۔ اَنْ  
 اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ کہ  
 آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ ہر نبی  
 کا یہی کام ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتدائی آیت میں خود حضور خاتم النبیین  
 علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری  
 ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں  
 موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا کہ قوم کو کفر، بتشرک اور محاصی کے  
 اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لے آئیں۔

اور ساتھ یہ بھی حکم دیا وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ اَنْ  
 اَنْ كُو اللّٰهِ كے دن یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ تاریخی واقعات  
 مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں پر انعام فرمائے اور بعض کو سزا  
 دی۔ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کر کے اور ان پر عمل پیرا  
 ہو کر کامیاب ہوئیں اور بعض انکار کر کے طرح طرح کے عذاب میں  
 مبتلا ہوئیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ علوم قرآن  
 پانچ اقسام سے ہیں۔ پہلی قسم علم احکام ہے جس کے ذریعے قرآن فی الواقع  
 سنت، واجبات، حلال، حرام، اور مباح وغیرہ کا پتہ چلتا ہے دوسری  
 قسم علم مناظرہ ہے جس کے ذریعے چار فرقوں یعنی کافر و مشرک، یہود،  
 نصاریٰ اور منافقین سے بحث مباحثہ کیا جاتا ہے۔ اس علم کے ذریعے

تذکیر بایام

ان فرقوں کا رد مطلوب ہوتا ہے۔ علوم قرآن کی تیسری قسم علم تذکیرِ مبرا  
 بعد الموت ہے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات  
 کا تذکرہ اس حصہ علوم میں کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت  
 حاصل کریں اور محاسبہ اعمال کے لیے تیاری کریں۔ علوم قرآن کی چوتھی قسم  
 تذکیریں بالاء اللہ ہے۔ اس حصہ میں اللہ نے اپنی نشانیوں کا تذکرہ کر  
 کے انسان کو یاد دلانی کرائی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر کرے عجائبات  
 قدرت کا مشاہدہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے  
 قرآن کے علوم کی پانچویں قسم تذکیرِ بایم اللہ ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ  
 میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر گزرنے والے واقعات بیان کر  
 کے انسان کو عبرت دلائی ہے تاکہ وہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے اور ان کی  
 اصلاح کی کوشش کرے۔ اللہ نے قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم نوح  
 وغیرہ کے حالات مختلف مقامات پر ذکر کیے ہیں۔ صرف قوم فرعون  
 کا واقعہ قرآن پاک میں چھپالیس مرتبہ سے زیادہ ذکر ہوا ہے کیونکہ محض علم  
 کے لیے کسی واقعہ کو ایک ہی دفعہ بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ بار بار یاد دلانی  
 کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ متعلقہ بات لوگوں کے اذہان میں اچھی طرح  
 جم جائے اور وہ نصیحت حاصل کر سکیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبِيْرٍ شٰكُوْرٍ  
 بیشک ان تاریخی واقعات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو صبر  
 کرتے ہیں۔ مصائب میں صبر اور برداشت سے کام لیتے ہیں۔ اپنے  
 آپ پر کنٹرول کرتے ہیں اور جب کوئی نعمت میسر آتی ہے۔ تو  
 اس کی قدر کرتے ہیں، اس کو بر محل صرف کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ  
 کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قرعونیوں  
 سے کج نیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں ہی فرمایا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی

لِقَوْمِهِ اذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ حَتّٰى كُنْتُمْ كَافِرًا ۗ  
 نے اپنی قوم سے کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔ اللہ کا  
 احسان یہ تھا اِذْ اَنْجَاكُمْ مِّنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ کہ اس نے تمہیں  
 نجات دی فرعون والوں سے۔ اور فرعون بنوں کی کارگزاری یہ تھی کِیْسُوْهُمُ  
 سُوْءَ الْعٰذَابِ وہ تم کو پہنچاتے تھے بُرَا عَذَابٍ۔ تمہیں غلامی میں  
 مبتلا کر رکھا تھا جو کہ بدترین عذاب ہے۔ غلامی ایک غیر فطری چیز ہے  
 غلام بے ضمیر ہوتا ہے اور اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ غلامی اور آزادی  
 کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے آمدہ سورۃ النحل میں بیان فرمایا ہے۔

فرعونوں کے عذاب کی تفصیل یہ ہے وَیَذِیْقُوْنَ اٰنْسَاءَ کُفْرِهِمْ  
 تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ فرعون  
 نے نوے ہزار بنی اسرائیلی بچے قتل کروائے، مگر اللہ کی حکمت میں جو بچے  
 ہونے والی تھی وہ ہو کر رہی اور اتنا عظیم ظلم بھی اُسے روک نہ سکا۔ فرمایا  
 لِرٰکُوْلُوْا کُوْقُلْ کُفْرِهِمْ وَیَذِیْقُوْنَ اٰنْسَاءَ کُفْرِهِمْ اور تمہاری  
 عورتوں کو زندہ رکھتے تھے تاکہ لونڈیاں بن کر ان کی خدمت کریں انہیں  
 خطرہ صرف مردوں سے تھا کہ ان کی سلطنت نہ چھین لیں۔ چنانچہ  
 فرعون کی پولیس تعاقب میں رہتی تھی اور سچے پیدا ہوتے ہی والدین کے  
 سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا۔

فرمایا وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلٰوَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ  
 اس میں تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ سورۃ اعراف میں ہے  
 بنی اسرائیل نے بڑا صبر کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم  
 دشمن کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا اور زمین میں اقتدار بھی بنی اسرائیل کو عطا  
 فرمایا۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے  
 فرمایا کہ یہ بات قوم کو یاد دلاؤ تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں۔

آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جب یہ نعمت حاصل ہو جائے تو پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہی کام کرنے چاہئیں جو آزاد لوگوں کے نمایاں شان ہیں۔ جھجکنا، فیاد، لڑائی، فرقہ واریت غلامی کے اثرات ہیں جب کہ آزاد قوموں کا اخلاق و کردار بہت بلند ہوتا ہے۔ آزاد لوگوں میں مساوات اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ نیکی اور طہارت ہونی چاہیے، رسومات باطلہ کو ختم کر دینا چاہیے۔ ہم میں انگریز کی غلامی کے اثرات ابھی تک موجود ہیں، نامعلوم یہ کب ختم ہوں گے۔ جب تک غلامی کے اثرات ختم نہیں ہوتے، تو ہم عزت کے مقابلہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی قدر ہی نہیں کی، ورنہ ہمیں اقوام عالم میں بلند مقام حاصل ہوتا۔

وما آتئی ۱۳

ابراہیم ۱۴

درس سوئم ۳

آیت ۹ تا ۹

وَإِذْ تَادَنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ  
 وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٥﴾  
 وَقَالَ مُوسَى إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي  
 الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾  
 أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ  
 وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ  
 إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا  
 أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا  
 أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَنَا  
 إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾

ترجمہ :- اور جب خبردار کیا تمہارے پروردگار نے کہ  
 اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور زیادہ دلوں گا تمہیں ، اور اگر  
 تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے ، ﴿ ۵ ﴾  
 اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ، اگر تم کفر کرو گے ، تم اور جو بھی  
 زمین میں ہیں سب کے سب ، تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے  
 اور تعریفوں والا ہے ﴿ ۸ ﴾ کیا نہیں آئی خبر تمہارے پاس  
 ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں ۔ قوم نوح ، عاد

اور ثمود۔ اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے۔ نہیں جانتا اُن کو کوئی بھی سولے اللہ تعالیٰ کے۔ آئے اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر، پس لوٹائے انہوں نے اُن کے ہاتھ اُن کے مونہوں میں، اور کہنے لگے بیشک ہم انکار کرتے ہیں اُس چیز کا جس کو تم لے کر آئے ہو۔ اور بیشک البتہ ہم شک میں ہیں اُس چیز سے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، تردد انگریز شک میں ⑨

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت کا مسئلہ بیان ربط آیات کرنے کے بعد رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا۔ پہلے فرمایا کہ ہر نبی اور رسول اپنی قوم کی زبان میں مبعوث ہوتا ہے اور اسی زبان میں قوم کو خطاب کرتا ہے تاکہ کسی کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بطور خاص ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤں اور وہ تاریخی واقعات یاد دلاؤں جو باعثِ عبرت و نصیحت ہیں۔ اللہ نے صبر اور شکر کرنے والوں کا ذکر کیا۔ پھر نبی اسرائیل پر یکے گئے انعامات کا تذکرہ کیا کہ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دے کر صاحبِ اقتدار بنایا اور شریعت عطا فرمائی۔

مقام شکر

آج کی آیات بھی سابقہ آیات سے بسلسلہ شکر ہی مربوط ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ وَاذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ اور جب تمہارے پروردگار نے خبردار کیا کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم میرے انعامات کا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید عطا کروں گا۔ گزشتہ آیت میں تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیں اور اب فرمایا کہ انعام پا کر اگر شکر گزاری کرو گے تو میں اس انعام میں مزید اضافہ کروں گا۔ یہاں پر لفظ تاکید ہی ہے اور ن ثقیلہ ہے

یہ دونوں حروف عربی زبان میں تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یقین دلا یا کہ شکر ادا کرنے کی صورت میں تمہیں ضرور بضرور تیرا دہ دوں گا۔ اس میں کسی قسم کا شک یا تردید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جسمانی روحانی، دنیوی، اخروی، اندرونی اور بیرونی ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں۔ انسان کا ایک ایک بال خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے مگر ان میں سے کسی نعمت کا کما حقہ شکر یہ ادا کرتا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ سزید العام ہے کہ وہ انسان کے محقوڑے سے شکر یہ پر راضی ہو جاتا ہے، وگرنہ اُس کے انعامات کے متعلق تو خود اُس کا اپنا ارشاد ہے کہ "وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا" (ابراہیم) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار ہی نہیں کھینچتے چہ جائیکہ ان سب کا شکر ادا کر سکو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ محقوڑی ہی شکر گزار ہی پر بھی خوش ہو جاتا ہے اور انسان کو سزید العام و اکرام سے نوازتا ہے۔

سعدی صاحب نے اپنی کتاب گلستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ہر ایک سانس کے ذریعے انسان کو اللہ کی دو نعمتیں پیش آتی ہیں۔ جب انسان سانس کو باہر نکالتا ہے تو اس کے ذریعے جسم کے غلیظ بخارات خارج ہو کر انسان کے لیے آرام و راحت کا سبب بنتے ہیں اور جب سانس انسانی جسم کے اندر جاتا ہے تو باہر کی نیرم طیب (اکسیجن) اسکے جسم میں داخل ہو کر مدد حیات بنتی ہے۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ ہر انسان چوبیس گھنٹے میں کم و بیش چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ انسان تو ایک سانس کا شکر یہ بھی ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ باقی لاکھوں اور کروڑوں انعامات الہیہ کی شکر گزار ہی کرے۔ انسان کے ایک ایک بال میں بے شمار انعامات ہیں۔ ایک گلاس پانی جو انسان پیتا ہے۔ اس میں اللہ کی کروڑوں نعمتیں شامل ہیں جس کے نتیجے میں یہ پانی انسان کے

انسان پر  
انعامات  
الہیہ



لبوں تک پہنچتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، وہ تھوڑے سے شکر یہ پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے ان العبد اذا ياكل الاكل او يشرب الشراب باسباب كوني بنده كئانا كئانا ہے یا پانی پیتا ہے اور پھر الحمد لله کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہا ہے۔ مگر کروڑوں انسان ہیں جو ہر وقت اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں مگر اس ذات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان کی صحت کو ہی دیکھ لیں، عافیت اور سلامتی کو دیکھیں یہ عظیم نعمتیں ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا۔ ان کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی چیز زائل ہو جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جس شخص کی آنکھیں ضائع ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کی دو عزت والی چیزیں اٹھالیں، اس نے صبر کیا، اب میں اسے جنت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گا۔ شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرتا رہے اور ناشکری کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کھلائی ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ نَادِرٍ هِرْهَاتٍ فِي النَّارِ الْعِزَّةِ کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے پناہ چاہتا ہوں غیر ضعیف انسان کی سلامتی، سماعت اور قوت شامہ وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں کہ انسان کسی ایک کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ انسان کی عافیت کے متعلق منہ احمد کی روایت میں آتا ہے مَا أَفْوَقَ نِعْمَةٍ كَعَدِ الْإِيمَانِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ إِيْمَانٍ كَعَدِ كَعَدِ كَعَدِ جیسی عظیم نعمت میسر نہیں، مگر کوئی شخص اس کی قدر نہیں کرتا۔ جہانی

اور مادی نعمتوں کے علاوہ اللہ نے انسان کو علم جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔  
حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کو سورۃ اخلاص یاد تھی حضور علیہ السلام  
نے اُس سے فرمایا تم اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس مال و دولت  
نہیں تو کوئی بات بہتیں تمہیں تو سورۃ اخلاص جیسی عظیم نعمت حاصل ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ نِعْمَ الْاِلٰهٌ عَلٰكَ الْعِبَادِ  
كَثِيْرٌ وَّ اَجَلُهُمْ حَيٰبَةٌ الْاَوَّلٰدِ یعنی لوگوں کو اللہ  
کی بہت سی نعمتیں پیشتر ہیں اور ان میں سے بڑی نعمت یہ ہے کہ کسی کو فرمانبردار  
اولاد نصیب ہو جائے۔ عرضیکہ ہر غریب، وامیر کو لاتعداد نعمتیں حاصل ہیں۔  
اور ہر شخص پر ان کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

عرضیکہ علم، دولت، صحت، اولاد اور پھر قدرتی انعام میں ہوا، روشنی  
پانی، گرمی اور سردی، بارش ایسی نعمتیں ہیں جو اللہ نے بالکل فری عطا  
کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انتظام یہ ہے کہ جن چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت  
ہے ان کو فری رکھا گیا ہے۔ کھانے کے لیے تو لگ و دو کو کرنا پڑتی  
ہے مگر یہ چیزیں ایسی ہیں جو معرفت حاصل ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی انسان  
شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان اپنے اعمال سے پانی کے ایک قطرے کی  
قیمت ادا نہیں کر سکتا۔

بہر حال انسان کا فرض ہے کہ اسے نعمت میسر آئے تو زبان سے  
اللہ کا شکر یہ ادا کرے اور شکر یہ کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ  
نے جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی ہے اسے اسی مقصد کے لیے  
استعمال کیا جائے۔ اگر کوئی شخص نعمت کو یہ عمل استعمال نہیں کرتا  
تو یہ ناشکری کے مترادف ہو گا۔ اللہ نے کانوں جیسی نعمت دی ہے  
تو ان سے اچھی باتیں سنو، مواظبت حسنہ کی سماعت کرو، تلاوت قرآن پا  
صنو۔ اگر ان کانوں سے بیودہ گانے اور لچر باتیں سنو گے تو یہ ناشکری

نعمت کا  
صحیح استعمال

ہوگی۔ ظاہری قراء اور جوارح لایقہ، پاؤں، آنکھیں اور دماغ ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کرو گے تو شکر ادا ہوگا اور غلط استعمال کرو گے تو ناشکری ہوگی، خدا نے قوت دی ہے حکومت دی ہے تو مخلوق خدا کی خدمت بجالاؤ نہ کہ لوگوں پر ظلم کرو، ناتوازیوں کو تنگ کرو اور ضعیفوں کے مال غصب کرو۔ اللہ نے مال دیا ہے تو بخل نہ کرو، اس کی زکوٰۃ ادا کرو، مستحقین کی اعانت کرو۔ عدل و انصاف کو قائم کرو۔ اللہ نے علم دیا ہے تو اس کو دوسروں تک پھیلاؤ۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان کا صحیح استعمال کرنے سے ان میں اضافہ ہوگا اور غلط استعمال آخرت میں وبالِ حبان بن جائے گا۔

نیک مقابلہ  
ناشکری

اللہ نے فرمایا کہ اگر میرا شکر ادا کرو گے تو خریدوں گا و لکن کفرتکم اور اگر ناشکر گزار رہی کرو گے ان عذاباً لشدیداً تو میری گرفت بھی بہت سخت ہے۔ یہاں پر کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے کیونکہ یہ شکر کے مقابلے میں آیا ہے۔ عام طور پر کفر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے جس کا مطلب اللہ کی وحدانیت رسولوں کی رسالت، معاد اور تقدیر وغیرہ کا انکار ہونا ہے، اہم یہاں پر کفرانِ نعمت مراد ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر ناقابلِ اعتبار نہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ اس وقت حضور کے پاس کھجور کا ایک دانہ تھا آپ نے وہی عطا فرمادیا۔ اس شخص نے اسے قبول نہ کیا کہ ایسی معمولی چیز سے اس کی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ اس شخص نے گویا کفرانِ نعمت کیا۔ اتنے میں ایک دوسرا سائل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے بھی کھجور کا ایک دانہ عطا فرمایا، اس نے کھجور لے کر کہہ کہ وہ دانہ حضور علیہ السلام کے دست مبارک سے لے لیا۔ آپ بڑے خوش ہوئے اور اپنے ایک آدمی کو بھیجا

کہ ام سلمہؓ کے پاس جو چالیں درجہ رکھے ہیں وہ اس سائل کو مٹے دیں۔  
کیونکہ یہ شخص شکر گزار ہے، مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شکر ادا کیا اس  
کو نوبت مل گیا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور  
کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اور نو کچھ  
نہیں تھا، آپ نے پانی دم کر کے دیدیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس  
پانی سے کون سی ضرورت پوری کریں گے، کوئی روپیہ پیسہ، غلہ وغیرہ مل  
جانا تو بہار کچھ وقت گزار جاتا۔ اتنے میں حضرت ابو موسیٰ اور آپ کے خاندان  
کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بھی سوال کیا۔ آپ نے  
فرمایا کہ فلاں لوگوں نے تو یہ پانی قبول نہ کیا، تم ہی لے لو۔ انہوں نے  
بصد شکر یہ وہ پانی قبول کیا، اس کو پیا اور جسم پر چھڑکا کہ یہ حضور کے دست  
مبارک سے عطا کردہ متبرک پانی ہے۔ بیچھے جسے میں حضرت ام سلمہؓ تشریف  
فرمائیں، انہوں نے کہا کہ اس پانی میں سے کچھ حصہ میرے لیے بھی  
رہنے دیا جائے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے یہ پانی قبول کرنے والوں  
کو خیر و برکت کی خوشخبری بھی سنائی۔ روزہ کمرہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ ہم  
ہزاروں نعمتیں ہر وقت استعمال کرتے ہیں مگر الحمد للہ کتنے والے کتنے  
لوگ ہیں؟ سورۃ سبأ میں اللہ نے فرمایا ہے "وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ  
السَّكِرَاتُ" (سبأ) میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں، اور  
اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہیں۔ نہ تو زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ عملی طور  
پر حق شکر ادا کرتے ہیں۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے "إِنَّ الْإِنْسَانَ  
كَذَلٍ لَّكَفَّارًا" بے شک اکثر انسان بہت ظالم اور ناشکر گزار ہیں۔  
اللہ نے فرمایا اگر شکر ادا کر کے تو میں مزید دلوں گا اور اگر ناشکر  
کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سزا کی مختلف

صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات لوگوں پر سخت حاکم مقرر کر دیتا ہے۔ جو انہیں ہر وقت سزا میں مبتلا رکھتے ہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں ناشکر گنہاری کی سزا بھگت رہے ہیں۔ روس جیسی ظالم طاقت کا مسلمانوں کے علاقوں پر قابض ہونا سزا ہی تو ہے۔ بلخ، اسمارہ، تاشقند اور کابل وغیرہ اسلامی ریاستیں تھیں جنہیں روس پامال کر رہا ہے۔ یہ مسلمانوں نے نہ تو مال و دولت کی قدر کی اور نہ ہی سلطنت کی، یہ صرف چودھراہٹ کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ افغانستان میں ظاہر شاہ نے کیا کیا۔ تیس پینتیس سال برباد کر دیے، اس کے بعد آنے والے بھی ایک دو کے کی ٹانگیں ہی کھینچتے رہے۔ نہ خدا کا قانون جاری کیا اور نہ ہی مخلوق خدا کی خدمت کی۔ اس کے نتیجے میں روس مسلط ہو گیا اور لاکھوں افغانی خانہ جنگی میں شہید ہو چکے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں پاکستان پر بڑا فخر تھا کہ ۱۳ کروڑ مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ اختیار سمجھنے تھے کہ اتنی بڑی جمعیت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، لہذا انہوں نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اب اس کا نام بھی ہندوستان ہے، بنگلہ دیش۔ اسلامی جمہوریہ کا نام ہی ختم ہو چکا ہے، ناشکر ہی کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ نے دستور کے طور پر بتلا دیا کہ اگر شکر گنہاری کرے گا تو مزید دوں گا اور اگر ناقدری کرے گا تو سخت عذاب میں مبتلا کر دوں گا، نہ دین رہیگا اور نہ دنیا، بے آبرو ہو کر رہ جاؤ گے۔

خدا تعالیٰ  
کی بے نیازی

فرمایا وَقَالَ مُوسَىٰ حَضْرَتِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا اِنَّ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اِنْ كَفَرْتُمْ اَوْ رَدْتُمْ عَلٰى اٰمِلِيْنَ زَيْنِ الْمَلِكِ كَفْرًا كَرِيْمًا لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ  
جَمِيْعًا اِنْ كَفَرْتُمْ اَوْ رَدْتُمْ عَلٰى اٰمِلِيْنَ زَيْنِ الْمَلِكِ كَفْرًا كَرِيْمًا لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ  
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تعریفوں والا ہے۔ حدیث شریف میں

آتا ہے کہ اللہ نے فرمایا، اے روئے زمین کے رہنے والے انسانو! اگر تم میں سے اول آخر، جن، انسان سب مل کر ایک متقی آدمی کے دل کی طرح بن جائیں، تو میری سلطنت میں ایک تشکا، برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر سب کے سب ایک بدترین آدمی کے دل کی طرح بن جاؤ، تو میری سلطنت میں ایک تشکا بھر بھی بگاڑ پیدا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ تو ہر حالت میں بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر ناشکرہ می کرو گے تو خود ہی تباہی کے مستحق بنو گے۔ تمہاری سلطنت، سوسائٹی، اجتماعیت، تجارت، سیاست، معیشت، عرضیکہ ہر چیز میں تباہی آئے گی اور اس کا نتیجہ تمہیں بھگدنا پڑے گا۔

اگلی آیت بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کے کلام پر مشتمل سمجھنی چاہیے۔ آپ نے یاد دہانی کے لیے قوم سے فرمایا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبِيُّ الْاَلَدِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَمَا تَمَارَعُ پَسْ نَهِيْ اَلِيْ خَبْرَانِ لَو كُوْنُ كِي جَوْتَمَّ سَسْ سِيْلَسْ گزرے ہیں۔ انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی تو ان کا کیا حشر ہوا فرمایا وہ لوگ کون ہیں قَوْمٌ نُّوحٌ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدٌ وَا قَوْمٌ نُوْحٍ عَادٌ وَا ثَمُوْدُ كَسْ لُوْكَ تَحْسَبْ قَوْمٌ نُوْحٍ كَا حَالِ سُوْرَةِ هُوْدٍ مِيْ تَفْصِيْلُ كَسْ سَاقِقْ گزر چکا ہے اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے ایمان اور توحید کا پیغام بھیجا، یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا، مگر قوم نے اس کی ناقدری کی تو اس کے نتیجے میں غرق ہو گئے۔ قوم عاد کے لوگوں کو اللہ نے بڑی جسمانی طاقت عطا کر رکھی تھی مگر یہ قوم کفر، شرک، سرکشی اور تکبر میں مبتلا تھی۔ قوم ثمود کے سترہ سو شہر اور بستیاں تھیں۔ یہ بڑے صنایع اور کارگر تھے۔ ان کے باغات تھے، انڈسٹری تھی۔ ان کے پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے مکانات لوگ آج بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ان اقوام کی تباہی کے حالات بھی سورۃ اعراف، سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں

سابقہ  
اقوام  
کا حشر

گنہگار چکے ہیں۔ اللہ نے قوم عاد کو نرم ترین چیز ہوا کے ذریعہ تباہ کیا اور قوم ثمود کو چیخ اور زلزلے نے دلبرج کیا۔ ان لوگوں نے بھی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور بڑے انجام کو پہنچے۔

فرمایا ان کے علاوہ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ اور اقوام بھی جو مذکورہ بالا قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آئے لایَعْلَمُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَنِيۡبٌ سِوَا كُوۡنِيۡ نِهَيۡسٍ جَانَا كَهٗ وَهٖ كُوۡنٌ لُّوۡكُ تَحۡمٰے ، ان کی شخصیت کیسی تھی اور ان کے مراتب کیسے تھے۔ یہ پوری تفصیل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض اقوام کے اجمالی حالات کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مگر تفصیلی حالات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی کہ فرماتے تھے كَذَبَتْ قَسًا بَوۡنَ نَسَبِ نَاۡمِے بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ بعض لوگ اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تو اتر کے ساتھ ملاتے ہیں مگر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ درمیان میں بعض اقوام ایسی گنہگار ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور علیہ السلام بھی اپنا نسب نامہ عدنان سے آگے نہیں لے جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ عدنان سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کم از کم تیس قرن یا تیس نسلیں کا فاصلہ ہے جن کے تفصیلی حالات کوئی نہیں جانتا، لہذا اگر کوئی شخص اپنا نسب نامہ ٹھیک ٹھیک آدم علیہ السلام تک پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی بات میں صداقت نہیں ہوگی۔ امام مالکؒ اس بات کو محکمہ وہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچائے، کیونکہ اللہ نے پوری تفصیلات کسی کو نہیں بتائیں اور نہ ہی تاریخ نے ان واقعات کو پوری طرح محفوظ کیا ہے۔ بہر حال فرمایا، کیا ان اقوام کے حالات آپ تک نہیں پہنچے کہ ان کا

کیا حشر ہوا؟

فَرَمَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ پس آئے ان کے

پس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر فَسَرُّوْا أَيْدِيَهُمْ فِي

أَفْوَاهِهِمْ پس لوٹائے انہوں نے ان کے ہاتھ ان کے

موتوں میں اس فعل کو کئی صورتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس کا معنی

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نافرمان لوگوں نے اپنے بیوں کے ہاتھ انہی کے

منہ میں ٹھونس دیئے تاکہ وہ خاموش رہیں اور فریضہ تبلیغ ادا نہ کر سکیں۔

جب کسی کی زیادہ تحظیر مقصود ہوتی ہے تو پھر اسی قسم کا عمل کیا جاتا ہے

کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر رکھ دیا جائے کہ خاموش رہو۔ ہم تمہاری

بات نہیں سنا چاہتے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں نے

خود اپنے ہاتھ انبیاء کے منہ پر رکھ کر ان کو خاموش کرانے کی کوشش کی ہو۔

ایک تیسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھ اپنے منہوں

میں ڈال لیے۔ اور ایسا کہ نادر و جہ سے ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات

نہایت غصے کی حالت میں کوئی شخص اپنے ہاتھ اپنے ہی منہ میں ڈال

کر چباتا ہے۔ منافقوں اور کافروں کے متعلق آتا ہے "وَإِذَا خَلَوْا

عَضُّوْا عَلَيْكُمْ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ" (آل عمران) وہ

اپنی انگلیاں غصے کی وجہ سے چباتے تھے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو

رہے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان افسوس اور حسرت کی بنا پر

اپنے منہ میں انگلی ڈال لیتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور امام شاہ ولی اللہ

اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر مذکورہ سارے معنی ہی درست ہیں

بِالْآخِرِ ان نافرمان قوموں نے خدائی پر وگرام کا صریحاً انکار کر دیا۔ وَ

قَالُوْا اور کہنے لگے اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ ہم اس چیز کا

انکار کرتے ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ تمہارا عقیدہ، شریعت



اور لاکھ عمل ہمیں ہرگز منظور نہیں۔ ہم نہ تمہاری توحید کو مانتے ہیں، نہ رست  
 کو اور نہ معاد کو، وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا قَدَّعُونَا إِلَيْهِ  
صِرَاطٍ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، ہمیں اس میں تردد و انجیز  
 شک ہے۔ ہمیں تمہاری باتوں پر یقین ہی نہیں آتا۔ جن پرانی اقوام کا ذکر  
 اللہ نے اس آیت میں کیا ہے انہوں نے اپنے اپنے انبیا کو اس قسم کا  
 جواب دیا کہ اُن کے پورے پروگرام کا ہی انکار کر دیا تاکہ اللہ کے  
 نبی انہیں اس پروگرام کی طرف بار بار دعوت دینا بند نہ دیں۔ یہ اُن  
 اقوام کے لوگوں کی بات بیان ہوئی ہے، اب اگلی آیات میں اللہ  
 کے نبیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

وما ابری ۱۳

البرہیم ۱۳

درس چہارم ۴

آیت ۱۰ تا ۱۲

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ یَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ  
 وَیُوَخِّرْكُمْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْا اِنْ  
 اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تَرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا  
 عَمَّا كَانِ یَعْبُدُ اَبَاؤُنَا فَاتُّوْنَا بِسُلْطٰنٍ  
 مُّبٰینٍ ۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ  
 اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ  
 اٰتٰهُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا اِلَّا  
 نَاۤیْتِكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلٰی  
 اللّٰهِ فَلِیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۱ وَمَا لَنَا اِلَّا نَتَوَكَّلَ  
 عَلٰی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰیْنَا سُبُلَنَا وَنَصَبْنَا عَلٰی  
 مَا اٰذٰیْتُمُوْنَا وَعَلٰی اللّٰهِ فَلِیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۱۲

ترجمہ: کہا اُن کے رسولوں نے، کیا اللہ کے بارے

میں شک ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ

تم کو بلا ہے تاکہ معاف کرے تمہارے کچھ گناہ اور نسلت دے

تم کو ایک مقررہ وقت تک۔ تو کہا اُن (کافر) لوگوں نے

نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں

روک دو اُس چیز سے کہ ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے  
 پس لاؤ ہمارے پاس کوئی بھلی دلیل (۱۰) کہ ان کے لیے اُن  
 کے رسولوں نے، نہیں ہیں ہم مگر انسان تمہارے جیسے۔  
 لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں  
 سے۔ اور نہیں ہے ہمارے اختیار میں کہ لائیں ہم تمہارا  
 پاس کوئی سند مگر اللہ کے حکم سے، اور اللہ کی ذات پر  
 ہی چاہیے کہ بھروسہ رکھیں ایمان والے (۱۱) اور کیا ہے  
 ہمارے لیے کہ ہم نہ بھروسہ رکھیں اللہ پر حالانکہ اُس نے  
 ہمیں ہدایت دی ہمارے راستوں کی۔ اور ہم ضرور صبر کریں  
 گے اُس چیز پر کہ تم ہمیں تکلیفیں پہنچاتے ہو۔ اور اللہ  
 کی ذات پر ہی چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے (۱۲)

رابط آیات

رسالت کا بیان وَلَقَدْ آرَسَدْنَا سے شروع ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کو حکم ہوا کہ وہ اپنی قوم کو تاریخی واقعات اور اللہ کے انعامات یاد دلائیں۔ پھر اسی  
 ضمن میں فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کے احسانات کا شکر یہ ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ  
 تمہیں مزید عطا کرنے کا اور اگر ناقدری اور ناشکری کرو گے تو اس کا عذاب بھی بڑا  
 سخت ہے۔ آپ نے قوم کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اگر سارے روئے زمین والے  
 مل کر بھی خدا تعالیٰ کا انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ  
 خدا تعالیٰ سخی اور حمید ہے۔ پھر آپ نے قوم کو یہ بھی یاد دلایا کہ کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ  
 تمہارے پاس پہلی قوم کی خبریں آئیں۔ انہوں نے ناشکر گزاری کی تو اُن کا کیا حشر ہوا۔  
 قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آنے والے لوگوں کا بھی یہی حال ہوا جن کی تفصیلات  
 اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اُن اقوام کے پاس اُن کے رسول آئے مگر اُن لوگوں  
 نے صاف کہہ دیا کہ ہم اُس چیز کا صبر کچا انکار کرتے ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت

دیتے ہو۔ اب آج کی آیات میں اُن رسولوں کا جواب آرہا ہے۔  
 قَالَتْ دُسَّكُمْ كَمَا اُنْ كَرَسُوْلُوْنَ نِي - جو نبی جس قوم  
 کی طرف آیا ہے اُس نے منکر قوم سے کہا اَفِ اللّٰهِ شَكٌّ  
 کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات  
 اور اس کی توحید کے متعلق کوئی تردید ہے اور خدا کی ذات وہ ہے جو  
 کہ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جِوَا سَمٰوٰتٍ اور زمین کا پیدا کرنے  
 والا ہے۔ فاطر اور بدیع ہم معنی الفاظ ہیں یعنی وہ ذات جو بغیر کسی نمونے،  
 آلے اور مادے کے کسی چیز کو ایجاد کر دے۔ کائنات کو  
 مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور اس تخلیق کے لیے نہ  
 تو پہلے کوئی نمونہ موجود تھا اور نہ اس کے لیے کسی آلے اور مادے کی  
 ضرورت تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ اس کائنات  
 کو پیدا فرمایا۔ تو اللہ کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم اُس خدا تعالیٰ کے بارے  
 میں شک کرتے ہو جو ہر چیز کا موجد ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
 مِّنْ ذٰلِكَ لَكُمْ وَاٰلِآئِنًا لَّكُمْ مَعَادٌ لَّيْسَ لَكُم مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ  
 کچھ گناہ معاف کرنے۔ روزمرہ زندگی میں انسان سے غلطیاں سرزد  
 ہوتی رہتی ہیں اور اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے تو  
 وہ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرتا رہتا ہے۔ اور اگر بندہ اپنے پروردگار  
 کی طرف بالکل توجہ نہ کرے تو اس کے گناہ جمع ہو کر اُس کے لیے وبال بن  
 بن جاتے ہیں۔

مِنْ ذٰلِكَ لَكُمْ وَاٰلِآئِنًا لَّكُمْ مَعَادٌ لَّيْسَ لَكُم مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ  
 سارے کے سارے گناہ معاف نہیں کرتا بلکہ بعض کو معاف فرما  
 دیتا ہے۔ ہر انسان سے دو قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ایک قسم  
 کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے معاف کر

دیتا ہے بشرطیکہ بندہ اس کے دروازے پر آکر معافی طلب کرے گناہوں کی دوسری قسم حقوق العباد سے متعلق ہے، جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جب تک متعلقہ بندہ اُن گناہوں کو معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اُن کو معاف نہیں کرے گا۔ بعض مقامات پر مطلق گناہوں کی معافی کا ذکر بھی آتا ہے مگر اُن سے بھی وہی گناہ مراد ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے بہر حال فرمایا کہ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے۔ وَيُؤَخِّرْكُمْ بِالْأَجَلِ مُسَكِّحًا اور پھر تمہیں مہلت دے ایک مقررہ مدت تک اللہ تعالیٰ کے علم میں تمہاری جتنی عمر مقرر ہے، اُسے گزارنے کے لیے تمہیں مہلت دے تاکہ گناہوں کی معافی کے بعد تم اچھی زندگی بسر کر سکو۔ اسی مضمون کو سورۃ یونس میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو گے اور اس کی طرف رجوع کرو گے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اَجَلِ مُسَكِّحًا تو وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھی زندگی بسر کرے گا۔ دوسرے مقام پر حَيَوةً طَيِّبَةً کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نہیں پاکیزہ زندگی نصیب کرے گا۔ اور پاکیزہ زندگی وہ ہے جس کا تعلق ایمان نیکی اور اطاعت کے ساتھ ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے کہلایا کہ تم اللہ کی طرف آ جاؤ، وہ تمہارے گناہ معاف کر کے ایک مقررہ وقت تک پاکیزہ زندگی عطا فرمائے گا۔

بشری  
رسالت  
کا انکار

اللہ کے نبیوں کی اس دعوت کے جواب میں قَالُوا كَافِرُونَ اور نافرمان لوگوں نے کہا إِنَّا نَحْنُ الْبَشَرُ مِثْلَكُم مَّا نَكْفُرُ تم مگر ہمارے جیسے انسان۔ ان لوگوں نے نبیوں کی بشریت کے پیش نظر اُن کی رسالت کا انکار کر دیا۔ قرآن میں اس بات کو کئی مقامات

پر بیان کیا گیا ہے۔ کافر کہتے تھے کہ تم بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہو تمہیں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں جو تم رسول بن بیٹھے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنانا، اس پر وحی نازل کرتا تو وہ کوئی بڑا آدمی ہوتا، تم جیسے عزیز آدمی کو کیسے رسول بنا لیا ہے جس کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ نوکر چاکر ہیں، نہ باغات ہیں، نہ فوج اور حجتہ ہے۔ ہم تمہاری بات کو کیسے تسلیم کریں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ کہنے لگے تَرِيدُونَ اَنْ تَصُدُّوْنَ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اَبَاؤُكُمْ تَمَّ مِمَّنْ اَنْتُمْ مِنْ شَيْءٍ

چیزوں سے روک دینا چاہتے ہو جو جی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ ہم تو اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہمارے باپ دادا تھے، تم ان سے زیادہ عقلمند نہیں ہو جو ان کے طریقے سے ہٹنا چاہتے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے دور رکھنا چاہتے ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے تو خاص طور پر کہا تھا لَوْ تَذَرْتِ الْاِلٰهَتَكُمْ (نوح) لوگو! نوح علیہ السلام کے کہنے پر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصحابین نے بھی یہی کہا تھا۔ "قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَانصُرُوْا الْاِلٰهَتَكُمْ دَالِیْنًا" کہ ان کو زندہ جلا دو انہیں معبودوں پر جھے رہو۔ ان کو ترک نہ کرنا۔

کہنے لگے اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو قَاتِلُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبٰیْنٍ تو ہمارے پاس اپنی رسالت کی کوئی کھلی سند لے آؤ۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہماری مرضی کی کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرو تب ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ہاتھ پر بشمار معجزات ظاہر فرمائے مگر کافر لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے انہیں تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مطالبات

اس قسم کے ہوتے تھے کہ ہمارے سامنے سپرچی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں کبھی کبھائی کتاب لے کر آؤ۔ یا فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ یا خود خدا تعالیٰ سامنے آکر کہے کہ ہاں! میں نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کھلی سند سے وہ اس قسم کی نشانیاں مراد لیتے تھے کہ ان کے بغیر ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

بشری  
رسالت  
کی تحدیق

اس سوال کے جواب میں قَالَتْ لَهُمْ دَسَلَهُمُ ان کے رسولوں نے انہیں کہا۔ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے ان تَحْتَ الْاَبْنَاءِ النَّبِيِّ فَتَلَكُمْ نہیں ہیں مگر ہمارے جیسے انسان تمام انبیاء اور رسل انسان ہوتے ہیں، البتہ رسول۔ انانوں کے علاوہ فرشتے بھی ہوتے ہیں، لیکن نبی ہمیشہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ علم عقائد والے نبی کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں "هُوَ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ لِنَبِيْلَيْغٍ مَا اَوْحٰ اِلَيْهِ نَبِيْ اَيُّكُمُ النَّانُ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے جس کو وہ وحی سے نازل کرتا ہے۔"

جہاں تک ماہیت انانیت کا تعلق ہے اس میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ برابر ہیں، سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن جہاں تک درجے اور مرتبے کا تعلق ہے، اس میں عظیم تفاوت ہے۔ نبی انسان ہوتے ہیں مگر صاحب کمال۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے کامل ترین انسان ہوتے ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور امت کے لیے بطور نمونہ، باقی امت انہی کے نقش قدم پر چل کر کمال کو پہنچتی ہے اور پھر اولیاء اللہ میں بعض وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں تو کامل ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ در رسول کو بھی کامل بنا سکیں، اور بعض خود بھی کامل ہوتے ہیں۔

اور دوسروں کو بھی کامل بنانے والے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض کاملین دو آدمیوں کو کامل بناتے ہیں اور بعض ایک جماعت کو کامل بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو سب سے زیادہ صلاحیت عطا فرمائی اور آپ نے ایک جہان کو کامل بنایا۔ پھر جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ناقص کہلاتے ہیں۔ ان میں بھی دو گروہ ہوتے ہیں۔ بعض آدمی وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں گمراہ ہو جاتے ہیں، وہ ضال کہلاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وہ مضل کہلاتے ہیں۔ بہر حال نبیوں کا کمال بہت بلند درجے کا ہوتا ہے مگر وہ بھی نسل انسانی سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور علیہ السلام کے لیے مَنْ أَلْفَسَكُمْ اور مَنْ أَلْفَسَكُمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی آپ تمہاری ہی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسولوں نے فرمایا کہ ہم تمہاری طرح ہی انسان ہیں وَلَكِنَّ اللَّهَ  
يَمُنُّ عَلَيْكُمْ مَنْ يَكْفُرْ مِنْكُمْ لَا يَأْذِنُ اللَّهُ اور ہماری طرف سے گمانی  
 بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اسے نبوت و رسالت  
 کے لیے منتخب فرماتا ہے، اور اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی  
 حاصل ہوتی ہے کہ اُس سے گناہ نہیں سزور ہونے دیا جاتا۔ یہ اللہ کا بہت  
 بڑا احسان ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ باقی رہ گیا من مانی نشانی ظاہر  
 کرنا تو اس کے متعلق رسولوں نے کہا وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ  
نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ اور ہمارے اختیار میں نہیں  
 ہے کہ ہم کوئی کھلی سند یا نشانی پیش کریں مگر اللہ کے حکم سے۔  
 جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ مطالبہ



پر نشانی پیش کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ کسی کو ایسے مطالبات نہیں کرنے چاہئیں بلکہ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ مومنوں کو چاہیے کہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں۔

توکل خدا

اب اگلی آیت میں اللہ کے بندوں نے اپنی جماعت کے صبر، توکل اور استقامت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَمَّا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ اور کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم نہ توکل کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ط حالانکہ اس نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ تمام اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے نیتے کی اعتماد صرف خدا تعالیٰ پر رکھا جائے، اُس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اسباب پر بھروسہ رکھے گا۔ تو مشرک ہو جائے گا کیونکہ اس نے اسباب کو مؤثر سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درجے تک اسباب میں اثر رکھا ہے جیسے غذا استعمال کرنے سے بھوک مٹتی ہے اور دوائی پینے سے صحت حاصل ہوتی ہے مگر ان کے متعلق ہی گمان رکھنا چاہیے کہ اگر اللہ اثر پیدا کرے گا تو غذا کے استعمال سے بھوک مٹے گی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو غذا کھانے کے باوجود ہضم نہ ہوتی اور انسان اٹا تکلیف میں مبتلا ہو جاتا۔ بعض لوگوں کو جو ع الکلب کی بیماری ہوتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ کھانے کے باوجود ان کی بھوک نہیں مٹتی۔ لہذا غذا ایک سبب ہے مگر اس میں اثر ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح بیماری میں دوا استعمال کی جاتی ہے مگر شفا اسی وقت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اُس دوا میں فائدہ ڈال دے۔ تو گوہرِ یاد دوا مؤثر بالذات نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفید ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم

اللہ کی ذات پر توکل نہ کریں۔  
 فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اسباب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم  
 اسباب مقطوعہ ہیں اور یہ ایک حد تک قطعی ہوتے ہیں۔ ان کو ہر حالت  
 میں اختیار کرنا ضروری ہے اور ترک کرنا حرام ہے۔ مثلاً کھانے اور پینے  
 میں بقائے حیات مضمر ہے اگر کوئی شخص توکل کرتے ہوئے کھانا پینا چھوڑ  
 کر چھوڑ کر مر جائے تو یہ توکل نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص حرام موت مرے گا۔  
 یہ اسباب مقطوعہ ہیں جن کو ترک کرنا حرام ہے، البتہ عقیدہ یہی ہونا چاہیے  
 کہ خوراک اور پانی وغیرہ مؤثر بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان میں تاثیر  
 پیدا کرتا ہے۔

دوسری قسم کے اسباب منطونہ کہلاتے ہیں۔ اگرچہ کمان غالب  
 ہوتا ہے کہ ان اسباب میں تاثیر ہوگی مگر یہ بالکل ضروری بھی نہیں ہوتا۔  
 اس کی مثال بیماری میں استعمال کی جانے والی دوائیں ہیں۔ بعض اوقات  
 ان کے استعمال سے شفا حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی  
 ایک ہی بیماری میں ایک دوائی کسی شخص کے لیے مؤثر ہوتی ہے اور  
 دوسرے کے لیے نہیں ہوتی۔ لہذا دوا استعمال کرنے کے بعد پھر وہ  
 اللہ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک  
 کر کے محض خدا پر بھروسہ رکھے تو یہ کمال درجے کا توکل ہوگا۔

حدیث شریف میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر آیا ہے جو بغیر حجاب  
 کتاب کے جنت میں جائیں گے یہ ایسے ہی کمال درجے کے متوکل لوگ  
 ہوتے ہیں کہ وہ اسباب منطونہ کو اختیار نہیں کرتے۔

اسباب کی تیسری قسم اسباب مومومہ کہلاتی ہے۔ یہ صرف وہم  
 ہوتا ہے کہ ان اسباب کے اختیار کرنے سے ہر وقت اس سے کہ مقصد  
 حاصل ہو جائے۔ ان میں جھاڑ چھونک اور ٹھونڈا وغیرہ آتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک کرے تو یہ ادنیٰ درجے کا توکل سمجھا جائے گا۔ بہر حال یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کسی سبب میں تاثیر پیدا کرنے یا اسے موقوف کرنے۔

باقی رہی یہ بات کہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ یہاں سُبْحَانَكَ جَمْعُ كَاصِفَةٍ آيَاہے یعنی ہدایت کے بہت سے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی کے مختلف شعبوں میں ہدایت کے راستوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ سب سے پہلے دین کے معاملے میں اللہ نے راہنمائی فرمائی ہے اور توحید کی طرف دعوت دی ہے۔ کفر، شرک، نفاق، تردود، شک اور بداعتقادی کو واضح کیا ہے تجارت، معیشت اور سیاست کے راستے واضح کیے ہیں تاکہ ہم اپنی زندگی میں ان راستوں پر چل سکیں۔ اخلاقیات، صلح و جنگ، لین دین، آپس کے معاملات، ایک دوسرے کے حقوق، غرضیکہ تمام شعبوں میں ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ لہذا ہمارے لیے کیا ہے کہ ہم اس ذات پر توکل نہ کریں۔

صبر کی دولت

اللہ کے رسولوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی کہا وَكُنْصَابِرِينَ عَلٰی مَا اَذٰیْتُمْوَنَآ اور ہم ضرور صبر کریں گے اُس پر جو تم ہمیں تکالیف پہنچاتے ہو نبی کے متعلق کہنا کہ اے ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں یہ تو ہمارے جیسا انسان جیسا یہ نبی بچے رکھتا ہے، باز ارون میں چلتا پھرتا، کاروبار کرتا ہے۔ یہ خود با اللہ صبر ہی اور کون سا اس کے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے، یہ جا دو گز ہے۔ وغیرہ وغیرہ سب تکلیف دہ باتیں ہیں، جن سے اللہ کے نبیوں کو ذہنی طور پر بڑی کوفت ہوتی تھی، مگر انہوں نے ان سب باتوں پر صبر کیا جو کہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان تمام تر تکالیف کے باوجود وَعَلٰی اللہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ بھروسہ رکھنے والوں کو چاہیے

کہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں، تعلیم و تبلیغ کے مشن کو جاری رکھیں اور ان مصائب پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہر مومن کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ مؤثر حقیقی صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور بھروسہ کرنے کے لائق صرف وہی ہے۔

---

وما ابرئ ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس پنجم ۵

آیت ۱۳ تا ۱۷

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ  
 مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوَّحَ  
 إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝۱۳ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ  
 الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكِ لِمَنْ خَافَ  
 مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝۱۴ وَأَسْتَفْتِحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ  
 عَنِيدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ  
 صَدِيدٍ ۝۱۶ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ  
 الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَدِيدٍ  
 وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝۱۷

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے  
 رسولوں سے کہ ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین  
 سے، یا تم پلٹ آؤ ہماری ملت میں پس وحی کی اُن (رسولوں)  
 کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ بیشک ہم ضرور ہلاک کریں  
 گے ظلم کرنے والوں کو ۝۱۳ اور ہم ضرور بسائیں گے تم کو  
 زمین میں ان کے بعد، اور یہ بات اُس شخص کے لیے  
 ہے جو خوف کھاتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور  
 خوف کھاتا ہے میری وعید سے ۝۱۴ اور فیصلہ طلب کیا

انہوں نے اور ناکام ہوا ہر منجبر اور عناد کرنے والا (۱۵) اُس کے آگے جہنم ہے اور پلایا جائیگا اُس کو پیپ والا پانی (۱۶) اُس کو گھونٹ گھونٹ کر کے اٹارے گا، اور قریب نہیں کہ اُس کو حلق سے اٹار سکے۔ اور آئیگی اُس کے پاس موت ہر طرف سے اور وہ مرنے والا نہیں ہوگا،

اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا (۱۷)

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت، اس کے کتاب ہدایت ہونے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کا ذکر کیا۔ پھر مخبرین قرآن کے انجام کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد ”وَمَا آرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ“ سے رسالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر قوم موسیٰ، نوح، عاد اور ثمود کا ذکر ہوا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان اقوام کے ہکالے کا بیان آیا۔ پھر نبیوں کے طریق کار کا تذکرہ ہوا کہ انہوں نے کس طرح خدا کی ذات پر بھروسہ کیا۔ راہ حق پر گامزن رہے، اور صبر برداشت کا دامن تھامے رکھا۔

منکرین نے رسولوں کی بشریت پر بھی اعتراض کیا، جس کے جواب میں رسولوں نے کہا کہ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم انسان نہیں ہیں کبھی فرشتہ یا دیگر مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نیز یہ کہ تمہاری من مانی نشانیاں پیش کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے کسی بھی معجزے اور نشانی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ البتہ تم ہمیں جو کچھ تکالیف پہنچا ہے ہم اس پر ضرور صبر کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ اور ہم پر احسان فرمائے ہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے لوگوں کے درمیان سلسلہ کلام جاری ہے

ربطائیت

غار کی  
بہی

جب اللہ کے نبیوں نے اپنی بات کی وضاحت دلیل کے ساتھ کی تو انہی اقوام تشدد پر اتر آئیں۔ وہ دلیل سے تو کوئی جواب نہ دے سکے، البتہ دھمکی دی وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرِيسَالِهِمْ اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے۔ یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں کو ایک ہی طرح کی دھمکی دی لَنْخَرِجَنَّكُمْ مِنْ اَرْضِنَا ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین سے اَوْ لَنَعُوذَنَّ اَفْوَاجًا وَاِیْسًا پلٹ آؤ ہماری ملت یعنی دین میں۔ مطلب یہ کہ یا تو ہمارا دین قبول کر لو اپنا دین چھوڑ دو۔ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے۔

زمین سے نکالنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت یہی ہے کہ کسی کو ملک بدر کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُسے قید میں ڈال دیا جائے اور اس طرح اس سرزمین میں چلنے پھرنے سے روک دیا جائے۔ تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قتل کر دیا جائے گویا اُس سرزمین کی سطح سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے۔ اللہ کے اکثر نبیوں کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا اَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ (الاعراف) یہ لوگ بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔ انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا لَنْخَرِجَنَّكَ يَشْعِبُ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْ لَنَعُوذَنَّ فِي مَمْلَكَتِنَا (الاعراف) اے شعیب علیہ السلام! ہم آپ کو اور آپ کے ساتھی ایسا نذاروں گا کہ اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا ہماری ملت میں واپس آ جاؤ۔ غرضیکہ باطل پرستوں کا ہمیشہ سے یہ وہی رویہ رہا ہے کہ وہ حق بات سننے کی بجائے دھینکا مٹتی اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ مکے کے مشرکین

بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ اللہ نے قرآن میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے، جن کو بلاوجہ تکلیفیں دی گئیں، اور بعض کو جان سے مار دیا گیا۔ نبی تو معصوم ہوتا ہے مگر کافر جان بوجھ کر ان کو تنگ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے نئے دین کو چھوڑ کر ہمارے پرانے دین میں واپس آ جاؤ۔

قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ کے نبی یہ پیش کش بھی کرتے تھے کہ اگر تمہیں ہماری بات پسند نہیں تو تم اپنے راستے پر کام کرتے رہو، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ پھر دیکھنا نتائج کس کے حق میں نکلتے ہیں، مگر کافر لوگ یہ بات بھی نہیں مانتے تھے اور پیغمبروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنا مشن ترک کر دیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا، مگر خدا تعالیٰ نے اُسے ناکام بنا دیا۔ پھر آپ کو مکے سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی بات کو بدواً نشت نہ کیا، ہر حال اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین ان کو دیکھیاں دیتے رہے۔ کہ ہمارے دین میں واپس جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔

اس آیت کہ **مِمْ فِي لَتَعُوذَنَّ** کے لفظ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اللہ کے نبی ابتداءً کفار کے دین پر ہوتے تھے اور پھر انہوں نے سچا دین اختیار کیا اور اس وجہ سے کفار انہیں پہلے دین پر واپس لانا چاہتے تھے، مفسرین کہہ ام اس کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی کبھی ایسا لحظہ بھر کے لیے بھی کفر و شرک کے دین پر نہیں ہوتے بلکہ وہ ابتداءً سے ہی کفر اور شرک سے بیزار ہوتے ہیں۔ جیسے قرآن **وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ**

ایک  
شکال



قَبْلُ (الانبياء) ہم نے ابراہیم کو ابنا ہی سے ہدایت عطا فرمائی۔  
 لفظ عَوْد کا عام فہم معنی اگرچہ پلٹ آنا ہوتا ہے مگر یہ لفظ محض ہو  
 جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ یسین میں موجود ہے  
 کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ  
 الْقَدِيمِ جہاں تک کہ وہ پرانی شاخ کی طرح بالکل باریک اور ٹیڑھا  
 ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے اللہ  
 کا نبی اگرچہ ایمان پر ہوتا ہے مگر فریضہ تبلیغ ادا نہ کرنے کی وجہ سے  
 کافر لوگ انہیں اپنے دین پر ہی سمجھتے ہوں گے، لہذا انہوں نے اپنے  
 زعمِ باطل کے مطابق کہہ دیا کہ تم پہلے بھی ہمارے دین پر تھے۔ اب پھر  
 اسی میں پلٹ آؤ۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کافروں نے عود کا لفظ صرف انبیاء  
 علیہم السلام کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کے لیے بھی استعمال  
 کیا ہے اور ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تبی اور اس کے ماننے والے  
 سارے کے سارے پرانے دین میں واپس آجائیں۔ ان کی یہ بات  
 جزوی طور پر درست ہو سکتی ہے کیونکہ نبی کے پیروکار تو بہر حال  
 ابتداً باطل دین پر ہی تھے اور کافر لوگوں نے ان کی واپسی کے مطالبے  
 کے ساتھ پیغمبروں کو بھی شامل کر لیا، حالانکہ اللہ کے نبی کبھی بھی باطل  
 دین میں نہیں رہے۔ اس طرح آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں نے  
 نبی کے پیروکاروں سے کہا کہ تم ہمارے دین میں واپس لوٹ آؤ۔  
 اور پیغمبروں سے کہا کہ تم ہمارا دین اختیار کر لو۔

اللہ کی  
 طرف سے  
 تسلی

کافروں کی اس دھمکی کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَآوْحَىٰ  
 إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ کہ ان کے رب نے وحی کی ان (رسولوں) کی طرف اور ان  
 کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ نہ کرو کہ اگر یہ لوگ تمہیں تکالیف پہنچا رہے

ہیں لَنْهَلِكَنَّ الظَّالِمِينَ تو ہم بھی ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے  
 کفر اور شرک سب سے بڑے ظلم ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُونَ  
 هُمْ الظَّالِمُونَ (البقرہ) کافر لوگ ہی ظالم ہیں اِنَّ الشِّرْكَ  
 كَظْلَمٍ عَظِيْمٍ (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ منجھوین رسول  
 کفر و شرک کا از تکاب کہہ کے ظالموں کی فہرست میں شامل ہو گئے، تو  
 اللہ نے فرمایا کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے، ظلم حقوق اللہ اور  
 حقوق العباد میں بھی ہوتا ہے مگر عقیدے میں کفر و شرک کی موجودگی ظلم  
 عظیم ہے۔ اور ظلم کی دوسری صورت یہ بھی محضی کہ کافر لوگ اہل ایمان پر  
 تشدد کرتے تھے اور انہیں زبردستی اپنے دین میں لانا چاہتے تھے جب  
 ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ حق بلند کیا تو کہنے لگے "حَسْبِيَ قُوَّةُ" اُس کو جہلا  
 ڈالو، یہ تمہارے معبودوں کو بڑا جہلا کہتا ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم  
 نے آپ کو کہا کہ اے نوح! اگر تم اپنی حکمتوں سے باز نہ آئے۔  
 اَتَكُوْنُنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (الشعراء) تو ہم تمہیں  
 ننگسار کر دیں گے لوط علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا کہ اگر باز نہ آؤ گے  
 اَتَكُوْنُنَّ مِنَ الْمُحْرَجِيْنَ تو تمہیں نکال دیا جائیگا  
 اللہ نے فرمایا، ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے وَكُنْتُمْ كَافِرًا  
 الارضِ مِنَ الْبَعْدِ لَهُمْ اور ان کے بعد ہم تمہیں اس  
 سر زمین میں آباد کریں گے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ عبادی لوگ  
 ہلاک ہوئے اور ان کے بعد اللہ کے نبی مع اپنے متبعین کے وہاں  
 پر آباد ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کو اللہ نے غرق کر دیا۔ خود  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام مخالفین دب گئے۔ وہ یا تو ایمان  
 لے آئے، یا مانے گئے یا ملک بدر ہوئے اور بالآخر حضور علیہ السلام  
 اور آپ کے صحابہ اُس سر زمین پر غالب آئے فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ

خَافَ مَقَامِيْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا اَنْ يَّخْلُقَ لَكُمْ زَمْزٰمًا مِّمَّ مِثْلَ بَعْرِ السَّرَاۤءِ ۚ فَخُذُوْا حِذْرًا لَّعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ ۙ  
 ہونے سے ڈر گیا۔ جس شخص کو مجھ سے اعمال کا خوف ہے ظاہر ہے  
 کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہوگا اور وہی اس زمین میں خلافت  
 کا حق دار ہوگا۔ فرمایا وہ شخص بھی حقدار ہے وَخَافَ وَعَبِدَ جُو مِیْرٰی  
 وعید سے ڈرتا ہے۔ ہم ایسے شخصوں کو زمین میں نیابت عطا کرتے  
 ہیں اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جب اس زمین پر تم  
 آباد ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری آزمائش بھی شروع ہو جائے گی کیف  
 تَعْمَلُوْنَ کہ تم کس قسم کے کام انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ نے  
 بنی اسرائیل سے یہی فرمایا تھا کہ وہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے اس  
 سر زمین میں تمہیں آباد کرے گا۔ "فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ"  
 (الاعراف) پھر وہ آشکارا کرے گا کہ تم کیا کاروائی کرنے ہو۔ بہر حال  
 اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دی کہ وہ ظالموں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ  
 اہل ایمان کو آباد کرے گا۔

آگے ارشاد فرمایا وَاسْتَفْحَمُوْا اور فیصلہ طلب کیا انہوں نے۔  
 انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر ہو رہا ہے تو فیصلہ کس  
 نے طلب کیا، انبیاء نے یا مخالفین نے؟ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ  
 فیصلے کی ضمیر انبیاء کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور ان کے مخالفین کی طرف  
 بھی۔ مخالفین کی طرف اس طرح کہ جب بھی اللہ کے نبی انہیں خدا کا پیغام  
 سناتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے فیصلہ طلب  
 کرتے تھے "اللَّهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ  
 عِنْدِكَ فَاْمَطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوْ اَنْتِنَا  
 بِعَذَابِ الْيَوْمِ" (الانفال) اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری سچی کتاب  
 ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے

فیصلے کا  
 مطالبہ

ہم تو اس کتاب کو ملتے کے لیے تیار نہیں جو ہمارے معبودوں کی مذمت کرتی ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا تھا "فَأَيُّكُمْ لَبِئْسَ مَا تَعْبُدُونَ" (ہود) جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، اُس کو لے آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا فیصلہ طلب کیا گیا۔ -

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ (الشعراء) اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔

وَاسْتَفْتَحُوا كِي ضَمِيرِ ابْنِ آدَمَ كِي طَرَفِ لُبَانَا بِي دَرَسْتِ هِي - اَكْثَرُ اَبْنَاءِ كِي وَاقِعَاتِ مِي مَلَا هِي كَرَانِ كِي پُورِي سَمِي كِي بَاوُجُودِ جَبِ قَوْمِ رَاهِ رَاسْتِ پَرِنْدِ آئِي تُو اَنُورِ نِي نِي اللّٰهُ تَعَالَى سِي اَخْرِي فَيْصَلَهٗ طَلَبِ كِيَا - چَانِجِي نُوْحِ عَلِيهِ السَّلَامِ نِي تَنَگَا اَكْمَرِ رَبِّ الْعَزْتِ سِي دُعَاكِي فَاَفْتَحَ بَيْتِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا پُرُورِ دُكَارِ مِيرِي اُورِ اِنِ كِي دَرْمِيَانِ اَبِ فَيْصَلَهٗ كَرِي مِي وَجَنَّتِي وَكَتَبَ مَعِي مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء) اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات دے دے۔ لوط علیہ السلام نے بھی یہی عرض کیا تھا۔ کہ مولا کریم! میں ان ظالموں سے تنگ آچکا ہوں۔ اب تو اپنا فیصلہ دے دے۔ رَبِّتِ جَنَّتِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْْمَلُونَ مجھے اور میرے لواحقین کو ان کے گندے کاموں سے نجات دے یہ بھی فیصلے کی درخواست تھی۔ شعیب علیہ السلام نے بھی ان الفاظ کے ساتھ فیصلہ طلب کیا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْتَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (الاعراف) پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں اس طرح دعا کی۔ اے پروردگار! تو نے فرعون اور اُس کے حواریوں کو مال و دولت دیا ہے

یہ تو نعمت ہے۔ کیا یہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے عطا کیا ہے۔ "رَبَّنَا  
 اَطْمَسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ پُرُوْگَا  
 ان کے مالوں کو مٹائے اور ان کے دلوں کو سخت کرے اور پھر یہ عذاب  
 الیم کا شکار بن جائیں۔ بہر حال فیصلہ طلب کرنے والے انبیاء بھی ہو سکتے  
 ہیں اور ان کے مخالفین بھی۔ حضرت مولانا شیخ السنہ نے اس درختِ است  
 کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے کو ترجیح دی ہے۔

منکرین  
 کے لیے  
 سزا

فرمایا، انہوں نے فیصلہ طلب کیا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ  
 اور ہر ضدی آدمی ذلیل و خوار ہوا۔ عناد رکھنے والے ظالم لوگوں کو کبھی بہت  
 نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تو سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ فرمایا هٰتِ  
 وَذٰلِیْہِ جَهَنَّمَ اِسْمُ اس کے آگے جہنم ہے۔ بخادی لوگ جب  
 لگے جہان میں پہنچیں گے تو جہنم ان کے آگے پیش کر دی جائے گی۔  
 وءاء کا لفظ طرف ہے، اور یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں استعمال  
 ہوتا ہے، تاہم یہاں پر آگے کا معنی زیادہ موزوں ہے۔ اس معنی کی مثالیں  
 دو سکر مقامات پر بھی موجود ہیں جیسے هٰتِ وَذٰلِیْہِمْ بَرَزَخٌ  
 اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المومنون) جب مرتے ہیں تو ان کے  
 آگے بَرَزَخٌ ہوتا ہے۔ هٰتِ وَذٰلِیْہِ الْمَدْرَءِ مَا یَعْلَمُ اَدْمٰی  
 کے آگے وہی چیز ہوتی ہے جس کو وہ جانتا ہے۔ فرمایا انسان کی زندگی

دائمی نہیں ہے اور اس کے آگے جہنم ہے، اس میں وَیَسْتَقْبَلُ  
 مِنْ مَّاءٍ صَدِیْدٍ پلایا جائے گا وہ شخص پپ بلا ہوا پانی بوزخوں  
 کو زر و زرنگ کا بدبو دار پانی پینے کے لیے دیا جائے گا جو جہنمیوں کے  
 زخموں سے نکالے گا۔ جب پیاس کی شدت محسوس ہوگی یَسْتَجِرُّوْا  
 تو اس پانی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا وَلَا یَکَادُ لَیْسَبِقُنَّ  
 اور قریب نہیں کہ اس کو حلق سے نیچے اتار سکے۔ سیاحت کا معنی انحراف ہے

کے ساتھ نکلنا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخی آدمی اس پیپ لے پانی کو آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا۔ یہ پانی اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کے قریب آکر اُسے جلا ڈالے گا۔ سورۃ مجہد میں موجود ہے کہ پانی اتنا گرم ہوگا جس سے "فَقَطَّحَ اَمْعَاءَهُمْ اَنْ كِي اَنْتِيں كُطَّ كَرْتِيچے گرم پیپ لگی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آجائیں گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اس طرح جہنمی اُس پانی کو آسانی سے نہیں پی سکے گا۔ یہ اُس کو دی جانے والی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسے شخص کے متعلق اللہ نے مزید فرمایا وَيَا تَبَّ اَلْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اس کو ہر طرف سے موت آئے گی۔ موت سے مراد ایسا موت ہے، یعنی ایسی کٹری سزائیں ملیں گی کہ ہر سزا موت کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ مگر وہ شخص مر بگا نہیں۔ وہاں تو امر ربی ہوگا۔ "كُلَّمَا نَضَعَتْ جُلُودَهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا" النساء جب جنم کی کھال آگ کی پیش سے جل جائے گی تو اس کی جگہ فوراً دوسری کھال پہنا دی جائے گی۔ "وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ" اور اس شخص کو موت نہیں آتی بلکہ وہ ہمیشہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہی رہے گا۔ "وَمِنْ قَوْلِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ" اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو اللہ کے نبیوں کو دیکھیاں دیتے تھے کہ تم ہمارے دین کو قبول کر لو، ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا یہ انجام ہونے والا ہے۔

ابراہیمؑ

آیت ۲۰، ۱۸

وما ابرئٰی ۱۳

درششم ۶

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ  
 اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ  
 مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ  
 الْبَعِيدُ ⑱ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ كَيْدَ الْبَاطِلِ أَلْفُ مِائَةٍ  
 جَدِيدٍ ⑲ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑳

ترجمہ :- مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا ہے اپنے  
 رب کے ساتھ، اُن کے اعمال مثل راکھ کے ہیں کہ سخت  
 ہوگئی ہے اس کے ساتھ ہوا شدید آندھی کے دن - نہیں  
 قادر ہوں گے وہ اس چیز میں سے کسی شے پر بھی جس کو  
 انہوں نے کھایا، اور یہ گھڑی ہے دور کی ⑱ (اے مخاطب)  
 کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے  
 آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم  
 کو لے جائے اور لائے وہ نئی مخلوق ⑲ اور نہیں  
 ہے یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دشوار ⑳

گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ کافر لوگ اللہ کے بندوں کو دھکی دیتے۔ ربط آیات  
 تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے  
 اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد

اس زمین میں تمہیں آباد کریں گے۔ فرمایا یہ سعادت اس شخص کو حاصل ہوگی جو محاسبہ اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے اور اس کی عیب سے خوف کھاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام یا ان کی قوموں نے اللہ سے فیصلہ طلب کیا جس کے نتیجے میں ہر منکر اور ضدی آدمی ہلاک ہوا۔ ایسے لوگوں کو جہنم میں پریپ ملا پانی پینے کو ملیگا۔ جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر اس کا نکلنا مشکل ہوگا جہنمی لوگوں کو اسباب موت ہر طرف سے گھیریں گے مگر انہیں موت نہیں آئے گی۔ بلکہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

کفار کے  
اعمال  
کی مثال

انبیاء علیہم السلام کو تسلی دینے اور کفار کا انجام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بَيْنَ يَدَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں کے اعمال کی مثال كِرْمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ رَاكِعًا ہے جو ہوا کے ساتھ سخت ہوگئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے اعمال راکھ کے ڈھیر کے مانند ہیں کہ جب تیز ہوا چلے تو سارا ڈھیر اڑ جائے اور ان کے پاس کچھ نہ ہے۔ کفر سے مراد اللہ کی ذات، صفات، اس کی وحدانیت، نبوت و رسالت، قیامت، ملائکہ اور تقدیر کا انکار ہے۔ اعمال سے مراد اگر کفر یہ اور شرکیہ اعمال ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک ان کی کیا وقعت ہے۔ وہ غننے بھی اعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے وبال جان بن جائیں گے۔ البتہ کافروں کے بعض نیک اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض کافر لوگ بھی صدقہ خیرات کرتے ہیں، انسانی مہمردی کے جملہ امور انجام دیتے ہیں، سکول اور ہسپتال بناتے ہیں، تو کیا ان کے یہ اعمال بھی اکارت جائیں گے؟ فرمایا يَوْمَ نَحْصِفُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ



کے دن یعنی جب قیامت کی آندھی اُچیگی تو یہ سب اعمال رکھ کی مانند اڑ جائیں گے۔ لَا يَفْعَلُ دَرُونًا مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ اس دن اپنی کمائی کی کسی چیز پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور ان کے رفاہ عامہ کے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایمان  
شرط قبولیت  
ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کی قبولیت ایمان پر موقوف ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو بڑے سے بڑا عمل بھی کام نہیں آئے گا قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ پسندیدہ لوگ وہ ہیں إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام دیے جب تک ایمان نہیں ہوگا، اعمال کی کچھ قدر نہیں ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ سَاءَ مَا يَكْسِبُ فلا کفران لسعیہ جس شخص نے نیک اعمال انجام دیے بشرطیکہ وہ مومن ہے تو اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبولیت اعمال کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اگر انسان کا ایمان درست نہیں، فیکہ پاک نہیں، عقیدہ صحیح نہیں تو اچھے سے اچھا عمل بھی فائدہ نہیں دیکھا۔ جس طرح نماز کے لیے طہارت شرط ہے اسی طرح اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ اپنے زعم میں جو بھی اچھے کام کرتے ہیں، ان کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی سے دیا جاتا ہے۔ اور پھر آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہی ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مال و دولت حاصل ہو جاتا ہے، اقتدار مل جاتا ہے اولاد حاصل ہوتی ہے، مگر آخرت سے خالی ہوتے ہیں۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، اعمال میں نفل نہیں ہوگا اور وہ قیامت کی آندھی میں رکھ کی طرح اڑ جائیں گے۔ بے وزن اور ہلکے اعمال کے متعلق

سورة القارعة میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ أَنْ كَاثَمَكَ نَادِيٌّ مِنْ دُونِهَا“

آج کی دنیا میں بھی ایمان سے خالی کافر، مشرک، یہودی، عیسائی، کیمونسٹ، دہریے، ہنود اور سکھ ہیں جو رفاہ عامہ کے بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ اور روس نے یونیورسٹیاں اور ہسپتال قائم کر رکھے ہیں، دنیا میں جہاں کہیں تباہی آتی ہے، فحش واقع ہوتا ہے، سیلاب اور زلزلہ آتا ہے، نو فریڈ کو پہنچتے ہیں اور انہیں ان کاموں پر بڑا فخر ہے۔ پہلے زمانے میں بھی بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں جنہوں نے بڑے بڑے کام کیے۔ ٹیکسلا کے مقام پر گنڈھارا تہذیب آج سے تین ہزار سال پہلے بڑے عروج پر تھی، ان کی عمارت، برتن صنعت و صرفت آج بھی لوگوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے موجودہ دار اور پھر یہ میں ملنے والی چھ ہزار سالہ پرائی تہذیب کے عجیب و غریب نشانات ملتے ہیں۔ پرائی قوموں میں قوم عاد اور ثمود کے پہاڑوں کو تہہ اٹھ کر بنائے گئے مکانات آج بھی دنیا کی توجیہ کامر کندہ بنے ہوئے ہیں۔ بہا کی پرائی عمارتیں، چین اور جاپان کے بڑے بڑے معبد، مصر لوہی کے اہرام وغیرہ ان قوموں کی عظمت کے نشان ہیں۔ آج کے زمانے میں بھی لوگ بڑی بڑی عمارتوں، کھیل کے میدانوں، ناچ گھروں اور آرٹ گیلریوں پر فخر کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی عدم موجودگی میں ان کے تمام کام رکھ کے ڈھیر کی طرح اڑ جائیں گے اور وہ لوگ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ سو کا قائم کردہ ہسپتال، دیال سکھ کالج اور لائبریری، گلاب دلوی اور گنگا رام کا ہسپتال، ان کے ہزاروں اوقات اور رفاہ عامہ کے کام قیامت والے دن بے سود ثابت ہوں گے آج دنیا میں ان کا نام لیا جا رہا ہے، ان کو شہرت حاصل ہے مگر

یہ اسی دُنیا تک محدود ہے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ایمان سے خالی گئے۔

دور کی  
گمراہی

فرمایا ذَلِك هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ یہ سب کچھ دور کی  
گمراہی ہے۔ کافر لوگ باطل زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ انسانی بہرہ رسی  
کے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ بہک کر دور جا پڑے  
ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کتنا بھی مہذب، شائستہ اور ترقی یافتہ سمجھیں حقیقت  
میں وہ جنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ صدر ہو یا وزیر، تاجر ہو یا صانع، مہذب  
ہو یا فلاسفر، اگر ایمان سے خالی ہے تو کچھ بھی نہیں، چونکہ انہیں ایمان  
کی قدر و قیمت نہیں، اس لیے وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

خلیق  
کی تبدیلی

فرمایا، اے مخاطب! اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ بجا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور  
زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق  
ان چیزوں کو ایسا ہی پیدا کیا ہے جیسا ان کو ہونا چاہیے تھا۔ تو جس طرح  
ان چیزوں کا آغاز ہوا ہے، اسی طرح ان کا انجام بھی ہوگا اور پھر  
جراثیم کے عمل واقع ہوگی ورنہ حکمت ہی باطل ہو جائیگی۔ اللہ تعالیٰ  
نے انسانوں کو اپنے قانون کی پابندی پر مامور کیا ہے۔ ملکیت کی ترقی  
اور بہمیت کی کمزوری اس قانون پر عمل درآمد سے ہی ممکن ہوگی۔

نبیوں کی بات برحق ہے اور بہتر انجام کے لیے ایمان لازمی ہے۔  
فرمایا، جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے، اسی طرح وہ  
علیم کل اور قادر مطلق بھی ہے۔ اگر تم اس کے قانون کی خلاف ورزی  
کو رو گے، مقصد تخلیق کا حق ادا نہیں کرو گے، تو اللہ تعالیٰ کو  
تمہاری کچھ پروا نہیں اِنَّ كَيْدَ اِيْكُمْ اَلْوَدَّ اَنْ يَّخْتَلِفَ  
تو تمہیں لے جائے وَاَيُّتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ اور تمہاری جگہ کوئی دوسری

مخلوق لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ اقوام کی مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ کیسے کیسے متمدن سلطنتوں کے مالک، جیسم اور طاقتور تھے مگر نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ میں قوم عاد کا ذکر کر کے فرمایا "فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِّنْ مَّآقِبَةٍ كَيْفَٰنٍ" کیا ان میں سے فرد واحد بھی باقی بچا؟ سب نابود ہو گئے۔ اللہ نے ان کو چن چن کر ہلاک کیا۔ آج بھی اگر اللہ چاہے تو تمام کافروں، مشرکوں، ایبوروں و نصاریٰ اور یوں اور بے دینوں کو ہلاک کر دے، مگر یہ اس کی حکمت اور مصلحت ہے کہ وہ مہلت دیتا رہتا ہے "إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ" (الفجر) تیرا رب تو نگھات میں رہتا ہے۔ وہ حظیرۃ القدس سے نگرانی کر رہا ہے جب چاہے گا نافرمانوں کی رسی کھینچ لے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو تم کو اس دنیا سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق لے آئے فرمایا "وَمَا ذَلِكْ عَلَىٰ اللّٰهِ بِعَزِيزٍ" اور ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ دشوار نہیں۔ وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لیے عبرت ہے کہ اگر وہ دین پر قائم نہ ہے، تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔ جو وہی سابقہ اقوام پر آئی وہ ان پر بھی آسکتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر تم اس کے احکام پر عمل نہیں کرو گے تو اس کو حق حاصل ہے کہ "وَكَيْسَ تَبَدُّلٍ قَوْمًا عَنَٰبِكُمْ" (التوبة) تمہیں بلیا میٹ کر کے تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے۔ جو تم جیسے بد عمل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔ جو تمہاری طرح ناسخارہ معذ شراقتی، مادہ پرست، جاہ طلب اور خود غرض نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون انبیاء کی تسلی کے لیے نازل فرمایا ہے

اور ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے عبرت کا مقام بھی ہے۔ کہ اگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے، کفر، شرک، نفاق اور الحاد کا راستہ اختیار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ختم کر کے دوسروں کو ان کی جگہ پر لانے پر قادر ہے۔ کافروں کو زعم تھا کہ انہوں نے دنیا میں بڑے اچھے اچھے کام کیے، دنیا میں ان کی پوزیشن بھی اچھی خاصی تھی مگر ان کے سارے اعمال راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے۔ اگر کسی کو اس دنیا میں مہلت مل رہی ہے، تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ جب چاہے گاری کھینچ لے گا اور ایسا کہہنا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں۔

وما ابرئی ۱۳

ابراہیم ۱۴

در سن نغم ۷

آیت ۲۱

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ  
 اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ  
 مُعْتَبَرُونَ عَمَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ  
 قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا  
 أَجْرَعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۲۱

ترجمہ: اور ظاہر ہوں گے یہ لوگ سب کے سب  
 اللہ کے سامنے۔ پس کہیں گے کمزور لوگ ان لوگوں سے  
 جنہوں نے تکبر کیا، بیشک ہم تھے تمہارے تابع، پس کیا  
 ہو تم بچانے والے ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ  
 وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ہدایت  
 کرتے۔ برابر ہے ہمارے اُوپر کہ ہم بے قراری کا اظہار  
 کریں یا ہم صبر کریں۔ نہیں ہے ہمارے لیے خلاصی کی  
 کوئی صورت ۲۱

رسالت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکرین کو حیدر رسالت کا انجام  
 بھی بیان فرمایا اور یہ بھی کہ جو کفر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جن کا عقیدہ پاک نہیں،  
 ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے اعمال رکھ  
 کے ڈھیر کی مانند ہوں گے جنہیں آندھی اڑالے جائے۔ فرمایا اعمال کا دار و مدار ایمان  
 پر ہے۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، عقیدہ خالص نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ

ربط آیات

کی وحدانیت پر یقین نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اعمال بے سود ہونگے  
ایسے لوگوں نے کارخانہ قدرت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ اس بات کو نہیں پا  
سکے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برحق پیدا کیا ہے اور جزائے عمل واقع ہو کر  
سہے گی۔

خدا کے  
حضور پیشی

اب آج کی آیت کہ میرے میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی اس حالت  
کا ذکر کیا ہے جو قیامت کے دن پیش آئے گی اور جس میں انہیں ناریت  
اور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا  
اور ظاہر ہوں گے یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن  
خدا تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوگی۔ بَرَزُوا کا لغوی معنی ظاہر ہونا ہے اور  
اس کے مقابلہ میں کمون آتا ہے جس کا معنی اچھپ جانا ہے۔ بروز اور  
کمون فلسفے کی اصطلاح بھی ہے جب پانی ٹھنڈا ہوتا ہے تو اس کی  
برودت ظاہر اور حرارت مخفی ہوتی ہے اور جب اسے گرم کیا جائے  
تو برودت چھپ جاتی ہے اور حرارت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب  
یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر ہو جانا بروز کہلاتا ہے۔ اسی طریقے سے ہر  
انسان کے اندر بھی بروز اور کمون ہے۔ آج کی دنیا میں مادیت اور  
بہمیت ظاہر ہے اور نوع انسانی پر غالب ہے اس کے مقابلے میں  
ملکیت دینی ہوئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ جہان  
تبدیل ہو جائے گا تو پھر بہمیت غائب ہو کر ملکیت نمایاں ہو جائے گی  
اس وقت لوگوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں ملکیت  
کو طاقتور نہیں بنایا۔

مخفی کاموں  
کا ظہور

مفسرین کہیں اس مسئلہ کو مختلف طریقوں سے سمجھاتے ہیں۔ امام  
رازی فرماتے ہیں کہ کافر، نافرمان اور اصحاب معاصی لوگ سمجھتے ہیں کہ  
وہ اس دنیا میں جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ کبھی ظاہر نہیں ہوں گے۔

بلکہ ہمیشہ مخفی ہی رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ برائی کے اکثر کام چھپ کر ہی کیے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ساری مخلوق خدا کے سامنے پیش ہوگی تو ان غلط کاروں پر اُس وقت واضح ہوگا کہ آج پوشیدہ طور پر انجام دیے گئے کام چھپ نہیں سکیں گے۔ بلکہ سارے کے سارے ظاہر ہو جائیں گے۔ سورۃ الطارق میں آتا ہے: "يَوْمَ تُبْلَى السُّعُورُ" اس دن تمام راز آشکارہ ہو جائیں گے۔ یہی بروز ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ بروز دو قسم سے ہے۔ پہلا بروز اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔ یہ قیامت صغریٰ ہے **مَاتَ جَلَدًا فَتَدْقَامَتُ قِيَامَتُهُ** جو شخص مر گیا، اس کی قیامت تو واقع ہوگئی۔ اور اس موقع پر زندگی بھر کی تمام پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور مرنے والے کی زندگی کا پورا نقشہ اُس کے سامنے آجاتا ہے۔ بروز کا دوسرا موقع وہ ہوگا جب قیامت برپا ہو جائے گی، اور میدانِ محشر میں محاسبے کی منزل آئیگی۔ اُس وقت بھی تمام پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ اکثر حکما، یہی بیان کرتے ہیں کہ ملکیت اور محال والی باتیں آج چھپی ہوئی ہیں مگر میدانِ محشر میں سب نمایاں ہو جائیں گی۔ اور یہاں کی مادیت اور بہمیت والی باتیں وہاں چھپ جائیں گی۔ اُس دن سب کے سب لوگ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے اور منکرینِ خجالت اور شرمندگی میں غلطان ہوں گے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے میدانِ محشر کے حوالے سے وہاں پر جمع ہونے والے تابع اور متبوع کے درمیان ہونے والے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ آج دنیا میں تابع اور متبوع کی بے شمار مثالیں دیکھنے میں آرہی ہیں کوئی کسی لیڈر کا تابع ہے تو کوئی کسی سیاسی پارٹی کا کسی شخص نے کسی مولوی کو اپنا متبوع بنا رکھا ہے تو کوئی کسی پیر کا تابع ہے اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ

تابع اور  
متبوع



نے قرآن میں کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس دنیا میں کسی کے پیچھے بلا سوچے سمجھے اندھا دھند چلنے والے قیامت کے دن کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے، بلکہ اس دن انہیں اس فعل پر حسرت اور تدامت ہوگی۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ قیامت کے دن تابع اور متبوع کے تمام اسباب ٹوٹ جائیں گے، وہ عذاب کو ابھی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اس وقت تابع متبوعین سے کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم تم سے اسی طرح بیزار ہو جاتے جس طرح آج تم نے برات کا اظہار کر دیا۔ سورۃ احزاب میں ہے کہ تابع کہیں گے ”رَبَّنَا اِنَّا اطَعْنَا سَادَتَنَا وَكَرِهْنَا لَنَا“ ہمارے پیروں کا رہنا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا۔ اب ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر پٹری لعنت کر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج سب کو دگنا عذاب دیا جائیگا کیونکہ تمہارے بڑوں نے تمہیں بسکایا اور تم نے آگے دوسروں کو گمراہ کیا، اس لیے تمہارے لیے بھی ڈبل سزا ہے۔

غرضیکہ تابع اور متبوع آپس میں جھگڑیں گے۔ آنکھیں بند کر کے کسی کا اتباع کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔ زندگی بھر سوچا ہی نہ کہ یہ ہمیں کدھر لے جا رہا ہے۔ وہ تو اپنی چوہدری ہٹ، خود غرضی اور مقصد پراری کے لیے لوگوں کو پیچھے پیچھے چلا رہے تھے مگر تابعین اپنے اعمال کو ضائع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل جیسا عظیم جوہر عطا کیا تھا، ہدایت کے جملہ اسباب تمہارے لیے تھے مگر انہوں نے ان سے کوئی کام نہ لیا اور اندھا دھند اتباع کرتے رہے جس کے نتیجے میں شرمندگی اٹھانا پڑی۔

یہی تابعین اور متبوعین کے متعلق فرمایا کہ جب وہ سب کے

سب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے فَقَالَ الضَّعْفُو  
 لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اَتُرْكَوْنَ اَلَّذِينَ كَفَرُوْا  
 اپنے بڑوں سے۔ اِنَّا كُنَّا كَوْ تَبَعًا ہم دنیا میں تمہارے  
 تابع تھے، تمہارے کہنے پر چلتے تھے، تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے  
 تھے۔ تم نے جو نسی رسم ادا کرنے کو کہا ہم کہتے ہے اور جو  
 افعال تم انجام دیتے تھے، وہ ہم بھی انجام دیتے ہے فَهَلْ  
 اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ  
 تو کیا آج تم ہم پر سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ ٹال سکتے ہو  
 یعنی آج ہمیں عذاب الہی سے تخفیف دلا سکتے ہو؟ قَالُوْا  
 وہ لوگ جواب دیں گے۔ كُوْهَدْنَا اللّٰهُ لَهْدِيْكُمْ  
 اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں بھی ہدایت کے  
 راستے پر ڈال دیتے۔ مگر ہم تو خود زندگی بھر گمراہ رہے، تمہیں سیدھا  
 راستہ کیسے دکھاتے؟

مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ متبوعین کا یہ کہنا کہ اگر اللہ ہمیں  
 ہدایت دیتا تو ہم تمہیں بھی اُس راستے پر ڈال دیتے، خدا پر الزام  
 دینے کے مترادف ہے۔ وہ سمجھیں گئے کہ ایسا کہنے سے بچ  
 جائیں گے کہ ہمیں تو اللہ نے ہدایت ہی نہیں دی، ہم کیا کر سکتے  
 تھے؟ فرمایا اس قسم کا عذر مشرکین بھی کریں گے اور کہیں گے لَوْ  
 شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرِكْنَا (الانعام) اگر اللہ چاہتا تو ہم  
 شرک نہ کرتے۔ سورۃ النحل میں مشرکین کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں  
 لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ اَلَمْ  
 اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ فرمایا  
 اس طرح کے جیلے ہانے سے کفار و مشرکین اپنی بے گناہی کا جواز

پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر رب العزت کی عدالت میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ لَوْ هَدَانَا اللَّهُ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہماری ضد اور عناد کی وجہ سے ہمیں ہدایت کی توفیق ہی نہ مل سچی۔ اگر ہم کو توفیق نصیب ہوتی تو ہم تمہاری رہنمائی بھی ہدایت کی طرف کرتے، ہم تو خود بھٹکے ہوئے تھے، تمہیں میرے راستے پر کیسے لے آتے۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، اور سارے ہی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

متبرعین یہ بھی کہیں گے سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَبْنَا أَمْ صَبَرْنَا بے قراری یا صبر برابر ہے ہمارے لیے، اب ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں ہم اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ کافر اور نافرمان لوگ آپس میں مشورہ کر کے کہیں گے کہ چلو بے صبری اور جہنم فرع کریں، چیخ و پکار کریں، شاید ہمارے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے۔ چنانچہ وہ لوگ پانچ سو سال تک گریہ و زاری کرتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ پھر مشورہ کریں گے اور کہیں گے کہ اچھا صبر کر کے دیکھتے ہیں۔ پھر وہ خاموش ہو جائیں گے اور مزید پانچ سو سال گزر جائیں گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ امام زہریؒ اور بعض دیگر بزرگان دین کا مفقولہ ہے کہ ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یہ جواب آئے گا کہ تم اسی میں ذلیل ہو کر رہو وَلَا تَكَلَّمُوا اور کوئی بات نہ کرو کہ تمہاری بات نہیں سنی جائے گی۔

غرضیکہ وہ کہیں گے کہ بے صبری کا اظہار کریں یا صبر کریں مَا لَنَا مِنْ مَّخِيصٍ ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ہمارا روزناپائینا اور گمراہ کرنا کسی کام نہیں آئے گا اور ہم عذاب سے کسی

صورت میں بھی رہائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اب ہمارا یہی انجام ہے  
 بائع اور متبوع کا یہ مکالمہ اللہ نے ذکر کیا ہے پہلے بائع اپنے  
 متبوعین سے مدد کے لیے کہیں گے مگر ان کی طرف سے جواب نہ  
 دیا جائے گا۔ پھر متبوعین عاجز آکر کہیں گے کہ جس بلا میں ہم گرفتار ہو  
 چکے ہیں، اس سے چھٹکارا کسی طور ممکن نہیں خواہ ہم چیخ و پکار کریں  
 یا صبر کا دامن تھامے رکھیں۔

---

البرہیم ۱۳

آیت ۲۲ تا ۲۳

وما ابرئىٰ ۱۳

درج ششم ۸

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ  
 اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ وَوَعَدْتُكُمْ  
 فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ  
 عَلَيْكُمْ مِنْ  
 سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتَكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي  
 فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصَوِّرِكُمْ  
 وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ  
 مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾  
 وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ  
 فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ :- اور کہے گا شیطان جب کہ فیصلہ کر دیا جائیگا  
 مناسط کا۔ بیشک اللہ نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ سچا  
 وعدہ، اور میں نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ، پس میں نے  
 اس کی خلاف ورزی کی۔ اور نہیں تھا میرے لیے تمہارے  
 اوپر کوئی غلبہ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے  
 میری بات قبول کر لی۔ پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور  
 ملامت کرو اپنی جانوں کو۔ میں نہیں فریادری کرنے والا



والی چیز کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بیان میں کسی قسم کا شک نہیں، یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ قیامت برپا ہونے کے بعد جب تمام انسانوں کا حساب کتاب ہو کر جبرائیل علیہ السلام واقع ہو جائے گی، انک لوگ جنت میں اور کفر اور شرک کرنے والے دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آئے گا۔ دنیا میں شیطان کی پیروی کرنے والے لوگ شیطان کو گلے سے بچھڑا کر ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تیرے بہکانے کی وجہ سے بڑے مقام میں پہنچے ہیں۔ اب ہمیں یہاں سے بچ نکلنے یا عذاب میں تخفیف کے لیے کوئی تدبیر بنا، تو اس وقت شیطان ان کو یہ جواب دے گا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آرہا ہے۔

بعض مفسرین لَتَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى كَأَنَّهُ آخِرَىٰ فیصلہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے ذریعے جنت اور دوزخ والوں کا باہل آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حساب کے نتیجے میں بعض لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور بعض دوزخ میں۔ بعض ایسے لوگ ٹھہریں گے جن کا عقیدہ صحیح اور ایمان سچا تھا۔ مگر انہوں نے اعمال میں کوتاہی کی تھی یا مخلوق کے حقوق تلف کیے تھے۔ ایسے لوگ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ پھر ان کی سفارش کا ذکر بھی صحیح احادیث میں ملتا ہے کہ انبار، شہداد اور صاحبین اور سرے بڑھ کر حضور علیہ السلام لوگوں کی سفارش کریں گے تو انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ بعض کو سزا بھگتنے کے بعد رہائی مل جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آدمی کا حال بھی بتلایا جو سرے آخری میں دوزخ سے نکلے گا۔ بڑے عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ بندرتج جنت کے دروازے میں داخل ہو سکے گا۔ حضور کا فرمان ہے کہ

اب دوزخ میں دسی لوگ رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک دیا ہے  
وہ قطعی طور پر بے اختیار لوگ ہوں گے اور انہیں وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا  
ہوگا۔ ایسے موقع پر ابھی جہنمی شیطان کہہ کہیں گے کہ تو نے ہمیں بہکایا  
تھا، اب تو ہی ہمیں یہاں سے خلاصی کی کوئی تدبیر بتا، تو اس وقت ان  
دوزخیوں کے سامنے یہ تقریر کہہ سے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے استاد امام شافعیؒ عظیم المرتبت، امام، محدث اور فقیہ تھے  
آپ نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی ہے اور اس لحاظ سے تابعین میں  
شمار ہوتے ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور کوفے  
میں قیام تھا۔ آپ کے علم و ورع کی بنا پر حکومت وقت نے آپ کو  
عمدہ قضا پر فائز کرنا چاہا مگر آپ اس ذمہ داری سے بچا چاہتے تھے  
کیونکہ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول یاد تھا کہ جس کو قاضی بنا لیا  
وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا آج توحج کی بڑی قدر منزلت اور یہ خوب علم ہے  
ہیں مگر پتہ تو اس وقت چلے گا، جب خدا کی عدالت میں فیصلے ہوں گے  
امام شافعیؒ کی طرح امام ابوحنیفہؒ کو بھی قضا کی پیش کش کی گئی مگر آپ نے  
قبول نہ کی کیونکہ آپ کو خطرہ تھا کہ وقت کے حکران کوئی غلط کام نہ کر و  
لیں۔ امام مالکؒ کو بھی اسی لیے سزا بھگتنا پڑی کہ وہ حکومت وقت کی  
غلط کارروائیوں پر تنقید کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کو بھی ایسے ہی حالات سے  
گزرنا پڑا۔ یہ سب لوگ دین کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے، ان میں  
تقویٰ اور پرہیزگاری تھی، جیسی تو کہڑوں آدمی ان حضرات کے متبعین  
ہیں سے ہیں۔ غرضیکہ امام شافعیؒ نے قضا سے بچنے کے لیے کئی جیلے  
کیے۔ ایک موقع پر ہاتھی لگیا تو بچے دیکھنے کے لیے اس کے گرد  
جمع ہو گئے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام صاحبؒ بھی بچول



میں شامل ہو گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی اعلیٰ مرتبے کے آدمی نہیں ہیں، لہذا یہ عہدہ قضا کے قابل نہیں۔ ایک دفعہ کبوتر اڑنے والے بچوں کا تماشہ دیکھنے چلے گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی لالہ بالی قسم کے آدمی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو جائیں اور قضا کے عہدے پر فائز نہ ہو سکیں، آپ اتنے محتاط تھے۔ یہ واقعات امام سرخسی نے اپنی کتاب سیر البکیر میں نقل کیے ہیں۔

الغرض! امام شعبی کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے دو شخصوں کو بہت مبغوض دیکھا جن میں سے ایک جنوں میں سے ہے اور دوسرا انسانوں میں سے۔ جنوں میں سے شیطان ہے کہ اللہ نے اُسے سجدے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور انسانوں میں سے فرعون ہے جس نے کہا تَحَا أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ (المنزلت) کہ میں تمہارا رب سے بڑا رب ہوں۔

شیطان کی تقریب

بہر حال جب اہل دوزخ شیطان کو چھبریں گے اور اس کو ملامت کریں گے کہ ہماری رہائی کی کوئی صورت پیدا کر تو اس وقت شیطان یہ جواب دیکھا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ بِيْكَ اللّٰهُنَّ تَمْرًا سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ کہ اگر ایمان لاؤ گے، سچی اختیار کرو گے تو تمہیں کے مقام تک پہنچاؤں گا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لاؤ، قیامت کو بروحق مانو تو میں تمہیں عزت کا مقام عطا کروں گا۔ اللہ نے تو تم سے بالکل سچا وعدہ کیا تھا۔ وَوَعَدْتُمْ كُمْ فَاخْلَفْتُمْ كُمْ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، پس میں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ یعنی میں نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ سورۃ نساء میں شیطان کا یہ قول موجود ہے وَلَا ضَلَّٰتْهُمْ وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا هٰدِيٍّ لَهُمْ وَلَا مُبِيِّنٍ لَهُمْ اور انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور انہیں ہدایت نہیں دے سکتا اور انہیں واضح نہیں کر سکتا۔

اِذْ اَنْ اَلْاَعْكَامُ فِيْ اَوْلَادِ اٰدَمَ كُوْضُرُوْا مَعْرَاهُ كَمُرُوْا كَا، اِن كُوْجْهَوْنِيْ  
 اَرْزُوْا فِيْ دِلَاوُلْ كَا اُوْر اِنْبِيْسُ جَالُوْرُوْا كَمُوْا كَانُ كَا طِنُوْا كَا حَكْمُ دُوْنِ كَا  
 اَكْلِيْ اَبِيْ فِيْ هُوْوَ وَيَمِيْطُوْهُمُ شَيْطَانُ اِنْبِيْسُ  
 جْهَوْنِيْ وَاَعْدُوْا اَرْزُوْا فِيْ دِلَاوُلْ اَبُوْ. وَمَا يَعْدُوْهُمُ  
 الشَّيْطَانُ اِلَّا اَعْرَافًا مَّكْرُ شَيْطَانُ كَمُوْا وَاَعْدُوْا تُوْنُوْرُوْا دُحُوْا كَا  
 سُوْرَةُ النِّعَمِ فِيْ هُوْوَ وَزَيْتُ كَمُوْا الشَّيْطَانُ مَا  
 كَالُوْا يَعْصَمُوْنَ شَيْطَانُ اِن كَمُوْا اَعْمَالُ كُوْمُرُوْا كَمُوْا  
 كَمُوْا دِكْهَاتُوْا. كَمُوْا تَمَاشُوْا، لُوْو وَاَعْبُ اُوْر رُوْمِيْ رُوْمَاتُ كَمُوْا  
 نُوْشُ كُنْ بِنَا كَمُوْا مِشِيْ كَمُوْا اُوْر اَخْرُ كَارُ لُوْو كُوْا كَمُوْا كَمُوْا دِيْتُوْا.   
 بُوْر حَالُ شَيْطَانُ اِن دُوْرُوْا وَاَلُوْا سَمُوْا كَمُوْا كَمُوْا مِيْنُ  
 تَمُوْا سَمُوْا جْهَوْنِيْ وَاَعْدُوْا كَمُوْا، اِس كُوْا اِيْفَانُوْا كَمُوْا اُوْر حَقِيْقَتُوْا مِيْنُ  
 وَمَا كَانُ لِيْ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اُوْر مِيْرٍ  
 تَمُوْا كَمُوْا غَلْبُوْا تُوْمِيْسُ تَمُوْا. مِيْنُ نَمُوْا سَمُوْا كَمُوْا جِيْرُوْا رُوْمِيْ تُوْمِيْسُ  
 مَنُوْا مَعْقِيْ. بَاتُ صُوْرَةُ اَتِيْ حَقِيْ كَمُوْا اَلَا اَنْ دَعُوْا كَمُوْا كَمُوْا مِيْنُ  
 مَنُوْا دَعُوْا دِيْ، اَمُوْا نَمُوْا اُوْر دِيْجَانُوْا تُوْمُوْا قَاَسُ جِيْرُوْا لِيْ مِيْنُ  
 مِيْرِيْ دَعُوْا قَبُوْلُ كَمُوْا. مِيْنُ نَمُوْا جِيْرُوْا سَمُوْا اَسِيْ طَرَفُ جِيْلُ  
 كَمُوْا. تَمُوْا نَمُوْا كَمُوْا كَمُوْا وَاَعْدُوْا كَمُوْا خِيَالُ نَمُوْا. بَايِيْلُ كَمُوْا  
 كَمُوْا مَطَابِقُ شَيْطَانُ نَمُوْا كَمُوْا اَفُوْسُ كَا مَقَامُ مِيْرِيْ جْهَوْنِيْ وَاَعْدُوْا  
 پَرِيْمُ نَمُوْا كَمُوْا. اُوْر اِبْرَاهِيْمُ خِيْلُ اللّٰهُ اُوْر مَكُوْا اَلِيْمُ اللّٰهُ كِيْ زِبَانُ پَرِيْمُ  
 نَمُوْا. اَبُ صُوْرَةُ حَالُ مِيْرِيْ هُوْوَ فَلَآ تَكُوْمُوْا كَمُوْا كَمُوْا اَبُ جِيْلُ  
 مَلَامَتُ اَن كَمُوْا. اَسُ وَاَقْتَبُ تَمُوْا نَمُوْا اَعْقَلِيْ كَا ثُبُوْتُ دِيْمَا مِيْرِيْ  
 جْهَوْنِيْ وَاَعْدُوْا اَرْزُوْا فِيْ دِلَاوُلْ پَرِيْمُ كَمُوْا اُوْر اللّٰهُ كَمُوْا كَمُوْا  
 پَرِيْمُ رُوْلُ كِيْ زِبَانُ پَرِيْمُ نَمُوْا، لَمَّا تَمُوْا اِنْمَا كَمُوْا دَارُ مِيْرِيْ.

ملائکت  
کے قابل  
کون

شیطان کہے گا کہ مجھے ملامت نہ کرو وَلَوْ مَوَّأَ اَنْفُسَكُمْ بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو۔ تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ایک جھوٹے غلط کار اور بدترین دشمن کی بات پر یقین کر رہے ہو اور خدا تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے وعدوں پر تمہیں اعتماد نہیں۔ اب مجھے کیوں ملامت کرتے ہو۔ میں تو خود مبتلا نے عذاب ہوں۔ هَآ اَنَا بِمُصْحٰبِكُمْ اور تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْحٰجِیْ اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اگر میں تمہیں پکاروں کہ میرے عذاب میں تخفیف کا بندوبست کرو تو جس طرح تم آج میری مدد نہیں کر سکتے اسی طرح میں بھی بے بس ہوں۔

شیطان مزید کہے گا اِنَّ كَفَرْتُمْ بِمَا اَنْتُمْ كُفِّرُوْنَ میں قبیل میں تو انکار کرتا ہوں اس چیز کا کہ تم نے مجھے اس کے ساتھ شریک بنایا اس سے پہلے تم نے خدا کی بات کو نہ مانا اور مجھے اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کہ میری بات کے پیچھے لگ گئے۔ میرے ہی کہتے پر تم کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے تو تمہیں صرف دعوت دی تھی۔ مگر تم نے بلا سوچے مجھے اور بغیر عذر و فریہ کیے مجھے اللہ کا شریک بنا لیا۔ میں ان سب چیزوں کا انکار کرتا ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے اِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ شیطان نے صاف کہہ دیا کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اور اب اس کا بھگتان عذاب کی صورت میں کرنا ہو گا۔

اہل ایمان  
کی کامیابی

کفر اور شرک کے مقابلے میں ایمان اور اہل ایمان کی کامیابی کا ذکر بھی ہو رہا ہے کیونکہ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں شریک کی بات ہوتی ہے ساتھ ترغیب کا ذکر بھی کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ  
 اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے  
 نیک اعمال انجام دیے جنّت میں۔ نیک اعمال میں نماز، روزہ،  
 زکوٰۃ اور حج بنیادی عبادات شامل ہیں اور باقی تمام نیک امور انہی کے  
 تابع ہیں وہ باغاتِ پابستت ایسے ہوں گے جتنی حدیٰ حدیٰ  
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ باغات ہر  
 وقت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے۔ ان  
 میں نہ کوئی گندگی ہوگی اور نہ آلودگی۔ انسانی ذہن کے مطابق اللہ نے جنّت  
 کی روحانی، مادی اور جسمانی راحتوں کا ذکر کیا ہے جو وہاں میسر ہوں گی۔  
 اور پھر یہ ہے کہ یہ نعمتیں عارضی نہیں ہوں گی اور نہ اہل جنّت کو کچھ عرصہ کے  
 بعد وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ بلکہ جِلْدَانِ فِيهَا يَأْتُونَ  
 رِبْعَهُمْ اپنے پروردگار کے حکم سے جلتی وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے  
 لیے رہیں گے، وہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔  
 دنیا میں سختیِ ظہری سے بڑی نعمت میسر ہو مگر اُس کے چھین جانے کا  
 خطرہ ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے، وگرنہ موت تو انسان کے سر  
 پر ہر وقت کھڑی ہے جو تمام دنیاوی نعمتوں کو یکسر ختم کر دینے  
 والی ہے مگر جنّت کی نعمتیں ایسی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی کہ یہاں پر  
 تو نہریں خشک ہو جاتی ہیں۔ پھل موسم میں لگتے ہیں مگر جنّت کی نہریں بھی  
 سدا بہار اور اس کے پھل بھی سدا سال قائم رہیں گے۔ جو نہی ایک پھل توڑ  
 کر استعمال کیا جائے گا، اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

ان بہنتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سنے والے  
 لوگ ایک دوسرے کو سلام کے ساتھ ملیں گے حَيْثُ تَقَابَلُوا  
 سلام کا یہی مطلب ہے کہ ہر طرف سلامتی کا پتہ چاہوگا، اور فرشتے

سلامتی  
 کی دعائیں

بھی اہل جنت کو سلام کریں گے۔ اُدھر پروردگار کی طرف سے بھی پیغام سلام ہی آئے گا۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یس) اے میرے بندو! تم پر سلامتی ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سلام ایک دُعا ہے، اسی لیے ملاقات کے وقت سلام مسنون قرار دیا گیا ہے حضور کا فرمان ہے اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ عَلَي مَن عَرَفْتَهُ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْهُ اَپْسِ فِي سَلَامٍ كَوْعِيْلًا وَخَوَاهُ كَسِي كَوْجَانْتَهُ ہو یا نہیں جانتے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ سلام میں پہل کرنے والے کا اجر بھی زیادہ ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تمہیں دینی، دنیاوی، مادی، اور روحانی اعتبار سے سلامتی نصیب ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جنت میں سلام کا مطلب مبارک باد ہے۔ تمام جنتی ایک دوسرے کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کریں گے۔

وما آتٰہی ۱۳

در سنہم ۹

ابراہیم ۱۴

آیت ۲۲، ۲۶

الْمَ تَرَكَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً  
 كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي  
 السَّمَاءِ ۲۴ ﴿۲۴﴾ تَوَاتَىٰ أَكْطَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ  
 رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
 يَتَذَكَّرُونَ ۲۵ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ  
 كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ  
 الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۲۶ ﴿۲۶﴾

ترجمہ :- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسے اللہ نے  
 بیان کی ہے مثال پاک کلمے کی جیسا کہ ایک پاکیزہ درخت  
 ہوتا ہے۔ اس کی جڑ بہت مضبوط اور اس کی شاخیں فضائے  
 آسمانی میں ہوتی ہیں ﴿۲۴﴾ وہ لینا ہے اپنے پھل مہرقت  
 اپنے رب کے حکم سے، اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ  
 مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۵﴾  
 اور مثال گندے کلمے کی جیسا کہ ایک گندا درخت ہوتا ہے  
 جس کو اکھاڑ دیا گیا ہے زمین کے اوپر سے۔ نہیں اس  
 کے لیے ٹھہراؤ ﴿۲۶﴾

اس سے پہلے رسالت اور قیامت کے متعلق ذکر تھا اور اب توحید  
 کا بیان آ رہا ہے۔ آج کی آیات کریمہ میں اللہ کی وحدانیت کی بنیاد ذکر کی جا رہی

بطایات

ہے جب کہ اس کے دلائل اگلی آیات میں آ رہے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ دروس میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں میں دین کے بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ جن میں توحید، رسالت، قیامت اور جبرائے عمل کے تحت اُرد شامل ہیں۔ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے معترضین کا رد اچھے طریقے سے کیا ہے۔

کلمہ طیبہ  
کی مثال

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ بعض اوقات مثال کے ذریعے کسی چیز کی کما حقہ وضاحت ہو کہ وہ چیز انسانی ذہن کے قریب تر آجاتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں بہت سے مسائل کو مثالوں کے ذریعے سمجھایا ہے۔ اس درس میں کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاک درخت سے اور کلمہ خبیثہ کی مثال گندے درخت کے ساتھ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلْحَرُّ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّمَا تَمُّرْنَ فِيهَا لَمْ يَكُن لَّهَا شَرْبٌ وَكَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّمَا تَمُّرْنَ فِيهَا لَمْ يَكُن لَّهَا شَرْبٌ اور یہ بیان کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس مقام پر بیان کرنے والا معنی اپنی موزوں ہے۔ اَلْحَرُّ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّمَا تَمُّرْنَ فِيهَا لَمْ يَكُن لَّهَا شَرْبٌ اور اس درخت کی طرف خصوصاً توجہ دلانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بھی یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ اے مخاطب! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے کَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ پاك كلمے کی مثال پاك درخت کی سی ہے۔ اور اُس درخت کی خصوصیات یہ ہیں اَصْلُهَا ثَابِتٌ اُس کی جڑ مضبوط ہے وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ اور اس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ایسا سرسبز و شاداب اور بار آور درخت ہے تَوَاتُرَ اَصْلُهَا كَلِّ حِينَ اِيَاذِنِ رَبِّهَا کہ اپنے

رب کے حکم سے ہر وقت پھل دینا رہتا ہے۔

اس مقام پر پاک کلمے سے مراد کلمہ توحید ہے جو کہ تمام شرائع الہیہ کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اس کی مثال ایک درخت کے ساتھ دی ہے۔ درخت بھی مختلف الانواع ہوتے ہیں، کوئی خوبصورت اور شیریں پھل والے جب کہ بعض دوسرے بصورت اور ذائقہ میں کمزورے۔ درخت اور دیگر نباتات کی اللہ نے اتنی قسمیں پیدا کی ہیں جو انسانی شمار سے باہر ہیں۔ علم نباتات (BOTANY) باطنی کے ماہرین نباتات کی دس لاکھ قسمیں بتاتے ہیں یہ سب انسان کی مصلحت کے لیے ہیں۔ بعض درخت چھوٹے قد کے اور بعض بہت لمبے ہوتے ہیں۔ بعض کے تنے باریک اور بعض کے بہت موٹے ہو جاتے ہیں۔ بعض درختوں کی چھانوں بہت کم ہوتی ہے اور بعض بڑے گھنے اور دور دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے پھل بھی مختلف ہوتے ہیں، بعض نہایت شیریں اور ذائقہ دار جبکہ بعض دوسرے کمزورے کیلے اور بدبودار۔ فلسفے والے بھی مخلوق کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات، بہر حال اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمے یعنی کلمہ توحید کو نباتات میں سے پاکیزہ درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ بعض اوقات کسی بات کو سمجھانے کے لیے سوالیہ انداز اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مجلس میں آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا اِنَّ مَبْنٰی شَجَرَةٍ كَرَجَلٍ مُّسْلِمٍ حَدِّثُوْنِیْ مَا هِيَ درختوں میں سے ایک درخت مسلم مرد کی مانند ہے، میرے صحابہ! بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اُس مجلس میں بڑے بڑے اکابر صحابہ موجود تھے جن میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے

بت اور  
علم



مگر کسی نے لب کثانی کی جرأت نہ کی۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور  
 علیہ السلام کے سوال کا جواب میرے ذہن میں آچکا تھا مگر اکابر صحابہ کی  
 موجودگی میں اپنی کم سنی کی بدولت میں نے جواب دینے کی ہمت نہ کی بالآخر  
 حضور علیہ السلام نے خود ہی جواب دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے جسے  
 مرد مسلم کے ساتھ مشابہت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں  
 نے بعد میں اپنے والد گرامی سے اس جواب کے متعلق ذکر کیا کہ یہ  
 میرے ذہن میں آچکا تھا مگر آپ کی موجودگی میں خاموش رہا۔ تو حضرت  
 عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم یہ جواب مجلس میں دیتے تو یہ میرے لیے  
 نہایت خوشی کا مقام ہوتا اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہوتا۔

درخت  
 پاکیزہ  
 کی خصوصیات

امام بغویؒ، امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جس  
 پاک کلمہ کی مثال اس مقام پر دی گئی ہے، وہ کلمہ توحید ہے۔ اور جس درخت  
 کے ساتھ مثال دی گئی ہے۔ وہ کھجور کا درخت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک  
 پاک درخت کی تین خصوصیات ہو سکتی ہیں یعنی اس کی جڑ مضبوط ہو، تنا  
 قائم ہو اور شاخیں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ تینوں خصوصیات کھجور کے درخت  
 میں پائی جاتی ہیں۔ کھجور کے درخت کی جڑ بہت مضبوط اور زمین کے  
 اندر دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ صحرائی علاقوں میں جہاں پانی  
 نایاب ہوتا ہے۔ کھجور کی جڑ دور دور سے مادہ حیات جذب کرتی  
 ہے۔ ظاہر ہے کہ درختوں کو غذا تو زمین سے جڑ کے ذریعے حاصل  
 ہوتی ہے جب کہ تازہ ہوا پتوں کے ذریعے ملتی ہے۔ چنانچہ درختوں  
 کی یہ خصوصیت ہے کہ رات کے وقت اپنا گند اینچار باہر نکالتے ہیں  
 جب کہ دن کے وقت گند ہی ہوا پتوں کے ذریعے اپنے اندر جذب  
 کرتے ہیں۔ اسی لیے دن کے وقت درختوں کی ٹھنڈی ہوا انسانی  
 صحت کے مفید اور رات کو درختوں کے نیچے سونا مضر ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ  
کی خصوصیات

جس طرح پاکیزہ درخت کی تین خصوصیات ہیں، اسی طرح پاکیزہ کلمہ بھی تین صفات کا حامل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کلمہ توحید **لا الہ الا اللہ** کے لیے تصدیق قلبی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تصدیق درخت کی جڑ کی مانند ہے۔ جس طرح جڑ کے بغیر درخت قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح تصدیق قلبی کے بغیر کلمے کا کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا اور منافق میں یہی فرق ہے کہ منافق زبانی اقرار کے باوجود دل سے تصدیق نہیں کرتا، لہذا وہ ایماندار نہیں ہوتا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ انسان زبان سے اس کا اقرار کرے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص زبان سے کلمہ توحید کا اقرار نہیں کرتا، اسے مسلمان نہیں سمجھا جاتا، نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور نہ اس پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں۔ تو گویا اجرائے احکام کے لیے اقرار باللسان ضروری ہے۔ جس طرح درخت کے لیے تنا ضروری ہے۔ اسی طرح زبانی اقرار کے بیانتہ کلمہ توحید کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔ زبانی اقرار کے ساتھ ہی کوئی شخص صاحب ایمان سمجھا جاتا ہے، اس سے رشتے ناطے کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی کافر یا مشرک زبان سے **لا الہ الا اللہ** کہے، گویا رسول اللہ کا کلمہ ادا کرے تو اس کی عزت و آبرو، جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، اور اس سے لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ گویا زبانی اقرار درخت کے تنے کی مانند ہے۔ کلمہ توحید کے لیے تیسری صفت عمل بالارکان ہے، یعنی انسان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کے بعد کلمہ توحید کے احکام پر عمل بھی کرے، ہر ایماندار پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اعضا و جوارح کے ذریعے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور اسی طرح جاری ہوئی ہے تمام احکام پر کما حقہ عمل کرنے کی مثال درخت کی شاخوں کی مانند ہے جو فضا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کا عمل بھی خود درخت

تک ہر شجرہ زندگی میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ پاکیزہ درخت اور کلمہ طیبہ کی مثال کا ذکر ہو گیا۔

۵۴۱

مرد مسلمان  
اور کھجور کا  
درخت

مفسرین فرماتے ہیں کہ کھجور کے درخت کو ایک مرد مسلمان سے اس لحاظ سے بھی مشابہت ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت سدا بہار ہوتا ہے، نہ اس کے پتے گرتے ہیں اور نہ شاخیں خشک ہوتی ہیں، اسی طرح مرد مومن بھی ہمیشہ ایمان اور نیکی کے ساتھ متلبس ہوتا ہے۔ اس کے دل میں نور ایمان اور نور توحید ہوتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار ہوتا ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح ہمیشہ اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہتے ہیں اور ایسا شخص ہر آن بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتا ہے۔

اس درخت کے ساتھ مرد مومن کی مشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح انسان کا سر کٹ جانے سے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح اگر کھجور کے درخت کا اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ بھی خشک ہو جاتا ہے، اس کی چوٹی دوبارہ پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی مقولہ ہے کہ اگر آدمی کے سر کے اوپر سے پانی گزر جائے تو جس طرح وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح سیلاب میں اگر کھجور کے درخت کا سر ڈوب جائے تو وہ بھی مر جاتا ہے۔ غرضیکہ کھجور کے درخت اور مرد مسلمان میں یہ بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔

سدا بہار اور  
کھجور

کھجور کے درخت کے بار آور ہونے کے متعلق محلّٰ حین کے الفاظ آئے ہیں حین کا اطلاق مطلق وقت پر ہوتا ہے۔ مگر امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ یہاں پر حین سے مراد چھ ماہ ہیں کہ جن کے دوران کھجور میں تازہ پھل آجاتا ہے۔ کھجوریں دیر تک ذخیرہ کی جا سکتی ہیں اور دیگر پھلوں کی طرح یہ جلد ہی گل سڑ کر خراب نہیں ہوتیں ابھی سابقہ فصل کی کھجوریں کھجوروں اور منڈلیوں میں موجود ہوتی ہیں جب کہ تازہ پھل بھی اتنا

شروع جاتا ہے۔ اس لیے اسے سدا بار آور درخت بھی کہا جاتا ہے، مومن آدمی کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ وہ ہر وقت اعمال صالحہ انجام دیتا رہتا ہے جس سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ ایسا آدمی تینوں شرائط پوری کرتا ہے، اس کے ایمان کی جڑ مضبوط ہوتی ہے یعنی وہ دل سے تصدیق کرتا ہے، زبان سے اقرار کرتا ہے اور اعمال صالحہ بھی انجام دیتا رہتا ہے۔

شاہ ولی  
کی توجیہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مومن آدمی کا کلمہ توحید تمام شرائع الہیہ کی بنیاد ہے اور شرائع الہیہ کا منبع عالم ملکوت میں ہے اس کی شاخیں اور پھل اس جہان میں ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے برخلاف کفر و شرک کا کلمہ ناپاک ہے۔ عالم ملکوت میں اس کا کوئی استقرار نہیں ہوتا، اگرچہ دنیا میں کسی وقت محظوظ رہتا ہے، پھیلاؤ ہو جاتا، تو پاک کلمہ سے کلمہ توحید مراد ہے۔ اگر انسان زبان سے خدا کی تسبیح، تہنیز، تحمید اور تمجید بیان کرتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا ہے یا نصیحت کی کوئی بات کرتا ہے تو وہ سب کچھ کلمہ توحید کے ضمن میں آئے گا جس طرح درخت کی بنیاد اس کی جڑ ہوتی ہے اسی طرح تمام شرائع کی بنیاد عالم ملکوت میں قائم ہے جو مومن کے دل میں راسخ ہے، اور اس کا عمل دور دور تک پھیلا ہوتا ہے۔ درخت کی شاخوں کے پھیلاؤ کے لیے فی السماء استعمال کیا گیا ہے عربی زبان میں السماء آسمان کے علاوہ چھت اور ہر اس بلند چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو سر پر سایہ نکلے ہو۔ چوہمہ پاکیزہ اخلاق دور دور تک پھیل جاتے ہیں، اس لیے اس کا اطلاق السماء پر بھی کیا گیا ہے اس کی جڑ تصدیق قلبی، اس کا تنا زبانی اقرار اور اس کی شاخیں عمل بالا رکاز ہیں۔

فرمایا وَكَضْرِبِ اللّٰهِ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اللّٰهُ تَعَالٰی مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے کواہم یتَذَكَّرُونَ آ کہ وہ نصیحت حاصل کریں مثال بیان کرنے سے بعض اوقات بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے ، لہذا اللہ نے جگہ جگہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

کلمہ خبیثہ کی مثال

فرمایا وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اور گندے کلمے کی مثال گندے درخت کی ہے اَجْتَنَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ حے زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو۔ اس درخت کی جڑ بھی مضبوط نہیں اور یہ بدبودار اور کٹورا بھی ہے مفسرین کرام نے خبیث درخت سے مختلف درخت مراد لیے ہیں۔ تاہم زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس سے اندران یعنی تبنہ کا پودا مراد ہے۔ اس کی بیل زمین پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ جڑ بالکل کمزور جو ذرا سا کھینچنے سے اکھڑ جائے اور منکڑا کر پلے پارے میں گزر چکا ہے خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اللّٰهُ نے زمین کی ہر چیز تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہے ، چنانچہ بعض کڑوی ، کھلی اور زہریلی چیزیں بھی کارآمد بنائی جاسکتی ہیں۔ اقبال نے بھی تو کہا ہے ، میں وہ ہوں کہ نہ ہر سے بھی شہد اور تریاق بنا لیتا ہوں ، اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال عطا فرمایا ہے کہ وہ مضر چیزوں سے بھی مفید چیزیں بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ طیبہ لوگ نلے جسی کڑوی چیز سے اچار ، مرہ اور اسمال لانے والی دوائی تیار کر لیتے ہیں۔ تاہم بنیادی طور پر یہ پودا ناپختہ ، بدبودار اور اس کا پھل کٹورا ہے۔ کفر و شرک والا گندا کلمہ بھی اس پودے کی طرح بے بنیاد ، بدبودار اور بدذائقہ ہوتا ہے۔ فرمایا یہ خبیث پودا ایسا ہے مَا الْهَامُ ح فرار جس کو ثبات حاصل نہیں ہے حق کو ثبات حاصل ہوتا ہے اور اس کے نتائج تمام جہان والوں پر واضح

ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف کفر اور شرک وقتی طور پر دنیا میں پھیلا  
 ہوا نظر آتا ہے، اس کی تر میں بڑا شور و شر اور ہنگامہ ہوتا ہے۔ مگر یہ  
 ناپائیدار ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی۔ جب اگلا جہان  
 آئے گا تو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے  
 کلمہ توحید کی مثال پاک درخت سے دی ہے جب کہ کفر و شرک  
 کو بد بو دار اور بد ذائقہ درخت کے مشابہ قرار دیا ہے۔ دونوں کا فرق  
 واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں۔

---

وما آبرئ ۱۳

ابراہیم ۱۴

رس دہم ۱۰

آیت ۲۷

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأُخْرَةِ وَيُضِلُّ  
اللَّهُ الظَّالِمِينَ قَدْ وَفَعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو  
ایمان لائے مضبوط بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت  
میں، اور گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو، اور  
کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ﴿۲۷﴾

گذشتہ آیات میں رسالت، قیامت اور جزائے عمل کا ذکر تھا۔ اب توحید کا ذکر۔ ربط آیات  
مورط ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی  
کہ توحید کے پاک کلمے کی مثال پاکیزہ درخت کی ہے جسکی جڑ مضبوط، تنا ثابت اور شاخیں  
فضا میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ایسا درخت سدا بار آور ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمہ  
توحید کی جڑ عالم ملکوت میں ہے۔ اور اس کلمے کو دنیا میں اپنا کر لوگ اس سے فائدہ  
اٹھاتے ہیں۔ مومن کے دل میں اس کلمے کی تصدیق قلبی بہت گہری ہوتی ہے۔ زبان  
سے اس کا اقرار بھی بڑا سچا ہوتا ہے اور اعضا و جوارح کے ساتھ وہ ہمیشہ صداقت  
کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس کے اعمال و اخلاق ظاہر ہوتے سہتے ہیں۔

فرمایا برخلاف اس کے کلمہ کفر کی مثال گندے درخت کی ہے جس کا پھل  
بدبودار اور کڑوا ہو۔ مفسرین اس ضمن میں تنبیہ کا ذکر کرتے ہیں اس پودے کی جڑیں  
زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں بلکہ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں اور ذرا سی جنبش سے اکھڑ  
جاتی ہیں۔ ایسے کلمے کو عالم ملکوت میں کوئی استقرار نہیں ہوتا۔ امام شاہ ولی اللہ

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں اس کا بڑا اچھا لادو ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے ابھرتا ہے مگر جلد ہی ناپید ہو جاتا ہے۔

یہ مثال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومن آدمیوں کی

ثابت قدمی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ

آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللَّهُ تَعَالَى مَضْبُوطٌ رَكْعَتَا هُوَ أَنْ لَوْ كُنَّ

کو جو ایمان لائے مضبوط بات کے ساتھ فَالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

دنیا کی زندگی میں وَفِي الْأٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی مضبوط بات

سے مراد کلمہ توحید و رسالت ہے۔ چونکہ اہل ایمان کی اس کلمے کے ساتھ

تصدیق ہوتی ہے اور اس پر راسخ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے ایمان

اور توحید کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھتا ہے،

اور گمراہی کی ہر منزل سے بچاتا ہے۔ ایسے لوگ کفر، مشرک، بدعات

اور معاصی سے بچتے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا اعتقاد صحیح ہو۔ اگر دل

میں شک، تردد یا لفاق ہوگا۔ تو انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور

شرور اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر آخرت کا حال یہ ہے۔

يَهْدِكُمْ رَبُّكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهَا تَكْفُرُونَ اللہ تعالیٰ ایمان

کی بدولت ان کی راہنمائی فرمائے گا اور وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر آخرت سے مراد قبر کی منزل ہے

جس وقت کوئی انسان اس جہان کی مادی زندگی پوری کر لیتا ہے، تو

حشر سے پہلے برزخ کا جہان آتا ہے، یہ قبر کی زندگی ہے۔ وَمِنْ

وَرَأَتْهُمُ بَرْزَخِ الْاٰلِ كَيَوْمِ يُنْفَعُونَ (الموصنون)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے درمیان برزخ یعنی قبر کی

زندگی ہے۔ حشر میں تو دوسرے حالات پیش آئیں گے، یہ درمیانی

منزل سے غرضیکہ انسانی زندگی میں ایک نسل ہے۔ اس زندگی کے

ثابت قدمی  
کا وعدہ

قبر کی  
منزل



بعد برزخ اور برزخ کے بعد حشر کا سلسلہ ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس کلمہ توحید کی بدولت مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دینا ہے قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب قبرستان جلتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَا تَزُولُ مِنْهُ مَنَّا زِلَ الْاٰخِرَةَ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر آدمی اس امتحان سے بچ گیا تو آگے بھی بچنا چلا جائے گا اور اگر یہاں پھنس گیا تو اگلی منزل میں اور زیادہ مشکل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہ ہے کہ جب میں قبر کا حال سنتا ہوں یا طے دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار رونا آ جاتا ہے۔

قبر کا حال

صحیحین کی روایت میں ہے کہ جب قبر میں کسی مرد مومن سے سوال کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دے پاتا ہے اور اسے آرام و سکون حاصل ہوتا ہے قبر کا عذاب اور راحت دونوں برحق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا علم عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ فقہ اکبر ہے، جس میں صاف موجود ہے کہ کافروں اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لیے عذاب قبر برحق ہے۔ قبر میں رنج کا جسم کی طرف اعادہ بھی برحق ہے، اور منکر نکیر کا سوال بھی برحق ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مرنے والے کو اس کے ماتحتی دفن کر کے قبر سے پیچھے مٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آمہٹ بھی سنتا ہے اس وقت منکر اور نکیر نامی دو فرشتے قبر میں آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں۔ اگر مرنے والا مومن آدمی ہے تو فرشتوں کی ہیئت بہت اچھی ہوتی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ

مومن آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے عصر کے بعد سورج مغرب ہونے کے قریب ہو۔ چنانچہ جب فرشتے اُس سے سوال کرتے ہیں تو وہ شخص کہتا ہے: **دَعْوَتِ اَصْحٰبِ** مجھے وقت دو کہ میں نماز عصر ادا کر لوں۔ اسے کوئی دہشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُس کا دل مضبوط رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ زندگی کے دور انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو انفرادی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اُس کا بچپن کا دور بھی انفرادی ہوتا ہے۔ پھر چول چول پڑا ہوتا ہے تو اس کا میلان اجتماعیت کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی کا رکن بنتا ہے، کوئی عہدہ قبول کرتا، ذمہ داریاں سنبھالتا ہے اور اجتماعی کام انجام دیتا ہے۔ گویا عالم شباب میں انسان اجتماعیت میں آجاتا ہے۔ پھر جب انسان مرجاتا ہے تو ایک لحاظ سے برزخ میں پھر انفرادی زندگی ہی گزارتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے قبر میں جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ عقیدے کی درستگی ہے، دنیا میں اس کی فکر پاک ہو، ایمان صحیح ہو، توحید خالص ہو اور کفر، شرک اور نفاق سے بچا ہوا ہو۔

بہر حال جب ایماندار آدمی کو قبر میں دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو دو فرشتے قبر میں داخل ہوتے ہیں، اُس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: **مَنْ تَدْعُو** تیرا رب کون ہے؟ تو مومن آدمی جواب دیتا ہے: **رَبِّيَ اللهُ** میرا رب اللہ ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں: **مَا دِينُكَ** تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: **دِينِي الْاِسْلَامُ** میرا دین اسلام ہے۔ پھر تیسرا سوال ہوتا ہے: **مَنْ تَدْعُو** تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: **نَبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

کے  
جواب

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے مَا تَقُولُ فِي هَذِهِ الْجَبَلِ الَّذِي  
لُبَّتْ فِيهِ كُمُومٌ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جیسے تمہارے  
درمیان مبعوث کیا گیا۔ مومن آدمی جو اب دیتا ہے هُوَ سَوْلُ اللّٰهِ  
وہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لایا ہوں۔ اس پر فرشتے کہتے  
ہیں کہ تو کامیاب ہے۔ پھر آگے اور بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو احادیث  
میں مذکور ہیں۔ پھر اُس کے لیے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھولا  
جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان نہ لانا تو تیرا ٹھکانا یہ ہوتا۔ پھر  
اس دروازے کو بند کر کے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا  
ہے جسے خوشبو مرنے والا محسوس کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں، تیرا  
ٹھکانا یہ ہے یہاں تک کہ تجھے اس مقام سے اٹھایا جائے۔ یعنی  
قیامت تک تو یہیں رہیگا، اور اس کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔  
بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے اس شخص سے کہتے ہیں۔  
نَسُو كَسُوهُ الْعُرْوَسِ دِلْسِنِ كِي طَرَحِ سُو جَاوُ اور آرام سے رہو۔  
اس کے برخلاف جب کافر، منافق اور بد عقیدہ آدمی کو دفن کیا جاتا  
ہے تو اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں اَسْوَدَانِ سِيَاهِ رَنَاجِ كِي جَنِّ كِي  
آنکھیں خَضِي تَانِ نِيلُوكُوں ہوتی ہیں اور انہیں دیکھ کر دہشت طاری  
ہوتی ہے جب اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو  
وہ جواب دیتا ہے ہَاہ ہَاہ لَا اَدْرِي افسوس مجھے کچھ علم نہیں۔  
پھر فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے، تو وہ وہی جواب دیتا  
ہے ہَاہ ہَاہ لَا اَدْرِي مجھے کچھ علم نہیں۔ نبوت کے متعلق تیسرے  
سوال کا جواب بھی ہی دیتا ہے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہ جواب  
سُن کر فرشتے لوہے کا گنیز اس شخص کو مارتے ہیں جس کی آواز کو جہنم  
اور انسانوں کے سوا اور کوہر کی تمام مخلوق سنتی ہے۔ بعض نافرمانوں پر

ناتوں میں ساتھ مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اُس کو دُستے پہنتے ہیں وہ ساتھ  
 اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ساتھ اس دنیا میں  
 ایک چھوٹا سا مارے تو دنیا میں کوئی نیاتنا پیدا نہ ہو۔ بعض لوگوں پر کچھ  
 مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ان کو کاٹتے ہیں۔ ان پر یہ آزمائش بھی آتی  
 ہے کہ قبر کو حکم ہوتا ہے۔ سمٹ جا۔ پھر جب وہ سمٹتی ہے تو مردے کے  
 جسم کی پسلیاں ایک دوسری کے اندر دھنس جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ  
 کیفیت اہل ایمان پر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ حضور کے صحابی سعد ابن  
 معاذ غزوہ خندق میں زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ ان کی بڑی فضیلت آئی ہے  
 حدیث میں آتا ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شامل ہوئے  
 تھے۔ جب آپ کو دفن کیا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر دینے تک  
 تسبیح و تکبیر بیان کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس عبد صالح پر بھی ضغط  
 (قبر کی تنگی) آیا تھا۔ پھر اللہ نے اُس کو اٹھا دیا۔ یہ ابتلا تھی۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّكُمْ تَدْتَلُونَ فِ  
 قُبُورِكُمْ بِشَيْءٍ تَمَيِّسُ فِيهَا قُبُورِي فِي اَزْمَانِكُمْ فَمَا تَمَيَّسُ  
 اَتَى بَرِيٍّ هُوَ كَيْفَ تَمَيَّسُ اَللّٰهُ جَالٌ جَيْسٌ دَجَالٌ كَافِتْنَةٌ هِيَ  
 تَخْلِقُ اَرْمٍ سَلَّ كَيْفَ صَوْرَةُ اَنْفِلٍ تَمَّ اَتَا بَرِ اَفْتَنَةٌ نَهِيں ہر گاہ جبنا  
 دجال کا فتنہ ہوگا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے لَعُوذٌ بِ  
 اَللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ اَيْ عَذَابِ قَبْرِ لَمَّا كَانَتْ ذَاتِ  
 كَيْفٍ سَاخِرٌ بِنَاهٍ جَاهٍ۔ آپ نے یہ دعا بھی سکھائی ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ  
 مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ مَسِيحِ الدَّجَالِ وَمِنْ  
 فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ الْمَأْثَمِ وَالْمَعْدَمِ۔  
 غرضیکہ صحیح عقیدے والے لوگ اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اور  
 صحیح جواب دیتے ہیں۔ اور غلط عقیدے والے لوگ صحیح جواب نہ

بہ قنیر

دے کر ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے اگلی منزل مزید دشوار ہو جاتی ہے۔ بہر حال عذابِ قبر برحق ہے مگر اس کی کیفیت کو اس دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ آنکھ نہیں جو ان حالات کو دیکھ سکے کیونکہ یہ عالم محکوت سے متعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔ یہ چیزیں اس وقت سمجھ میں آئیں گی۔ جب خود وہاں انسان پہنچیں گے۔

انکھ بیروں اور بعض دوسرے محققین نے قبر کی کیفیت معلوم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر انہیں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پارہ ایک نہایت ہی حساس چیز ہے۔ مقررہ میٹر میں پارہ ہی ہوتا ہے جو ذرا کی حرارت پر اوپر کو چڑھنے لگتا ہے، بعض پرانے زمانے کے منکرین نے تازہ مردے کی آنکھوں میں پارہ ڈال کر دفن کیا اور پھر دوسرے یا تیسرے دن اکھاڑ کر دیکھا تو پارہ اسی طرح موجود تھا، اس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس سے انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں مردے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش نہیں آتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کسی کو کوئی مار نہیں پڑتی، وہاں کوئی سانپ کچھو وغیرہ مشاہدہ میں نہیں آئے۔ وہاں کسی کی پسیوں کو آپس میں گڈ مڈ نہیں دیکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ان آنکھوں سے وہاں کی دنیا کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ اس کا حال قبر میں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔

روح اور جسم کا تعلق

بعض گمراہ فرقے کہتے ہیں کہ قبر میں روح اور جسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، حالانکہ تمام محدثین، متکلمین اور مفسرین اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ قبر میں عذاب یا راحت روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے جب تک جسم سلامت رہتا ہے، روح کا تعلق اس سے قائم رہتا ہے اور تکلیف و آرام کا احساس دونوں کو ہوتا ہے جسم کے گل بستر جانے کے بعد ہی حضور علیہ السلام کا صحیح حدیث میں فرمان ہو چکا ہے کہ انسانی جسم کی

دمچی کی بڑی کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور پھر مرنے والے کو عذاب یا راحت کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ اور بعض دوسرے بزرگان کا قول ہے کہ روح کا تعلق انسان کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسم مادی روح ہوتی ہے یہ جسم سے لطیف اور روح سے کثیف ہوتا ہے۔ جسم مادی روح کی سواری ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر ایک شکل اور اندر جسم ہے جب موت واقع ہوتی ہے تو جسم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ جسم سے روح کبھی جدا نہیں ہوتی وہ ایک لحاظ سے مادی چیز بھی ہے کیونکہ جسم مادی عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور روح عالم بالا سے متعلق سمجھنے والی چیز ہے۔ تاہم فقہاء اور محدثین کہتے ہیں کہ جسم خواہ سارا فنا ہو جائے مگر اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اور انسان کو جزا یا سزا کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

عذاب قبر کا انکار کرنے والے محض اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں موجودہ زمانے کے نیچری بھی اسی قماش سے ہیں اور بن بھی چیزوں کا انکار کرتے ہیں مگر جیسا کہ عرض کیا اس جہاں کی کیفیت کو اس دنیا کی زندگی میں معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسئلہ پر علمائے کرام نے بڑا کلام کیا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور امام شاہ ولی اللہ نے اس پر بڑی بحث کی ہے۔

بہر حال ثابت قدمی سے مراد قبر میں ثابت قدمی ہے، اور قبر کا جہان برزخ میں داخل ہے۔ علیین اور قبر دونوں برزخ کا حصہ ہیں قبر میں روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک قبر میں جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا ہے۔ محقق امام ابن سہام نے تشریح

ہدایہ میں لکھا ہے کہ شفاعت اور عذابِ قبر کا منکر گمراہ ہے، اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ظالموں کی  
گمراہی

فرمایا پختہ رکعتا سے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سچتر بات یعنی کلمہ ایمان اور توحید کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت یعنی برزخ میں بھی اس کے بعد جب حشر کا موقع آئے گا تو فرمایا وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ لفظ خود تیلارا ہے کہ جو شخص ظلم پر مصر ہوتا ہے شرکیہ رسوم کو ترک نہیں کرتا، کسی کے سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا، ایسے لوگوں کو اللہ گمراہ ہی میں ہی مبتلا رکھتا ہے۔ راہِ راست اس شخص کو میسر آئے گا جو کفر، شرک، نفاق اور معاصی کو ترک کرے گا۔ ایسے شخص ہدایت کے طالب ہوتے ہیں وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَانَهُمْ (محمد) ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ سورۃ لقان میں ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک سب سے بڑا ظلم ہے تو اس قسم کے لوگوں کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ گمراہ ہی رہیں گے۔

فرمایا وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا ہر کام اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ حکیم ہے، اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی میں رکھے۔ اور پھر اس کے نتیجے میں جس کو چاہے راحت دے اور جس کو چاہے سزا میں مبتلا کر دے۔

وما آبرئ ۱۳

ابراہیمہ ۱۴

درس یازدہم ۱۱

آیت ۲۸ تا ۳۱

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كَفْرًا  
 وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ (۲۸) جَهَنَّمَ يَصَلُّونَهَا  
 وَيُبْسِئُونَ الْقَرَارَ ۖ (۲۹) وَجَعَلُوا لِلَّهِ انْدَادًا لِيُضِلُّوا  
 عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى  
 النَّارِ ۖ (۳۰) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا  
 الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً  
 مِّنْ قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ  
 وَلَا خِلَالَ ۖ (۳۱)

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف  
 جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر کے ساتھ ، اور  
 اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (۲۸) جنم میں ، جس میں داخل  
 ہوں گے وہ ، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (۲۹) اور پھر  
 انہوں نے اللہ کے لیے شریک تاکہ گمراہ کریں وہ اُس  
 کے راستے سے ۔ (لے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ فائدہ اٹھا لو  
 پس بیشک تمہارا لوٹنا روزخ کی طرف ہے (۳۰) رلے  
 پیغمبر) آپ کہہ دیجئے میرے بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ  
 قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس میں سے جو ہم نے اُن کو  
 رزق دیا ہے ، پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر پہلے اس



کے کہ آجائے ایسا دن کہ جس میں نہ سوداگری ہوگی اور نہ  
دوستی (۳۱)

رابطہ آیات

سب سے پہلے قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی  
پھر قیامت کا ذکر آیا۔ اس کے بعد رسالت کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا  
پھر اللہ نے ایمان اور کلمہ توحید کی مثال پاکیزہ درخت کے ساتھ بیان  
فرمائی اور کفر و شرک کے کلمے کو ناپاک اور بد ذائقہ درخت کے ساتھ تشبیہ  
دی۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کے ثابت قدم ہونے کی بات کی کہ اللہ  
تعالیٰ اسی پاک کلمے کے ساتھ اہل ایمان کو اس دنیا میں بھی ثابت قدم  
رکھتا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور پھر حشر میں بھی ثابت قدمی  
عطا فرمائے گا۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے کفر اور شرک کھسنے  
والوں کا شکوہ بیان کیا ہے اور ان کے شرک کی تردید کی ہے۔ ساتھ  
ساتھ ایمان والوں کو ترغیب بھی دی ہے کہ وہ ایمان کے تقاضوں  
کو پورا کرتے رہیں۔ ان میں دو اصولوں کا خاص طور پر ذکر ہے جن پر  
مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

نعمت  
کفران

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نَمُنَّ  
اللہ کفر اے مخاطب! کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا  
یعنی تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا، جنہوں نے اللہ کی نعمت  
کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا۔ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ  
کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر انہوں نے ناشکری اور ناقدر دانی کا شیوہ  
اختیار کیا۔ پھر اسی پر بس تمہیں کیا بلکہ وَأَحَلُّوا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبُورِ  
اپنی قوم اور برادری کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا۔ وہ خود توراہ راست  
سے ہٹ چکے تھے، اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بھی  
بنے اور انہیں بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے گئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے قریش مکہ مراد ہیں۔ جو قرآن پاک کے اولین مخاطبین ہیں۔ یہی لوگ قرآن پاک کی مخالفت اور کفر و شرک کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ پھر ان کے بعد سارے عرب تھے جو کفر و شرک کے پروگرام کو ہی غالب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی اس سے قریش مکہ ہی مراد لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں اگلی آیت میں آ رہا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ کئی نہیں شمار کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ ہر ایک کی تفصیل معلوم ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نعمت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور جس کی لوگوں نے قدر نہیں کی۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس نعمت سے اللہ کا عظیم المرتبت رسول مراد ہے۔ اس کا ذکر اگلی سورۃ میں آئے گا وہاں نعمت کے ساتھ رسول کی تصریح موجود ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے مگر قریش مکہ نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اللہ کی ایک اور بڑی نعمت یہ تھی کہ اُس نے قریش مکہ کو خانہ کعبہ اور حرم کا متولی بنایا۔ سورۃ قریش میں اس کی تصریح موجود ہے "لَا تِلْكَ قُرَيْشٌ" اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پورے عرب میں ان کی عزت و وقار کی وجہ سے مانوس کر دیا تھا۔ لوگ ان کی عزت و احترام کرتے تھے اچانچہ موسمِ گرم گرما یا سرما میں جب بھی قریش تجارتی سفر پر جاتے تھے تو لوگ ان سے مانوس تھے۔ اللہ نے انہیں یہ عزت بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کی بنا پر ہی عطا کی تھی۔ اسی لیے اللہ نے ان کو حکم دیا تھا "فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ

الغالب  
الہی

هَذَا الْبَيْتِ اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس کی وجہ سے اُس نے تمہیں عزت بخشی ہے۔ بہر حال یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت تھی مگر قریش نے اس کی بھی قدر نہ کی۔ انہوں نے کفر اور شرک کا راستہ اختیار کیا جو کہ حدیث کی نمک حرامی اور ناشکری تھی۔ امام جعفر صادقؑ کے قول سے ملتا ہے کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو ہر مومن اور کافر کو میسر ہیں مگر اہل ایمان کے حق میں اللہ کی دو عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک اللہ کا قرآن ہے اور دوسری علیہ السلام کا وجود مبارک ہے۔ قریش نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔

حضرت علیؑ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت سے مراد ایمان اور توحید لیا ہے مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی جہنم میں گئے اور دوسروں کو بھی وہیں اتارا۔ شیخ ابن عربیؒ صاحب فتوحات مکیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس نعمت سے مراد وہ صلاحیت بھی ہو سکتی ہے جو اللہ نے ہر فرد بشر کو عطا کی ہے۔ "فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" یہ اللہ کی فطرت سلیمہ ہے جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا بڑا انعام ہے۔ مگر دنیا میں آکر لوگ اس فطرت کو خراب کر لیتے ہیں اور اس نعمت کی ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ایسا انعام ہے جو ہر انسان کو بلا استثناء حاصل ہے اِنَّ الْاِمَانَةَ نَزَّلْنَا فِيْ جَدْرِ قُلُوْبِ الْبَشَرِ خدا تعالیٰ نے یہ صلاحیت ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے۔ اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرے تو ایمان پر قائم رہ سکتا ہے اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے اکثر لوگ اس صلاحیت کو خراب کر لیتے ہیں جس اور پھر کوئی یہودیت کی طرف چلا جاتا ہے، کوئی نصرانیت کی

طرف، کوئی کافر بن جاتا ہے اور کوئی مشرک، اس صلاحیت کو بگاڑنے کی وجہ سے انسان جہنم کا شکار بنتے ہیں۔ بہر حال یہ شکوہ ہے کہ دیکھو! اللہ نے انسانوں کو کیسی سی نعمتیں عطا کیں۔ انسان کا اپنا وجود بہت بڑی نعمت ہے اور اسکو تمام مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی ترقی کے تمام اسباب بھی میاں کیے مگر انہوں نے کچھ قدر نہ کی۔

فرمایا، اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا وَاحْكُوا قَوْلَهُمْ دَارَ النَّبَاِ اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھبر یعنی جہنم میں اتار دیا يَهْتَدُونَ يَصْطَلِحُونَ یہ جہنم ہی تو ہے جس میں داخل ہوں گے کفر و شرک کے نتیجے میں خود بھی جہنم رسید ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں ابو جہل اور ابولہب نے قوم کو کس طرح ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ بدائے مقام پر ان کے ساتھ گیا ہوا۔ بڑے بڑے ائمہ الکفر اپنی قوم سمیت جہنم رسید ہوئے۔ احد اور دوسرے مقامات پر جلتے کافر مرے، سب جہنم میں گئے۔ ان کے لیڈر اپنے وفار کے لیے مخالفت کرتے تھے مگر ان کے پیروکار جو بلا سوچے سمجھے ان کی اتباع کرتے رہے وہ بھی ان کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچے۔ موجودہ دور میں غیر ملکی مشنریاں بھی یہی کام انجام دے رہی ہیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا آغاخان سب مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے جانا چاہتے ہیں وَيَدْعُ الْفَكْرَاءُ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ وہاں پہنچ کر کسی کو چین حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہاں تو ہر آن دکھ ہی دکھ ہوں گے۔

فرمایا وَجَعَلُوا لِلَّهِ اَنْدَادًا اور پھر لے انہوں نے اللہ کے

قوم کی  
جہنم  
رسیدی

کی ذریعہ  
ہی ہے

یہ شریکِ مذہبِ مقابل کو کہتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا کوئی بدمقابل نہیں  
 نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ مگر انہوں نے انانوں  
 اور جنوں کو خدا کا شریک بنایا، کسی نے شجر و شجر کی پوجا شروع کر دی اور  
 کسی نے ستاروں اور سیاروں میں کمر شہ مان لیا یہ سب شرکیہ باتیں ہیں  
 اور اس کا مقصد یہ ہے لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ تاکہ لوگوں کو  
 اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے  
 "فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اٰنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اللہ کے مقابل  
 نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ نے اُن کی اس قباحت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا قُلْ اے  
 پیغمبر! آپ کہہ دیں تَمَتُّوْا مِنْ اٰطْرَالُوْا، چند دن تک اس زندگی میں فائدہ  
 اٹھا لو، قَاتِلِ مَنِ اسْتَكْبَرَ بِاَلْحٰقِ الْمَشْرِكِ كَيْنُمْ بِالْاٰخِرِ تَمَتُّوْا لَوْ تَطْنٰ  
 دوزخ ہی کی طرف ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ڈاکٹر مرصع  
 سے کہے کہ تو بد پرہیزی کر لے۔ تیری موت آنے ہی والی ہے۔ اللہ  
 نے فرمایا کہ تم دنیا میں عیش و آرام کر لو، کفر، شرک اور ناشکری کا ارتکاب  
 کر لو، تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو، اسی سورۃ کے دو سکر رکوع میں  
 گزر چکا ہے "وَلٰكِنْ كَفَرْتُمْ عَنْ اٰتِ عَذَابِيْ لَسَدِيْدٌ" اگر  
 تم نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر یہ ادا نہ کیا تو اس کا عذاب بھی بڑا  
 سخت ہے۔ یہ چند دن کی مہلت ہے اس سے فائدہ اٹھا لو، پھر  
 تمہیں عذابِ الہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اعمال  
 و تدبیر ہے کہ وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ سورۃ اعراف میں اَسْ كَافِرٰن  
 ہے۔ "وَأُمْلِيْ لَكُمْ حَرْطٌ اَلَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ" ایسے  
 لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہوں۔ میری گرفت بڑی مضبوط ہے۔ جب  
 چاہتا ہوں، اُن کو پکڑ لیتا ہوں۔ مہلت دینا خدا تعالیٰ کی مصلحت ہے



فی حفاظت لی اس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو برباد کیا، اس نے ساری چیزوں کو برباد کیا۔ نماز وہی مقبول بارگاہ ہوگی جو سمجھ کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے، وگرنہ اللہ کی وعید یہ بھی ہے "قَوْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ" (الماعون) ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جنہیں اس کی حقیقت کا ہی علم نہیں اور جو برباد کاری کی خاطر نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا نماز کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے کہ یہ کیا چیز ہے اور کیوں ضروری ہے۔

الفاقر  
فی سبیل اللہ

فرمایا میرے بندوں سے کہ دو کہ وہ نماز ادا کریں وَيَنْفَعُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر خرچ کریں اور ظاہری طور پر بھی۔ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ روزی ہماری عطا کردہ ہے، تم گھر سے نہیں لائے۔ ہم نے وسائل مہیا کیے اور پھر تمہیں ان اشیاء کا مجازی طور پر مالک بنایا کہ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو۔ ہم نے سارے مال کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ اس کا کچھ حصہ ہماری راہ میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ سے تو چالیسواں حصہ دو، عشرت سے تو دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرو۔ پھر صدقہ فطر ادا کرو، قربانی دو، خویش و اقارب کا حق ادا کرو، غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات پوری کرو۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا سارا مال طلب نہیں کرتا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا، تو اُسے حق چاہل تھا مگر تم نخل میں مبتلا ہو جاتے اور پھر تباہی بربادی آتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد مال کا کچھ حصہ نکلانے کا حکم دیا ہے، اُس کی راہ میں خرچ کرو گے تو فضیلت حاصل ہوگی۔ فرض سے سبکدوشی ہوگی اور اگر روک رکھو گے تو تمہارے لیے شر کا باعث ہوگا۔ فرض واجب اور سنت ادا نہیں کیا تو کپڑے

جاؤ گے اور اگر مستحب سے محروم ہے تو فضیلت سے محرومی ہوگی۔  
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کل مال کا چوتھا حصہ خرچ کرنے کا  
 حکم دیا تھا، جب کہ ہماری امت کے لیے چالیسوں، بیسواں اور دسواں  
 حصہ مقرر فرمایا۔ البتہ کانوں کی پیداوار میں سے پانچواں حصہ خرچ کرنا ضروری  
 ہے۔ اگر انسان سخیل کا مظاہرہ کر گیا تو اس کے لیے وبال جان ہوگا۔ نماز  
 تعلق باللہ کی درستگی کا ذریعہ ہے جب کہ الخاق فی سبیل اللہ محتق کے  
 ساتھ تعلق کی درستگی کا پیش خیمہ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے  
 ہیں کہ زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سخیل کا مادہ نکل جاتا ہے  
 اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات، فروغ  
 پاتے ہیں فرمایا میرے ایمان دار بندوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ  
 نماز قائم کریں اور ہمارے لیے ہوئے مال میں سے ہمارے راستے  
 میں خرچ کریں۔

محل اور  
 وقت  
 خرچ

الخاق فی سبیل اللہ کے مختلف محلات اور مختلف اوقات  
 ہیں۔ بعض اوقات ظاہری خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ جب کہ دوسروں  
 کو ترغیب دلا کر مقصود ہو۔ اور جب رضا الہی اور فضیلت مقصود  
 ہو تو پوشیدہ طور پر خرچ کرنا افضل ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے  
 "اِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ اِنْ تَبَدُّوا لَهَا فَخُوفُهَا وَتَوَلُّوْهَا الْفُقَرَاءُ  
 فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" اور اگر پوشیدہ طور پر محتاجوں کو دو گے تو  
 یہ مزید بہتر ہوگا۔ ریاکاری سے بچ جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کے ہاں مقبولیت  
 بھی زیادہ ہوگی۔

فرمایا ہمارے لیے ہوئے رزق سے خرچ کریں مَنْ قَسَبِ  
الْبَيْتِ يَوْمَ لَا يَبِيعُ فِيهِ قَبْلَ اس كَلِمَةٍ کہ وہ دن



آجائے جس میں کوئی سوداگری نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں انسان کاروبار کرتا ہے اور تجارت کرتا ہے تاکہ فائدہ اٹھا سکے۔ مگر قیامت کا دن ایک ایسا دن ہوگا جس میں اس قسم کی کوئی سودے بازی نہیں ہو سکے گی۔ اگر کوئی چاہے کہ وہاں جا کر اس دنیا کی فورت شدہ نمازیں خریدے، روزوں کی تجارت کرے یا کوئی دیگر نیکی خرید لے تو ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ جو کچھ کھانا اور خریدنا ہے، وہ اسی دنیا میں ممکن ہے۔ یہیں کی کھائی ہوئی نیکی وہاں کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اِس دِن سے پہلے خرچ کر لو جس دِن کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی۔

وَلَا خَلَلَ اُور نہ ہی اِس دِن کوئی دوستی کام آئے گی۔ اس دنیا میں بعض کام دوستی کی بناء پر بھی حل ہو جاتے ہیں۔ سفارش کام آجاتی ہے کہیں حقیقتہ کام نکالتا ہے، دوست دوست کی مدد کرتا ہے مگر قیامت کے دِن یہ بھی ناممکن ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کی خود جوابدہی بخیر ہوگی سورۃ الرمزہ میں ہے اَلَا خَلَّوْا يَوْمَ ذِ الْقَعْرِبِ لِيَعْصِبَ عَدُوًّا لِّلْمُتَّقِيْنَ اَجْرَ كَيْ دُوسْتِ وِہَا دِشْمَنِ بِن جَانِسِ كے البتہ وہ متقی لوگ جن کی دوستی تقویٰ اور ایمان پر قائم تھی، وہ وہاں بھی قائم رہیں اور ان کی کوشش اور سفارش بھی وہاں کام آئے گی، وہ ایک دوسرے کی نجات کے لیے پوری کوشش کریں گے اس کے علاوہ دنیا کی تمام دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ لہذا اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ وہ دو باتوں میں ایمان کے تقاضے ضرور پورے کریں ایک نماز قائم کریں اور دوسرا ہمارے عطا کردہ مال میں سے ہمارے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ چنانچہ جہاں پر اللہ نے جماعت المسلمین کا ذکر فرمایا ہے، وہاں ارشاد ہے قَانَ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا كُمْ فِي الدِّيْنِ (التوبة) اگر کافر،

مشرك، منافق، بے دین توبہ کر لیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ گویا نماز اور زکوٰۃ جماعتی نشانی ہے جو یہ کام کرتا ہے، وہ ہماری جماعت کا آدمی ہے اور جو نہیں کرتا وہ جماعت المسلمین کا نمبر نہیں ہے۔ یہی جماعتی خصوصیت اور یہی مسلمان کی پہچان ہے۔ ایک بدنی عبادت ہے اور دوسری مالی۔ اللہ نے ان دونوں کا بیاں بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔

وما آبرئىٰ ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس دو روزیم ۱۲

آیت ۳۲ تا ۳۴

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ  
 السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ  
 رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي  
 الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ ۳۲ ۝ وَسَخَّرَ  
 لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ  
 اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ ۳۳ ۝ وَأَتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ  
 وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ  
 لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ ۳۴ ۝

۵۵۷۲

ترجمہ اللہ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو  
 اور اتارا ہے آسمان کی طرف سے پانی۔ پس نکالا ہے اس  
 کے لیے پھلوں سے رزق تمہارے لیے۔ اور اُس نے مسخر  
 کیا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو تاکہ چلیں وہ دریا میں اُس  
 کے حکم سے۔ اور مسخر کیا ہے تمہارے لیے نہروں کو ۳۲  
 اور مسخر کیا ہے اُس نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو  
 جو مسلسل چلتے ہیں۔ اور اُس نے مسخر کیا ہے تمہارے لیے  
 رات اور دن کو ۳۳ اور دی ہیں اُس نے تمہیں تمام اُن  
 چیزوں میں سے جو تم نے اُس سے مانگی ہیں۔ اور اگر تم  
 شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو، تو اس کو پورے طریقے سے

نہا۔ نہیں کہہ سکتے۔ بیشک انسان بہت بے انصافی

کرنے والا اور ناشکر گزار ہے (۳۴)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات اور کفر و شرک کا رد فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں کلمہ توحید کی مثال پاکیزہ درخت کے ساتھ اور کلمہ کفر و شرک کی مثال ایک گندے درخت کے ساتھ بیان فرمائی فرمایا کہ دنیا آخرت میں ایمان والوں کی نابت قدیمی کلمہ توحید کے ساتھ منک ہوئی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ منکرین نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی جس کی وجہ سے خود بھی جہنم میں پہنچے اور دوسروں کو بھی ساتھ لے گئے۔ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ فرمایا، یہ لوگ چند دن تک فائدہ اٹھالیں، بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایمان کے تقاضے میں دو باتوں کو پورا کرتے رہیں۔ نماز ادا کرے اور انفاق فی سبیل اللہ بھی کرتے رہیں تاکہ اپنے لیے اس دن سے پہلے کوئی سامان پیدا کر لیں، جس دن نہ کوئی سوداگری ہوگی، اور نہ کوئی دوستی کام آئیگی۔ گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اشقیاء اور سعداء دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اشقیاء وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی نعمت کا انکار کرتے ہیں، اور سعداء وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔

اب اس درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ ان دلائل کو قرآن کے مختلف مقامات پر تکرار بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ باتیں لوگوں کے اذنان میں بیٹھ جائیں اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں جو شخص خدا تعالیٰ کو پہچان کر اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا، وہ سعدا میں شامل ہو کر فلاح پاجائے گا، ورنہ ناشکر گزاروں

خدا تعالیٰ  
کی پہچان

کے ٹوٹے میں شامل ہو کر جنیم کا شکار بنے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ سحران کے تصاری کی سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا **وَإِذَا عَدَاكَ اللَّهُ** اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے سے پہچان لیں تو پھر انہیں کہنا کہ اللہ نے دن میں پانچ نمازیں، ایک ماہ کے روزے اور اگر استطاعت ہو تو زکوٰۃ اور حج بھی فرض کیا ہے۔ دین اسلام میں خدا کی پہچان رب سے پہلا مرحلہ ہے جب تک صحیح پہچان نہیں ہوگی، انسان اپنے دل میں توحید کو جگہ نہیں دے سکے گا اور نہ ہی کوئی عبادت مقبول ہوگی۔ **« مَا قَدَّرُوا اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ »** انہوں نے خدا تعالیٰ کو کما حقہ پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچان صحیح ہو جاتی تو پھر نہ شرک میں مبتلا ہوتے اور نہ رسالت کا انکار کرتے۔

امام شاہ ولیؒ فرماتے ہیں کہ حجابات میں سے تیسرا حجاب ہو معرفت ہے۔ لوگوں کی اکثریت اسی حجاب میں مبتلا ہے، یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان نہیں ہوتی۔ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دے کر عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی صفات مخلوق میں مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ توحید کو وہی سمجھے گا۔ جسے اللہ کی صحیح پہچان ہوگی۔ جب توحید کو سمجھ لے گا تو فکر پاک ہو جائے گی اور اس کی عبادت بھی ٹھکانے لگے گی۔

اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کو اس کی ذات سے پہچانا چاہے، تو یہ ممکن نہیں، کیونکہ وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں، اللہ تعالیٰ دراء الورد ہے۔ اس کی صفات کو بھی انسان براہ راست نہیں پہچان سکتا۔ اس کی پہچان اس کی مخلوق پر مخور کرنے سے ہوتی ہے جب اللہ کی صفت سمجھ میں آجائے تو پھر انسان اللہ کی ذات کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔

آسمان  
زمین کی  
تخلیق

اپنی پہچان ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاللَّهُ تَعَالٰی کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین۔ تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے آسمان اور زمین نہیں نظر آتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔ آسمانی چیزوں سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اور زمین پر چلتے پھرتے اور اس سے ضرورتاً زندگی حاصل کرتے ہیں۔ ان کو پیدا کرنا خدا کا کام ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کو ابداع اور فاطر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جیسے فرمایا ”يَسْجُدُ لِلَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ يَا قَارِطُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ دونوں کا معنی ایک ہے کہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا فقط اللہ ہے۔ اللہ کی ان صفات میں ابداع یعنی ایجاد کرنا پہلے نمبر پر ہے اس نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی مادے، آلے اور نمونے کے پیدا فرمایا پھر دوسری صفت خلق ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور جنات کو آگ کے مارے سے پیدا کیا۔ آگے تیسرے نمبر پر صفت تدبیر ہے۔ ”يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ (الرحمن) عالم بالا سے لے کر عالم زمین تک تمام چیزوں کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اللہ کی یہ تینوں صفات آگے پیچھے آتی ہیں گو یا اللہ تعالیٰ نے اسی حصہ آیت میں اپنی صفت ابداع کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے اس کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کی یہ دلیل بھی دی ہے وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ مَآءً اس نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا سماء بلند کا اور فضا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سمندروں سے بخارات اٹھتی ہیں، ہوائیں انہیں فضا میں چلاتی ہیں اور بادلوں میں پانی کے قطرات

بارش اور  
اس کے  
فائدہ

بمخند ہو کہ زمین پر برسے لگتے ہیں۔ بارش کے پورے نظام میں محض  
 بخارات سے اٹھنے والی مومن ہوائوں ہی کا دخل نہیں بلکہ اس  
 میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہوتا ہے، تب جا کر بارش برتی ہے۔  
فرمایا، آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ  
السَّمَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ پھر اس پانی کے ذریعے پھل اگلے  
 جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی ہی کے ذریعے  
 زمین میں نشوونما پیدا کرتا ہے اور پھر راج اور پھل پیدا ہوتے ہیں اللہ  
 تعالیٰ ہر موسم کے لیے حسب ضرورت مختلف رنگ، ذائقے اور تاثیر  
 کے پھل پیدا کرتا ہے کسی پھل کی تاثیر سرد ہوتی ہے کسی کی گرم، کسی کی خشک  
 اور کسی کی مرطوب۔ انسانی غذا کے طور پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے  
 لوگ ہر موسم میں بے دریغ پھل استعمال کرتے ہیں مگر جیسا کہ آگے آ رہا ہے  
 اس مالکِ ارض و سما کا حکم یہ ادا نہیں کرتے۔

دیگر العا  
 الیہ

پانی کی اور بھی بہت سی حکمت بیان کی گئی ہے پھلی سورۃ میں گزر چکا  
 ہے کہ اللہ تعالیٰ پہاڑوں پر بارش برسا کر پانی کو زمینی نالوں کی صورت میں بہاتا  
 ہے، جس سے دُور دور تک آبپاشی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے  
 اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں کی غذائی ضرورت پوری کرتا ہے۔ اسی طرح  
 زمین بھی بڑی ضروری چیز ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسانوں اور حیوانوں کے  
 قدم کہاں ٹکیں، ان کی خوراک کا انتظام کہاں سے ہو، معدنیات کہاں  
 سے حاصل ہوں۔ اسی طرح آسمان کے بغیر چاند، ستارے اور  
 سورج کہاں چلیں۔ ان سے روشنی اور حرارت کیسے حاصل ہو۔  
 اللہ نے انسان کی بنیادی ضروریات کو فری رکھا ہے۔ ذی روح مخلوق  
 کو سب سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جسے اللہ نے بالکل مفت  
 عطا کیا ہے۔ اس کے بعد انسانی ضروریات میں پانی کو سب سے

زیادہ اہمیت حاصل ہے اور وہ بھی اللہ نے دافر مقدار میں پیدا فرمایا ہے اس کے ذرائع میں بارش، ندی نالے اور کنوئیں وغیرہ ہیں جہاں سے یہ آب سانی دستیاب ہے اس کے بعد خوراک لازمی چیز ہے جس کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عام نعمتیں ہیں جو اس نے انسان پر کی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ پروردگار! تیری ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کون ہی ہے، فرمایا، سانس لو۔ جب آپ نے سانس لیا تو اللہ نے فرمایا یہ میری ادنیٰ سے نعمت ہے جو ہر حیات ہے۔ ہر سانس کے ذریعے انسان کو خدا تعالیٰ کے دو انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ ہر سوچ میں گھٹنے میں انسان چوبیس ہزار سانس لیتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ صرف سانس کے ذریعے انسان کو کتنے انعامات حاصل ہوتے ہیں مگر اس کے مقابلے میں انسان کی طرف سے شکریہ کی ادائیگی صفر کے برابر ہے۔

تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفَلَکَ اور تمہارے لیے کشتیوں کو سخر کیا۔ بخیری لِطَبِّ الْبَحْرِ بِمَا مَرَّ تاکہ وہ اس کے حکم سے دریاؤں میں چلیں۔ پانی پر چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہازوں تک کا تیرنا اللہ تعالیٰ کے خاص قانون کے مطابق ہے۔ اگر قدرت کا یہ قانون موجود نہ ہوتا تو کوئی چیز پانی میں نہ تیر سکتی۔ آبی شاہرہوں کے ذریعے انسانوں کے علاوہ لاکھوں من وزنی اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے مال بردار جہاز ایک ایک ماہ تک ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک جو سفر ہتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد کے ایک شخص نے اپنے سمندری سفر کا حال بیان کیا۔ کہنے لگا ہم کچھتر ہزار ٹن لوہا بذریعہ بحری جہاز لے کر جا رہے تھے۔ خدا کی قدرت سمندر میں زبردست طوفان آیا جس میں جہاز



پھنس گیا اور اس کے رنج نکلنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ بعض انگریز ملازمین نے شراب پی کر کمند میں جھپلا تک لگا دی جب کہ میں نے ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے جان بچائی۔ جہاز ڈوب گیا، میں ہسپتال میں بیہوشی کی حالت میں پڑا رہا اور کئی روز بعد ہوش آیا۔ غرضیکہ پانی بڑی زبردست طاقت ہے مگر قانونِ خداوندی کے تحت اس پر جہاز اور کشتیاں تیرتی رہتی ہیں اور یہاں اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ڈوب بھی جاتی ہیں۔ فرمایا

وَسَخَّرْنَاكُمْ آلَا قَهْرًا وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا

اور یہاں کہ بھی مسخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ندی نالوں کو زمین کے اندر چلاتا ہے جن سے وہ لوگ بھی استفادہ ہوتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے دلائل توحید میں سے ہے۔

یہ سورج  
تقریر

آگے فرمایا وَسَخَّرْنَاكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ذَابِّينَ جو دستور کے مطابق چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو راستے مقرر کر دیے ہیں، ان پر بلا کم و کاست رواں دواں ہیں اور اس میں منہ کی سیکنڈ ٹیک کا فرق بھی نہیں آتا۔ تسخیر کا ایک معنی تو کسی چیز کا کسی کے قابو میں آنا ہوتا ہے جیسے جانور تو کہ غلام وغیرہ انسان کے قبضے میں ہوتے ہیں اور وہ ان سے حسبِ نفاذ کام لیتے ہیں۔ مگر تسخیر کا دوسرا معنی فائدہ اٹھانا بھی ہے۔ شمس و قمر کی تسخیر کا یہی معنی ہے۔ اللہ نے انہیں انسان کے فائدے کے لیے کام پر لگا دیا ہے۔ سورج انسانوں کو روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے۔ جب کہ چاند کے ذریعے وہ بھی روشنی اور پھولوں میں رس پیدا ہوتا ہے اسی طرح ستارے، بیارے اور ہوائیں بھی انسان کی خدمت پر مامور ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے دَائِلِينَ کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ حضرت عبد اللہ

ابن عباسؓ اور امام حسنؓ لبروی فرماتے ہیں کہ ان سیاروں کی دو حرکتیں ہیں۔ سورج کی پورے حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی ہے، اور پھر کبھی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے۔ شمس و قمر کسی مکان یا احاطہ میں جا کر چھپ نہیں جاتے بلکہ یہ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ ان کا طلوع و غروب باعتبار ایک افتح کے ہوتا ہے، لیکن ان کی حرکت بند نہیں ہوتی۔ ان مختلف منزلوں کی تبدیلی سے موسم بدلتے ہیں اور یہ بھی انسانی ضرورت میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سارا سال ایک ہی موسم سے تو ایک ہی قسم کے الماح یا پھل پیدا ہوں گے جس سے انسانی زندگی پر بڑے اثرات مرتب ہوں گے۔

فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور سحر کے تمہارے لیے رات اور دن۔ رات دن کی اولاد بی بھی انسانی صحت کے لیے نہایت ضروری ہے دن لوگوں کو کام کاج فراہم کرتا ہے جب کہ رات کو سکون حاصل ہوتا ہے اور پھر انسان تازہ دم ہو کر نئے دن دوبارہ کام میں لگ جاتا ہے۔ غرضیکہ اللہ نے رات اور دن کو بھی انسانی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نعمتوں کا ذکر کر کے اپنی پیمان کی دلیل قائم کی ہے۔

پھر اللہ نے بطور قانون فرمایا وَاللَّيْلُ مَسْكَنٌ مَا سَأَلْتُمُوهُ اور دیتا تم کو جو کچھ تم نے مانگا۔ انسان کی طلب کبھی زبانِ ثقال سے ہوتی ہے کہ انسان زبان سے بول کر کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے، اور کبھی یہ طلب زبانِ حال سے ہوتی ہے۔ یعنی انسان کی حالت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بغیر مانگے ہی عطا کر دیتا ہے۔ یہ عطا کرنے کا قانون اللہ نے بیان کر دیا ہے اس مقام پر من تبعیضیہ ہے یعنی تم نے جو کچھ مانگا، وہ سارا نہیں بلکہ اس

میں سے کچھ دے دیا۔ دعا کے بارے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اس کی عبادت کے مترادف ہے، اس سے مانگنا جیسے وہ کسی کی دعا رد نہیں کرتا۔ البتہ یہ ہے کہ انسان کی مصلحت کے مطابق کبھی مطلوبہ چیز فوراً عطا کر دیتا ہے۔ اور اگر مصلحت میں مفید نہیں ہوتی تو اس کے بدلے میں کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا لیتا ہے۔ وہ اس مانگنے والے کے لیے آخرت میں مفید ہوگی۔ چونکہ انسان کا علم محدود ہے اس لیے بعض اوقات وہ ایسی چیز طلب کر لیتا ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز مفید اور کون سی مضر ہے لہذا وہ اس کے مطابق ہی عطا کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

شہاری  
نعمت  
قدرت

آگے ارشاد ہوتا ہے وَرَأَى نَفْسًا قَارِعَةً فَانْفَجَمَتْ اللہ کے ان مخصوص حکم اور ان نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ ہر نعمت مخلوق ہے اور ہر مخلوق محدود ہوتی ہے جو کہ شمار کی جاسکتی ہے، مگر اللہ نے فرمایا کہ میری نعمتیں شمار نہیں کی جاسکتیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ایسا کہنا باعتبار انسان کے ہے کیونکہ اوجہ ضعف وہ ان نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سورۃ النساء میں موجود ہے وَفَخْلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا انسان کہہ باطبع کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا محدود چیزوں پر حاوی ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ جب شمار نہیں کر سکتے تو حق لشکر یہ کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے تین دفتر پیش ہوں گے، ایک میں نیکیاں، دوسرے میں گناہ اور تیسرے میں نعمتیں درج ہوں گی۔ پھر نعمتوں میں سے ایک نعمت کھڑی ہو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گی، پروردگار! مجھے اس شخص کی نیکیوں میں سے بدلہ دیا جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیوں میں

سے اپنا حق وصول کر لو۔ جب وہ ایک نعمت اپنا حق لینا شروع کرے گی تو اس آدمی کی تمام نیکیاں ختم ہو کر صرف گناہ باقی رہ جائیں گے۔ وہ بھی پھر عرض کرے گی وَعَنْ تِلْكَ مَا اسْتَوْفَيْتُ تِیرِی عِزَّتِی کی قسم مجھے پورا حق ابھی تک نہیں ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں فرماتا چاہے گا تو کہے گا کہ اے بندے! تیری نیکیاں تو ایک نعمت تھی کھا گئی، اب تیرے پاس کچھ نہیں بچا۔ جب ایک نعمت کا پورا حق ادا نہیں ہو سکا تو باقیوں کا کیسے ہو گا۔ اور اگر اللہ اس شخص پر رحم کرنا چاہے گا تو کہے گا، جاؤ! ہم نے تمہاری نیکیاں دگنی چوگنی کر دی ہیں اور تمہاری غلطیاں معاف کر دیں اور وہ شخص کچھ بچائے گا۔ بصورتِ دیگر اُسے ایک نعمت ہی پکڑ کر بیٹھ جائے گی اور وہ شخص جان نہیں چھڑا سکے گا۔ عرضیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس قدر زیادہ ہیں مگر انسان اس کی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ انسان کے منہ میں جانے والے ایک لقمہ میں اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات پوشیدہ ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر محنت کروانے کے اور بارش کا انتظام کر کے گندم کو کس طرح پیدا کیا۔ پھر اس کے اٹانے تک اُسے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔ گندم کے اگنے، پکے، برداشت کرنے، پیسنے اور روٹی پکے تک کتنے ہاتھوں اور مشینوں نے کام کیا، تب جا کر انسان کو ایک لقمہ نصیب ہوا۔ اگر کسی کل کا ایک پرزہ بھی خراب ہو جائے تو سارا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے گندم کے دانے کو تمام مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد انسان کے منہ تک ایک لقمہ پہنچایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں جو واقعی شمار سے باہر ہیں۔ یہ تو ایک لقمے جیسی نعمت کی بات ہے، اس کے علاوہ انسان کو لاکھوں کروڑوں نعمتیں میسر ہیں

جن کو نہ شمار کر سکتا ہے اور نہ اُن کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کہہ سکو گے۔

انسانی  
حضور پر

فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ كَذَلِكُمْ كَفَّارٌ يَتِيكُ النَّاسَ الْبَنِيَّةَ  
بہت ہی بے انصاف اور ناشکر گزار ہے۔ شب و روز خدا متعلقہ  
کے انعامات میں غرق ہے مگر اُس مالک کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اسی  
لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبأ میں فرمایا قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ  
الشَّاكِرِيْنَ مِمَّنْ شَكَرْنَا بِنِعْمَةِ رَبِّنَا وَلَٰكِنْ كَثُرَ  
بہت زیادہ میں۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کر لئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات  
وہ ہے جس نے یہ تمام نعمتیں دیا کی ہیں۔ اگر انسان ان میں غور فکر کرے  
تو اُسے معرفت الہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان  
تمام نعمتوں کو دیا کرنے والا صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے  
جب یہ بات سمجھ میں آجائے تو توحید کا مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے  
یہ تو اللہ نے عام نعمتوں کا ذکر کیا ہے، آپ کے خصوصی نعمتوں کا ذکر بھی  
آ رہا ہے۔

وما آتٰ برئى ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس نیردہم ۱۳

آیت ۲۵ تا ۳۷

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَدَأَ امِنًا  
وَاجْنِبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ②۵  
رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ  
فَمَنْ تَبِعَنِ فَإِنَّهُ مِنِّيَّ وَمَنْ عَصَانِي  
فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ②۶ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ  
مِن دُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ  
الْمَحْرَمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ  
أَفئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ  
وَارْزُقُوهُمْ مِّنَ الشَّجَرِ لَهُمْ يَشْكُرُونَ ②۷

ترجمہ :- اور (اس بات کا خیال کرو) جب کہ کہا ابراہیم  
علیہ السلام نے اے پروردگار! بنا سے اس شہر کو امن والا ،  
اور دوز رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم  
بتوں کی عبادت کریں ②۵ اے پروردگار! بیشک انہوں نے  
گمراہ کیا ہے بہت سے لوگوں کو۔ پس جس نے میری پیڑی  
کی بیشک وہ مجھ سے ہے ، اور جس نے میری نافرمانی کی ،  
پس بیشک تو بخشش کرنے والا مہربان ہے ②۶ اے  
ہمارے پروردگار! بیشک میں نے بسایا ہے اپنی اولاد میں

سے ایسی وادی میں جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے تیرے  
محترم گھر کے پاس۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز  
قائم کریں۔ پس بنا مے لوگوں کے دلوں کو کہ مائل  
ہوں ان کی طرف، اور روزی سے ان کو پھلوں سے  
شاید یہ شکر ادا کریں (۳۷)

ربط آیت

پیلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عام نعمتوں کا ذکر تھا جن میں سے  
ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ اب اللہ نے خاص نعمتوں  
کا ذکر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں قریش مکہ کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم ابراہیم  
علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور جدا مانتے ہو۔ انہوں نے جس خانہ کعبہ کی تعمیر کی  
تھی اس کی بنیاد توحید پر تھی مگر تم کفر اور شرک میں کیسے مبتلا ہو گئے ہو۔ پھر  
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کا ذکر کیا ہے جن سے کفر و  
شرک سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی وجہ سے  
سرزمینِ مکہ پر جو خصوصی نعمات فرمائے تھے، ان کا ذکر بھی کیا ہے۔  
توحید کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کو تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ  
کی وحدانیت کو اختیار کریں اور خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

شہر امن

ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ اُس وقت کو دھیان میں  
لاؤ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا  
اے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ شہر سے مراد شہرِ مکہ ہے جہاں ابراہیم  
علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے آباد کیا تھا۔ دراصل آپ نے خانہ کعبہ کی عمارت  
از سر نو تعمیر کی اور پھر اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑ گئے  
اس وقت یہ ایک بے آب و گیاہ وادی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ اس  
جگہ پر عظیم الشان اور فضیلت والا شہر آباد ہوگا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس  
شہر کے ناموں ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا جس کا ذکر

قرآن پاک میں دو گھر مقامات پر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر احسان جلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ارد گرد امن و امان نام کی کوئی چیز نہ تھی۔  
 يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ لَوْ كُنُوا يَدْرُسُونَ لِيَأْتِيَهُمْ سَوَابُ  
 حرمت والے مہینوں کے کوئی آدمی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ سال کے آٹھ  
 مہینے تک لوگ افراتفری کے عالم میں گزارتے، پھر باقی چار ماہ میں تجارت  
 وغیرہ اور دو گھر سفر کرتے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ حرم مکہ کو  
 بالکل پر امن بنا دیا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے  
 شہر مکہ کو امن والا شہر بنا دیا۔ اس کا ذکر سورۃ والتین میں آتا ہے اللہ تعالیٰ  
 نے جن چار چیزوں کی قسم اٹھائی ہے ان میں ”هَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“  
 یہ امن والا شہر بھی شامل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کو مامون بنانے کی دعا کی اور شرک  
 سے پناہ بھی مانگی۔ وَاجْنِبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ اے پروردگار  
 مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے دور رکھ۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتے  
 کہ اللہ کے نبی تو کفر و شرک بلکہ ہر گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہیں ہوتے  
 تو اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے بہت پرستی میں علوت نہ  
 ہونے کی دعا کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کو رام فرماتے ہیں کہ اللہ کے  
 انبیاء جس قدر بلند مرتبت ہوتے ہیں اسی قدر وہ اللہ سے زیادہ ڈرنے  
 والے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر وہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے ہمیشہ عاجز  
 اور انکاری کا اظہار کرتے رہتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اللہ کے  
 حضور نیاز مندی کی ایک علامت ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ بہت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جو بہت کسی  
 خاص شکل و صورت پر بنایا گیا ہو اُسے صتم کہتے ہیں اور جو بغیر شکل کے ان گھڑا

شرک سے  
 بیزاری



ہو۔ وہ وثن کہلاتا ہے۔ عربوں میں بھی دو قسم کے بت پائے جاتے تھے۔ جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں صلیب کو بھی وثن کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب عدی بن حاتم طائی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گلے میں صلیب لٹکا رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اَلْوَثْنُ هَذَا الْوَثْنُ اِسْ بَتُّ كُوَانَا بَصِيكُو غَرْضِيكَ صَنَمٌ يَا وَثْنُ وَهْ بَتُّ هُوَا بَتُّ هِيسْ كَيْ مَتَعَلَقٌ رِزْمٌ هُوَ كَرِيهُ نَفْعٌ لِقِصَانٍ كَا مَالِكٍ بَسْ يَكْسِي كِي حَاجَتٌ بَرَايِ اُوْر مَشْكَلٌ كَثَايُ كُوْر سَكَا بَسْ۔ اس قسم کے بت خانہ کعبہ میں اور اس کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے، صفا اور مردہ پہاڑیوں پر بھی بت موجود تھے اور مکے کے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا کی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو اصنام سے پاک رکھا جائے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دعائے ابراہیم میں مِنْ ذُرِّيَّتِي سِجِّي کے الفاظ آنے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا پوری نسل ابراہیمی کے لیے نہیں تھی بلکہ اُس میں سے بعض کے لیے تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوجہل وغیرہ آپ کی نسل میں آپ کی اولاد ہونے کے باوجود مشرک پر ایٹے رہے اور اسی پر ان کی موت آئی۔ البتہ آپ کی صلیبی اولاد یعنی آپ کے براہِ راست بیٹے مکمل طور پر مشرک سے میرا ہے۔ دعا کی قبولیت کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی کارگزاری کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فریاد عرض کیا رَبِّ اِنِّهِنَّ اَصْلَانٌ كَثِيْرًا مِّنْ النَّاسِ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے یہاں پر پھر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بت تو پتھر اور مٹی کے بے جان بت ہوتے ہیں، وہ کسی کو گمراہ کیسے کر سکتے ہیں؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ خود تو گمراہ نہیں کر سکتے، البتہ تَسْبِيْحُ مِنَ الْاَصْلَانِ گمراہی کا سبب

ضرور بنتے ہیں۔ انہی بتوں کی پوجا کر کے لوگ گمراہی کے گڑھے میں گرے  
لہذا اُسے بتوں کی گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کے یہ بھی عرض کیا، پروردگار!   
 قَسَمٌ لِّبَعِي قَاتِلٌ مِّمِّي جِسْمِي پیروی کی، وہ مجھ سے ہے۔  
 یعنی میری جماعت کا آدمی ہے۔ اور جو آپ کے گروہ میں شامل ہو گیا، وہ  
 حلیف ہو گیا اور اُس نے اللہ کی توحید کو تسلیم کر لیا۔ ایسا شخص کفر اور شرک  
 سے بیزار ہو گیا۔ فرمایا وَمَنْ عَصَانِي اور جس نے میری نافرمانی کی فَإِنَّكَ  
 عَفْوٌ رَحِيمٌ تُوْنَحْنُ وَالْاَمْرُ بَانَ ہے۔ اس مقام پر حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام کی عاجزی، نرمی اور رافت کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ پر یہ  
 بات خوب واضح ہے کہ کافر اور مشرک جن کا خاتمہ اسی باطل عقیدے پر  
 ہوا ہو، اس کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ  
 کافران ہے کہ ایسا شخص کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا حَتَّىٰ يَلْجَ  
 الْحَمْلُ فِي سَمِّ الْجَحِيظِ حَتَّىٰ كَذَابٌ اَوْبَدُ سُوئِي كے  
 ناکے سے گزر سکتا ہے مگر مشرک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ  
 نے یہ بھی ارشاد فرمادیا ہے اِنَّكَ مَن يَشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ  
 حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وُجِدَ النَّارُ (المائدہ)  
 جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی  
 اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ تاہم ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی  
 کے ساتھ عرض کیا کہ مولا کریم! تیرا فیصلہ تو یہی ہے کہ تو مشرک کو معاف  
 نہیں کرے گا مگر تو غفور اور رحیم بھی ہے۔ تیرے اختیار سے کوئی  
 چیز بامعاف نہیں۔ اگر تو معاف کرے تو تو غفور اور رحیم سے ایسا کہ  
 سکتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا رَبِّ اَرِنِي اَسْكَنْتَ



نہ ہو رہا ہو۔ یہ عاشقانِ الہی کی بستی ہے، ایک دفعہ جا کر تسلی ہمیں  
ہوتی اور ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہاں کی حاضری کا بار بار موقوف  
ماتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں تَصْبِيْرُ  
أَرْضِ الْعَرَبِ مَرُورًا وَأَنْفَارًا عَرَبِ كِي مَرْزَمِينَ مَبْرُورًا  
اور باغات میں تبدیل ہو جائیگی۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اس  
پیشین گوئی کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، مگر اب وہاں  
پر سبزہ اور باغات کی ابتدا ہو چکی ہے۔ سعودی عرب کے دار الحکومت  
ریاض کے علاوہ مکرہ اور مدینہ کی شاہراؤں پر بھی درخت لگائے جا رہے ہیں  
عرفات کے پورے میدان میں درختوں کی لمبی لمبی قطاریں اب نظر  
آ رہی ہیں اور اس طرح حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔  
سبزہ زار اور عام استعمال کے لیے میٹھے پانی کی اس ضرورت ہے  
وہاں پر زیر زمین پانی تو موجود نہیں، قریبی سمندر کا پانی سخت کٹھن ہے  
جسے صاف کرنے پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے، لہذا سعودی حکومت  
اب قابل استعمال پانی کی بہم رسانی کے لیے دو سکر ذرائع تلاش  
کر رہی ہے اس منصوبے میں دور دراز کے دریاؤں سے پانی کی  
پیلانی یا پمپنگ کے ذریعے سے بڑے بڑے توڑوں کی ترسیل شامل ہے۔

فرمایا میں نے بسایا اپنی اولاد میں سے بے آباد زمین میں عِنْدَ  
بَيْتِكَ الْمَحْكَمِ تِيرَةَ مَحْرَمِ كَعْبَرَةَ كَعْبَرَةَ كَعْبَرَةَ  
ہے کہ اللہ نے جس دن سے زمین کو پیدا کیا ہے، اسی دن سے اس  
خطہ ارض کو عزت والا مقام عطا کیا ہے۔ یہاں پر لڑائی جھگڑا قطعاً حرام  
ہے۔ فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اجازت دی  
تھی کہ اگر کافر مقابلہ کرے تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھا سکے ہیں۔ وگرنہ

نظر عرب  
ب سبزہ زار

محرم  
گھر

اُس کے بعد قیامت تک کے لیے یہ سرزمین واجب الاحترام ہی ہے گی۔

فرمایا میں نے اپنی اولاد کو یہاں ایسے آباد کیا ہے رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ اے پروردگار تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعائیں اپنی اولاد کے لیے نماز جیسی اہم ترین عبادت کا ذکر کیا۔ نماز کا قیام ایک عظیم مقصد ہے جسے انبیاء علیہم السلام خود اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو تلقین کرتے آئے ہیں۔ نماز کے بغیر انسان کا تعلق اپنے پروردگار کے ساتھ درست نہیں رہ سکتا۔ نماز کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں کہ جس نے چاہا ادا کر لی اور جس کے دل نے نہ مانا اُس نے چھوڑ دی بلکہ یہ تو اہم ترین عبادت ہے جس کی دعا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے کی۔

دلوں کی کشش

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا، اے پروردگار! فَلَجَعَلَ أَفِيدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَىٰ هُمُ لَوْ كُورِ دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ آپ نے بعض لوگوں کے لیے دعا کی جو مستجاب ہوئی اور اب دنیا کے تمام انسان تو اس سرزمین کی طرف نہیں آتے، البتہ کچھ اہل ایمان نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کے اس گھر کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں یہاں پر تجارت بھی کرتے ہیں اور دل کی پیاس بھی بجھاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کے باشندوں کے لیے یہ دعا بھی کی کہ اے پروردگار! وَأَرَادَ قَهُم مِّنَ الشَّعَرَاتِ ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ اس لیے اب دیکھا زمین میں کہیں کہیں کھجور کے نخلستان یا ریگستان کے کسی حصہ میں ترلوز تو ہر جگہ سے عام پھلوں کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اللہ نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ دنیا بھر کے بہترین پھل تو تازہ حالت میں اس سرزمین میں پہنچ رہے

ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ انہیں عراق  
 کے میدان میں لمبوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ نے وہاں بھی حسیا کر دیا۔  
 وگرنہ عام حالات میں وہاں لمبوں بچنے کے لیے کون جاتا ہے؟ الغرض  
 اب مملکت سعودی عرب میں ہر موسم میں ہر قسم کا پھل یا افراط میسر ہے۔  
 قرآن میں لکھا ہے کہ عطا فرما لعلہم کیشہ کثرت  
 تاکہ یہ تیرا شکر ادا کریں۔ اسی سورت میں پہلے لکھا ہے کہ ان دنوں کو  
 لا ذیہ ذلہ کہ اگر تم شکر یہ ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا۔ مگر عام  
 طور پر ان انسان کظلمہ کرتے ہیں انسان بے انصاف اور ناشکر  
 ہی ہوتے ہیں کفر اور شرک سے بڑھ کر کون سی ناشکری ہو سکتی ہے۔ مگر  
 آج بھی انسانوں کی اکثریت اس میں مبتلا ہے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام  
 نے اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ وہ اپنے پروردگار کے شکر گزار  
 بندے بن جائیں۔

وما آبرئ ۱۳

ابراہیم ۱۴

درس چہارم ۱۴

آیت ۲۸ تا ۴۱

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعَلَّمَ مَا نُخْفِي وَمَا نُعَلِنُ وَمَا  
يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا  
فِي السَّمَاءِ ⑳ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي  
عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ط إِنِّي رَبِّي  
لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ㉑ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ  
وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ㉒ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ㉓ رَبَّنَا  
اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ  
الْحِسَابُ ㉔

۲۰۱۲

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار! بیشک تو جانتا ہے  
جس چیز کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں  
اور نہیں ہے مخفی اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ  
آسمان میں ⑳ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس  
نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام بخشے۔ بیشک  
میرا پروردگار البتہ دعاؤں کو سننے والا ہے ㉑ اے میرے  
پروردگار! بنا دے مجھے نماز قائم کرنے والا، اور میری اولاد میں  
سے بھی۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہماری دعا مستجاب  
فرما ㉒ اے ہمارے پروردگار! بخشش دے مجھے اور میرے  
والدین کو، اور مومنوں کو کہ جس دن حساب قائم ہوگا ㉓

گزشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی جس میں انہوں نے قریش مکہ پر ہونے والے خصوصی العامت کا ذکر کیا تھا۔ خود مکہ مکرمہ کے حق میں آپ کی دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پُر امن شہر بنا دے۔ پھر اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے شرک سے بچنے کی دُعا کی کیونکہ اصنام پہلے ہی بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بن چکے تھے۔ پھر عرض کیا کہ میں اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے گھر کے قریب لے آؤں گا۔ اور گویا سر زمین میں چھوڑ رہا ہوں تاکہ نماز قائم کرے کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دُعا کی کہ اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے روزی عطا کرے تاکہ یہ خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ جب دل اس طرف مائل ہوں گے تو آمد و رفت میں اضافہ ہو کر وسائل رزق میں توسیع ہوگی۔ چنانچہ آج سے تقریباً پانچہزار سال پہلے مانگی گئی دُعا کہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اب مکہ مکرمہ کی طرف مخلوق خدا کا سارا سال تانا بانہا رہتا ہے اور موسم حج میں تو بے انتہا شہس ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کا صلہ ہے کہ اُس سر زمین میں اچھے سے اچھا پھل اور ہر چیز دستیاب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا بھی کی رَبَّنَا أَنْتَ تَعْلَمُ مَا خَفِيَ وَمَا نَعْنُ اے ہمارے پروردگار! بیشک تو جانتا ہے جس چیز کو ہم مخفی رکھتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ ارض و سما میں کوئی چیز تیری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ تو ہماری نیت، ارادے اور عزائم کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس اخلاص اور نفاق کو بھی جانتا ہے جو دلوں کی گمراہیوں میں پنہاں ہوتے ہیں اور جو لوگ ریاکاروں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے بھی واقف ہے۔

اللہ کا  
علم محیط



اس دعا کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور  
انکاری کا اظہار کیا۔ شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ چونکہ آگے ابراہیم علیہ السلام  
کی اولاد کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعائیں حضور خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خاص اشارہ پایا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ اور دیگرہ سورتوں  
میں آپ کی واضح دعا بھی موجود ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا  
مِنْهُمْ یعنی اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث  
فرما۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے چھپانے اور ظاہر کرنے میں آپ کا  
اشارہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے متعلق ہی تھا۔ بہر حال آگے پھر وضاحت  
کی وہ کما یخفی علی اللہ من شیء فی الارض ولا فی السماء  
خدا تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ چھپتی ہے چھپتی  
اور بڑی سے بڑی چیز کائنات کے کسی گوشے میں موجود ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ  
کے علم میں ہے۔

عطا اولاد  
پر شکر ہے

آگے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا ہے کہ اُس نے  
بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ  
لِي عَلَى السَّكِينِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ اس خدا تعالیٰ کا شکر ہے  
جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسے فرزند عطا فرمائے  
امام بیضاوی کی روایت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے  
بیس کی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ آپ کی دوسری  
بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے جو کہ شاہ مصر نے آپ کو خادمہ کے  
طور پر نہی تھی۔ پھر جب آپ کی عمر مبارک ۱۱۲ سال ہوئی تو پہلی بیوی حضرت  
سارہ کے بطن سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی چچا زاد ممتی اور  
اس نے آپ کے ساتھ عراق سے ہجرت بھی کی تھی۔ آپ کو ساری عمر اولاد  
کی خواہش رہی مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ اُس نے جوانی کے بعد

بڑھا پے میں بیٹا عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی خاص مہربانی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے یعنی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہوئے اور پھر انہی کی نسل سے انبیاء کا سلسلہ لگے بھی چلا۔

اس ضمن میں بائبل کی روایت قدرے مختلف ہے۔ اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا ۸۳ سال کی عمر میں اور دوسرا بیٹا سو سال کی عمر میں پیدا ہوا۔ جب کہ آپ یابوسی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ پھر اللہ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت بھی دی، فرمایا **وَأَنَّكَ إِسْحَاقُ يَدُ قَوْبٍ** (رہود) یعنی تم اپنی زندگی میں پوتے کو بھی پالو گے۔ چنانچہ اچھی زندگی میں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ وہ بھی اللہ کے عظیم رسول تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۵۷ برس عمر پائی۔ آپ نے یہ بھی کہا **إِنِّي رَجَبٌ لِّسَمِيعِ الدُّعَاءِ بِشَاكٍ مِثْرٍ** پروردگار البتہ دعا کو سننے والا ہے۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا **رَبِّ كَهْبٍ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ** (انصافت) اے پروردگار! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اللہ نے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسی نیک اور صالح اولاد عطا فرمائی، جس پر آپ نے پروردگار کا شکر یہ ادا کیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اقامتِ صلوة کی دعا بھی کی۔ **رَبِّ اجْعَلْ لِي صِرَاطًا صِدْقًا لَوْعًا** اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِي** اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو نماز کو قائم کریں اقامتِ صلوة ببردت، بڑی حقیقت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ تو آپ نے اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ ہمیں مکمل شرائط اور اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے بنا دے۔

صلوة  
اقامت  
کی دعا

اگر نماز درست ہوگئی تو ہر چیز درست ہو جائیگی، اور اگر نماز ہی درست نہ ہوئی، تو نہ دین درست ہوگا اور نہ دنیا۔ انسان اسکا اور بد عملی کا شکار ہی ہے گا۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا نور شاہ صاحب کاٹھیری ایک دفعہ دلی بند سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں بارہ چودہ کوں کا سفر پیرلے طے کر کے پہنچے۔ حضرت گنگوہیؒ نے آمد کا مقصد پوچھا تو عرض کیا کہ میرے حق میں دعا کریں کہ میں نماز ٹھیک طریقے پر ادا کر سکوں میرا یہاں آنے کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے عجیب جملہ ارشاد فرمایا، کہنے لگے اگر نماز ٹھیک طریقے پر آگئی تو سب کچھ آگیا۔ پھر باقی کیا رہ گیا۔ فرمایا یہی بات تو لوگوں کی مجھ میں نہیں آ رہی ہے جس کام کی جبر بنیاد میں صحیح ہوگئی اس کے سارے معاملات صحیح ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ تعلق بھی درست ہو جائے گا اور دنیا کے سارے معاملات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ سیاست ہو یا عیشت، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد نماز کی درستگی کے ساتھ ہی سب کچھ درست ہو جائے گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی دعا کی کہ مولا کریم! مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا دے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز پڑھو کر فارغ ہوتا ہے تو اس کی نماز کا صرف دسواں حصہ قبول ہوتا ہے جبکہ نور حصے ضائع ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا نواں حصہ بعض کا اٹھواں حصہ اور بعض کی نصف نماز قبول ہوتی ہے۔ جس کی آدمی نماز قبول ہو جائے تو وہ ٹہری شان والا آدمی ہوتا ہے اور جس کی پوری کی پوری

نماز قبول ہو جائے وہ مقررین الہی میں شمار ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی قبولیت کا دار و مدار اخلاص، صلاحیت اور نیکی پر ہے نماز میں جس قدر ان چیزوں کا حصہ ہو گا، اسی قدر نماز کی قبولیت بھی ہوگی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رَبَّنَا اَوْتِنَا فِئْتًا مِّنْ لَّدُنكَ لَعَلَّ نَا نَصُرَكَ بِإِذْنِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّحِمِيْنَ ہمارے دعا کو قبول فرمائے۔ پھر آخر میں عرض کیا رَبَّنَا اَعْفِ سُنِّيْنَا اے ہمارے پروردگار! مجھے معاف فرمائے۔ مجھے بخش دے۔ جو کوتاہی اور لغزش ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ نہ صرف مجھے معاف کر دے وَلِلّٰهِ الدِّينُ كُلُّهُ مَن يَّرِءُكَ يَكْفُرْ بِمَا فِيْ سُرُوْبٍ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ اور جس دن حساب قائم ہو، تمام مومنوں کو بھی بخش دے۔ سب کی خطاؤں کو معاف فرمادینا۔

یہاں پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تو کفر پر تھے اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا تو ایسی حالت میں ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کیے کی وجہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفِ اَنْ يُخْفِيَكَ بِهٖ وَيَخْفِ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يُّشَاءُ" (النّٰد) وہ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے مفسرین کرام نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعا ابتدائی دور میں کی تھی۔ پھر جب ان کو علم ہو گیا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہی ہے تو آپ نے اپنے والد سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کے لیے دعا ایک وعدہ کی بنا پر تھی "ذٰلِكَ اَتَّبَعْنَا لَدُنْكَ عَادًا وَّلِقْنَاكَ فَا اِنتَبٰنَا" پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ دشمن خدا ہے تو آپ نے بیزاری کا اعلان کر

شکر کے  
یہ دعا  
حضرت

دیا غرضیکہ جب تک کسی کے کفر پر خاتمے کا یقین نہ ہو جائے اس کے لیے بخشش کی دعا کی جاسکتی ہے اور دعا کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! اس کو مغفرت کا اہل بنا دے یعنی اسے توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ ملت ابراہیم کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہئے خواہ وہ فاسق اور گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

بعض نے یہ توجیہ بھی کی کہ جس شخص آذر کے حق میں اللہ نے مشرک ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور آپ کے والد کا نام تاریخ تھا۔ شیوعہ حضرات کا یہ مسلک درست نہیں ہے۔ سورہ النعام میں صاف موجود ہے "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَاتٍ" جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا۔ دراصل آذر اور تاریخ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بڑے مندر کے پر ورت تھے، اس لیے ان کا لقب آذر تھا اور نام تاریخ ہی تھا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک نو مسلم جس کے والدین کفر و مشرک پر ہوں وہ بھی "رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيْ" کہہ کر اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کر سکتا ہے۔ امام بیضاوی، صاحب کشاف زنجیزی اور صاحب تفسیر جینی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ایسے شخص کے والدین سے مراد اس کے حقیقی والدین نہیں ہوں گے جن کا خاتمہ کفر اور مشرک پر ہوا، بلکہ اس سے مراد اس کے اولین والدین حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہوں گے لہذا اس اصول کے تحت کوئی مسلمان اپنے غیر مسلم والدین ہونے کے باوجود دعائے مغفرت کہہ سکتا ہے اور اس سے مراد اولین والدین ہوں گے، مانہ کہ وہ والدین جن کے گھر میں اس کی پیدائش ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی اسی اصول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے ان کی والدہ کے متعلق تو تفصیلات

معلوم نہیں، تاہم ان کے والد کے کفر و شرک میں کوئی شبہ نہیں۔ تو ان کی دعا کے مغفرت کی بھی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنے اولین والدین حضرت آدم اور حوا کے حق میں دعا کی۔

عرض کیا، اے ہمارے پروردگار! مجھے میرے والدین اور تمام ایمان والوں کو معاف کر دے جس دن قیامت برپا ہوگی اور حساب کتاب قائم ہوگا۔ اس دعا میں ملت ابراہیمیہ کا پورا تذکرہ آگیا ہے اس کے بنیادی اصولوں اور خصوصی نعمتوں کا تذکرہ ہو گیا ہے۔ پہلے عام نعمتوں کا ذکر تھا، پھر خصوصی انعامات کا ذکر ہوا، اور محاسبہ اعمال کی بات ہوئی۔ اب سورۃ کے آخر میں قرآن کی دعوت کو عام کرنے کا بیان ہوگا۔

وما أبرئی ۱۳

البرہمیہ ۱۳

آیت ۴۲ ۴۶

درس پانزدہم ۱۵

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۗ  
 إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۚ ﴿۴۲﴾  
 مَهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ  
 طَرْفُهُمْ ۗ وَافْدَتْهُمْ أَسْوَأَ ۙ ﴿۴۳﴾ وَأَنْذِرِ النَّاسَ  
 يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ ۖ فَيَقُولُ الَّذِينَ  
 ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ ۖ نَجِّبْ  
 دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمْ تَكُونُوا  
 أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم مِّنْ  
 زَوَالٍ ۙ ﴿۴۴﴾ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا  
 أَنْفُسَهُمْ ۖ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ  
 وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ۙ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ  
 وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ  
 لِيَنْزُولٍ مِّنْهُ الْجَبَالُ ۙ ﴿۴۶﴾

ترجمہ :- اور نہ خیال کرو اللہ تعالیٰ کے بارے میں  
 کہ وہ غافل ہے اُن کاموں سے جو ظالم لوگ کرتے ہیں  
 بلکہ وہ اُن کو حملت دیتا ہے اس دن کے لیے کہ

جس دن اوپر اٹھی رہیں گی آنکھیں (۴۲) دوڑنے والے ہوں گے اور سر اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ نہیں پلٹیں گی ان کی طرف ان کی نگاہیں اور ذل ان کے اڑھے ہوں گے (۴۳) اور آپ ڈرا دیں لوگوں کو اُس دن سے کہ آئیگا ان کے پاس عذاب۔ پس کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا، اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے تجھ ہی مدت کے لیے تاکہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو، اور ہم پیروی کریں رسولوں کی (ادھر سے جواب آئیگا) کیا نہیں تھے تم قسمیں اٹھاتے اس سے پہلے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے (۴۴) اور ٹھہرے تم ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، اور واضح ہو گیا تمہارے لیے کہ ہم نے کیا سلوک کیا ان کے ساتھ، اور بیان کیں ہم نے تمہارے سامنے مثالیں (۴۵) اور تحقیق ان لوگوں نے تدبیر کی اپنی تدبیر۔ اور اللہ کے پاس ہتھی ان کی تدبیر، اگرچہ، ان کی تدبیر ایسی تھی کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں اپنی جگہ سے (۴۶)

پہلے قرآن کریم کی حقانیت اور قیامت کا ذکر ہوا، پھر رسالت اور توحید کا بیان آیا۔ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا جن میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ پھر اللہ نے قریش مکہ و عرب پر ہونے والی خاص نعمتوں کا تذکرہ کیا اور اس ضمن میں شرک اور ان کی بعقیدگی کا ذکر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر کیا جن میں توحید کی ترغیب اور شرک سے بیزاری کا سبق ملتا ہے۔ ادھر انعامات الہی کے حصول پر اس کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور

بطاقت



کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔ پھر اللہ نے قیامت کے لمحے کا ذکر کیا اور پھر اس ضمن میں دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ اے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور سب مومنوں کو معاف کر دے، کل بیان کیا تھا کہ یہاں پر والدین سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والدین نہیں ہیں بلکہ ان کے اولین ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حواؑ سے مراد ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور امام زمہریؒ کی قرأت کے مطابق وَالِدَيْكَ كَوَلَدَيْكَ پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مولا اکرم مجھے اور میرے دونوں بیٹوں کو بخش دے۔ وہ آپ کی آخری عمر کی اولاد حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ہیں۔ اب اس قرأت میں یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والدین کے لیے کیوں دعا کی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے محاسبہ اعمال کی منزل کا ذکر کیا ہے۔

ظالموں کے لیے ہمت

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ اللہ تعالیٰ کو ان کاموں سے غافل نہ سمجھو جو ظالم لوگ کرتے ہیں۔ ظالم لوگ کہن ہیں؟ اس کا ذکر بھیچے گزر چکا ہے "إِنَّ الْأَكْثَرَانَ أَظْلَمُونَ كَفَّارًا" بیشک اکثر انسان ظالم اور ناشکر گزار ہیں، جو منکر حقیقی اور مالک حقیقی کی توحید میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ ان کافر، مشرک اور معاصی کے ترکیب لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ نیز سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارگزاری سے غافل ہے، بلکہ وہ علیم کل ہے اور سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔ البتہ اس کا قانون یہ ہے اِنَّمَا يُجِزُّهُمُ رَيْبُومُ لَشَخْصٌ فِيهِ الْاَبْصَارُ و ان کو ہمت دیتا ہے اس دن کے لیے جب آنکھیں پھنقا جائیں گی یعنی اوپر اٹھی رہیں گی۔ وہ سرکشوں کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا۔ یہ مضمون سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے کہ جو لوگ

ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ  
 ہم انہیں بتدریج ایسے طریقے سے پکڑیں گے جہاں سے انہیں علم ہی نہ ہو۔  
 وَأَمْ لِي أُخَذُ فِيْهِمْ أَنَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" ان کی دُور سے  
 میری تدبیر بڑھی مضبوط ہے لوگ قدرت کے قانون انہماں و تدریج سے  
 فائدہ اٹھاتے ہتے ہیں اور گرفت کے موخر ہوتے کی وجہ سے مغرور ہو  
 جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن تک کے لیے مہلت دیتا ہے جب  
 اُن کی آنکھیں پھڑپھڑ جائیں گی اور مہلے طلعین وہ دوڑنے والے ہونگے  
 صَقْنَعِي رَوَّوْ سِهْمَ اِنِّ سِرْوَلِ كُو اُو پَر اٹھائے ہوں گے۔ اس حالت  
 میں لَا يَرَوْنَ اِلَيْهِمْ طَرْفَهُمْ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف واپس  
 نہیں پلٹیں گی یعنی اوپر ہی لگی رہیں گی اور نیچے کی طرف ابھی نہیں سکیں گی،  
 اتنی تکلیف دہ حالت ہوگی۔ اس کے علاوہ وَاقْدُتْهُمْ هَكَذَا۔

دہشت کے مارے اُن کے دل اڑے جائے ہوں گے۔ یہ قیامت  
 والے دن کے مناظر ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاوَاتُ  
بِالْفَمَاوِمْ وَنَزَلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيْلًا اُس دن آسمان پھٹ  
 جائے گا اور فرشتے نیچے اترتے ہوئے نظر آئیں گے۔ سورۃ النبا میں وَ  
فَتَحَّتْ السَّمَاوُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا اُس دن آسمان کو کھول دیا جائیگا  
 اور اس میں دروازے دروازے بن جائیں گے۔ جہاں تک قیامت  
 کے دن لوگوں کے دوڑنے کا ذکر ہے تو سورۃ القمر میں ہے مُهَطِّعِينَ  
الْحَبَّ الذَّرَائِعَ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ سورۃ  
 المعارج میں ہے يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِوَا  
 اس دن قبروں سے نکل کر تیزی کے ساتھ دوڑیں گے كَانْتُمْ  
الْحَبَّ ذَرْبًا یوفضون گویا کہ وہ شکار کے جال کی طرف دوڑتے

ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ظالموں کو اسی دن کے لیے مؤخر کیا گیا ہے، یعنی اس وقت تک مہلت دیدی گئی ہے۔

دنیا میں والہی  
کی خواہش

آگے اللہ نے حکم دیا وَ أَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ لوگوں کو اس دن سے ڈرا دیں کہ جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا۔ اُس وقت یہ لوگ جیلے بہانے کریں گے مگر وہ کچھ مفید نہیں ہوں گے۔ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَوْءَاظِكُمْ كَيْفَ نَبْذَرُكَ يَا رَبَّنَا اے اللہ! ہمیں بتاؤ کہ ہم نے تم سے کیا گناہ کیا ہے کہ تم نے ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھا ہے۔ أَجَلٌ قَرِيبٌ لِّئَلَّا نُخَالِفَ مَا نَدُّوهُ وَيَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ اسی دن تم کو قبول کر لیں گے وَنُذَبِعُ الرُّسُلَ اور رسولوں کا اتباع کریں گے۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ جب کسی کو موت سامنے نظر آجاتی ہے فَيَقُولُ رَبِّ كُنَّا أَهْلًا بِهَذَا الْبَلَدِ الْكَافِرِ پھر وہ کہتا ہے کہ پروردگار! مجھے بتاؤ کہ یہ مہلت تم نے مجھے دے کی ہے کہ میں اس مہلت میں سے نکل سکوں۔ فَأَمَّا ذَلِكُمْ فَكُلٌّ مِّنَ الْكُلْفِ اور نبی کے کام کروں گا اور نیچو کاروں میں ہو جاؤں گا۔ مگر ادھر سے جواب آتا ہے وَلَكِن لِّيُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا جب وقت آجاتا ہے تو پھر ایک سیکند کی مہلت بھی نہیں دی جاتی اور فوری طور پر کام تمام کر دیا جاتا ہے۔

جہاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے تو وہی دعوت ایمان ہے جو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کو بھیجی۔ جب یہ دعوت اس کے بندوں کو پہنچتی ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا إِنَّا أَسْمَعْنَا مَنَادًا يَأْتِينَا دَعْوَى اللَّهِ لِيُؤْمِنَ أَنْ آمَنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَسْمَعُ (آل عمران) ہم نے ایمان کی دعوت سنی ہے اس لیے منادی کہتا ہے کہ سن لیا اور اس کو قبول کر لیا۔ اس کے بجائے ظالم لوگ کہیں گے کہ دنیا

میں ہم تیری دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ اب ہمیں ایک اور موقع ملے گا کہ دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ تیری دعوت کو قبول کر لیں اور تیرے رسولوں کی پیروی کر لیں۔ اللہ نے بعض دوسرے مقامات پر بھی قیامت کے دن پیش آنے والے ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے مثلاً سورۃ آلہ سجده میں ہے کہ مجرم لوگ سر جھکا کر اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے اور عرض کریں گے "وَبِنَا أَيْمَنَّا وَنَا وَسَّيْمًا فَأَرْجَعْنَا لَكَ صَالِحًا" اے اللہ ہم نے سب کچھ دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں واپس بھیج دے، ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔

ادھر سے اللہ تعالیٰ کا جواب آئے گا "أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ كَمَا تَمُنُّ" اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں اٹھائی تھیں ممالک کو "مِنْ رِوَالٍ" کہ تمہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ دنیا میں تم غرور میں مبتلا تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی طرح شان و شوکت کے ساتھ ہی رہیں گے، ہمارے اقتدار کو کبھی زوال نہیں آسکتا "وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ" ہمیں کون سزا دیگا۔ سورۃ النحل میں اللہ نے فرمایا "وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ" اللہ کی قسم قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ مرنے والے کو اللہ دوبارہ نہیں اٹھائے گا اللہ فرمائے گا کیا تم وہی لوگ نہیں جو دنیا کی زندگی پر مغرور و مفتون تھے۔ اور پھر جن لوگوں نے زبانی قسمیں نہیں اٹھائی تھیں، ان کی حالت بتلا رہی تھی گویا کہ وہ اسی شان و شوکت کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مزید بھی فرمائے گا کہ تم وہی لوگ ہو۔ "وَ سَكَنُوا فِي مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ" جو ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں ٹھہرے جنہوں نے اپنی جانوں کو ظلم کیا تم نے قوم عاد اور ثمود جیسی بڑی بڑی قوموں کی عالیشان عمارتوں میں رہائش

بدر تعالیٰ  
باجواب

اختیار کی۔ وَتَبَيَّنَ لَكُمُ وَاشَحُّ اور تمہیں واضح ہو چکا تھا کَيْفَ فَعَلْنَا بِهٖمُ کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سابقہ اقوام کے انجام سے تمہیں عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم صالح اور قوم فرعون کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا۔ یہ لوگ بڑی بڑی تمدنیوں کے وارث تھے، بڑے کاریگر اور انجینئر تھے مگر جب ہماری گرفت آئی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ آج تم انہیں کے بنائے ہوئے عالیشان محلات میں رہ کر بھی ان سے عبرت نہیں لے پڑتے فرمایا وَضَرَبْنَا كُم بِالْآهْتَالِ کہ تم نے تمہارے سامنے ان لوگوں کو لوطو مثال پیش کر دیا ہے۔ یہ نافرمان قومیں تھیں جنہیں اللہ نے نیست و نابود کر دیا ہے۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔ اگر تم بھی نافرمانی اور ظلم سے باز نہ آئے تو تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تہنید فرمادی۔

کفار کی  
مخفی تدبیریں

فرمایا وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ انہوں نے مخفی تدبیریں  
کیے دیکھ لیا وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور ان کی تدبیریں تو اللہ  
کے پاس تھیں وہ جو کچھ بھی مخفی طور پر تدبیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے  
علم میں تھا۔ پنجابی زبان میں مکر کا معنی فریب اور دھوکہ ہوتا ہے جب کہ  
عربی زبان میں یہ لفظ پوشیدہ تدبیر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس  
کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وَيَكْمُرُونَ وَيَكْمُرُ  
اللّٰهُ وہ بھی مخفی تدبیر اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی تدبیر کرتا  
ہے۔ ظالموں کی یہ مخفی تدبیریں اللہ کے انبیاء کی مخالفت میں اور قرآن پاک  
کے پروردگار کو ناکام بنانے کے لیے ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور آج بھی  
دنیا میں ہو رہی ہیں۔ غیر مسلم اقوام نہیں چاہتیں کہ دنیا میں اللہ کا دین اور قرآن  
کا پروردگار غالب آئے۔ پرانی اقوام میں سے فرعون، ثمود، اہل تبوک اور  
اہل حجر نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟ ایمین کے باشندوں اور مصریوں نے اللہ

کے دین کے خلاف کیسے کیسے پروگرام بنائے، جسہانی اور ذہنی نکالیف پہنچائیں اور لوگوں کو دین کے راستے سے روکنے کے لیے بڑے بڑے لالچ دیے اور مال صرف کیا۔

آج بھی دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہود، نصاریٰ، ہنود، ادھر یہ، قرآن پاک کے خلاف طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں ہسپتال کھول کر لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، اور کہیں سکول و کالج جاری کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ عورتوں اور اید کی پیش کش کر کے اہل ایمان کو دین سے برگشتہ کر نیچا گوشتش کی جاتی ہے۔ کیا یہ بہت بڑا سانحہ نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد اس سر زمین میں تیس چالیس لاکھ لوگوں کو عیسائی بنایا گیا ہے۔ یہ سب ان کی مخفی تباہی کا نتیجہ ہے مگر مسلمان اس سے بالکل غافل پڑے ہیں اور اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے مغربی ممالک میں مستشرقین کے نام پر اڈے قائم کر رکھے ہیں جہاں مغربی باشندوں کو مشرقی علوم کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کی یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے، انہیں ڈگریاں دی جاتی ہیں اور پھر انہی سے اسلام کے خلاف کتابیں اور مضامین لکھائے جاتے ہیں تاکہ لوگ دین اسلام سے محروم ہو جائیں ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دین کا فتویٰ علما نے حق سے لینے کی بجائے یہودی اور عیسائی ماہرین علوم شرقیہ کی طرف رجوع کرنے لگیں اور اس طرح اسلام کا پروگرام تہ و بالا ہو جائے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہندو، عیسائی اور یہودی تو اپنے مذہب پر کار بند ہیں مگر مسلمان اپنے سچے دین سے غافل ہیں ہندوؤں نے اپنے مبلغ مغربی ممالک میں بھیج رکھے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے امریکن ہندو مت قبول کر چکے ہیں مگر مسلمان اپنے حال میں مرت

مسلمانوں کے  
لیے لکھنوی یہ

ہیں۔ انہیں اپنے دین کی کوئی فکر نہیں۔ اگر تبلیغ کے نام پر کوئی بیرون ملک جاتا ہے تو وہ اپنی کے رنگ میں رنگ کر رہ جاتا ہے، اور اپنی بات کو بھول جاتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف پانے والے مسلمان کتنے ہیں جو اپنا ایمان سلامت لے کر واپس آتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس مسائل موجود ہیں مگر صلاحیت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج ساری دنیا میں اسخطاط کا شکار ہیں۔ یہ سب کافروں کی باریک تدبیروں کا نتیجہ ہے۔

فرمایا ان کفار کی تدبیریں اتنی بڑی بڑی تھیں وَإِنْ كَانَ مَكْرَهُمْ  
لِتَنْزِيلِ هَذِهِ الْآيَاتِ کہ ان کی وجہ سے ہمارا اپنی جگہ سے ٹل جائیگا  
مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بقا کی خاطر انہیں ناکام کیا۔ ہماروں کو  
سرکاشی والی محض تدبیر بھی کارگر نہ ہو سکیں۔ انگریزوں نے قرآن پاک کے  
متن میں تغیر و تبدل کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ انہیں بعد میں پتہ  
چلا کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ  
نے لے رکھا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی ایک  
ارب کی آبادی میں کم و بیش ایک کروڑ حافظ قرآن موجود ہیں۔ اگرچہ  
مسلمان قومی اور اخلاقی لحاظ سے تنزل کا شکار ہیں مگر پھر بھی قرآن کو کوئی  
نہیں مٹا سکتا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تو وہ کتاب ہے جس کو نہ پانی دھو سکتا ہے  
اور نہ آگ جلا سکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ آج ساری  
دنیا میں انجیل کا ایک بھی حافظ موجود نہیں مگر قرآن کے حافظ آپ کو چھپے  
چھپے میں ملیں گے، لہذا اخبار کی مخفی تدبیریں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

ابراہیم ۱۳  
آیت ۴۷ تا ۵۱

وصا برہی ۱۳  
درس شانزدہم ۱۶

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطْرَانٍ وَتَعْشَىٰ وُجُوهُهُمْ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ :- آپ نہ خیال کریں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ وہ وعدے کی خلاف ورزی کرے گا جو اپنے رسولوں کے ساتھ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے ﴿۴۷﴾ جس دن تبدیل کی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ دوسری زمین کے ساتھ اور (اسی طرح تبدیل کیے جائیں گے) آسمان (دوسرے آسمان کے ساتھ) اور لوگ ظاہر ہوں گے اللہ کے سامنے جو اکیلا اور زبردست ہے ﴿۴۸﴾ اور دیکھے گا تو مجرموں کو اُس دن کہ جھڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ﴿۴۹﴾ اُن کے کمرے گندھک کے مادے سے ہوں گے اور ڈھانچے گی اُن کے چہروں کو آگ ﴿۵۰﴾ تاکہ بدلے اللہ تعالیٰ ہر نفس کو جو اُس نے کما، بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۵۱﴾



ربط آیات

گذشتہ آیات میں کافروں کی مکاری اور چالبازی کا ذکر تھا کہ حق کے مقابلے میں وہ کس قسم کی تدبیریں اختیار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو مشرکوں اور کافروں کی بری حالت کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ قیامت والے دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تلی دی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اگر دنیا میں کفار کو ہدایت ملتی رہتی ہے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور نہ بدل ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جو ان بدبختوں کو آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخَلَّفًا وَعَدَهُ رَسُولُهُ  
 آپ یہ نہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے یکے کیے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اور اس کا وعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کے مشن کو ضرور غالب کرے گا اور دین حق کے مخالفین بالآخر مغلوب ہو جائیں گے۔  
 سورۃ المجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ اَنَا وَرَسُولِي الْغُلَامَةَ لِيُنْفِقْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي كَرَّمَ عَلَيْكُمْ وَمَا تَدْرِكُونَ  
 رسول اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو ضرور غلبہ حاصل ہو گا۔ یعنی دنیا میں انہی کے مشن کو کامیابی حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ صحیح بات کو غالب کرنا ہے چاہے بظاہر کتنی ہی کمزوری نظر آئے اور کتنی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ سورۃ المؤمن میں بھی اللہ کا فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ بِشَآكِهِمْ اِنۡنَا لَمُبۡدِئُوْنَ اور اہل ایمان کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ گھڑے ہوں گے یعنی جو قیامت کا دن ہو گا۔ بہر حال اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے مشن کو ضرور غالب کرے گا۔ لہذا کافروں کی

ظاہری حالت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور یہ کبھی گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ یعنی انتقام لینے والا بھی ہے وہ حملت دیتا ہے، مجرموں کو چھوڑتا نہیں۔ وہ اُن سے ضرور انتقام لے گا کیونکہ وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں پوری زندگی بھی اُن کی گرفت نہ ہو تو آخرت میں تو ضرور ہی پکڑے جائیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔

بین آسمان  
کی تبدیلی

فرمایا یہ مجرم خدا تعالیٰ کے انتقام کا کب شکار ہوں گے يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ عَيْنِ الْأَرْضِ جس دن تبدیل کر دی جائے گی زمین دوسری زمین کے ساتھ وَالسَّمَوَاتُ اور یہ آسمان بھی تبدیل کر دیے جائیں گے، گویا قیامت کے دن یہ زمین و آسمان نہیں ہوں گے بلکہ ان کی جگہ دوسرے لائے جائیں گے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین کی تبدیلی دو صورتوں میں ہوگی، یعنی ان کی صفات بھی تبدیل کر دی جائے گی اور حقیقت بھی۔ صفت کی تبدیلی کے متعلق سورۃ الانشقاق میں آتا ہے "وَ إِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ" اور زمین کو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے کھال کو کھینچا جاتا ہے اور اس کی تمام سلوٹیں نکل جاتی ہیں۔ اسی طرح جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا تو اس پر نہ کوئی غار رہیگا اور نہ پہاڑ بلکہ سب ہموار ہو جائیں گے یہ تو صفت کی تبدیلی ہوگی۔ اور حقیقت کی تبدیلی اس طرح ہو گی کہ پہلے صورت پھونکے جانے پر تو اس کی اونچ نیچ ختم ہو جائیگی اور جب دوسرے صورت پھونکا جائے گا اور حساب کتاب کی منزل آئے گی تو اس زمین کی جگہ بالکل دوسری زمین لائی جائے گی اور حسابہ اعمال کی ساری کاروائی اسی نئی زمین پر کی جائیگی يَحْضُرُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کا فرمان ہے کہ نئی زمین میرے

یا چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ یہ زمین کی حقیقت کی تبدیلی ہوگی۔ جس موجودہ زمین پر انسان گناہ کا ارتکاب کیا کرتے تھے، اس کو یکسر بدل دیا جائے گا۔ البتہ محاسبہ اعمال کے وقت اللہ تعالیٰ اس زمین کے جس خطے کو چاہے گا گو اسی کے لیے حاضر کر دے گا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور اوجب یہ زمین تبدیل کی جائیگی تو اس وقت انسان کہاں ہوں گے تو آپ نے فرمایا علی الصراطِ جِدُونَ الْجِسْرَ اس وقت سارے لوگ پل صراط کے ایک تاریک کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح موجودہ آسمان بھی تبدیل کر دیے جائیں گے، نہ یہ آسمان باقی رہیں گے اور نہ یہ گتے، بلکہ یہ سارا نظام ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔ موجودہ تمام چیزیں درہم برہم ہو جائیں گی۔

اللہ کے  
حضور  
پیشی

فرمایا جیب زمین و آسمان تبدیل ہو جائیں گے تو اس وقت وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ تمام لوگ اس اللہ تعالیٰ کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے جو اکیلا بھی ہے۔ اور قہار بھی یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے فرمایا اس وقت حق کے منکرین، توحید کو مٹانے والے، کفر و شرک کے پروردگار کو غالب بنانے، شکر کی رسوم قائم کرنے والے اور انبیاء کی بات کو ٹھکرانے والے لوگوں کا حال یہ ہوگا وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ تَوَّاسٍ دُونَ مَا كَانُوا عَنِ رَبِّهِمْ أُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ ان مجرموں کو دیکھے گا مقررین فی الْأَصْفَادِ کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الاحاقہ میں ہے تَعْرِفُ سِلْسِلَةَ ذُرِّيَّتِهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا مَسْتَرْتَرًا۔ یعنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے جنہیں فرشتے گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ سورۃ یس میں ہے فِئْتَأْتَسُفَاتِهِمْ خُلْفَاءُ أُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ وہ اس وقت اس قدر ذلیل و رسوا ہوں گے۔ یہی محاسبہ اور انتقام کی منزل ہوگی۔

فرمایا سَكَرَ بِئِنَّهُمْ مِّنْ قَطْرَانِ اُنْ کے کرتے گدھک آمیز مادے سے بنائے گئے ہوں گے۔ ان کی قیضوں کا خام مال تار کول، گندابروزہ یا گدھک وغیرہ کا ہو گا جو فوراً آگ پکڑے گا۔ عربی میں قطران اس مرکب وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اونٹوں کی خارش زدہ جگہوں پر لگایا جاتا ہے تاکہ سناڑہ جگہ سے زہریلا مادہ گل سٹرجانے اور جسم میں تندرست گوشت آنے لگے۔ بہر حال اس دن مجربین کے کپڑے اس قسم کے ہوں گے جو خود آگ کو دعوت دیں گے اور فوراً جھڑک اٹھیں گے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اُس توبہ کرنے والی عورت کو بھی گدھک کا کترہ پہنایا جائے گا اِذَا كَتَبْتُمْ قَبْلَ مَوْتِكُمْ جِئْتُمْ بِهَا سِوَا سِوَا سے پہلے اس قبیح فعل سے توبہ نہیں کر لیتی۔

اس قسم کے بارود آمیز کپڑوں کا نتیجہ یہ ہو گا وَتَعْتَشِي وَجْوهَهُمْ النَّارَ اُكْ اُنْ کے چہروں کو ڈھانپ لیگی۔ چہرہ چونکہ جسم کا افضل عضو ہے اس لیے اس کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، وگرنہ تو سارا جسم ہی جھڑک اٹھے گا۔ دوسری جگہ دِلْ کا ذکر آتا ہے کہ دوزخ کی آگ سب سے پہلے دِلْ پر نازل ہو گی اور ظاہری اعضاء میں سے اس کا پہلا شکار چہرہ ہو گا۔ اور یہ اس لیے لِيَجْزِيَ اللّٰهُ مِثْلَ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ تَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ہر جان کو اس کی کھالی کا بدلہ دے۔ چونکہ مجربین نے دنیا میں کفر، شرک، اسحاد، انکار معاد، انکار توحید، انبیاء کی مخالفت اور کفر کے پروگرام کی حمایت جیسے اعمال کھائے، لہذا ان اعمال کا بدلہ انہیں دوزخ کی آگ کی صورت میں ہی ملے گا اِنَّ اللّٰهَ سَوِيْعُ الْحِسَابِ اِيْ بِشَاكُ اللّٰهُ تَعَالٰی جلد حساب لینے والا ہے اگر وہ دنیا میں چند دن مہلت بھی دے دے تو ہو سکتا ہے مگر بالآخر وہ پکڑے گا اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا کیونکہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان والوں کو تسلی دی کہ گھبرائیں نہیں، اپنا کام کرتے جاؤ کیونکہ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا

میں کافروں کو ہدایت مل جائے مگر آگے وہ دن یقیناً آنے والا ہے جس  
 دن مجرموں کا یہ حال ہوگا جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے وہ لوگ آتشیں  
 لباس میں ملبوس ہوں گے جو فوراً آگ بکھڑے گا اور ان کا چہرہ فوراً بھلس جائے  
 گا۔ یہ ان کے کئے کا بدلہ ہوگا۔

وما آتئی ۱۳

ابراہیم ۱۴

درس ہفتم ۱۷

آیت ۵۲

هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَلْعَلَهُمْ  
 أَنْمَأ هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ (۵۲)

ترجمہ :- یہ پیغام ہے لوگوں کے لیے تاکہ ان کو  
 ڈرایا جائے اس کے ساتھ اور تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک  
 وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل مند

لوگ (۵۲)

یہ سورتہ ابراہیم کی آخری آیت ہے یہی سورتہ ہونے کی بنا پر اس میں بھی زیادہ  
 تر اسلام کے چار بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ پہلی بات قرآن کی صداقت و حقیقت  
 اور اس کا وحی الہی ہونا ہے۔ اس سورتہ میں قرآن پاک کی ضرورت اور اس پر اعتراض  
 کرنے والوں کا خاص طور پر رد کیا گیا ہے۔ اس کی غرض و غایت اس کے ابتدائی حصے  
 میں ہی بیان کی گئی ہے ”لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“  
 کہ آپ اس قرآن کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں  
 کفر، شرک، نفاق، بد عقیدگی اور باعالمی سب اندھیروں سے جس کی وجہ سے انسان کی  
 روح اور عقل تاریک ہو جاتی ہے اور انسان بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں  
 اس کے برخلاف ایمان، توحید، اخلاص اور نیکی روشنی ہے۔ جس کی دعوت یہ  
 قرآن جگمگ دیتا ہے۔

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ معاد بھی اس سورتہ میں بیان ہوا ہے۔ قیامت  
 پر ایمان، اس کا وقوع۔ بعثت بعد الموت اور جزائے عمل اس عقیدہ کی جزئیات  
 ہیں۔ اس سورتہ میں ان موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے اور معترضین کے اعتراضات

۱۷  
نہیں

کے شافی جوابات دیے گئے ہیں۔

اس کے بعد تیسرے بنیادی عقیدہ رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں بعض انبیاء کے تذکرہ میں ان کی اقوام کی نافرمانی اور پھر ان پر آنے والے عذاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

اسلام کا چوتھا اور اہم ترین بنیادی عقیدہ توحید پر ایمان ہے تو حید تمام مسائل کی طر اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے یہ مسئلہ سمجھایا ہے۔ پھر ابراہیم کی دعائوں کا ذکر ہے جن میں ملت حنیفیہ کے اصول ہیں اور آخر میں اللہ نے محاسبہ اعمال کا ذکر کیا ہے، یہ تمام باتیں بنیادی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے بدنی اور مالی ذرئوں کو تم کی عبادت کا ذکر بھی اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے "قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا" بحال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں مذکورہ چار بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر سورتوں کے آخر میں ان کا خلاصہ بیان ہوتا ہے اب اس سورۃ کے آخر میں بھی اللہ نے خلاصہ کے طور پر چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) پیغامِ انوار

ارشاد ہوتا ہے "هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ" یہ پیغام ہے لوگوں کے لیے اس سے مراد اس سورۃ مبارکہ کے مندرجات بھی ہو سکتے ہیں، اور پورا قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ اس سورۃ یعنی پورے قرآن حکیم میں ہے وہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام ہے مفسرین کہہ ام بلاغ کے دو معانی بیان کرتے ہیں۔ پہلا معنی توفیقاً ہے ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورۃ مبارکہ یا قرآن پاک میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کی نصیحت حاصل کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور دوسرا

معنی ایسا کہ میں نے ترجمہ میں عرض کیا پیغام ہے تمام لوگوں کے لیے ظاہر ہے کہ اگر یہ پیغام ہے تو پھر اس کو پہنچانے والے بھی ہونے چاہئیں تاکہ اس کی تعلیمات تمام متعلقین تک پہنچ سکیں۔ قرآن پاک اللہ نے اپنے نبی پر براہ راست نازل فرمایا اور پھر اہل ایمان کو پابند کیا ہے کہ وہ اس پیغام کو آگے پہنچائیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انان خود اس پر عمل پیرا ہو، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، اس کی صحت پر یقین ہو، کون کون سے قرآن پاک کا بیان ہے کہ اس کلام الہی پر یقین نہیں رکھو گے۔ ”فَيَأْتِي حَكْمِيَّةً مَّبْعُودَةً يُؤْمِنُونَ“ (المسلمات) تو پھر اس کے بعد کون سی چیز آئی ہو گی جس پر ایمان لاؤ گے۔ غرضیکہ انان کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کا آخری اور جامع کلام ہے اور حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرح ہے اس کا متن وحی جلی ہے اور اس کی تشریح وحی خفی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی فرماتے ہیں کہ ”تمام احادیث صحیحہ قرآن کی شرح ہیں، اور یہی بات شاہ ولی اللہ امام شافعی اور امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھی ہے۔ الغرض! اس یقین ایمان اور عمل کے ساتھ اگر اس پیغام کو پہنچانا ہی اپنی ذمہ داری کی تکمیل ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ بلاغ کا لفظ عام ہے اور اس پیغام کو لے جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات پر یقین ہو کہ یہی پروگرام صحیح ہے چنانچہ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہے ”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ یہ وہ کتاب ہے جو شک و شبہ سے پاک ہے۔ پھر اس کی تعلیمات اور پروگرام پر عمل پیرا ہونے والوں کے متعلق فرمایا ”أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ یہی لوگ ہیں کہ جن کو فلاح نصیب ہوگی، اور جو قوم قرآن پاک کے پروگرام کو قبول نہیں کرے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔ اگر اس کتاب کے پیروکار اس پر عمل کرتے ہوئے، بغیر شک و تردد کے اسے آگے لے جائیں گے، تو اس کا یقیناً اثر ہوگا۔ اور اگر اس کی تعلیمات کا علم ہی نہ ہو یا اس پر



یقین ہی نہ ہو، اس کی شرح اور اپنے اعمال سے ناواقفیت ہو اور اس کے عقائد اور فکر کا علم نہ ہو، تو یہ قرآن موثر نہیں ہو سکتا، بلاغ کے لفظ سے یہ ساری بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور اگر قرآن کے ماننے والوں کے پاس کوئی سلطنت اور ملک ہی نہ ہو جہاں اس کے پروردگار کو عملی طور پر نافذ کر سکیں تو وہ اس کی دعوت دوسروں کو کیسے شے سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس کی حقانیت کو چھٹی سمجھیں گے جب کہ وہ دنیا کے کسی خطے میں اس پر عمل ہوتا اور اس کے متبعین کو فیض یاب ہوتا دیکھیں گے امیر تکیب اور سلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب میں روس گیا تو میں نے سٹالن اور اس کے حواریوں کے سامنے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو واقعی بڑا اچھا پروردگار ہے مگر یہ بتائیں کہ اس پروردگار پر عمل کہاں ہو رہا ہے اور اس کے ثمرات کیا مرتب ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ کیونکہ دنیا کی پچاس سے زیادہ مسلم ریاستوں میں سے کسی ایک میں بھی اسلام کے پروردگار پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اسلام کی ترویج کے لیے اور اس کی تبلیغ کے لیے انفرادی طور پر تو کوشش ہو رہی ہے اور یہ بھی مبارک بات ہے کہ تبلیغی جماعتوں کے کشت دنیا بھر میں ہو رہے ہیں مگر یہ اجتماعی فریضہ کہاں ادا ہو رہا ہے وہ کون سا ملک ہے جس نے قرآنی پروردگار کو اپنے ملک میں نافذ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حدود و تحزیم کے قوانین نازل فرمائے ہیں مگر کہاں ہیں وہ لوگ جو ان کو اپنے سینوں، معاشرے اور ملک میں جگہ دیں۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ہم بلاغ کا فریضہ ادا نہیں کر رہے ہیں اور قرآن کے پیغام حق ہونے کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اخلاقی تعلیم اور تعزیرات، اگر کوئی اخلاقی تعلیمات سے

مستفید نہیں ہوتا اور قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر اس کے لیے تعزیرات کا نظام ہے تاکہ معاشرے میں فساد برپا نہ ہو، مگر تعزیرات کا نظام اجتماعیت اور حکومت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جو حکومتیں اس وقت موجود بھی ہیں ان کے کارپردازان بھی اسلامی تعزیرات نافذ کرنے کی بجائے من مانی کاروائیاں کر رہے ہیں۔ کافروں کی شاگردی اختیار کرتے ہیں۔ ان سے سیکھیں بولتے ہیں اور پھر اپنی کے مطابق دولت خسر ج کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ تو قرآنی پروگرام پرعمل ہوتا ہے اور نہ اس کے بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی عقل کو استعمال کرتے، سلف صالحین کی طرح ہر کام کے خود بانی مبنی بنتے، دوسروں سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے خود دنیا کے اسانڈے تو انہیں عزت کا مقام حاصل ہوتا، مگر انہوں نے قرآن کریم کے پروگرام کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اس پرعمل کیا ہے حالانکہ یہ تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے اور اس کی تبلیغ کا کام خود اس کے پیروکاروں کو آگے بڑھ کر کرنا چاہیے تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق پہلی بات تو یہ فرمائی کہ یہ لوگوں کے لیے پیغام ہے اور دوسری بات یہ وَلَيْسَ نَذْرٌ وَأَيْدٍ تاکہ اس کے ساتھ ڈرا یا جائے، لوگوں کو خبردار کیا جائے۔ منذر انبیاء کی صفت ہے اور لوگوں کو محاسبہ عمل اور جبرے انجام سے خبردار کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا فسق و فجور سے بھری پڑی ہے، انذار کی زیادہ ضرورت ہے۔ لوگوں کو خبردار کرنا چاہیے کہ اگر قرآن پاک میں مذکورہ اصولوں کو تسلیم نہیں کریں گے تو انجام بہت بُرا ہوگا۔ انذار ایک عظیم مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی فرمایا قَسَمَ فَاذْرِمَا (اللہ قسم) آپ اٹھیں اور لوگوں کو ان کے انجام برے سے خبردار کر دیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے سوا چار ارب کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہیں، لہذا قرآن کے پیروکاروں کا فرض ہے کہ وہ اس پروگرام کو لے کر اٹھیں اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کریں اور ڈرائیں۔

(۲)  
وعورت  
توحید

سورۃ ہذا کی آخری آیت میں اللہ نے تیسری بات یہ بیان کی ہے۔  
وَلْيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ لَّا كُفُوًا لَهُ ۗ وَهُوَ جَانِبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَمَّا خَلَقَ الْإِنْسَانَ فَذَرَفَ عَلَىٰ عَيْنَيْهِ مِزَاجًا مِّنْ لَّدُنْهُ فَكَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۚ

ہی معبود ہے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی پہچان نہایت ہی ضروری ہے یہ پورے دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں توحید کے بیشمار عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے توحید کی بات سمجھائی ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! انسان کی سعادت دو باتوں میں ہے ایک انسان کی فکری قوت پاک ہو اور دوسرے اس کی عملی قوت کمال درجے کی ہو۔ اگر انسان کو فکری یا نظری قوت میں کمال حاصل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے اور یہی چیز انسان کے عروج اور سعادت کی انتہا ہے۔ اور یہی چیز قرآن پاک میں پیش کرتا ہے۔

جہاں تک انسان کی قوت عملی کا تعلق ہے تو یہ بھی کمال درجے کی ہوتا کہ وہ بدنی اور مالی عبادت انجام دے سکے، اور ان دونوں چیزوں کا تذکرہ اس سورۃ مبارکہ میں ہو چکا ہے لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ وہ نماز قائم کریں کہ یہ بدنی عبادت ہے اور سہارے دیے ہوئے مال میں سے الفاق فی سبیل اللہ کر کے مالی عبادت کا حق بھی ادا کریں۔ بہر حال اس آیت کے عین میں تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو پہچاننا ہی سعادت ہے جس کو یہ چیز حاصل نہیں، وہ سعادت مند نہیں بلکہ شقی اور بد بخت ہے۔

چوتھی چیز کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے وَلْيَذْكُرُوا الْأَلْبَابَ  
 تاکہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی قوتِ عملی کا کمال ہے کہ لوگ  
 اچھی بات سے نصیحت حاصل کریں اور تمام عبادات مجملہ بدنی اور مالی،  
 نماز، روزہ، زکوٰۃ حج، تبلیغ، اور جہاد وغیرہ انجام دیں اور یہی چیز قرآن پاک  
 انسانوں میں پیدا کرنے کا ہتھیار ہے۔ کہ انسانوں کی قوتِ فکری اور عملی دونوں  
 درست ہوں تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکیں۔ یہ چاروں باتیں  
 ہو گئیں۔

(۲)  
 نصیحت  
 برائے  
 اہل عقل

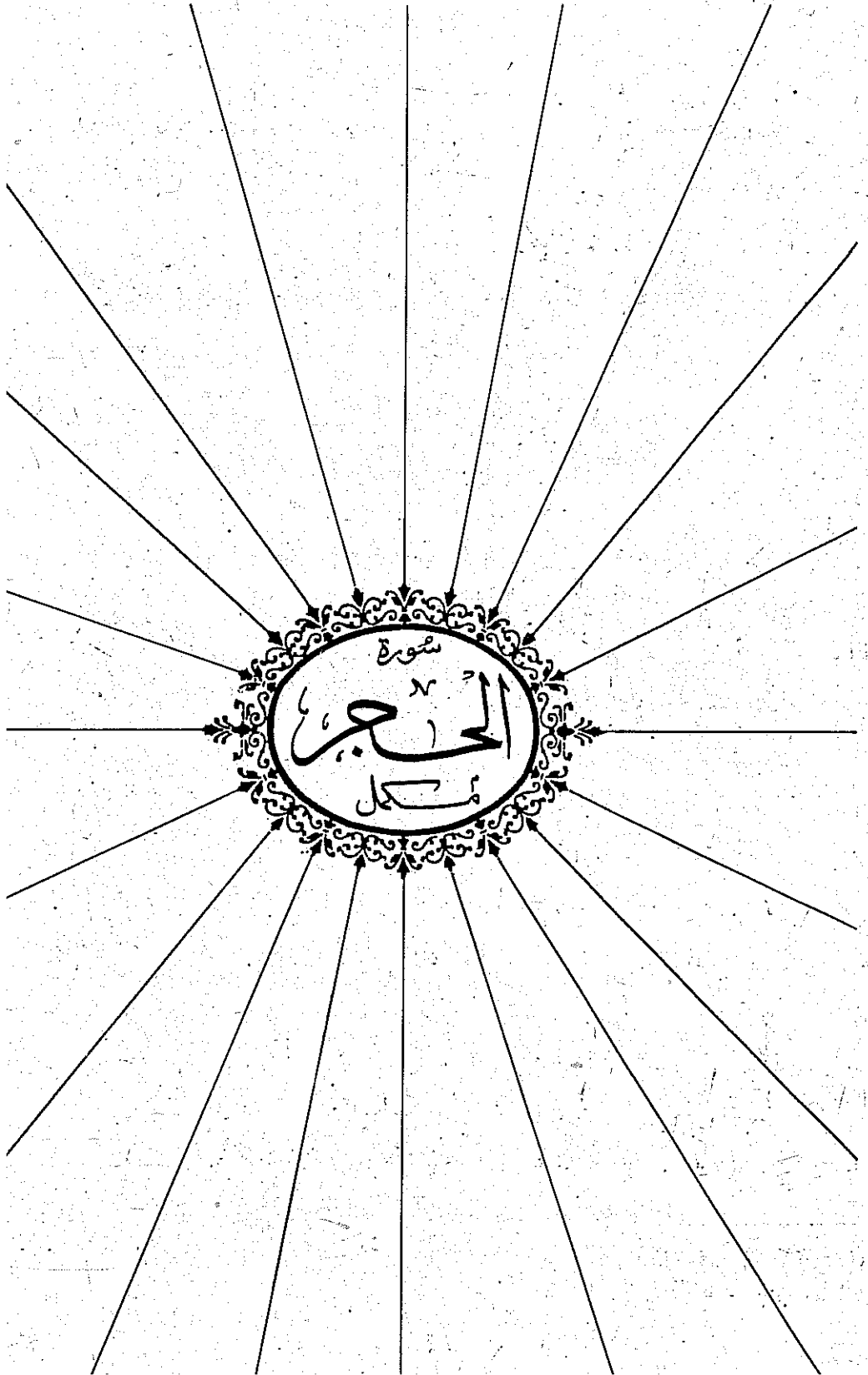
اب آپ اس سورۃ مبارکہ کے تمام مضامین پر نظر ڈالیں گے  
 تو خلاصہ یہی نکلے گا جو اس آخری آیت کہ تمہیں میں ذکر کر دیا گیا ہے اور  
 وہ یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ کا آخری پیغام ہے، اس کے ذریعے لوگوں  
 کو ان کے برے انجام سے خبردار کر دیا جائے کہ آگے مجاہدے کی منزل  
 آنے والی ہے۔ نیز یہ بھی کہ لوگ اللہ کی وحدانیت پر یقین کر لیں کہ معبود  
 بہ حق ایک ہی ہے۔ جب وہ قرآنی دلائل، شواہد اور انعامات الہی  
 میں غور کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین آجائے گا۔  
 اور پھر یہ بھی کہ اس نصیحت پر عمل کرنا عقل مندوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 نے سورۃ آل عمران میں عقل مندوں کی یہ صفت بیان کی ہے الَّذِينَ  
يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ  
 جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔  
 حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا حَتَّىٰ  
ذَكَرَ اللَّهَ تمہاری زبان ہمیشہ ذکرِ الہی سے تر رہنی چاہیے۔ اگر دلائل  
 قدرت میں غور و فکر کرو گے تو روح اور قلب کا ذکر ہو گا اور زبان کا  
 ذکر تو عام ہے اور ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ حضرت ام المؤمنین  
 فرماتی ہیں كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي كُلِّ أَحْيَانٍ

ملاصہ  
 کلام

حضور علیہ السلام ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے کہ عقلمندوں کا  
یہی کام ہے۔ دیکھو کہ، فریب اور برائی عقلمندوں کا کام ہرگز نہیں۔  
یہ بات عقل معاش تو ہو سکتی ہے مگر عقل معاد نہیں ہو سکتی۔ ٹوفنر یا  
صیحیح معنوں میں عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، بدنی اور مالی  
عبادات انجام دیتے ہیں اور قرآن پاک کے پروگرام پر یقین رکھتے  
ہیں۔ اللہ نے سورۃ کے آخر میں خلاصے کے طور پر چار باتیں فرمائی ہیں

---





الحجر ۱۵

آیت ۵۲

وَمَا أَرْبَىٰ

دس اول ۱

سورۃ الحجہ میکیہ تھی تسع و تسعون آیتہ و فیہا ست رکعات  
سورۃ حجہ میکی ہے اور یہ ننانوے آیت اور اس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم کرنے والا

الرَّافِعِ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرَّانٍ مُّبِينٍ ①  
رَبِّمَا يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ②  
ذُرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ  
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ  
إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ  
أُمَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤

ترجمہ :- الرافع یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن کی  
جو کھول کر بیان کرنے والا ہے ① با اوقات آرزو  
کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کاش کہ وہ  
مسلمان ہوتے ② چھوڑ دیں ان کو کھا لیں اور فائدہ  
اٹھالیں اور غفلت میں ڈالے ان کو آرزو - پس  
غضرب وہ جان لیں گے ③ اور نہیں ہلاک کیا ہم  
نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ایک نوشتہ تھا



مقرر لکھا ہوا (۴) نہیں سبقت کرتی کسی امت سے  
 اُس کی اجل (یعنی موت کا وقت) اور نہ وہ کسی سے  
 پہلے ہیں (۵)

اس سورۃ کا نام سورۃ الحجر ہے۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مکہ اور شام کے  
 درمیان تنوک کے قریب واقع ہے۔ ہزاروں سال پہلے ثمود جیسی متمدن قوم اس  
 وادی میں آباد تھی۔ یہاں پر ان کے سترہ سو بڑے بڑے شہر اور قصبات تھے۔  
 اس سورۃ کا نام اسی وادی کے نام سے الحجر موسوم ہے ان لوگوں نے اپنے رسولوں  
 کی تکذیب کی جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئے  
 یہ سورۃ مبارکہ مکی دور میں نازل ہوئی۔ اس کی ۹۹ آیات اور چھ رکوع ہیں۔  
 یہ سورۃ ۶۵۴ الفاظ اور ۲۷۷ حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ مکی سورتوں کی مانند اس سورۃ مبارکہ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد  
 قرآن پاک کی حقانیت، معاد، رسالت اور توحید ہی کا ذکر ہے۔ گذشتہ سورۃ میں  
 رسالت کا بیان تفصیل کے ساتھ آیا تھا جب کہ اس سورۃ میں مجرمین کی جہالت  
 کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ میں حضرت ابراہیم اور  
 موسیٰ علیہما السلام کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں حضرت شعیب اور لوط علیہما السلام کی قوم کی  
 نافرمانی کا ذکر ہے۔ البتہ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں بھی آیا ہے۔ توحید کے  
 عقلی اور نقلی دلائل اس سورۃ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور دلائل قیامت اور محاسبے  
 کا عمل حسب سابق بیان ہوا ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد  
 ہی بیان کیے گئے ہیں۔

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا بھی ایک اہم مضمون حضور علیہ السلام اور  
 آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔ اللہ نے اہل ایمان  
 کو فرمایا کہ آپ مجرمین کی ریشہ دوانیوں سے گچھرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دولت

مے رہے مگر بالآخر اُس کی گرفت میں آجائیں گے۔  
 اس سورۃ مبارکہ کا آغاز بھی حروف مقطعات آلا سے ہو رہا ہے۔  
 جیسا کہ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں بھی عرض کیا تھا مفسرین نے ان حروف کے  
 مختلف معانی بیان کیے ہیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآن پاک سے مانوس  
 رہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اے انا ل سے اللہ اور اے  
 رڈیت مراد ہے اور تینوں حروف کو ملانے سے انا اللہ اذی بنتا  
 ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری تمام حرکات و سکنات  
 کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا یہ جزائے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اے  
 میرے بندو! تمہارا کوئی عمل میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ میں ایک  
 ایک عمل کا حساب لوں گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ  
 کروں گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اے اللہ ل سے جبرائیل اور آ سے رسول  
 مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے حقائق اللہ رب العزت نے  
 جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل  
 فرمائے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے  
 ذوقی طریقے سے میرے ذہن میں ڈالا ہے کہ ان حروف سے مقامات  
 انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ عالم غیب کے حقائق الیہ اس مادی جہان میں  
 آکر متعین ہوتے ہیں اور نافرمان لوگوں کے باطل عقائد اور بڑے اعمال کے  
 ساتھ ٹکراتے ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء کی کوشش سے باطل باتیں مٹی رہتی ہیں  
 اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ گویا مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم  
 جیسا کہ صاحب جلالین فرماتے ہیں، زیادہ سلامتی والا طریقہ یہ ہے اللہ  
 اعلم بمرادہ ان کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ہمارا اس پر  
 ایمان ہے کہ اللہ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جاننا

ہمارے لیے ضروری نہیں۔

قرآن کی  
خصائیت

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کتاب سے مراد ہے وَالْقُرْآنِ الْمُبِينِ کہ وہ قرآن ہے جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی حقدار صرف یہی کتاب قرآن پاک ہے جو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے اور جس کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں پوری انسانیت کی فلاح اور نجات کا پروگرام موجود ہے۔ جہاں تک قرآن کے مہین ہونے کا تعلق ہے تو اس کی یہ صفت خود قرآن میں تیکر بیان ہوئی ہے قرآن اپنے مطالب کبھی خود براہ راست کھولتا ہے۔ اگر کسی ایک مقام پر کسی معاملہ میں اجمال پایا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی وضاحت کا دوسرا ذریعہ حضور مہتمم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا پابند کیا ہے لَتَبَيِّنَنَّ لَكُم مَّا كُنْتُمْ فِيهَا يَسْتَشِئِرُونَ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کر بیان کر دیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی تفسیر و تشریح احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اگر کوئی بات نبی کی زبان سے بھی واضح نہ ہوئی ہو یعنی اس کے بعض جزوی مسائل کی تشریح مطلوب ہو تو خود اللہ کا فرمان ہے لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ اِسْتَشِيرُوا النَّاسَ تَوَاسِعًا اسباق اور اجتہاد کرنے والے آئمہ کے سپرد کر دو، وہ تحقیق کر کے مسئلہ کا حل بتا دیں گے۔ امام ابو یوسف جصاص چوتھی صدی کے عظیم المرتبت حنفی امام گمراہے ہیں جنہوں نے تفسیر الاحکام جیسی عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ قرآن پاک کی تبیین کبھی براہ راست قرآن سے ہوئی ہے، کبھی نبی کی زبان سے اور کبھی مجتہد اور علماء قرآنی اصولوں کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔ یہ سارے طریقے قرآن کی وضاحت میں داخل ہیں۔ بہر حال اس سورۃ کی پہلی

آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔  
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجرمین کے متعلق فرمایا ہے وَلَمَّا  
بَاوَقَاتِ يَوْمَ الذِّكْرِ كَفَرُوا کافر لوگ آرزو کریں گے  
لَوْ كُنَّا نُوَدِّعُ الْمَشْرَاقِينَ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے۔ یہ اس وقت  
 کی بات اللہ نے بیان کی ہے جب کافر لوگ عذاب میں مبتلا ہو چکے ہوں  
 گے مگر بعض لمحات ایسے بھی آئیں گے جب وہ تمنا کر سکیں گے، کہ  
 کاش وہ بھی ایمان لے آتے تو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بعض مفسرین  
 فرماتے ہیں کہ حساب کتاب کے مرحلے سے گزرنے کے بعد بعض ایمان  
 والے بھی اپنے گناہوں کی یادداشت میں کچھ عرصہ کے لیے جہنم میں جائیں گے  
 تو اس وقت کافران کو طعنہ دیں گے کہ تم نے تو دنیا میں ایمان کو قبول  
 کیا، اب ہمارے ساتھ جہنم میں کیوں پڑے ہو۔ پھر وہ سزا بھگتنے کے بعد  
 آہستہ آہستہ جہنم سے نکلتے جائیں گے تو اس وقت کافر لوگ آرزو کریں گے  
 کہ اگر ہم بھی دنیا میں ایمان لے آتے تو آج ان کے ساتھ ہی دوزخ سے  
 نکل جاتے۔ مگر اس وقت کا کچھ تانا کچھ کام نہ آنے گا کیونکہ عمل کا وقت ختم  
 ہو کر جزا کا وقت آچکا ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کی یہ حسرت صرف آخرت کے ساتھ  
 مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور اس کا اطلاق اس دنیا پر بھی ہو سکتا ہے چنانچہ  
 بدر اور بعض دوسرے مواقع پر جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کفار کو ذلت  
 و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، تو انہوں نے اس وقت آرزو کی کہ کاش ہم بھی مسلمان  
 ہوتے تو آج ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ تاہم زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے  
 کہ کافر لوگ آخرت میں یہ آرزو کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ارشاد فرمایا ذُرُّهُمُ آپ ان کو چھوڑ  
 دیں۔ يَا كُفْرًا اور فائدہ اٹھالیں۔ فرمایا آپ

بارکی  
 زور

کے  
 ہمت

ان کی طرف سے زیادہ تشویش میں نہ پڑیں بلکہ انہیں دنیا کی ترغیبات سے مستفید ہونے دیں۔ انہیں مہلت دیں کہ یہ فائدہ اٹھالیں۔ سورۃ محمد میں کفار کے متعلق آتا ہے **يَتَصَعَّقُونَ وَيَا كُفْرًا كَمَا تَأْكُلُ فِي الْأَعْيَامِ وَالنَّارُ مَشْوِيَةٌ لَهُمْ** کہ یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے مویشی کھاتے ہیں مگر بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ **وَيَأْكُلُونَ مِنْهُ الْأَمْكِلُ** اور غفلت میں ڈالے ان کہ ان کی آرزو۔ اس دنیا میں تو یہ بلا تیز حلال و حرام چوپایوں کی طرح کھاتے رہتے ہیں اور دنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں مگر **سَوْفَ يُعْطَمُونَ** انہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ ان کی غفلت، لاپرواہی اور عیش و عشرت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا **الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَحْمَاقٍ** یعنی کافر آدمی سات آنٹوں میں کھانا کھاتا ہے وہ خوب پیٹ بھرتا ہے کیونکہ اُسے آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف **وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعَى وَاحِدَةٍ** مومن آدمی صرف ایک آنٹ میں کھاتا ہے۔ یعنی وہ صرف اتنا کھانا کھاتا ہے جس سے اُس کی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رہ سکے اور اس میں اتنی قوت موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دیگر فرائض انجام دے سکے اسی لیے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں، کھانے دیں اور فائدہ اٹھانے دیں، انہیں جلد ہی نتیجے کا پتہ چل جائے گا۔

حضور ﷺ  
کی تشویش

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دو چیزوں کے متعلق میں اپنی امت کے لوگوں پر خوف رکھتا ہوں یعنی اتباع الہوی و طول الامل ان میں سے ایک خواہشات کی پیروی ہے اور دوسری لمبی لمبی آرزوئیں ہیں۔ اتباع ہوی کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے قانون

کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا  
 وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (البقرہ) لوگو! شیطان کے نقش قدم پر  
 نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ حق کے مقابلے میں رسم و رواج اختیار  
 کرنا خواہشات اور شیطان کی پیروی کے مترادف ہے، اگر سنت کا خیال  
 نہیں رکھو گے، خدا تعالیٰ کے حکم اور شریعت کی پرواہ نہیں کرو گے، خوشی  
 اور غمی کے موقع پر قوم، خاندان اور برادری کے کہنے پر چلو گے، تو یہی خواہشات  
 کی پیروی ہے۔ فرمایا، مجھے دوسرا خطرہ لمبی لمبی آرزوؤں کا ہے۔ انسان  
 بے شمار منصوبے بناتے ہیں کہ یہ کریں گے، پھر وہ کریں گے، اتنا فائدہ ہو  
 گا، اتنی شہرت ہوگی، انسان اسی بات میں لگا رہتا ہے آخرت کی طرف  
 تو جہم ہی نہیں دینا حتیٰ کہ اُسے موت آجاتی ہے اور اس کی ساری آرزوئیں  
 دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے اتباع ہوا ایسی  
 چیز ہے یَصْدُقُ عَنِ الْحَقِّ جو حق بات سے روکتی ہے وَأَمَّا طَوْلُ  
 الْأَمْرِ فَيَسْبِي الْأَخْرَجَةَ اور لمبی آرزو وہ ہے جو آخرت کو فراموش  
 کر دیتی ہے۔ انسان کو آخرت کی فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جتنی لمبی  
 آرزو ہوگی اتنی ہی آخرت سے غفلت ہوگی۔

فرمایا کہ کافر لوگ جو کچھ کرتے ہیں انہیں کرنے دیں، اس وقت انہیں  
 مہلت مل رہی ہے مگر ہر فرد اور قوم کے لیے ہم نے ایک وقت  
 مقرر کر رکھا ہے وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا  
 كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ہم نے کسی سب سے کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی مہلت  
 کا مقررہ وقت بکھر دیا گیا تھا۔ ہم نافرمان قوموں کو مہلت دیتے ہیں، پھر  
 جب ان کا مقررہ وقت آگیا تو وہ گرفت میں آئے اور ہلاک ہو گئے۔  
 فرمایا یہاں پر ایک یہ قانون بھی ہے مَا سَأَلْنَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا لَهَا  
 وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ کسی امت کی موت آگے پیچھے نہیں ہوتی، مگر

رہ وقت  
 ہاکت

عین وقت مقررہ پر وارد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اللہ نے کئی قوموں کے حالات بیان کیے ہیں جن کو ہدایت دی گئی اور پھر حیرت ان کی ہلاکت کا وقت آگیا تو لحظہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہڑا، بلکہ عین وقت پر ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

اس میں حضور علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کے لئے تسلی کا مضمون بھی ہو گیا کہ کفار کے جوش و خیزبے اور ان کے غلبے کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آخرت میں ان کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ فرمایا ان کو چھوڑ دیں اور دنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھانے دیں۔ ایک مقررہ وقت آنے والا ہے جب خدا تعالیٰ کی گرفت آئے گی اور یہ مجرم لوگ پکڑے جائیں گے اگر دنیا میں مصلحت خداوندی کے مطابق سزا سے بچ بھی گئے تو اگلے جہان میں یقینی طور پر سزا میں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ  
 لَمَجْنُونٌ ﴿٦﴾ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَكَةِ إِن  
 كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾ مَا نُنزِّلُ الْمَلَكَةَ  
 إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾ إِنَّا خَشِ  
 نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ  
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾  
 وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ  
 يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾ كَذَلِكَ نَسْلُكُ فِي قُلُوبِ  
 الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ  
 الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنْ  
 السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرَجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا  
 سُبُكَّتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

ترجمہ:- اور کہا اُن لوگوں نے، اے وہ شخص کہ

اتارا گیا ہے جس پر ذکر، بیشک تو البتہ دیوانہ ہے ﴿٦﴾

کیوں نہیں لاتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو، اگر

تو سچا ہے ﴿٧﴾ (فرمایا) نہیں اارتے ہم فرشتوں کو

مگر حق کے ساتھ۔ اور نہیں ہوں گے وہ بہت یافتہ



لوگوں میں سے ⑧ بیشک ہم نے اتارا ہے ذکر کر،  
 اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑨  
 اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول ،  
 پہلے گمروہوں میں ⑩ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی  
 رسول مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ⑪ اسی  
 طرح ہم چلاتے ہیں اس کو مجرموں کے دلوں میں ⑫  
 نہیں ایمان لاتے اس پر ، اور تحقیق گزر چکا ہے دستور  
 پہلے لوگوں کا ⑬ اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان  
 سے اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں ⑭ تو کہیں  
 گے بیشک ہماری آنکھوں کی نظر بند ہی کر دی گئی ہے ،  
 بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر سحر کر دیا گیا ہے ⑮

سورۃ نذا کی پہلی آیت کریمہ میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی  
 پھر کفر کرنے والوں کا آخرت میں آرزو کرنا مذکور ہوا کہ وہ کہیں گے کاش کہ وہ مسلمان  
 ہوتے تو اس دن کی ذلت سے بچ جاتے پھر اس مہلت کا ذکر ہوا جو کافر ہنسرک  
 اور معصیت شعار لوگوں کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا، ان کو چھوڑ دیں اور  
 کھانے پینے دیں، یہ دنیا میں فائدہ اٹھاتے رہیں اور آرزوئیں ان کو غفلت میں  
 ڈالتی رہیں، بالآخر ان کو پتہ چل جائے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا۔ اللہ نے یہ  
 بھی فرمایا کہ ہر قوم اور جماعت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے جس پر وہ اپنے  
 انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ مجرموں کو مہلت دیتا ہے مگر انہیں سزا دینے  
 بغیر چھوڑتا نہیں۔

دیوانی کا  
 الزام

اب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بعض حرکتات کا شکوہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا  
 ہے وَقَالُوا انہوں نے کہا يَا أَيُّهَا الَّذِي بُرِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اے وہ

شخص کہ جس پر ذکر اُتانا گیا ہے کفار و مشرکین کا یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہے کہ آپ ہی پر ذکر یعنی قرآن پاک اُتانا گیا۔ قرآن پاک کے بہت سے ناموں میں سے ذکر بھی ایک نام ہے جس کا معنی نصیحت ہے تو نافرمان اور سرکش لوگ کہتے تھے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ کہ تو تو دیوانہ ہے (العیاذ باللہ) وہ لوگ اپنے تعصب و عناد، نادانی اور حماقت کی بنا پر آپ سے استہزاء کرتے تھے کہ آپ تو دیوانوں جیسی باتیں کہتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے، بھلا یہ بھی کوئی محفلندی کی بات ہے؟ أَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص ۱۶) کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک الہ کو مان لیں، یہ تو عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ یا آپ کہتے ہیں کہ قیامت برپا ہوگی، محاسبہ کا عمل آئیگا، اور پھر جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ بھلا یہ بھی کوئی قابل یقین بات ہے کہ مرنے کے بعد پھر سارے جی اٹھیں گے؟ یہ تو پاگلوں جیسی باتیں ہیں ہم ان کو نہیں مانتے۔

کہنے لگے اگر آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو مَا تَبَيَّنَ بِالْمَلَكَةِ تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتے، إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ اگر آپ سچے ہیں اللہ کے فرشتے ہمارے سامنے آکر گواہی دیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو پھر ہم مانیں گے۔ کہ اللہ نے واقعی آپ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا ہے۔ اور آپ پر قرآن بھی نازل کیا ہے، اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا أَنْزَلْنَا الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ ہم نہیں فرشتوں کو اتارنے مگر حق کے ساتھ۔ جب اللہ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، تو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب فرشتے اتریں گے وَمَا كَانُوا إِذَا مِنْظَرِينَ تو پھر انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی، فوری گرفت ہوگی اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے

نزل ملائکہ  
کی فرمائش

حفاظت  
قرآن کا ذمہ

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ قرآنِ کریم میں ترمرد کرتے ہیں اور طے سے خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حقیقت یہ ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم ہی نے اس ذکرِ قرآن کو نازل کیا ہے وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ اور بیشک ہم ہی البتہ اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ منکرین اس خدائی کمپوٹر کو مٹانے کی جتنی بھی کوشش کر لیں، ہم خود اس کے محافظ ہیں۔ اس قرآن کو کوئی گتہ نہ نہیں پہنچا سکتا اور یہ اپنی اصلی حالت میں قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مشرکین نے جنگ و جدل کے ذریعے قرآن کو ختم کرنے کی کوشش کی جب کہ یہودیوں نے سازشوں کے ذریعے اہل ایمان اور ان کی کتاب کو مٹانا چاہا، مگر اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھالیا۔

حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا أَنْزَلْتُ إِلَيْكَ الکتب میں نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جسے نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ پانی دھو سکتا ہے۔ اللہ نے سورۃ العنکبوت میں یہ بھی فرمایا ہے بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَلِغَاتٌ فِي صُدُورِ الذِّبَابِ وَآذَانِ الْعِلْمِ یہ تو ایسی واضح آیات ہیں جو اللہ نے اہل علم کے سینوں میں جمع کر دی ہیں لہذا اسے کون مٹا سکتا ہے؟ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے جس سے متعصب اور مغرور مخالفین کے سر بھی نیچے ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کی حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ میور ایک انگریز پادری تھا، ہندوستان میں یورپی گائڈز بھی رہا، شدید متعصب عیسائی تھا۔ اس کا مقولہ ہے کہ دو چیزیں انسانیت کی دشمن ہیں ایک محمد کا قرآن اور دوسری محمد کی تلوار۔ اس کے باوجود وہ کتاب ہے کہ جہاں تک ہماری تعلیمات کا تعلق ہے دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک تخریف سے پاک رہی ہو۔ بعض دوسرے یورپی محققین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جس طرح مسلمان قرآنِ پاک کو خدا کا کلام سمجھتے

ہیں اسی طرح ہم بھی اسے بعینہ محمد کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ قرآن کو خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ وہ بھی ماننے پر مجبور ہیں۔

اب اسخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء کا ایک تنظیم گروہ موجود رہا ہے جس نے قرآن پاک کے علوم و مطالب اور اس کے لافہمجا ثبات کی ہمیشہ حفاظت کی ہے۔ یہ حضرات ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو یاد کرتے رہے ہیں اور آئندہ نسلوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ قرآن پاک کا رسم الخط بھی اس کی حفاظت کا ذمہ دار رہا ہے۔ پرانے کوئی رسم الخط، متعلق نسخ اور دیگر خطوں میں قرآن پاک ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ حفاظ نے اس کو حرف بحرف نہانی یاد کر کے اور قاری حضرات نے اس کی صحت لفظی کے لحاظ سے حفاظت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی عزت کو شمار کر کے اس کی حفاظت کی ہے۔ کسی نے قرآن کے رکوہ شمار کیے تو کسی نے آیات، کسی نے اس کے الفاظ کو گناہے اور کسی نے حروف کو شمار کر لیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود نہ ہوں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آٹھ دس سال کا پاکستانی یا ہندوستانی بچہ، افریقی یا ملائی، جس کی اپنی مادری زبان بھی عربی نہیں اور وہ خود اپنی زبان میں چھوٹی ہی کتاب بھی یاد نہیں رکھ سکتا، مگر قرآن پاک اُسے حرف بحرف زبانی یاد ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اگر تلاوت میں غلطی کرتا ہے تو وہ بچہ فوراً ڈک دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ایسا اچھا نظام قائم کر رکھا ہے۔

صاحب "معارف القرآن" مفتی محمد شفیعؒ نے امام قرطبی کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کا راوی خلیفہ مامون الرشید عباسی کا بڑا قاضی اکثم تھا۔ خلیفہ کے دربار میں بڑے بڑے فقہاء، عالم اور ماہرین جمع ہو

حفاظت  
قرآن کا  
قدرتی نظام

۱۰۰  
قول  
کا ایک واقعہ

کہ مختلف مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسی ہی ایک بحث چل رہی تھی کہ ایک نہایت ہی وجیہ شخص محفل میں شامل ہوا اور اس نے نہایت فصیح و بلیغ زبان اور عالمانہ انداز میں بحث میں حصہ لیا۔ اختتام مجلس پر خلیفہ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ یہودی مذہب رکھتا ہے خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ اگر تم مسلمان ہوتے تو ہم تمہاری بہت قدر و منزلت کرتے، اس شخص نے کہا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور چلا گیا۔ کوئی ایک سال بعد دربار میں پھر اسی قسم کی مجلس برپا ہوئی کہ وہ شخص پھر داخل ہوا اور بحث میں پورا پورا حصہ لیا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مامون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم وہی شخص نہیں جو گذشتہ سال بھی یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا میں وہی شخص ہوں۔ اس وقت میں یہودی تھا۔ مگر اب مسلمان ہو چکا ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے اسلام کیسے قبول کر لیا حالانکہ تم اپنا پیلا مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ کی گذشتہ سال کی پیش کش پر میں نے بڑا غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے مختلف مذاہب پر تحقیق کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے نہایت عمدہ خط میں تورات کا ایک نسخہ لکھا اور اس میں کہیں کہیں تغیر و تبدل کر دیا۔ وہ نسخہ میں نے یہودی علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔ پھر میں نے انجیل کی بڑی خوش حظ کتابت کر کے علیائوں کے سامنے پیش کی، تو انہوں نے اسے شکر پر کے ساتھ قبول کر لیا۔

میر تیسرا نشانہ قرآن پاک تھا۔ میں نے اس کو بھی بہت اچھے خط میں تحریر کیا اور حسب معمول اس میں تحریف بھی کر دی۔ پھر جب میں نے اسے مسلمان علماء کی خدمت میں پیش کیا تو کسی نے بھی بلا تحقیق اسے قبول نہ کیا۔ انہوں نے حفاظ سے اس کی تصدیق چاہی مگر جب معلوم ہوا کہ اس میں

رد و بدل کیا گیا ہے تو نسخہ واپس کر دیا کہ یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اس بات پر مجھے یقین آگیا کہ قرآن پاک ہی ایک واحد کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور یہی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس پر میں نے اسلام قبول کر لیا۔

جب حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو فاضل اکثم نے یہ واقعہ امام سفیان ابن عیینہ کے سامنے ذکر کیا۔ آپ امام ابوحنیفہ کے تلمیذ اور امام بخاری کے استاد ہیں اور اسی زمانے کے امام، محدث اور فقیہ ہیں اس پر امام سفیان ابن عیینہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ الیسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ نے تورات وغیرہ کے متعلق فرمایا ہے ﴿مَا اسْتَفْظَوْا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ (المائدہ)﴾ کہ ان لوگوں کو کتاب الہی کا محافظ بنایا گیا تھا مگر وہ اس کی حفاظت میں ناکام رہے۔ پھر اللہ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کہ اے ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، لہذا قرآن کریم ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بالکل پاک ہے اگر کوئی بد بخت اس کے معانی میں غلط بیانی کی جارت کرتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل علم کو کھڑا کر دیتا ہے جو فوراً اس غلطی کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ سرسید احمد خاں، پید ویز، نیاز فتحپوری اور غلام احمد قادیانی وغیرہ نے غلط معانی کیے تو علمائے حق نے ان کے دجل و فریب کو چاک کر دیا۔ اہل بدعت اور رافضی وغیرہ جو بھی خرابی کرتے ہیں، اہل علم اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ حضور کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو قرآن پاک کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے قرآن میں تحریف کرنے کی بڑی کوشش کی اور افریقہ کے تو مسلموں کو تحریف شدہ نسخے بھیجے مگر اللہ نے مصر میں کرنل ناصر کو کھڑا کر دیا جس نے اس سازش کو چاک کیا، لاکھوں کی تعداد میں غلطی سے پاک نسخے تیار کر لے اور انہیں

لفظی اور  
معنوی  
حفاظت

پورے افریقہ میں تقسیم کر دیا۔

رسولوں کے  
ساتھ اسے

اگے تسلی کا مضمون آ رہا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي  
شِبَعِ الْأَوَّلِينَ اور تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول پہلے گروہوں  
میں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ  
يَسْتَهْزِئُونَ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس سے  
عصا کرتے تھے۔ کہتے لاؤ ہمارے سامنے فرشتوں کو آتا تو ماتم تو  
دلو انوں جیسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے فرمایا كَذَلِكَ نَسُكُّكَ فِي  
قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ اسی طرح ہم چلاتے ہیں طے مجرموں کے دلوں  
میں۔ یعنی مجرم لوگ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ اس رسول پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اُسے  
جھٹلاتے ہیں۔ وَقَدْ خَلَّتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ اور پہلے لوگوں سے  
یہی دستور چلا آ رہا ہے۔ کہ وہ اپنے رسولوں کے ساتھ استہزاء کرتے رہے  
ہیں اور اللہ کی کتاب کا انکار کرتے رہے ہیں فرمایا، یہ کوئی نئی بات نہیں  
ہے جو آپ کو پیش آ رہی ہے بلکہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اسی قسم کے  
معاملات پیش آتے رہے ہیں۔ مجرم لوگ پہلے رسولوں کا بھی انکار کرتے  
رہے اور ان کو مجنون، شاعر اور کاہن کا خطاب دیتے رہے۔ بہر حال یہ  
حضور علیہ السلام کے یہ تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

کفار کا  
مسللہ

کفار کے اس مطالبے کے جواب میں کہ آسمان سے فرشتے کیوں نہیں  
نازل ہوتے، اللہ نے فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِنَ السَّمَاءِ  
اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں فَطَلُّوا فِيهِ يَعْزُجُونَ  
کہ یہ اس میں بیٹھ ہی کے ذریعے چڑھتے رہیں تو پھر بھی یہ متعصب اور ضدی  
لوگ کفلاً لو ایسی کہیں گے إِنَّمَا سَكِرَاتُ أُنْحَارِكُمْ کہ ہماری  
نظر بندی کر دیکھتی ہے۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر کفر  
کو دیا گیا ہے مطلب یہ کہ لوگ آسمان پر چڑھ کر بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئیں

گے اور قرآن اور نبی برحق کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔ اللہ نے حضور  
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے اعتراضات  
 کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنا کام کرتے رہیں۔ یہ تو اپنی مطلوبہ نشانیاں دیکھ  
 کر بھی ہی کہتے ہیں "يَذُكَّرُ مَسْتَكْمِلًا" القمرا یہ تو چلتا ہوا جادو ہے  
 پہلے بھی لوگ ایسا جادو کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں شوق القمرا  
 کا معجزہ دیکھ کر انہوں نے ہی کہا تھا۔ فرمایا ایسے لوگ ہر ایت سے محروم  
 رہیں گے۔ آپ ان پر زیادہ افسوس نہ کریں۔ اپنا حق تبلیغ ادا کرتے رہیں  
 جس کے نتیجے میں منصف مزاج لوگ ہر ایت حاصل کر لیں گے۔



الحجر ۱۵

آیت ۱۶، ۲۱، ۲۲

ربما ۱۳

درس سوم ۳

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا  
 لِلنَّاظِرِينَ ۝۱۶ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ  
 رَجِيمٍ ۝۱۷ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ  
 شَهَابٌ مُبِينٌ ۝۱۸ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا  
 فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَوْبَقْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ  
 مَّوْزُونٍ ۝۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ  
 وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝۲۰ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ  
 إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِالْقَدْرِ  
 الْمَعْلُومِ ۝۲۱

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں بُرج  
 اور مزین کیا ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے ۱۶ اور ہم نے حفاظت کی ہے ان کی ہر شیطان مردود  
 سے ۱۷ مگر وہ جو چوری چھپے سنتا ہے، پس پیچھا کرتا  
 ہے اس کا ایک روشن شہاب ۱۸ اور زمین کو پھیلا  
 ہم نے اور رکھے ہیں ہم نے اس میں بوجھل پہاڑ، اور  
 آگاہی ہم نے ہر چیز اس میں ایک اندازے سے ۱۹ اور  
 بنائے ہیں ہم نے تمہارے لیے اس (زمین) میں

معیشت کے سامان ، اور اُن کے لیے بھی کہ نہیں ہو تم اُن کو روزی پہنچانے والے (۲۰) اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے ہی پاس ہیں اس کے مزانے ۔ اور نہیں اتار تے ہم اس کو مگر ایک معین اندازے پر (۲۱)

رابط آیات  
کافر اور مشرک قرآن حکیم کی حقانیت پر شبہ کرتے تھے اور صاحب قرآن کو کہتے تھے کہ تو دیر لانا ہے ۔ اور اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو نازل کر تاکہ وہ تیری اور قرآن پاک کی صداقت کی گواہی دیں ۔ اللہ نے مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتا ہے اور جب اتارتا ہے تو پھر نافرمانوں کو مہلت نہیں ملتی بلکہ ان کا کام تمام کر دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کے حق میں گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ، لہذا حفاظت کے سامان ہم خود پیدا کریں گے ۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نشانیاں طلب کرنے کے جواب میں فرمایا ہے کہ تمہارے ارد گرد قدرت کی بیشمار نشانیاں بکھری پڑی ہیں ، اگر نیت صاف ہو تو ایمان لانے کے لیے یہی کافی ہیں ، اور اگر ضد اور عناد پر ہی قائم رہنا ہے تو پھر کوئی بھی نشانی کارگر نہیں ہو سکتی ۔

اسمائی برج  
ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں میں برج بنائے ہیں ۔ پرانی ریاضی اور ماہرین فلکیات بارہ برجوں کا تصور پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چاند اور سورج ہر ماہ جدا جدا برج میں ہوتے ہیں ۔ ہر برج یا محل کی تاثیر مختلف ہوتی ہے ۔ جس سے برہمنوں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے ۔ بارہ برجوں کا تصور یونانیوں سے آیا ہے ، انہوں نے یہ تصور ایرانیوں سے اور ایرانیوں نے بابلیوں یعنی آشوریوں سے اخذ کیا تھا ۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ برجوں

سے مراد مطلق ستارے یا بڑے بڑے سیارے ہیں۔ جہاں سے فرشتے اللہ کے حکم سے نیچے اترتے ہیں۔ دہاں پر دروازے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں سے فرشتے آتے جاتے ہیں۔ اور پھر برجوں، ستاروں یا ستاروں کو اللہ نے اس طریقے سے ترتیب دیا ہے وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ کہ دیکھنے والوں کے لیے بڑے پُر رونق معلوم ہوتے ہیں۔ دن کے وقت تو سورج کی حکومت ہوتی ہے اور رات کو چاند روشن ہوتا ہے اور جب چاند بھی موجود نہ ہو تو اس وقت ستارے خوب روشن ہوتے ہیں جن کا منظر بڑا خوش کن ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ستاروں کو دیکھنے والوں کے لیے فرین کر دیا ہے۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کا نظارہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔

شیاطین کے  
لیے شہاب

ارشاد ہوتا ہے وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيسٍ اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی شیطاں مردود سے۔ ان کو اُڑ پر جانے سے روک دیا گیا ہے الْاَمِنَ اسْتَرْقَى السَّمْعَ مَكْرُوهُ جَوْجُورِي چھپے صُن کر بھیگانا چاہتا ہے فَاثْبَعَهُ بِشَهَابٍ مَبِينٍ۔ پھر اس کے پیچھے روشن انگارا آتا ہے۔ اسے شہاب ثاقب کہتے ہیں جو کسی ستارے سے ٹوٹ کر شیطان کا پچھا کرتا ہے۔ سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق اُڑ پر اُٹھنے والے بخارات میں حرارت ہوتی ہے۔ پھر جب ان میں آگ لگتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ٹوٹا ہوا ستارہ ہو۔ اس نظریے کی نفی نہیں کی جا سکتی کیونکہ قرآن پاک نے اس قسم کے امکان کی نفی نہیں کی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح سورج میں ایک بہت بڑا لاوہ ہے جو جلتا رہتا ہے، روشنی اور حرارت دیتا ہے، اس طرح ستاروں کے اندر کوئی ایسا مادہ ہو جو پھٹ جاتا ہو اور وہ ٹوٹا ہوا ستارہ نظر آتا ہو۔ بہر حال قدیم زمانے سے ہی پچھرا مشاہدے میں آ رہا ہے۔ اس

ضمین میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنات کی تخلیق سے  
 لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک شیاطین کے لیے آسمان  
 پر جانے میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں تھی، لہذا وہ اُپر جا کر فرشتوں کی کچھ  
 کچھ باتیں سن لیتے۔ پھر وہ اسے واپس آ کر اپنے حیلوں، اکاہنوں وغیرہ کے  
 کانوں میں بھرنے لگے جو اس میں سوتھوڑا ہلاکت آگے چلا جیتے۔ پھر جب  
 حضور علیہ السلام کا زمانہ آیا اور قرآن کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کے اُپر  
 جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اب اگر یہ اُپر جانے کی کوشش کرتے  
 ہیں تو اللہ کے فرشتے ان پر شہاب پھینکتے ہیں۔ پھر ان شیاطین میں سے  
 کچھ زخمی ہو جاتے ہیں اور بعض ہلاک ہو جاتے ہیں۔ سورۃ جن میں ہے کہ  
 جنات نے کہا کہ جب ہم اُپر جانے میں ”مَلَلْنَا حَرَسًا شَدِيدًا  
 شَهِيًا“ تو سخت پہرے لگ جاتے ہیں اور آگے سے شہاب پڑتے ہیں۔  
 بعض جدید ماہرین حکایات کہتے ہیں کہ اُپر فضا میں کائناتی شعاعیں  
 (COSMIC RAYS) کا سبک دینا ہیں جو پوزیٹرون اور نیوٹرون جیسی شعاعیں  
 فضا میں بھجی  
 جانے والی خلائی گاریوں کی حفاظت کا خصوصی انتظام کرتا ہے۔ اسی طرح  
 اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو بھگانے کے لیے شہاب مقرر کر رکھے ہیں۔ بہر حال  
 یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ  
 کی وحدانیت کا یقین آجاتا ہے۔ انصاف پسند آدمی ایسے دلائل سے  
 بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

یہ تو عالمِ علوی کا حال تھا، آگے اللہ نے عالمِ سفلی کا حال بھی بیان  
 کیا ہے۔ ”وَالْأَرْضَ مَدَدْنَا“ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔  
 مگر جب زمین بظاہر چھٹی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں باسکل گیند کی طرح  
 گول ایک بہت بڑا کرہ ہے۔ چونکہ اس کا حجم بہت بڑا ہے اس  
 لیے یہ ہر جگہ سے پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کی گولائی محسوس نہیں

زمین کے  
 فوائد

ہوتی، فرمایا ہم نے زمین کو پھیلادیا ہے وَأَلْقَيْنَا فِيهَا زَوَاجِرًا اور اس میں بوجھل ہپاڑ رکھ دیے ہیں۔ راسیرجھے ہوئے ہپاڑ کو کہتے ہیں۔ ان ہپاڑوں کو بھی اللہ نے بے سود نہیں پیدا کیا بلکہ ان کے ساتھ بھی انسانی زندگی کے بہت سے مفادات والبتہ ہیں۔ اگر ہپاڑ نہ ہوں تو انسان ان سے پیدا ہونے والے پھیلوں، جڑی بوٹیوں اور معدنیات سے محروم ہو جائیں۔ تو ہپاڑ بھی اللہ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔

فَرِيًّا وَأَلْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ اور ہم نے اس زمین میں ہر چیز ایک اندازے کے مطابق اگائی ہے۔ انسان کمال قدرت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی ہر قسم کو موزون پیدا فرمایا ہے۔ اناج کا دانہ ہو یا پھنیاں اور پتے۔ چھوٹی سی بل ہو یا تار اور درخت، ہر چیز میں موزونیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر گتے والی چیز میں مختلف قسم کے رنگ، خوشبو اور تاثیر رکھی ہے جو انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر دل فرنگہ خوش ہو جاتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ جس قسم کا بیج بوٹیں گے، ہزار دفعہ بھی اگائیں تو اسی قسم کا پودا، درخت اور پھل پیدا ہوں گے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہی رنگ، وہی ذائقہ اور وہی شکل و صورت ہوگی۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ اتنے بڑے بڑے نشانات قدرت دیکھ کر بھی لوگ کفر و شرک کو کھپوڑ کر کے اللہ کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔ یہ ان کی ناشکر گنہاری کی علامت ہے۔

ارشاد ہونا ہے وَجَعَلْنَا كَمَا نَفْسًا فِيهَا سَامِعًا بَصِيرًا اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان پیدا کیے ہیں۔ ہم نے تمہاری زندگی کے لیے اسباب فراہم کیے ہیں۔ ان اسباب

کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ انسان انہیں شمار بھی نہیں کر سکتے۔ فرمایا ہم نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہاری روزی کا سامان بھی تمہیں کیا ہے اور ان کو بھی پیدا کیا ہے وَمَنْ لَّسْتُمْ لَكَ، بِرِزْقَيْنِ جن کی روزی کے ذمہ دار تم نہیں ہو۔ اللہ نے تمہاری خدمت کے لیے کتنے غلام اور نوکر چاکر پیدا کیے مگر ان کا روزی رسال بھی میں ہوں، تم نہیں ہو۔ پھر اللہ نے کتنے چوپائے، اپندے، درندے، مچھلیاں، کیڑے مکوڑے اور لاتعداد مخلوق پیدا کی ہے اور ان کے لیے معیشت کے سامان بھی خود ہی پیدا کیے ہیں۔ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اللہ نے کسی دوسری مخلوق کی روزی تمہارے ذمے نہیں لگائی۔ بلکہ ہر جاندار کا روزی رسال وہ خود ہے، تو فرمایا یہ باتیں اہل خرد کے لیے بڑے بڑے دلائل ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہیے، نہ کہ من مانی نشانیاں طلب کی جائیں اللہ نے تو پہلے ہی بیشمار نشانیاں پھیل رکھی ہیں جنہیں تم ہر وقت دیکھتے ہو، مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

آگے فرمایا وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خِزْيَةٌ اور ایسی کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ آج کی کوئی رقم لے لیں، پھولوں اور پھلوں پر نگاہ ڈال لیں، پانی، سبزی، میوے، نباتات، اور معدنیات کو دیکھ لیں، ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہی انہیں تقسیم کر رہے ہیں۔ انسانی دل و دماغ، شکل و صورت، حسن، علم اور صحت ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے سجا کر رکھی ہے۔ اور اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ ان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ فرمایا وَكَانَتْ نَزْلَةُ إِلَّا بِقَدْرِ مَا كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ تَمْتَعُونَ یہ تمام نعمتیں ایک معین اندازے کے مطابق نازل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو دوسری کوئی مخلوق نہیں سمجھ سکتی، وہ اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ

کے مطابق جہاں جس چیز کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، اتنی ہی مقدار دیتا ہے  
یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی کی شکل و صورت کیسی بنانی ہے، کسی  
کو حسن و جمال اور علم و صحت کتنی دینی ہے۔ یہ سب چیزیں اس کے علم  
و قدرت میں ہیں اور وہ اسی کے مطابق انہیں نازل فرماتا ہے۔

---

المجر ۱۵

آیت ۲۲ تا ۲۵

ربما ۱۴

درس چارم ۴

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحٍ فَأَنْزَلْنَا مِنَ  
السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ  
بِخَرِينِ ۲۲) وَإِنَّا لَنَزَحْنُ نَجْحِي وَنُمِيتُ وَنُحْنِ  
الْوَارِثُونَ ۲۳) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ  
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۲۴) وَإِنَّ  
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۲۵)

ترجمہ :- اور بھیجیں ہم نے ہوائیں بوجھل - پس اتارا ہم نے  
آسمان کی طرف سے پانی - پس ہم نے پلایا وہ پانی تم کو  
اور نہیں تھے تم اس کو خزانہ کرنے والے (۲۲) اور بیشک  
البتہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور  
ہم ہی وارث ہیں (۲۳) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں  
اُن لوگوں کو جو آگے بڑھنے والے ہیں تم میں سے، اور  
البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو پیچھے بہنے  
والے ہیں (۲۴) اور بیشک تیرا پروردگار اِن کو اکٹھا کھے  
گا۔ بیشک وہ حکمت والا اور سب کچھ جانتے والا ہے (۲۵)

سورۃ کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت  
کا ذکر کیا، اور اس کی حفاظت کا قانون بتلایا۔ پھر منکرین قرآن کی مذمت بیان فرمائی  
پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور قیامت کے دلائل ذکر کیے۔ پہلے علوی دلائل

آیت



بیان کیے یعنی آسمانی برج اور ان کی حفاظت کا ذکر کیا۔ پھر سفلی دلائل میں زمین کا پھیلانا اس میں سپاڑوں کو پیدا کرنا اور ہر چیز کو موزوں طریقے سے رکھنا بیان ہوا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ پانی صورت، علم اور مادی زندگی کے تمام لوازمات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ ہر چیز کو معلوم مقدار کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

پانی کی  
قدرتی  
بہم برائی

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کے علوی اور سفلی دلائل کے بعد اب تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَ اَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ اَوْرَحَمِ نے جو بھل ہوائیں چلائیں۔ شاہ عبدالقادر اس کا ترجمہ رس بھری ہوائیں کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہوائیں جو پانی سے بھر پور ہوتی ہیں۔ لقمہ خالک یا دودھ جینے والی مادہ کو کہا جاتا ہے۔ تلیقح کا معنی پونڈ بھرا بھی ہوتا ہے۔ اس سے بھی چیز جو بھل ہو جاتی ہے اور آگے دوسری چیز نکلتی ہے اس جھل کی میڈیکل سائنس میں اسے ٹیکہ لگانا۔

(INOCULATION انسولیشن) کہتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے انسانی جسم میں خاص قسم کے جراثیم پہنچائے جاتے ہیں جس سے بیماری کو ابھارنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس کا واضح طور پر علاج کیا جاسکے یا خود انسانی طبیعت کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ بیماری کا مقابلہ کر سکے۔

بہر حال یہ جو بھل ہوائیں سمندر سے اٹھنے والے بخارات کو اٹھاتی ہیں اور پھر قدرت کو جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ وہاں لے جاتی ہیں۔ بارش برستی ہے جس سے انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے اور نباتات سیراب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا خود کار انتظام کر رکھا ہے جس سے پانی جیسی بنیادی ضرورت ہر ایک تک فری پہنچتی ہے اللہ نے اس نظام کو اس حکمت کے ساتھ قائم کیا ہے کہ بارش حسب ضرورت کبھی کبھی ہوتی ہے اگر ہر وقت بارش برستی ہے تو دنیا کا سارا

کاروبار ہی ٹھہر ہو جائے اور زمین اس قابل ہی نہ ہو سکے کہ اس میں کاشت کی جاسکے اور وہ بار آور ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ اس نے سمندری پانی کو کھاری بنایا ہے اس میں ایسی تیز بہت پانی جاتی ہے کہ پانی میں سینچنے والی غلاظت اور اس میں مرنے والے جانور اس طرح گل سڑ جاتے ہیں کہ اُن کا تعفن باقی نہیں رہتا۔

پانی کی بہم رسانی کا اللہ نے یہ عجیب نظام قائم کیا ہے کہ سمندروں کے کھاری پانی سے بخارات اٹھتے ہیں۔ ہوائیں انہیں اٹھا کر مختلف سمتوں میں پھیل جاتی ہیں اور پھر ان سے مختلف مقامات پر بارش ہوتی ہے مگر کم و بیش سمندر کے بخارات جب بھر پانی میں تبدیل ہوتے ہیں تو وہ پانی میٹھا ہوتا ہے جو حیوانات اور نباتات کے استعمال کے قابل ہوتا ہے۔ یہی پانی اونچے پہاڑوں پر بہتا ہے تو ذریعوں کی صورت میں میدانی علاقوں میں پہنچ کر پیاسی زمین کو میراب کرتا ہے جس سے کھیتی باڑی ہوتی ہے، انسان اور جانور میراب ہوتے ہیں۔ اور کچھ پانی برف کی صورت میں جم جاتا ہے۔ پھر موسم گرمیوں میں برف پگھلتی ہے جس سے چشمے، ندی نالے اور چھوڑیا سارا سال جاری رہتے ہیں اور اس طرح سال بھر کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ پانی کو زمین کی گہرائی میں اتار دیتا ہے جسے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکال کر انسانی ضروریات اور کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے جو جہل ہوائیں چلائیں فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان کا اطلاق فضا پر بھی ہوتا ہے۔ بادل فضا میں ہی گھومتے پھرتے ہیں جن سے بارش ہوتی ہے۔ اگرچہ بادل ہی بظاہر ذریعہ

بارشس ہیں مگر اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو بارشس نہیں ہوتی، ہوا، آواز، روشنی، خوراک، لباس، امکان کی طرح پانی بھی انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے جو بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے فرمایا فَأَسْقِيَنَّكُمْ مَاءً ہم نے یہ پانی تمہیں پلایا اور تمہارے ساتھ دیگر جانداروں اور نباتات کو بھی سیراب کیا۔ پانی ہزار جہات ہے۔ اس کی اصل قدر صحرائی علاقوں کے باشندوں کو ہوتی ہے۔ جہاں سیدھے کھولنے سے پانی نکالنا اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

فرمایا پانی ایک ایسی چیز ہے کہ بنیادی ضرورت ہونے کے باوجود وَمَا أَنْتُمْ بِخَيْرِينَ تم اس کو ذخیرہ (STORE) نہیں کر سکتے۔ تم چند دن کے لیے تو پانی جمع کر سکتے ہو مگر سالوں تک اس کی بہم رسانی کے لیے تمہارے پاس کوئی انتظام نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اللہ نے چشموں، جھیلوں، ندی نالوں، دریاؤں اور برف کے تودوں کی صورت میں ایسا مربوط نظام قائم کر دیا۔ کہ انسان، حیوان اور نباتات سال بھر کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں اور اللہ کے بیخودانے ختم نہیں ہوتے موجودہ دور میں پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم بنائے گئے ہیں مگر پھر بھی سال میں کئی مواقع ایسے آتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق پانی میسر نہیں آتا جس کا اثر نہ صرف کھیتی باڑی پر پڑتا ہے بلکہ ہمارے ملک کی سبکی کی پیداوار میں بھی کمی آجاتی ہے اور پھر لوڈ شیڈنگ کرنا پڑتی ہے۔

میڈیکل سائنس والے بتاتے ہیں کہ انسان کی رگوں میں گردش کرنے والے خون پر زندگی کا دار و مدار ہے اور اس خون میں اسی فیصد پانی اور میں فیصد باقی غذائی اجزاء ہوتے ہیں۔ اگر پانی جیسی عظیم نعمت نہ ہوتی تو نہ کوئی انسان زندہ رہ سکے، نہ کوئی جانور، اور نہ ہی نباتات پیدا ہو سکے۔ اسی لیے

تو اللہ نے فرمایا ہے "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا" (الانبیاء) ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔ اور پانی بھی ایسا کہ جو گنڈا یا بدبو دار نہیں بلکہ "وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا" (الفرقان) ہم نے پاکیزہ پانی نازل فرمایا ہے جو خود بھی پاک ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔ چنانچہ غلاظت کو دور کرنے کے لیے بھی پانی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرما کر تمہیں سیراب کیا ہے۔ اب تمہارا یعنی تمام حکومتوں کا بھی فرض ہے کہ لوگوں کے لیے پانی کی فری سہ پلائی کا بندوبست کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی یہ تیسری دلیل بیان فرمائی ہے۔

رنگی اور  
کا نظام

اب اپنی وحدانیت کی چوتھی دلیل اللہ نے یہ بیان فرمائی "وَإِنَّا لَنَحْنُ الْحَيُّ وَنَحْيُ الْمَوْتِ" اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت طاری کرتے ہیں۔ گویا موت و حیات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ کسی انسان، جن، فرشتہ یا دیوی دیوتا کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کی حکمت بالشر کے مطابق جب تک کسی کی زندگی مقصود ہوتی ہے، اُسے زندہ رکھتا ہے اور پھر موت سے ہٹا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک چاہے گا کائنات کو مجموعی طور پر زندہ رکھیگا اور جب چاہے گا قیامت برپا کر کے ہر چیز کو فنا کر دیگا۔ غرضیکہ جس طرح پیدائش اس کے اختیار میں ہے اسی طرح موت بھی اُس کے ہاتھ میں ہے اس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو مار سکتا ہے پھر فرمایا "وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ" اور ہر چیز کے وارث بھی ہم ہی ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے تو اس کی چھوڑی ہوئی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں

ہوتی ہے۔ یہاں پر اولاد والی وراثت مراد نہیں بلکہ ہر انفرادی موت اور پھر قیامت کو مجموعی موت کے بعد ہر چیز کا وارث اللہ ہی ہے سب کی کماٹی اسی کے قبضہ قدرت میں ہوتی ہے۔

متقدمین  
اور متاخرین

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں پیچھے ہونے والوں کو بھی۔ مفسرین کرام نے متقدمین اور متاخرین کی تفسیر مختلف طریقے سے بیان فرمائی ہے۔ امام ابن جریر طبری اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ متقدمین سے پہلی امتوں کے لوگ مراد ہیں اور متاخرین سے حضور علیہ السلام کی امت یعنی آخری امت کے لوگ مراد ہیں۔ فرمایا ہم تمام اولین اور آخرین کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم تمام چیزوں پر محیط ہے بعض فرماتے ہیں کہ متقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلی میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے حکم دیا ہے فَاسْتَسْقُوا لَكُمْ (المائدہ) نیکی کے کاموں میں آگے بڑھو۔ اور متاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے متقدمین سے مراد نماز اور جہاد کی صفوں میں آگے بڑھنے والے لوگ ہیں بعض لوگ سستی کرتے ہیں نماز کی اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ پچھلی صفوں میں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلامؐ کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگوں کو تہ جیل جلتے کہ اذان کہنے کا کتنا اجر ہے اور اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے تو لوگ اگلی صفوں میں شامل ہونے کے لیے قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ حضرت کعب بن جراحؓ تابعین میں سے ہیں۔ امام قرطبیؒ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی امت میں بعض ایسے مقبول نہ رہے بھی ہوں گے کہ ان سے پچھلی

صف میں نماز ادا کرنے والے لوگوں کی کوشش ہو جائے گی۔ اگر کوئی مقبول رہا  
بندہ اگلی صف میں نماز ادا کرتا ہے تو چھ والوں کے سب کے گناہ معاف  
ہو جائیں گے۔ تاہم فضیلت اگلی صف کو ہی حاصل ہے اور اگلی صف  
والے کی وجہ سے ہی کچھلی صف والوں کے گناہوں کی معافی کا ذکر آیا ہے  
لہذا حتی الامکان اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عورتوں اور  
مردوں  
کی صفیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے  
زمانے میں ایک خوبصورت عورت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آتی  
تھی اس لیے بعض آدمیوں کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اگلی صف میں چلے جائیں  
تا کہ ان کی نگاہ عورت پر نہ پڑے۔ اور بعض منافق صفت آدمی ایسے بھی  
تھے کہ وہ کچھلی صفوں میں رہنا پسند کرتے تھے تاکہ انہیں تاک جھانک  
کا موقع مل سکے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہیں آگے بڑھنے والوں کو  
اور پیچھے رہنے والوں کو۔ ان کی نیت اور ارادہ بھی ہمارے علم میں ہے  
اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مردوں میں سب سے اچھی اگلی  
صفیں ہیں اور عورتوں میں اچھی صفیں کچھلی ہیں۔ مرد وزن احتلاط سے جتنے  
دور رہیں گے اتنے ہی فتنے سے محفوظ رہیں گے اس سے یہ مراد  
بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نیکی میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے  
والوں کو جانتے ہیں۔ یا میدان کارزار میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں  
کو بھی جانتے ہیں اور پیچھے رہنے والوں سے بھی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ  
ہر ایک کے حالات، نیت اور عزم کو جانتا ہے۔

دلائل توحید کے بعد اللہ نے فرمایا **وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَشْهَدُ**  
اور بیشک اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، اور سب کو جزائے عمل  
کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ اور سب کو اپنے اپنے کسے کی جزا یا سزا  
بھگت ہوگی۔ فرمایا **إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ** وہ اللہ تعالیٰ کمال حکمت

قیامت  
جزائے عمل

کا مالک ہے۔ اس کی ہر بات چیکمانہ ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلے کرتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے کہ ہر شخص کے مخفی عزائم کو بھی جانتا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی نیت اور ارادے اور عمل کے مطابق جزا دے گا۔

---

الحجر ۱۵

آیت ۲۶ ۲۵۲

ربما ۱۴

درس پنجم ۵

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ  
 حَمِئٍ مَسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَبَّارِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ  
 مِنْ نَارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ  
 إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِئٍ  
 مَسْنُونٍ ﴿٢٨﴾ فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ  
 رُوحِي فَقَعْوَاهُ السَّجِدِينَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلِكَةُ  
 كُلُّهُمُ اجْتِمَاعًا ﴿٣٠﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ابْنِ آدَمَ  
 يَكُونُ مَعَ السَّجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَا بَلِيسَ  
 مَا لَكَ إِلَّا تَكُونُ مَعَ السَّجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ  
 أَكُنْ لَكَ سَاجِدًا لَبِشٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ  
 مِنْ حَمِئٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ  
 رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ  
 الدِّينِ ﴿٣٥﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا ان

کو بجنے والے، متغیر، مڑے ہوئے گارے سے ﴿۲۶﴾

اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی

لڑ سے ﴿۲۷﴾ اور ﴿۳۱﴾ بات کو دیکھو۔



فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان کو ایک بجھنے والے، متغیر سڑے ہوئے گارے سے (۲۸) پس جب میں اس کو برابر کہ لوں، اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے روح۔ پس گرگ پڑو تم اس کے سامنے سجدے میں (۲۹) پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب کے سب نے (۳۰) لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے انکار کیا کہ ہو وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (۳۱) فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس! کیا ہے تجھ کو کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا (۳۲) کہنے لگا، میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کے سامنے جس کو پیدا کیا ہے تو نے بجھنے والے، متغیر، سڑے ہوئے گارے سے (۳۳) فرمایا (اللہ نے) نکل جاؤ یہاں سے۔ بیشک تم مردود ہو (۳۴) اور بیشک تجھ پر لعنت ہے اوصاف کے دن تک (۳۵)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان ہوئے۔ پہلے بیرونی دلائل کا ذکر ہوا جن میں آسمانوں کی تخلیق، اس میں ستاروں اور سیاروں کو چلانا، پھر زمین کو پھیلانا اور اس میں طرح طرح کی چیزیں پیدا کرنا۔ پھر زمین و آسمان کے درمیان فضاؤں میں ہواؤں کو چلانا، بادلوں کو اٹھانا، باران رحمت کا نزول، انانوں، جانوروں اور نباتات کے لیے پانی کی بہم رسانی اور اس کے نتیجے میں خوراک کا مہیا کرنا وغیرہ بیرونی دلائل تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے قیامت کا ذکر بھی فرمایا "بِسْمِ رَبِّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ" تیرا پروردگار ان سب کو اس دن اکٹھا کرے گا۔ وہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر

قدرت رکھتا ہے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزائے عمل واقع ہوگی کہ یہ انسان کی پیدائش کے ساتھ لازم ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس میں اپنی قدرت اور وحدانیت کے اندرونی دلائل ذکر کیے ہیں۔ بیرونی دنیا کے علاوہ اللہ نے انسان کے اندر بھی عجز و فہم کھمہنے والوں کے لیے بہت سے دلائل رکھے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے "وَقَفَّ أَنْفُسِهِمْ كَمْ أَنْفُلًا تَبِعَهُمْ مِنْ رَأْسِهِمْ يَوْمَ الرَّزَايَا" تمہارے نفسوں کے اندر بھی اللہ نے بہت سے دلائل رکھے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟ اسی طرح مشہر اموات بھی خود انسان کے اندرونی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کو وجود عطا کر کے بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس سے نوع انسانی قائم ہوئی ہے انسان میں اگرچہ نافرمانی کا مادہ بھی پایا جاتا ہے، مگر اللہ نے اس میں کمالات بھی بہت زیادہ پیدا کیے ہیں۔ اگر انسان ان سے کام لے تو سر کمال خدا تعالیٰ کی معرفت کی دلیل بن سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ" اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو "مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْتُوٍّ" بچنے والے متعین، مڑے ہوئے گارے سے۔ صلصال اس خشک مٹی کو کہتے ہیں کہ جب اسے آگ پر پکایا جائے تو ٹھوکر لگانے سے بچنے لگتی ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ" انسان کو پیدا کیا خشک مٹی سے جیسے ٹھوکر ہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق ٹھوکر ہی یعنی پکی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے تو اس میں حرارت کا جزو بھی یقیناً موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین کی مٹی اکٹھی کر کے لاؤ

تخلیق  
انسان

انسانی  
کے لئے

پھر اس کو گوندھا گیا، اس کا گار بنا گیا، اور پھر اس سے انسان کا مجسمہ تیار ہوا  
عام مشہور ہے کہ انسان عناصر اربعہ یعنی مٹی، آگ، ہوا اور پانی کا مجموعہ  
ہے۔ یہ نظریہ یونانیوں کے ہاں مانا جاتا تھا جسے بعض دوروں نے بھی تسلیم  
کیا۔ تاہم بعض لوگ انسان کو پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ عناصر کا مجموعہ  
سمجھتے تھے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان  
یرونی دنیا میں پائے جانے والے لاتعداد عناصر کا مرکب ہے۔ باہر کی دنیا میں  
جتنے عناصر موجود ہیں، انسانی وجود ان سب کا خلاصہ اور سچوٹ ہے اللہ تعالیٰ  
نے انسانی جسم کی مشینری بڑی پیچیدہ بنائی ہے اس کی ہر ایک ہر ایک  
اور داغ کے بیچ و خم میں اپنی قدرت کے بے شمار کمالات اور حکمتیں رکھی  
ہیں اور پھر یہ ہے کہ روئے زمین کی مٹی کہیں نرم ہے کہیں سخت کہیں  
سفید ہے، کہیں سیاہ اور کہیں سرخ، اسی طرح یہ خواص انسان میں بھی  
پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ نرم مزاج ہوتے ہیں اور بعض سخت مزاج  
بعض رنگت میں کالے، گورے اور سرخ ہوتے ہیں یہ مختلف  
خطوں کی مٹی کی تاثیر ہے۔

بہر حال اللہ نے انسان کی تخلیق کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے  
انسان کو صلصال یعنی کھٹکھٹانے والی، سحّا۔ یعنی بدلی ہوئی اور مسنون یعنی  
گلی سٹری مٹی سے پیدا کیا۔ اس بات کی تفصیل تو نہیں تھی کہ آدم علیہ السلام  
کا مجسمہ تیار ہو کہ کتنی دیر تک پڑا رہا اور پھر خشک ہوا۔ البتہ فرشتے اور  
ابلیس اس مجسمے کو دیکھ رہے تھے۔ ابلیس کے متعلق آتا ہے کہ اُس نے  
دیکھا کہ یہ مجسمہ اندر سے خالی ہے اور اس میں وسوسے ڈالنے کی گنجائش  
موجود ہے۔ ادھر فرشتے بھی اس عجیب و غریب مجسمے کو دیکھ کر حیران  
ہو رہے تھے کہ یہ کیسی مخلوق ہے۔ کافی عرصہ کے بعد اس مجسمے میں  
روح ڈالی گئی۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے کھٹکھٹانے والے، متغیر اور سٹری

ہوئے گارے سے انسان کو تخلیق کیا۔ اس مٹی میں اللہ نے وہ کمال رکھا جو کسی دوسرے مادے میں نہیں پایا جاتا۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہے جو کسی دوسری مخلوق جنت ملائکہ وغیرہ میں بھی نہیں رکھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو برتری عطا فرمائی ہے۔

فرشتوں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہ وڑوں سال پہلے ہوئی۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا دور بھی آیا جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اعلیٰ کے فرشتوں جبرائیل اور میکائیل کو پیدا فرمایا۔ ان فرشتوں کے مادہ تخلیق کی مثال شاہ صاحبؒ نے اُس آگ سے دی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھا تھا۔ وہ ایک خاص نوری یا ناری مادہ تھا جو درخت سے ظاہر ہو رہا تھا مگر درخت کو جلانا نہیں تھا۔ جوں جوں اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا تھا۔ درخت کی سرسبزی اور شادابی بھی بڑھتی جاتی تھی۔ تو اس قسم کے حیرت انگیز مادے سے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اعلیٰ کے فرشتوں کی تخلیق کی۔ پھر ملائکہ اعلیٰ کے دوسرے طبقے کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کے لطیف مادے سے پیدا کیا، پھر باقی فرشتے پیدا کیے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے نہیں بلکہ ملائکہ اعلیٰ سے زمین تک ان کے کائنات طبقے ہیں اور ہر طبقے کا مادہ تخلیق مختلف ہے۔ بعض کا مادہ پرف کے ٹکڑے کی مانند ہے جس سے دھواں سانکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے بہر حال فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نوح انسانی کی مصلحت کی خاطر پیدا فرمایا۔ فرشتے، جنت، زمین اور آسمان وغیرہ تمام چیزیں پہلے پیدا کیں اور اس کے بعد انسان کو پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر برتری اور فضیلت

عطا فرمائی ہے کیونکہ اس کے مادہ تخلیق میں جو لطافت اور کمال رکھا ہے اور جو خوبیاں اور صفات اس میں ودیعت کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ مٹی جیسی حقیر چیز کو دیکھیں اور پھر اس سے پیدا ہونے والا اللہ کا شاہکار ملاحظہ کریں کہ انسان کو کیسی عظیم ہستی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَن تَقْوِيمٍ" (التین) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور بہترین قد و قامت میں پیدا فرمایا۔ اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (بنی اسرائیل) ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ انسان کا مجسمہ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی۔ انسان کا شرف و کمال اسی روح کی وجہ سے ہے روح نہایت ہی لطیف چیز ہے اور اسی کی بدولت انسان کی صفات اور کمالات قائم ہیں۔

جنات کی  
تخلیق

انسان کی تخلیق کے بیان کے ساتھ اللہ نے نافرمان عنصروں یعنی جنات کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو آگ کی لہر سے پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جان سے مراد جنوں کا جدا مجرا بللیس ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان میں شامل نہیں بلکہ الگ ہے۔ تاہم ابلیس کی ساری اولاد نافرمان ہے مگر جنات میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی جیسا کہ سورۃ جن میں آتا ہے "وَإِنَّمَا الضَّالِّحُونَ وَمِمَّا دُونَ ذَلِكَ" ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ بہر حال جنات کو اللہ تعالیٰ نے نارِ سموم سے پیدا کیا۔ سورۃ الرحمن میں ہے "وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارِ جَنَاتٍ كُوَّكُوكِ" کے شعلے سے پیدا کیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق میں مٹی کا عنصر زیادہ ہے جب کہ جنات اور شیاطین کی تخلیق میں آگ کا عنصر غالب ہے۔

انسان کی  
تخلیق

اب اللہ نے انسان کی تخلیق کا مفصل حال بیان فرمایا ہے۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِذَا جِئْتُمْ بِالْبَشَرِ مِمَّنْ بَدَلْنَا لَكُمُ الْوَعْدَ اُولٰٓئِكَ لَئِيْلًا عٰٓسِیْنَ۔ یہ انسان کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے۔ فرمایا اِنِّیْ خٰلِقُ الْبَشَرِ ا میں بشر یعنی انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی کھال نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ اس کی کھال واضح طور پر نظر آتی ہے جب کہ جانوروں اور پرندوں کی کھال پوشیدہ ہوتی ہے اور واضح طور پر نظر نہیں آتی۔ فرمایا میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں مِنْ صَلٰٓصَلٍ مِّمَّتْ حَمٰٓآ مَّسْنُوٰنٍ كَصَفْحٰٓةٍ وَّارٍ متغیر اور سٹریٹ ہوئے مادے سے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو انسان کی پیدائش کے متعلق پہلے ہی آگاہ کر دیا۔

روح کا  
مسئلہ

فرمایا فَاِذَا سُوۡیَتُهُۥٓ یُحْیٰیہٗ بھیر جب میں اس کو برابر کر دوں وَاَنْفَخْتُ فِیۡہٗ مِنْ رُّوۡحِیْ اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں۔ برابر کرنے سے مراد ہے کہ جب میں آدم علیہ السلام کے تمام اعضا و قوی اپنے اپنے مقام پر رکھ دوں۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے، یہ حادث یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنی روح پھونک دی۔ اس طرح حلول کا مسئلہ بن گیا کہ انسان خدا ہو گیا اور خدا آدم بن گیا۔ بلکہ روح تو مخلوق ہے اور اس کا تعلق عالم امر اور عالم خلق دونوں سے ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے کہ اے پیغمبر! لو کہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دیں قُلِ الرُّوۡحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوۡتِیْتُہٗ مِنْ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیۡلًا کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

روح کا مسئلہ بڑا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ بڑے بڑے فلاسفوں اور علما

نے اس پر کلام کیا ہے۔ امام رازی نے کتاب النفس لکھی ہے جس میں روح اور نفس کی جملہ معلومات جمع کی ہیں اور اس میں قدیم نظریات کا ذکر بھی کیا ہے۔ امام غزالی نے بھی کتاب الروح کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں روح کی حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد امام ابن قیم نے بھی کتاب الروح جیسی کتاب پیش کی۔ تاہم اس مسئلہ میں سب سے زیادہ کلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں خواص تو بحث کر سکتے ہیں مگر عوام کے لیے یہی کافی ہے کہ روح امر ربی ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کا حوالہ پہلے دے دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روح کی نسبت اللہ کی طرف اس کی تشریف کی وجہ سے کی گئی ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کو یہ نام ان کی تشریف کی وجہ سے دیے گئے ہیں۔

فرمایا جب میں آدم کو برابر کر دوں اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈال دوں فَقَدْ حَوَّاهُ لَكَ سَجْدًا تَرْتَقُونَ تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب اللہ نے آدم علیہ السلام میں روح ڈالی فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس ضمن میں مشکین اور علمائے سارے ہی کہتے ہیں کہ عالم بالا اور عالم زیرین کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حکم ملا اعلیٰ کے فرشتوں کو نہیں تھا بلکہ ملائکہ عنصرین کو تھا جن کی تخلیق صر سے ہوئی تھی۔ ابلیس اور شیاطین بھی منجملہ ان میں سے ہیں، اس لیے ان کو بھی سجدے کا حکم ہوا تھا۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ نے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذَا اُوتِيتُكَ تَحْتِ سِجْدَةٍ كَرِهْتَ سَجْدَةَ رَبِّكَ فَكَذَّبْتَ وَمَكَرْتُكَ اَلَّا تَسْجُدَ فَجَعَلْنَاكَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تھا، اسی طرح

ابلیس کو بھی حکم تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔  
 اللہ تعالیٰ نے جس سجدے کا حکم فرشتوں اور ابلیس کو دیا تھا، وہ سجدہ  
 تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی کھریگا  
 تو اس پر کفر لازم آئے گا۔ یہ سجدہ تعظیم و تکریم الیہا ہی ہے جیسا یوسف علیہ السلام  
 کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ قدیم زمانے میں لوگ سجدہ تعظیمی  
 بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے سامنے بھی کرتے تھے۔ اس کو سجدہ سجدہ  
 یعنی ملاقات کا سجدہ بھی کہتے ہیں اور یہ پہلی امتوں میں ممنوع نہیں تھا  
 مگر اس آخری امت کے لیے سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے خواہ کیسی بادشاہ  
 پیر، استاد یا قبر کے سامنے کیا جائے۔ البتہ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ  
 فرماتے ہیں کہ فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان یا قبر کو سجدہ تعظیمی  
 کرتا ہے، تو وہ حرام ہے، سجدہ کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا  
 سکتا۔ اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے سامنے عبادت کا سجدہ بجالاتا ہے  
 تو یہ صریح کفر ہو گا کیونکہ عبادت کا سجدہ ہر امت میں حرام ہے۔  
 بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں ہوا تھا بلکہ  
 سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی تھا۔ اور آدم علیہ السلام بمنزلہ قبلہ کے تھے جس طرح  
 ہم بیت اللہ شریف کو قبلہ اور جنت مان کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ  
 ہوتے ہیں، اسی طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کہ اللہ کو  
 سجدہ کیا تھا۔ حضرت مولانا مکیہ قاسم نانوتویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ خانہ کعبہ  
 مرکز عالم ہے، اس کی سمت پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات بہت زیادہ پڑتی  
 ہیں، تو ہمارا سجدہ دراصل اس تجلی الہی کو ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام  
 بھی منزلہ قبلہ تھے جن کی طرف فرشتوں نے سجدہ کیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کے لیے سجدے کا حکم  
 ہوا تو اس وقت ان کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات



پڑھ ہی تھیں اس لیے آدم علیہ السلام کی سمت میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔  
بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی محض تعظیم کو الٰہی محضی اور فرشتوں  
نے اس حکم کی بجائے اور ہی کی۔

ابلیس کا  
انکار

بہر حال تمام فرشتوں نے سجدہ کیا إِلَّا ابْلِيسَ مَسْوَى ابْلِيسَ كَسَّ  
أَلْبَسَ أَنْ يَكْفُرَ مَعَ السَّجِدِينَ اس نے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے  
والوں کے ساتھ ہو قَالَ اللَّهُ نَفَخْنَا فِيهِ مِنْ جَهَنَّمَ نَارًا  
مَعَ السَّجِدِينَ ابلیس! تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا  
قَالَ كُنْتُ مَكْنُؤًا كَانَتْ خَلْقَتَهُ مِنْ  
صَلْصَالٍ مِنْ حَمِيمٍ مَسْنُونٍ میں اس بشر کو سجدہ نہیں  
کر سکتا جسے تو نے کھنکھانے والے متغیر گارے سے پیدا کیا ہے  
گویا ابلیس نے آدم علیہ السلام پر اپنی برتری ظاہر کی۔ سورۃ اعراف میں  
ہے قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ خَلَقْتَنِي "خَلَقْتَنِي"  
مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ تو نے مجھے آگ سے  
پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ اور آگ مٹی  
سے فائق ہے، لہذا میں مٹی جیسی ادنیٰ چیز کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتا  
بشار ابن برد شاعر نے کہا ہے

ابْلِيسُ أَفْضَلُ مِنْ آدَمَ  
فَتَبَيَّنُوا يَا مَعْشَرَ الْأَشْرَارِ  
النَّارُ عِنَصْرَةٌ وَأَدَمُ طِينَةٌ  
وَالطِّينُ لَا يَسْمُو سَمُوًّا النَّارِ

ابلیس تمہارے جدا مجید آدم علیہ السلام سے زیادہ فوقیت رکھتا  
ہے کیونکہ ابلیس کا عنصر آگ ہے اور آدم کا مٹی۔ اور آگ کو مٹی پر فوقیت  
حاصل ہے۔ یہ ابلیس کا تجبر اور حسد تھا کہ اس نے آدم علیہ السلام پر

اپنی برتری ظاہر کی۔ تکبر بہت بڑی بیماری ہے۔ اسی لیے بزرگان دین جب کسی کی تربیت کرتے ہیں تو تکبر سب سے آخر میں نکلتا ہے۔ یہ سب سے خطرناک اخلاق ہے تو شیطان نے اکھر کی وجہ سے کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔

قَالَ اللَّهُ نَفَرًا فَاخْرَجَ مِنْهَا بَنِي آدَمَ وَكَانَ  
 رَجُلًا شَيْخًا بَشِيكًا تَمَّ مَرْدُودٌ هُوَ أَمُّ فِي تَجْمُرٍ بَدِيءٌ هُوَ كَيْسٌ هُوَ  
 فِي سُوْرَةِ بَقَرَةٍ  
 میں ہے "آدَمَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ"  
 اس نے انکار اور تکبر کیا تو کافروں میں ہو گیا۔ حضرت شمس الدین سیحی  
 منیریؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ سال عبادت  
 کی مگر اللہ کے ایک حکم کی سزائی کی وجہ سے ساری عبادت رائیگاں  
 چلی گئی۔ فرمایا، يٰ اِدْرِكْهُ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْغَنَةَ اِلٰكٍ يَوْمَ الدِّيْنِ  
 تم پر قیامت تک لعنت ہی پرستی رہی۔ اس کا یہ مطلب نہیں  
 کہ قیامت آنے پر لعنت سے نکل جائیگا بلکہ قیامت برپا ہونے  
 کے بعد تو جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اس کا عذاب  
 تو مزید بڑھ جائے گا۔ کافروں کے متعلق سورۃ بقرہ میں اللہ کا واضح  
 حکم ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَاتُوْا وَهُمْ كُفٰرٌ  
 اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ  
 النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ هٰ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَحْفَظُوْنَ عَنْهُمْ  
 الْعَذَابَ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ جو شخص کفر کی حالت میں  
 مر گیا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ وہ  
 اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ انہیں  
 مہلت دی جائیگی۔ بہر حال فرمایا کہ ابلیس! تم پر قیامت تک لعنت  
 پڑتی رہیگی اور پھر آخرت کا عذاب تو دائمی ہوگا۔

شیطان  
 رائدہ درگاہ

الحجر ۱۵

ربما ۱۴

آیت ۳۶ ۳۷

درس ششم ۶

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ  
 فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ  
 الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي  
 لِأُزَيِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أَغْوِيَهُمْ  
 أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ  
 الْمُخْلِصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ  
 مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ  
 سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ ﴿٤٢﴾  
 وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾  
 لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ  
 جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

۳۸۱

ترجمہ :- کہا (شیطان نے) اے پروردگار! پس  
 ہدایت دے مجھ کو اُس دن تک جس دن ان لوگوں  
 کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ﴿۳۶﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ  
 (نے) تو ہدایت دے ہوؤں میں سے ہے ﴿۳۷﴾ ایک معلوم  
 وقت کے دن تک ﴿۳۸﴾ کہا (شیطان نے) اے پروردگار!  
 اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا ہے، میں ضرور

مزین کر کے دکھاؤں گا ان کے لیے زمین میں (برائیوں کو) اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو (۳۹) ماسوائے تیرے مخلص بندے ان میں سے (۴۰) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہ ہے راستہ سیدھا مجھ تک (۴۱) بیشک میرے بندے کہ نہیں ہے ان پر کوئی غلبہ، مگر وہ جس نے پیروی کی تیری گمراہوں میں سے (۴۲) اور بیشک جہنم ان سب کے وعدے کا وقت ہے (۴۳) اور اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ ہے تقسیم کیا ہوا (۴۴)

پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا۔ ایک معمولی چیز یعنی سڑے ہوئے بدبودار گارے والی مٹی سے انسان کو پیدا کیا اور اسے کمال درجے کی حیثیت اور شان عطا فرمائی، اس میں روح ڈالی، فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اپنی برتری جتانے کی کوشش کی کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے کیسے سجدہ بجالاؤں، اُس نے تکبر میں آکر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مٹرابی کی، تو اللہ نے اسے مردود ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ قیامت تک تجھ پر لعنت ہی بستی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے بعد شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت طلب کی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے  
 قَالَ شَيْطَانٌ نَّهَىٰ كَهْرِبَةٍ فَاذْطُرْنَا لِي لِي بِرُودِ كَارٍ! مَجْه مِلْت  
 مِ الْا يَوْمِ يَبْعَثُونَ اُس دن تک کے لیے جب سب لوگ دوبارہ جی اٹھیں گے انظار مہلت جینے کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال حدیث شریفہ میں ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے مَنْ اَنْظَرَ مَعْسِرًا اَوْ مَجَاوِزًا

ربط آیت

مہلت کی  
درخواست

عَنْهُ فَاطَّلَهُ اللَّهُ فِي يَوْمٍ لَا ظُلْمَ إِلَّا ظِلُّهُ جَوَادِحِي كَسِي تَبَاكُت  
 کہ مہلت ہے یا قرضہ معاف ہی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے  
 دن اپنے عرش کے سامنے میں جگہ دیگا، جس دن اُس کے سامنے کے  
 سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تو بہر حال ابلیس نے بھی قیامت تک کے  
 لیے مہلت مانگی تو اللہ رب العزت نے فرمایا قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ  
 الْمُنْتَضَرِينَ پس بیشک تو مہلت جیے ہوؤں میں سے ہے، گویا  
 اللہ تعالیٰ نے شیطان کی درخواست قبول کر لی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان جیسے بدترین  
 کافر کی دعا فوراً قبول کر لی جس کا یہ مطلب نہیں ہے جس کی دعا قبول کر لی  
 جائے وہ لازماً مقبول ہوتی ہوتا ہے۔ یعنی دعا کی قبولیت دعا کرنے والے  
 کی مقبولیت کی شرط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی بدترین مخلوق  
 کی دعا بھی قبول کرے، اس کا انحصار اس کی حکمت اور مصلحت پر ہے  
 مومن کی دعا کی قبولیت تو اس کی سعادت کی بات ہے مگر ہو سکتا ہے  
 کہ دنیوی مفاد کے لیے دعا کسی نافرمان کی بھی قبول کر لے۔ وہ مالک الملک  
 اور مختار کل ہے، اُس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی اس کی  
 سعادت کی علامت نہیں سمجھی جائے گی۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شیطان نے دوبارہ اٹھائے جانے  
 کے دن تک اپنی زندگی کی مہلت طلب کی جس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ  
 یوم البعث تک تو اُسے ویسے ہی زندگی حاصل ہو جائے گی اور اُس دن سب  
 کو پھر جی اٹھنا ہے، اس طرح وہ موت کی کٹھن گھاٹیوں سے بچ جائے  
 گا مگر اللہ نے فرمایا کہ تمہیں مہلت دیدی ہے مگر وہ یوم البعث تک  
 نہیں بلکہ الْيَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ وقت کے دن  
 تک یعنی اُس دن تک جس دن قیامت برپا ہوگی۔ گویا اُسے قیامت

کے اعلان کے ساتھ ہی باقی ماندہ مخلوق کی طرح موت سے جہنم رہنا پڑیگا  
قیامت سے متعلق قرآن وحدیث میں تصریح موجود ہے کہ دود فوج پھونکا  
جائے۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تب ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ ہر زندہ جی بدم  
موت طاری ہوگی اور کوئی بھی چیز باقی نہیں رہے گی۔ پھر چالیس سال کے بعد  
دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ  
نے شیطان کو رعایت پہلے صورت تک دی تاکہ موت اس پر بھی طاری ہو۔  
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیطان سخت پریشان ہوگا، فرشتے  
اس کو گھیریں گے، اسے بڑی تلخی ہوگی اور وہ بہت تڑپے گا۔ پھر دوسرے صور  
پر وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور عزرائل کے عمل کے لیے پیش ہوگا

بہر حال جب شیطان کو رحمت مل گئی تو قال تو کہنے لگا رَبِّ بِمَا  
أَعُوذُ بِتَنبِيٍّ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ بھٹھرایا ہے۔ اب میں یہ کہوں گا  
لَا زِبْتِيَنَّ كَيْتِيَّ فِي الْأَرْضِ ان لوگوں کے لیے میں زمین میں نازین  
کروں گا۔ یعنی اس سطح ارضی پر جو نے والی تمام برائیوں اور بے جاٹیوں کو  
لوگوں کے لیے نیشہ کر کے دکھاؤں گا تاکہ انہیں کی طرف مائل ہو جائیں اور  
تیرے راستے سے ہٹ جائیں گو یا کہ وَلَا أَعُوذُ بِتَنبِيٍّ وَأَجْمَعِينَ  
عزور سب کہ گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ  
شیطان نے یوں کہا تھا کہ اے اللہ! جب تک انسانوں کی روحیں ان کے  
جسموں میں موجود ہیں۔ میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا اور ان کی گمراہی کا کوئی  
موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے تمام وسائل  
بروئے کار لاؤں گا۔ سورۃ اعراف میں ہے میں تیری عبادت کے راستے سے  
آکر کبھی گمراہ کروں گا۔ میں ان کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی  
ان کی دائیں طرف سے بھی آؤں گا اور بائیں طرف سے بھی۔ میں ان کو دنیا  
کے معاملات کے اعتبار سے بھی گمراہ کروں گا اور آخرت کے اعتقاد

مراہ کرنا  
عزم

کے راستے سے آکر بھی گمراہ کروں گا۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ جب انسان نیچی کے راستے پر چلنا شروع کرتا ہے تو شیطان راستے میں آکر بیٹھ جاتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، روزہ رکھتا ہے، جہاد باجج کے لیے نکلتا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے دوسرے ڈالنا شروع کر دیتا ہے اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کو کفر، شرک، بدعات، رسوم باطلہ، عیسائیت، فحاشی اور بے حیائی کے کاموں کو مزین کر کے دکھائے گا اور اللہ کے بندوں کو گمراہ کر دے گی گوشتش کرے گا اللہ نے بھی فرمایا کہ مجھے میری عزت و جلال کی قسم جب تک میرے بندے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی طلب کرتے رہیں گے، میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔

مخلصین  
کی حفاظت

لوگوں کو گمراہ کرنے کے عزم کے ساتھ شیطان نے کچھ استثنا بھی کی ہے، کہا میں سب کو گمراہ کروں گا إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ سوائے تیرے تخلص بندوں کے، یعنی تیرے برگزیدہ اور منتخب بندوں پر میرا ڈاؤ نہیں چل سکے گا، باقی سب کر اپنے دام میں پھنسا لوں گا۔ قَالَ اللَّهُ نَبِيًّا فرمایا هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یہی مجھ تک سیدھا راستہ ہے، اللہ نے مزید فرمایا إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ بیشک میرے بندے ایسے ہیں کہ تجھے ان پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکے گا، یعنی تم انہیں گمراہ نہیں کر سکو گے إِلَّا مَن تَبِعَكَ مِنْ الْغَوِينَ سوائے ان گمراہوں میں سے جنہوں نے تیری پیروی اختیار کر لی۔ ایسے لوگوں کو تو گمراہ کر سکے گا۔ وگرنہ میرے تخلص بندے تیرے دام میں نہیں پھنسیں گے۔

مفسرین کرام اس بات میں کلام کرتے ہیں کہ شیطان نے تو یہ کہا کہ تیرے تخلص بندے میرے قابو میں نہیں آئیں گے مگر حضرت آدم علیہ السلام

اور عذاب اللہ کے برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود شیطان کے وسیع سے  
 میں آسکے۔ اسی طرح بعض دوسرے اہل ایمان اور بزرگ ہستیوں کے متعلق بھی  
 اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ خود موسیٰ علیہ السلام سے جب ایک لغزش  
 ہوگئی تو انہوں نے یہی کہا تھا "هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ"  
 (القصص) یہ تو شیطان کا عمل ہوا ہے۔ گویا شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کو  
 بھی پھسلا دیا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے مخلص بندوں کے استثناء  
 کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہیں کر سکتے گا، جس  
 سے بندے توبہ نہ کر سکیں یا جن کی معافی کی گنجائش نہ ہو۔ اگر شیطان دوسرے  
 اندازی کیسے گا تو اللہ کے بندے معافی مانگ لیں گے اور انہیں معافی  
 مل جائے گی۔ غرضیکہ شیطان مخلص بندوں سے کوئی ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب  
 نہیں کر سکتا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں  
 پر شیطان کی معمولی معمولی باتیں بھی اثر انداز نہ ہوں۔ حدیث شریفین میں  
 آتا ہے کہ اللہ کا ذکر ایک قلعہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے مومن شیطان  
 کے وساوس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سورۃ اہراف میں یہ بھی موجود ہے  
 "وَلَا يَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" کہ اے اللہ! تو اپنے اکثر بندوں  
 کو شکر گزار نہیں پائے گا، تو گویا لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہوگی۔  
 چنانچہ یہی ہوا "وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْكَ عَزَابُ ابْلِيسَ" ظننتہ  
 فَأَتَيْتَنَّهُمْ ابْلِيسَ نے اپنا گمان سچ کر دکھایا اور لوگوں کی اکثریت  
 نے شیطان کی پیروی کی۔ چنانچہ دنیا بھر میں نافرمانوں کی اکثریت ہی  
 رہی ہے، اور آج بھی یہی حال ہے کہ فرمانبردار عسوطے ہیں  
 فرمایا، جو بھی تیرا اتباع کرے کے گمراہ ہو جائے گا وَإِنْ جَهِنَّمَ  
لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ایسے تمام لوگوں کے وعدے  
 کا مقام جہنم ہے اور جہنم کی تعریف یہ ہے لَهَا سَبْعَةُ



الْجَوَابِ اس کے سات دروازے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سات گیٹ سات طبقات کے لحاظ سے ہیں۔ جہنم کے کل سات طبقے ہیں اور ہر طبقے کا الگ الگ دروازہ ہے۔ ہر طبقے کے لوگ اپنے مخصوص دروازے سے جہنم میں داخل ہوں گے جہنم کے ان سات طبقات کا ذکر قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ یعنی جہنم سبعین (سبعین، حطی، مستقر، جحیم اور ہارون)۔

بعض فرماتے ہیں کہ جہنم کے دروازے جہنم کی نوعیت کے اعتبار سے ہوں گے۔ مثلاً کفر اور شرک کرنے والے ایک گیٹ سے داخل ہوں گے، زنا کار اور اس سے متعلقین دوسرے دروازے سے ظلم کرنے والوں کا دروازہ علیحدہ ہوگا۔ حقوق ضائع کرنے والوں اور سرکش لوگوں کے داخلے مختلف دروازوں سے ہوں گے۔ گویا کل جہنم کو سات گروپوں میں تقسیم کر کے ان کے لیے ایک ایک دروازہ مختص کر دیا جائے گا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حشر کے میدان میں مختلف گروہ یا جماعتیں بن جائیں گی۔ مثلاً سوئیر کی نیچی والے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور شانزہ نمبر والے دوسری صف میں۔ اسی طرح جہنم کی نوعیت کے اعتبار سے بھی الگ الگ صف بندی ہوگی اور اس طرح لوگ جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے۔ تاہم فرمایا کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ان میں سے ہر دروازے کے لیے ان لوگوں کا ایک تقسیم شدہ حصہ ہے جو اس میں سے داخل ہوگا۔ جہنم کے سات دروازے ہیں تو جنت کے آٹھ ہیں۔ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جنت میں بھی لوگ اعمال کے لحاظ سے داخل ہوں گے۔ مثلاً ایک دروازے سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے، علی بن القیس۔ اور آٹھواں دروازہ محض صحیح عقیدے والے لوگوں کے لیے

مخصوص ہوگا۔ ایسے لوگ جن کے پاس عمل تو کوئی نہیں ہوگا، مگر عقیدہ بالکل درست ہوگا، ان کے ایمان اور توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اس دروازے میں داخل کرے گا۔ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہو گا، وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

یہ جزائے عمل کا ذکر بھی ہو گیا۔ شیطان کے اغوا اور اس کی پیروی کرنے والوں کی بات ہوئی۔ اب اگلی آیات میں اللہ نے اپنے نیک بندوں یعنی متقین اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

---

ربما

الحجر ١٥

درستم

آیت ٢٥ تا ٦٠

٢٥ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ  
 ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِينَ ٢٦ وَنَزَعْنَا مَا فِي  
 صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ  
 مُتَقَابِلِينَ ٢٧ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ  
 مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ٢٨ نَبِيُّ عِبَادِيَ أَنَا أَنَا  
 الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ٢٩ وَأَنَّ عَذَابُ  
 هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ٥٠ وَنَبَّهُمْ عَنْ  
 ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ٥١ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ  
 فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ٥٢  
 قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْكَ ٥٣  
 قَالَ أَبَشِّرْهُمُونِي عَلَىٰ أَن مَسَّنِيَ الْكِبَرُ  
 فِيهِمُ تُبَشِّرُونَ ٥٤ قَالُوا بَشْرُكَ بِالْحَقِّ فَلَا  
 تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ٥٥ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ  
 مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ٥٦ قَالَ فَمَا  
 خَطَبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ٥٧ قَالُوا إِنَّا  
 أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ٥٨ إِلَّا آلَ لُوطٍ

وقف لازم

إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۹﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرْنَا  
 إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ :- بیشک متقی لوگ بائوں اور چپٹوں میں ہوں  
 گے ﴿۵۹﴾ (اُن سے کہا جائے گا) داخل ہو جاؤ اس کے  
 اندر سلاقی کے ساتھ امن سے ﴿۶۰﴾ اور ہم نکالیں گے  
 جو کچھ اُن کے سینوں میں ہو گا کچھ کھوٹ (اس حال میں  
 کہ) وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھے ہوئے آئے  
 سامنے ﴿۶۰﴾ نہ پہنچے گی اُن کو ان (بشتوں) میں کوئی  
 تھکاوٹ، اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے ﴿۶۸﴾ بتلا  
 دیں آپ میرے بندوں کو کہ بیشک میں بہت  
 بخشش کرنے والا مہربان ہوں ﴿۶۹﴾ اور بیشک میرا عذاب  
 وہ دردناک عذاب ہے ﴿۷۰﴾ اور بتلا دیں اُن کو ابراہیم  
 (علیہ السلام) کے ممانوں کے بارے میں ﴿۷۱﴾ جب وہ داخل  
 ہوئے اُن کے پاس تو انہوں نے کہا سلام۔ (ابراہیم علیہ السلام  
 نے) کہا تحقیق ہم تم سے کچھ خوف معلوم کرتے ہیں ﴿۷۲﴾  
 انہوں نے کہا کہ آپ نہ ڈریں، بیشک ہم آپ کو  
 خوشخبری سناتے ہیں ایک علم دار لڑکے کی ﴿۷۳﴾ (ابراہیم علیہ السلام  
 نے) کہا، کیا تم مجھے خوشخبری سناتے ہو حالانکہ پہنچا ہے  
 مجھ کو بڑھاپا۔ پس کس چیز کی تم مجھے خوشخبری دیتے ہو ﴿۷۴﴾  
 کہتے گئے ہم خوشخبری سناتے ہیں تم کو حق کے ساتھ  
 پس نہ ہوں آپ ناامید ہونے والوں میں سے ﴿۷۵﴾



بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کمال درجے کے متقی ہوتے ہیں۔ تو تقویٰ کے  
 کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان پر تعظیم کی، کیا نکر، کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائے  
 سورۃ توبہ میں اللہ نے ایمان والوں کی سات صفات بیان کی ہیں جن میں  
 ساتویں صفت ہے ”وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ“ یعنی وہ اللہ کی قائم  
 کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور یہی تقویٰ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ  
 اپنی کتاب ”الطاف القدس“ میں لکھتے ہیں ”تقویٰ محافطت برحدود شرع  
 است“ یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے اور ان پر  
 قائم رہنے کا نام تقویٰ ہے۔ تو فرمایا متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں  
 گے جب وہ دہاں پہنچیں گے تو حکم ہوگا۔ اَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ  
 اٰمِنِيْنَ داخل ہو جاؤ اس بہشت میں سلامتی اور پورے اطمینان کے  
 ساتھ۔ یہاں تمہیں ہر قسم کی سلامتی حاصل ہوگی۔ دکھ اور تکلیف  
 سے پاک ہو گے۔ اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق ایک اور بات بھی بیان فرمائی ہے  
 وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غَلٍّ هُمْ تَكَالِفُوْنَ  
 گے جو کچھ ان کے سینوں میں کھوٹ، کینہ یا عداوت وغیرہ ہوگی۔ کوئی  
 شخص دل میں اس قسم کی بات لے کہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس مقام  
 میں کہ ورت کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ دہاں ہر ایک کا سینہ صاف ہوگا اور  
 تمام جنتی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے  
 اگر دنیا میں کسی کو کسی دوسرے جنتی کے خلاف شکمہ رنجی بھی تھی، تو وہاں پہنچ  
 کر صفائی ہو چکی ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ پلصراط سے گزر جانے  
 کے بعد لوگوں کو پھر روک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اگر کسی جنتی نے  
 کسی سے کوئی بدلہ لینا ہے تو ابھی لے لے کیونکہ جنت میں داخلے سے پہلے

ہر قسم کا بغض، عداوت اور دشمنی کو سینوں سے نکال لیا جائے گا۔  
 پھر جنت میں نہ صرف یہ کہ کدورت کو نکال دیا جائے گا بلکہ تمام جنتی  
 احوالاً ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کریں گے، اور ان کی  
 حالت یہ ہوگی عَلَى سُرُرٍ مَّتَّعِيلِينَ تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے  
 سامنے بیٹھے ہوں گے۔ رحمت کے اُس مقام میں نفرت کی بجائے محبت  
 اور دشمنی کی بجائے دوستی ہوگی۔ وہاں یہ کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں ہوگی  
 اس کے علاوہ لَا يَمَسُّهُمُ فِيهَا نَمَسٌ وہاں پر انہیں کوئی ٹھکانا  
 یا تکلیف نہیں پہنچے گی وَمَا هُمْ بِمَخْرَجِينَ اور وہاں  
 سے نکلے بھی نہیں جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 جنتیوں سے فرمائیکا کہ یہاں پر تمہیں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ  
 تندرست اور جوان رہو گے۔ دنیا میں ملنے والی ہر نعمت اور آسائش کے  
 متعلق کھٹکا رہتا ہے کہ یہ چھین نہ جائے یا انسان خود اس سے مستفید ہونے  
 کے قابل نہ ہے، مگر جنت میں جا کر ایسا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ وہاں پر نہ تو  
 کوئی نعمت چھین جانے کا خوف ہوگا اور نہ کسی جنتی کے نکلے جانے کا  
 خطرہ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات کا ذکر کر کے تمہیں  
 کے بعد ترغیب کا ذکر بھی کر دیا۔ گزشتہ درس میں منکرین کے لیے عذاب  
 کی بات تھی اور اب اللہ کی رحمت کا ذکر بھی ہو گیا۔

خوف اور  
امید

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مکی زندگی کے دوران ایک موقع پر حضور  
 علیہ السلام بیت اللہ شریف کی طرف آئے تھے کہ جب باب الی شیبہ  
 کے قریب پہنچے تو وہاں صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی جو کسی بات  
 پر مہلے سے تھے، حضور علیہ السلام نے فرمایا، کیا بات ہے کہ میں تمہیں  
 پہنچتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آگے جہنم بھی ہے۔  
 حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بات سن کر صحابہ سخت پریشان ہو گئے۔ پھر

جب آپ حطیم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی  
 عِبَادِ مَنِيٍّ اِنِّي اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ میرے بندوں کو تبتلا دو کہ میں بہت  
 بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیں وَ اَن  
 عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ کہ بیشک میرا عذاب بھی بڑا دردناک  
 عذاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اللہ کی بخشش اور رحمت سے بالکل  
 مایوس ہی ہو جائیں کیونکہ وہ غفور اور رحیم ہے اور نہ ہی بالکل بے فکر ہو  
 جائیں کیونکہ اس کا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان  
 کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہیے اُسے اللہ کی رحمت  
 کی امید بھی ہو اور اس کی سزا کا خوف بھی۔

ابراہیم علیہ السلام  
 کے لیے  
 خود بخوبی

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی دو شانوں یعنی رحمت اور غضب  
 کو سمجھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر کیا۔ ارشاد  
 ہوتا ہے وَ نَبَّيْنَاهُمْ عَنْ صَيِّفِ اِبْرٰهِيْمَ مِمْرِے  
 بندوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے متعلق تبتلا دیں اِذْ دَخَلُوْا  
 عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا حَبِيبًا وہ مہمان ابراہیم علیہ السلام کے پاس  
 آئے تو انہوں نے سلام کیا۔

اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سلام کے  
 جواب کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ الذریت میں ہے اِذْ دَخَلُوْا  
 عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ لِّعَنِيْ جِبِ فَرَشْتِے اِبْرٰهِيْمَ  
 علیہ السلام کے۔

پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ تو اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے بھی  
 سلام کہا۔ آگے یہ بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے  
 فوراً چلے گئے فَجَاءَهُ بِوَجَلِّ سَكِيْنٍ اور پھیرا کا تلا ہوا گوشہ لے آئے  
 پھر جب دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔



قَالَ إِنَّمَا مَكْرُكُمْ وَجَلُونَ تُو كُنْتُمْ لَكُمْ، میں تم سے خطرہ محسوس  
 کر رہا ہوں۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نقصان پہنچانا  
 مطلوب ہوتا تھا، دشمن، چور یا ڈاکو اس کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔

اسی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی خوف محسوس ہوا تو قَالَ لَوْلَا تَوْحَلُّ  
 مَنان کُنْتُمْ لَكُمْ، خوف نہ کھاؤ اِنَّا نَبَشِيْكُمْ اِيْ بِغُلِيْمٍ عَلَيْهِم  
 ہم تمہیں علم والے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ یہ خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام  
 کے متعلق تھی جو حضرت سارہ کے لطن سے پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے  
 حضرت ہاجرہ کے لطن سے اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق سورۃ  
 الصافات میں ہے "فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ" ہم نے آپ کو  
 بُد بار بیٹے کی خوشخبری دی۔ آپ کے علم کا واقعہ تو تاریخ میں موجود ہے  
 کہ کس طرح انہوں نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ بہر حال  
 حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام دونوں ہی اللہ کے حبیب القدر بنی  
 تھے۔ بہر حال مہمانوں نے اپنا تعارف خود کر دیا کہ اُن سے ڈرنے کی  
 ضرورت نہیں، وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کو خوشخبری دینے کے  
 لیے آئے ہیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ان فرشتوں کی تعداد دس تھی  
 جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے۔

ابراہیم کی  
 حیرانگی

فرشتوں کی زبان سے خوشخبری کی بات سن کر ابراہیم علیہ السلام نے  
 کہا قَالَ اَبَشِّرْنِيْ بِهٖ هُوَ نِفِيْ عَلٰٓا اَنْ تَكْتَبِيْنَ اَلْبِكْرٰى كَيْتُمْ مَجْهِيْ اِلَيْهِ  
 وقت میں خوشخبری دے رہے ہو۔ جب کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے  
 فِمْ تَبَشِّرُوْنَ تُمْ مَجْهِيْ كَيْسِيْ خوشخبری سناتے ہو۔ مترجم ہمفسر قرآن  
 شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عالم سبب میں انبیاء بھی اسباب  
 کی بات ہی کہتے ہیں۔ آپ کی عمر مبارک سو سال ہو چکی تھی اور بیوی بھی  
 باجھ تھی۔ تو ان حالات میں بیٹے کی خوشخبری پر ان کی حیرانگی فطری امر تھا

ہم فرشتوں نے کہا فَاَلَوْ كُنْتُمْ كٰشِرِيْنَ ذٰلِكَ بِاَنْحُسَّ هَمَّ اَبٍ كُو بِالْحَلِّ طْحِيك  
 طْحِيكِ خَوْشَجْرِي مے ہے مےں ، اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے۔ فَلَا تَكُنْ  
 مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ لِنَدٰ اَبٍ نٰ اَمِيْدُوں مِيں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ  
 نے اس کے جواب میں قَالَ فَرَمَا، مایوسی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ  
 وَمَنْ يَّقْنُظْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّالُّونَ اپنے پروردگار  
 کی رحمت سے نا اُمید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کبھی مایوس نہیں  
 ہوتے بلکہ ظاہری اسباب کی بنا پر حیرانگی ہوتی ہے کہ اس عمر میں یہ کیسے  
 ممکن ہوگا۔

عالم اسباب میں رہ کر اسباب پر نگاہ تمام انبیاء علیہم السلام کا شیوہ رہا  
 ہے۔ جنگ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام اور پیچھے دو زریں پین کر تشریف  
 لائے جس سے امت کی تعلیم مقصود تھی کہ عالم اسباب میں اسباب ہی اختیار  
 کرنے کا حکم ہے، اگرچہ فتح و شکست تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت  
 میں ہے۔ ان اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود حضور علیہ السلام کو بڑی  
 تکلیف پہنچی آپ گڑھے میں گر گئے، سر مبارک اور دانت زخمی ہو  
 گئے۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے کہ اللہ نے یعقوب علیہ السلام کی  
 زبان سے بھی یہی کہلوا یا تھا۔ اِنَّكَ لَا يٰٓاَيُّسُّ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ  
 اِلَّا الْقَوْمُ الْكَٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی مایوس  
 ہوتے ہیں۔ اور بے فکر ہو جانا بھی کفر کی بات ہے۔ اصل ایمان بین  
 الخوف والرجاء یعنی خوف اور امید کے درمیان ہے۔ اپنے انبیاء  
 کے متعلق بھی اللہ نے ہی فرمایا ہے يٰٓدَعُوْنَا خَوْفًا وَّ طَمَعًا  
 وہ ہمیں خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو یہ تو پتہ چل گیا کہ ان کے جہان اللہ کے مجھے  
 ہوئے فرشتے ہیں اور انہوں نے آپ کو اہل علم بیٹے کی خوشخبری بھی

بڑی گھبر بھی ان کی آمد کے متعلق آپ مطہر نہیں تھے۔ آپ کا قلب صافی  
 گواہی دے رہا تھا کہ ان فرشتوں کے آنے کا کوئی اور مقصد بھی ہے چنانچہ  
 قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ کہانے کیجھے  
 ہوئے لوگو! تمہارے آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ خطیب کا لغوی معنی کلام  
 یا حالت ہوتا ہے اور مراد یہ تھی تم کس کام کے لیے آئے ہو۔ قَالَ لَوْ  
 إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ کہنے لگے ہمیں مجرم قوم  
 کی طرف بھیجا گیا ہے۔ تاکہ ان کو ان کے بڑے عمل کی سزا دی جاسکے  
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی تباہی کا حال تو ذکر نہیں کیا، البتہ کہانی سے  
 ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس بد بخت قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے  
 کے لیے آئے تھے۔ یہاں پر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کا ذکر ہے کہ  
 آپ کی بیوی کے سوا باقیوں کو عذاب الہی سے بچا لیا جائے گا۔  
 فرمایا ہم مجرم کو سزا دینے کے لیے آئے ہیں إِلَّا آلَ لُوطٍ سوائے  
 لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے۔ إِنَّا كَمُنَّا جُوهَهُمْ أَجْمَعِينَ  
 تحقیق ہم سچانے والے ہیں ان سب کو۔ إِلَّا امْرَأَتَهُ سوائے  
 ان کی بیوی کے قَدَرْنَا ہم نے اندازہ کر لیا ہے۔ بھڑکیا ہے یا ہم  
 جلتے ہیں اِنهَآ كَمِنَ الْعَابِرِينَ کہ وہ سمجھے ہننے والوں میں ہوگی  
 وہ مجرم قوم کے ساتھ ہی بستی میں رہ جائیگی اور عذاب کا شکار ہوگی جب  
 کہ باقی اہل خانہ آپ کے ساتھ بستی سے نکل جائیں گے اور عذاب الہی  
 سے بچ جائیں گے۔ سورۃ ہود میں تفصیلات موجود ہیں کہ ہم نے  
 لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو لے کہ رات کو بستی سے نکل  
 جائیں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ چنانچہ اہل خانہ میں سے آپ کی بیوی ہی  
 نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کا حشر بھی نافرمان قوم کے ساتھ ہی ہوا  
 اللہ نے فرمایا ہم نے ان کی پوری بستی کو الٹ دیا اور اوپر سے پھڑول

کی بارش بھی کی جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی مضمون اگلے رکوع میں  
 میں بھی آ رہا ہے۔ سورۃ شکریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مثال بیان  
 فرماتے ہوئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر کیا ہے کہ  
 وہ دونوں دو صالح بندوں کے گھروں میں تھیں۔ مگر انہوں نے خیانت  
 اور نافرمانی کی تو باقی قوم کے ساتھ ہی جہنم واصل ہوئیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب  
 کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کو وہ اولاد نصیب فرمائی جس کا عظیم سلسلہ آگے چلا۔ یہ اس کی مہربانی کی  
 شان تھی اور ادھر ایک مجرم قیم کو صفحہ امہستی سے ناپید کر دیا اور یہ اس کی  
 غضب کی شان ہے۔

الحجرہ ۱۵

آیت ۶۱ تا ۷۰

رب ما

درس ہشتم ۸

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ  
 قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا  
 فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا  
 لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَاسْرِ بِأهلكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ  
 وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ  
 وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ  
 ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ لَأَرْسُلَ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾  
 وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ قَالَ  
 إِنَّ هَؤُلَاءِ ضِيفِي فَلَآ تَقْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا  
 تُخْرَبُوا ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ :- پس جب آئے لوط (علیہ السلام) کے گھر  
 بھیجے ہوئے ﴿۶۱﴾ تو کہا (لوط علیہ السلام نے) بیشک تم  
 لوگ کچھ اُدپرکے معلوم ہوتے ہو ﴿۶۲﴾ کہا انہوں نے  
 (نہیں) بلکہ ہم لائے ہیں آپ کے پاس وہ چیز  
 جس میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں ﴿۶۳﴾ اور لائے ہیں  
 ہم آپ کے پاس سچی بات اور بیشک ہم سچے  
 ہیں ﴿۶۴﴾ پس اپنے گھر والوں کو لے کر نکل

جائیں رات کے حصے میں ، اور آپ اُن کے پیچھے رہیں ، اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی۔ اور چلے جہاں پر تم کو حکم دیا جاتا ہے (۶۵) اور ہم نے فیصلہ کیا اُس کی طرف اس محلے کا کہ بیشک ان لوگوں کی جرط کاٹی جائے گی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہوں گے (۶۶) اور آئے شہر والے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (۶۷) تو کہا لوط (علیہ السلام) نے کہ بیشک یہ میرے مہمان ہیں پس نہ رسوا کرو تم مجھے (۶۸) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور مت بے آبروئی کرو (۶۹) وہ کہنے لگے ، کیا ہم نے تمہیں نہیں روکا تھا جہاں والوں کی حمایت سے (۷۰)

ربط آیات

پہلے اللہ نے شیطان کا اتباع کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور پھر متقی لوگوں کے انعامات کا ذکر کیا۔ پھر اللہ کی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب کی بات ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ انہیں نئی نسل کے قیام کے لیے ایک عظیم بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے، اور دوسری طرف ایک پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی بات ہو رہی ہے۔

کل کے درس میں اللہ کے فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر بیٹے کی خوشخبری سنانے کا ذکر تھا اور ساتھ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ قوم لوط پر عذاب لانے کے لیے آئے ہیں اور یہ بھی کہ وہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو بچالیں گے ، البتہ آپ کی بیوی پوری قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوگی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لوط علیہ السلام کے پاس آنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو مہمان سمجھ کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہی

مگر قوم اپنے شیع فعل پر مصر ہوئی۔ ان آیات میں واقعاتی لحاظ سے کچھ تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ واقعہ کے تسلسل کے لحاظ سے آیت ۶۱ کے بعد آیات ۶۰ تا ۶۲ کی تشریح ہوگی اور اس کے بعد آیت ۶۲ تا ۶۶ کا بیان ہوگا، انشاء اللہ۔

فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد اللہ کے یہ دس فرشتے جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے حضرت لوط علیہ السلام کی جائے قیام سدوم بستی کی طرف چل دیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ مِنَ الْمُرْسَلُونَ ○ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ ○ جب اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے تو لوط نے کہا کہ تم لوگ کچھ اوپر سے معلوم ہوتے ہو۔ یہ نوجوان اور حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں تھے۔ لوط علیہ السلام نے انھیں انسان ہی سمجھا، کیونکہ غیب دان تو نہیں تھے۔ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے لوط علیہ السلام کو ان کے ہمان ہونے میں کوئی شک بھی نہیں تھا، کیونکہ بستی میں پہنچ کر فرشتوں نے آپ ہی کے گھر کا پتہ پوچھا تھا۔ لہذا ان کی ہمانداری کا حق ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ ہمان نوازی فیسے بھی ملتے ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے اور اسی لیے خود ابراہیم نے بھی ان ہمانوں کی خاطر مارت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ انہوں نے ان کے لیے فوراً تیلے ہوئے کچھڑے کا گوشت پیش کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے نہ کھانا تھا، لہذا نہ کھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَنْ لَوِيَ كَرِيمٌ ضَيَّفْنَا فَلَيْسَ مِنَّا جو شخص ہمان کی ہمان نوازی نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ شریعت نے ہمان نوازی کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں کہ اجنبی کی ہمان نوازی تین دن تک کی جا سکتی ہے۔ اس میں ایک دن رات کا پھلکھٹ کھانا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی میزبان کسی ہمان کو تین دن سے

زیادہ بھڑکے تو یہ اُس کی طرف سے صدقہ ہوگا۔ اگر خدمت کر سکتا ہے تو کرے، ورنہ اس پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ البتہ خاص دوست احباب یا رشتہ دار وغیرہ تین دن سے زیادہ بھی قیام کر سکتے ہیں۔ بہر حال مہمان کی عزت افزائی ضروری ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے اخلاق سے واقف تھے، لہذا اُن کے نزدیک ایسے خوش وضع مہمانوں کی خاطر مارت سے اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت زیادہ ضروری تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو یہ تشریح لاشعری ہوئی اُس کا ذکر سورۃ ہود میں بیان ہو چکا ہے ”سِخِّىَ دِهْمًا وَصَاقٍ دِهْمًا ذَرَعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمَ عَصِيبٍ“، آپ بہت پریشان ہوئے اور فرمایا آج بڑا مشکل دن آگیا ہے۔ آپ کو تھکا اس بات کی تھی کہ قوم کے لوگوں سے مہمانوں کی حفاظت کیسے کریں گے؟ یاد ہے کہ بحرِ مکہ کے کنارے جہاں یہ قوم آباد تھی وہاں ان کی پانچ چھ بڑی بڑی بستیاں تھیں جن میں سردوم سب سے نمایاں تھی امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس قوم کی کل آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی لوط علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا، یہیں آپ نے شادی کی، آپ کے ہاں بچپان بھی پیدا ہوئے جو آپ پر ایمان لائیں مگر اچھی بیوی آپ پر ایمان نہ لائی اور منافقہ کی طرح آپ کے ساتھ ہی رہی۔ حقیقت میں وہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی تھی۔

ادھر لوط علیہ السلام تو پریشان ہوئے تھے اور ادھر جب اہل بستی کو اس قسم کے مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ خلافت وضع فطری فعل کے عادی لوگوں کو خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے مذموم فعل کی تکمیل کر سکیں گے۔ اس بیماری کے موجد بھی دراصل یہی لوگ تھے۔ سورۃ اعراف میں گمزہ چکا ہے ”مَسَا



سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ " پوری دنیا میں ان سے پہلے یہ قباحت کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی شرم و حیا بالکل ختم ہو کر ان کی فطرت ہی مسخ ہو چکی تھی۔ ان کی اخلاقی سستی کا حال اللہ نے سورۃ العنکبوت میں اس طرح بیان فرمایا ہے "وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْحَمُوكَ" اپنی مجلسوں میں بہت بڑی باتیں کہتے تھے مفسرین کہ لام بیان فرمانے ہیں کہ ان کی ایک یہ بھی بُری خصلت تھی کہ کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی عزت افزائی کی بجائے اس کا سامان چھین لیتے اور اگر وہ فریاد کرتا تو مار مار کر کہتی سے نکال دیتے۔ ایک دفعہ حضرت امیر اہم علیہ السلام کی بڑی بیوی سارہ نے خادم کو بھیجا کہ وہ لوط علیہ السلام کی خیر لائے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ سدھی لوگ کسی دوسرے مسافر کو پھینک رہے ہیں۔ جب اُس خادم نے مداخلت کی تو اس کو بھی پھینکا مارا کہ زخمی کر دیا۔ بہر حال یہ قوم بے حیائی میں انتہا کو پہنچ چکی تھی مہمانوں کو دیکھ کر وہ لوط علیہ السلام کے گھر پر جمع ہونے لگے۔ بائبل میں تو صراحتاً مذکور ہے کہ ان لوگوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ شہوت رانی کے لیے ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو۔

لوط علیہ السلام  
طرف سے  
دفاع

جب لوط علیہ السلام نے قوم کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا "قَالَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ ضَيْفِيْ فَرِيَا، ظالموں! یہ تو میرے مہمان ہیں۔ ان پر درست درازی کر کے فَلَا تَفْضَحُوْنَ تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اس کی بجائے فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈر جاؤ وَاَلْمُؤْمِنُوْنَ اور مجھے حقیر نہ بناؤ۔ اگر میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی ہوئی تو میری کیا عزت رہ جائیگی۔ قوم نے اس بات سے کوئی اثر قبول نہ کیا بلکہ قَالُوْا كَسَنُكُنَّ اَوْ كَمُ نَنهَكَ عَنِ الْعُلَمَاءِ " کیا ہم نے تمہیں جہاں بصر کی حمایت سے نہیں روکا تھا؟ جب بھی لوط علیہ السلام ان کو بُری حرکات سے منع کرتے، انہیں ظلم و

تعدی کرنے سے روکتے، تو وہ کہتے کہ تم اجنبی لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہو، بیرون لوگوں سے ساز باز کرتے ہو اور پھر ان کی مدد کرتے ہو۔ لہذا ہم نے آپ کو کئی بار منع کیا ہے کہ آپ بلاوجہ لوگوں کی حمایت نہ کیا کریں۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ جب لوط علیہ السلام قوم کے لوگوں کو ہم جنسی جیسے فعلِ بد سے منع کرتے، تو وہ کہتے، انہیں اپنی بستی سے نکال دو ﴿وَإِذْ نَادَىٰ اُنۡاسُ يٰٓتَطَهَّرُوۡنَ اِنَّہُمْ لَکٰفِرُوۡنَ﴾ یہ بڑے پاکیزہ لوگ بنے پھرتے ہیں، کسی پاک بستی میں چلے جائیں۔ بہر حال قوم نے لوط علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی اور مہمانوں پر قابو پانے کے لیے دیواریں بھلا لگنا اور دروازے توڑنا شروع کر دیے۔ سورۃ قمر میں ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوۡہُ عَنْ ضَیْفِہٖ فَاَصۡرَمَۗۤ اَعٰیۡنُہُمْۙ فَذُوۡقُوۡا عَذَابَہٗمْ وَنَذٰرًا لِّمَنۡ یَّحۡذَرُ﴾ مہمانوں کو لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں اور کہا کہ اب میرے عذاب اور ڈر آنے کا مزہ چکھو۔ بہر حال لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کا ہر ممکن دفاع کر رہے تھے، لوگوں کو زبان سے سمجھا رہے تھے مگر مہمان بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ ﴿اِنَّکُمْ قَوْمٌ مُّشۡکِرُوۡنَ﴾، کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم عجیب لوگسا ہو۔ میں ان بدعاشوں سے تمہارا دفاع کر رہا ہوں مگر تم میری کوئی مدد نہیں کرتے۔

فرشتوں کی  
مداخلت

جب لوط علیہ السلام مہمانوں کا دفاع کرتے کرتے، بہت ہی تنگ ہو گئے، آپ کی پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تو پھر مہمانوں نے مداخلت کی۔ لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں، ہم فرشتے ہیں اور ان بدعاشوں سے خود ہی نپٹ لیں گے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے زرہ سا پتہ ہلایا تو جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ نے فرمایا ﴿فَطَمَسْنَا اَعۡیُنُہُمْ﴾ (قمر) ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں

مگر اس کے باوجود وہ دیواریں پھیلا نکلنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ لوگ مسوخ  
الغفرت ہو چکے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی فطرت تو مسکوس ہو چکی ہے، مگر  
قوم لوط کی فطرت بالکل ہی مسخ ہو چکی تھی۔

بہر حال اب فرشتے کھل کر سامنے آگئے فَالْوَابِلُ جَمَلًا  
بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ، کہنے لگے اے لوط علیہ السلام  
ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس کے متعلق یہ لوگ جھجکا کر گئے  
تھے۔ یہ لوگ خدا کے عذاب کا انکار کرتے تھے اور آپ سے جھجکاتے  
تھے۔ اب ہم ان کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں وَأْتَيْنَاكَ  
بِالْحَقِّ اور ہم آپ کے پاس سچی بات لائے ہیں وَأَنَا لَصَادِقُونَ  
اور بیشک ہم سچے ہیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ  
فکر نہ کریں، یہ لوگ آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے، اہم تک کیسے  
پہنچیں گے۔

بتحاشے  
خرین کا  
حکم

اب قوم پر عذاب کا وقت قریب آرہا تھا۔ فرشتوں نے  
اللہ کے حکم سے لوط علیہ السلام سے کہا فَأَسْبِ بَاهِلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ  
اللَّيْلِ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کچھ حصے میں نکل جائیں  
وَاتَّبِعْ أَذْيَارَهُمْ اور آپ ان کے پیچھے رہیں یعنی اپنے گھر  
والوں کو اپنے آگے آگے چلا لیں۔ وَلَا يَلْتَمِسْ مِنْكُمْ أَحَدٌ  
اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ وَأَمْضُوا حَيْثُ تُوهِرُونَ  
اور جاؤ جہاں تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ بائیل میں ذکر ہے کہ آپ کو زمر نامی  
سبتی میں چلے جانے کا حکم ہوا تھا۔ آجکل تو اس سبتی کا نام و نشان تک  
باقی نہیں، تاہم لوگ کہتے ہیں کہ یہ سبتی بحرِ مریٹ کے جنوب میں واقع تھی۔  
بائیل کی روایت میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جب سدوم سے نکلے تو  
ان کے لہل خانہ میں سے ان کی بیوی بھی شامل تھی، مگر اس نے حکمِ خداوندی

کے خلاف پیچھے پلٹ کر دیکھ لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی وقت پتھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ روانہ ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے ساتھ بستی میں ہی رہ گئی تھی۔ آپ کے ساتھ صرف بچیاں تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی فرد نہ تھا اس کا ذکر نہیں ملتا۔ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنے میں یہ حکمت تھی کہ قوم پر عذاب آ رہا تھا اور دیکھنے والا بھی کہیں اس کی زد میں نہ آجائے۔

اللہ نے فرمایا وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ هَمَّ نَسِيًّا عَلَيْهِ  
 کے سامنے اس بات کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اور آپ کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اِنَّ دَابِرَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوا بِمَا كَفَرُوا فَاِنْ لَمْ يَنْتَهِوا عَنْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کہ ان لوگوں کی جبر کاٹ دی جائیگی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہونگے۔ جب لوط علیہ السلام کے راتوں رات بستی سے نکل جانے کے بعد اگلی صبح طلوع ہوگی تو پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ واقعہ کا باقی حصہ اور عذاب کی تفصیل اگلی آیات میں آ رہی ہے۔

رابط  
 فیصلہ

الحجر ۱۵  
آیت ۹ تا ۱۴

دبما ۱۴  
س نم ۹

قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعَالِينَ ﴿٤١﴾ لَعَمْرُكَ  
إِنَّهُمْ لَكِنِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ  
الصَّيْحَةُ مَشْرِقِينَ ﴿٤٣﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلَهَا  
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٤٤﴾ إِنَّ  
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِنَّهَا لَبَسِيلٌ  
مُّقِيمٌ ﴿٤٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾  
وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ﴿٤٨﴾  
فَأَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٤٩﴾

دفعلاً ۵

ترجمہ :- کہا (لوط علیہ السلام نے) یہ میری بیٹیاں ہیں،  
اگر تم کو کچھ بات کہنی ہے ﴿۴۱﴾ (اے پیغمبر) آپ کی  
عمر کی قسم وہ لوگ اپنی بدستی میں اندھے ہو رہے تھے ﴿۴۲﴾  
پس پکڑا انکو ایک بیچ نے سوج نکلتے وقت ﴿۴۳﴾ پس کر دیا  
ہم نے ان بیٹیوں کے اوپر وائے حصے کو نیچے اور برسائے  
ہم نے ان کے اوپر پتھر کھنکھ کے ﴿۴۴﴾ بیشک اس میں  
البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کھتے  
ہیں ﴿۴۵﴾ اور بیشک یہ بتیاں البتہ آباد شاہراہ پر ہیں ﴿۴۶﴾  
بیشک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کیلئے ﴿۴۷﴾ اور تحقیق  
شان یہ ہے کہ تھے ایک وائے البتہ ظلم کرنے والے ﴿۴۸﴾ پس ہم نے  
ان سے انتقام لیا۔ اور تحقیق یہ دونوں بتیاں البتہ ایک واضح

راتے پر واقع ہیں (۹)

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ لوط علیہ السلام جہانوں کے بارے میں قوم سے لجاجت کر رہے تھے کہ خدا کے لیے مجھے رسوا نہ کرو، میرے جہانوں کی بے ابروئی نہ کرو۔ مگر لوگوں نے کہا کہ تم خواہ مخواہ اجنبی لوگوں کو اپنے گھر میں بٹھراتے ہو۔ ہم تمہیں منع کر چکے ہیں کہ جہان والوں میں سے کسی کی بھی حمایت نہ کیا کرو، غرضیکہ بد معاش قوم نے اپنے بیع فعل کے جواز کے لیے اٹا حضرت لوط علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اب لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کوشش کی اور کہا کہ یہ ناپاک کام نہ کرو، اس کی بجائے قال لھو لا یر بکتی یہ میری بیٹیاں ہیں ان کتو فعلین اگر تم کچھ کہنا ہی چاہو ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل نہ چاہتے ہو تو میری بیٹیاں حاضر ہیں، مگر ان جہانوں کو نظر بد سے نہ دیکھو۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف سے اپنی بیٹیوں کی پیش کش نکاح کے لیے تھی، نہ کہ کسی ناجائز رشتہ رانی کے لیے کیونکہ اللہ کا نبی کسی کو گناہ کی دعوت نہیں دے سکتا۔ دوسری بات جسے عام مفسرین تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیٹیوں سے مراد قوم کی بیٹیاں تھیں کیونکہ قوم کی ساری عورتیں پیغمبر کی بیٹیاں اور پیغمبر بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو جائزہ کام کی دعوت دی۔ قوم ہم جنسی جیسا غیر فطری کام کرنا چاہتی تھی، حالانکہ یہ فعل تو جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا چہ جائیکہ انسان جیسی اعلیٰ و ارفع مخلوق اس فعل کا ارتکاب کرے۔ حضرت مولانا عبد اللہ ندوی فرماتے ہیں کہ تمام جانوروں میں سے صرف بندروں میں یہ قبیح خصلت پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ کسی جانور میں نہیں

آیت

لوط علیہ السلام  
پیش کش

پائی جاتی۔

ہم جنسی  
کی سزا

فقہائے کرام نے زنا اور ہم جنسی کے تقابل میں بحث کی ہے  
قرآن پاک میں دونوں افعال کو فحش کہا گیا ہے۔ دونوں ہی طسریقہ  
شہوت رانی کا ذریعہ ہیں مگر فرق یہ ہے کہ زنا میں یہ تعلق مخالف جنس  
سے قائم کیا جاتا ہے جو کہ فطری امر ہے اور قانون ٹوڑنے کی بناء پر فحش  
بنتا ہے۔ مگر ہم جنسی تو ہے ہی خلاف فطرت کام، لہذا اس کو بھی  
فحش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ آیا  
زنا کی طرح لواطت کے جرم میں بھی حد جاری ہوگی یا نہیں۔ زنا کی حد یہ ہے کہ  
شادی شدہ جوڑے کو منگسا کر لیا جاتا ہے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگتے ہیں۔  
چنانچہ بعض آئمہ اس فعل کو زنا کے مساوی قرار دیکر اس کے متعلقین پر بھی  
حد جاری کرنے کے حق میں ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے آئمہ  
فرماتے ہیں کہ ہم جنسی زنا کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ یہ قابلِ تعزیر جرم  
ہے جس کی سزا قید و بند سے لے کر سزائے موت تک ہو سکتی ہے تاہم  
امام ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ سزائے موت کے قائل ہیں  
فرماتے ہیں کہ ایسے مجرم کو کسی بلند مینار پر چڑھا کر نیچے پھینک دیا جائے یا  
کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گرا دی جائے، گو یا اس فحش عمل پر  
عبرتناک سزا ملنی چاہیے۔ جبھی تو لوط علیہ السلام قوم سے کہتے تھے: "اِنَّكُمْ  
لَعَمَلِكُمْ مِّنَ الْفٰلِیْنَ" (الشعراء) اے لوگو! میں تمہارے  
عمل سے سخت نظرین ہوں۔

چونکہ قضائے شہوت بنی نوع انسان پر مسلط کی گئی ہے، لہذا اس کو  
فرہ کرنے کے لیے ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ شہوت رانی جائز نہیں  
"اَلَا تَعْلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ" (المومنون)  
سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ۔ پہلے زمانے میں نوٹڈھی کا رواج

عام تھا اور اب ڈیڑھ دو صدی سے بالکل ختم ہو چکا ہے، لہذا اب قضائے شہوت کا جائز طریقہ صرف منکوحہ بیوی ہی رہ گیا ہے۔ فرمایا وَمَتَّ ابْتَدَعْنِي وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعِدْوَانُ (المؤمنون) جو کوئی اس کے علاوہ دوسرا راستہ تلاش کرے گا، تو وہ تعزیری کرنے والا ہوگا۔

اسی اصول کی بناء پر شہوت رانی کے دو کے طریقے بھی ناجائز ہیں مثلاً مشت زنی کچھ نامیہ مگر وہ تحریمی ہے۔ اپنی منکوحہ بیوی سے مکہ وہ مقام پر وطی کرنے کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَتَّ أَثْمًا امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا أَوْ جَبَاحِهَا فَقَدْ كَفَرْنَا بِمَا نَزَّلَ عَلَيْنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُو کوئی بیوی سے خلاف وضع فطری فعل کرے گا یا کاسن کے پاس جائے گا، تو اس نے گویا شریعت مجددی کا انکار کر دیا۔ اب چونکہ قضائے حاجت کی ایک ہی صورت یعنی نکاح باقی رہ گئی ہے۔ اس لیے شریعت نے نکاح کو آسان تر بنایا ہے۔ نکاح کے معاملہ میں جتنی آسانی ہوگی اتنا ہی بہتر ہے۔ اس میں جہیز اور زیور کی پابندیاں عائد کمرنا سخت ناجائز ہے۔ بہر حال لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ قضائے حاجت کے لیے قوم کی لڑکیاں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور غلط طریقہ اختیار نہ کرو، کہ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

اَكْفَىٰ لَكُمْ عَمْرًا ابْنُ مَرْثَدَةَ لَمَّا جَاءَتْكُمْ فِي غَيْرِهَا لَعَمْرُكَ  
 آپ کی عمر یعنی آپ کی جان کی قسم انھیں کفئی سب کو تمہیں  
 يَعْمَهُمْ هُنَّ بَشِيكٌ وَهِيَ بَشِيكٌ فِي مَدْيَنَ فِي مَدْيَنَ فِي مَدْيَنَ  
 ہوئے تھے۔ ان پر اس فعل بد کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ کوئی بات  
 سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ کہنے لگے مَا لَكَ فِي بَنَاتِكَ مِنْ



حَقِّقْ أَنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُزِيْدُ (ہود) ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی سرکار نہیں، بلکہ تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تو تمہارے دہانوں کو حاصل کر کے انہی سے قضائے حاجت کریں گے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قسم اٹھائی ہے حالانکہ کسی مخلوق کے لیے غیر اللہ کی قسم اٹھانا بالکل ناجائز ہے۔ قسم صرف اللہ کے نام اور اس کی صفات کے ساتھ ہی اٹھائی جا سکتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قسم اٹھانے کی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں موجود ہے، جیسے "وَالسَّيِّئَاتِيهِمْ قَسَمٌ" اور زیتون کی "لَا اَقْسِمُ بِمَاذَا آتٰنَا بَدَا" شہر مکہ کی قسم ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم پر مخلوق والی قسم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مخلوق کے کسی چیز کی قسم اٹھانے سے اس چیز کی حد درجہ تعظیم مراد ہوتی ہے، اور یہ سولے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا مَن اَقْسَمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اور اگر کوئی شخص قسم سے متعلقہ چیز کی خدا جیسی تعظیم نہیں بھی کرتا تو پھر بھی یہ شرک والی شکل و صورت تو ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ۔ ورنہ خاموش رہو۔ کسی طاغوت، نبی، ولی، جن، فرشتہ، مال یا کسی عجز کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے خود کسی مخلوق کی قسم اٹھانے کا تعلق ہے تو اس سے مراد اس چیز کو محض بطور گواہ پیش کرنا ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد کی جان سے زیادہ عزیز کسی جان کو پیدا نہیں کیا۔ لہذا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کی قسم اٹھا کر بات کی ہے۔

الغرض! قوم نے لوط علیہ السلام کی کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ بلکہ اپنی ضد پر اڑے گئے، لہذا خدا تعالیٰ کی گرفت کا وقت قریب آچکا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے فَاخَذَ تَهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ پس بچڑان کو چمخ نے سورج نکلنے وقت۔ اللہ نے کسی قسم کی سزائیں نازل فرمائیں جن کا ذکر مختلف مقامات پر آتا ہے۔ سخت خوفناک آواز کے علاوہ ان پر پتھر بھی برسائے گئے اور جس خط ارضی میں وہ قوم آباد تھی اللہ نے اس خط کو الٹ دیا۔ فَرَمَا فِيهَا سَاكِنَهَا ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کر دیا۔ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً سَيِّئَةً اور ان پر گھنٹے کے پتھروں کی بارش کی۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تین سزاؤں کا ذکر کیا ہے ایک تو زبردست چمخ آئی جس سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ ان کے دل بھٹ گئے۔ اللہ نے ان کی ساری بستیوں کو آسمان کے قریب تک اٹھا کر الٹ دیا، اور پھر ان پر پتھر بھی برسائے۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جسے ہلاک کرنا مقصود تھا۔ اس طرح چار لاکھ سے زیادہ آبادی کی یہ بستیاں آنا نانا صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلَّذٰثِرِينَ بیشک اس میں آیت نشانیوں ہیں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے۔ تو سم کا معنی تازنا، دیکھنا، دھیان کرنا اور غور کرنا ہے۔ اصل میں یہ لفظ کسی علامت کے مشابہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں پر فراست کے معنوں میں آیا ہے۔ فراست ایک قسم کی دانائی اور اور زہر کی کا نام ہے جس کے ذریعے غور و فکر کرنے سے انسان کو بعض چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے إِنَّ قُوَّةَ مَنِ فَرَّاسَكَ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ ایک روایت

میں بتوفیق اللہ کے الفاظ بھی آتے ہیں بمطلب یہ ہے کہ مومن کی فرست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نوریہ اس کی توفیق سے بعض چیزیں دیکھ لیتا ہے۔

امیر عبد الرحمن، امیر امان اللہ خان والی کابل کے دادا تھے۔ یاد شاہ وقت اور صاحب علم آدمی تھے، آپ نے تاریخ کی کتاب بھی لکھی ہے۔ ان کے متعلق حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک کشف اور فرست میں اسی قدر فرق ہے جس قدر ٹیلیفون اور ٹیلیگرام (دار) میں جیب ٹیلیفون پر بات ہوتی ہے تو اس میں صریح الفاظ کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آٹے سے بیٹے کو گفٹنگو کی جاتی ہے۔ البتہ ٹیلیگرام ایک ایسا ذریعہ مواصلات ہے جس میں ٹیکسٹ کی صورت آواز ہوتی ہے، اور پیغام وصول کرنے والے ان آوازوں کو الفاظ کا جامہ خود پہناتا ہے۔ تو گوگیا صاحب فرست آدمی بعض اشارات سے بات کا مہنوم خود سمجھتا ہے۔

صاحب تفسیر جینی لکھتے ہیں کہ مشائخ نقشبندیہ میں سے ایک اونچے درجے کے بزرگ خواجہ عبدالخالق مجلس میں بیٹھے معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان آدمی مجلس میں آیا جس نے درویشوں کا حرفت پہن رکھا تھا اور کندھے پر مصلیٰ تھا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو وہ درویش مشن نوجوان خواجہ صاحب کے قریب ہوا، اور پوچھا حضرت !

اَلْفُؤُا فِرَاسَاةَ الْمَوْصِنِ وَالْحَدِيثِ كَا كِيَا مَطْلَبِ

ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو زمار پہن رکھا ہے، اسے توڑ دو اور ایمان قبول کر لو۔ اس پر پہلے تو اس شخص نے انکار کیا، مگر جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے جسم کے ساتھ زمار بندھا ہوا ملا۔ چنانچہ اس شخص نے اقرار کیا کہ وہ مجوسی ہے اور خواجہ صاحب کی آزمائش کے لیے آیا تھا۔ اس نے

خواجہ صاحب کی اس فراست کو کرامت پر محمول کیا، اور زناہر توڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھو! اس نو مسلم شخص نے ظاہری زناہر کو توڑ دیا ہے، آؤ ہم سب مل کر توبہ کریں اور باطنی زناہر کو بھی توڑ دیں۔ اس پر مجلس میں شور اٹھا اور سب نے توبہ کی مطلب یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنی فراست سے اُس شخص کو پہچان لیا تھا کہ یہ مجوسی ہے۔

نشاناتِ  
عجرت

اللہ نے فرمایا کہ صاحبِ فراست لوگ مجھ سکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط کو اُن کے جرم کی کیسی عبرت ناک سزا دی۔ ہر فرد اور قوم کو جان لینا چاہیے کہ اگر اس قسم کے جرائم ان میں بھی ہوں گے تو وہ بھی عذابِ الہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنَّهَا لِبِسْبِيلِ الْمُقْتِسِمِ اور عیشک یہ بتیاں البتہ آباد شاہراہ پر واقع ہیں۔ یعنی عبرت کے نشانات ایسے راستے پر ہیں جہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ اسی لیے ان میں ہونٹوں کے لیے بھی نشانی ہے۔ جب وہاں سے گزرتے ہیں اور ان بستیوں کے گھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو انہیں بھی عبرت حاصل کر کے ایسی برائیوں سے بچنے کی کوششوں کو کرنی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو کیسی عبرت ناک سزا دیتا ہے فَرَمَا وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ بیشک شان یہ ہے کہ ایک والے بھی بڑے ظالم لوگ تھے۔ مدین اور ایک والے ایک ہی قوم کے افراد تھے، مدین شہر تھا اور ایک اس کے نواح میں جھگڑ تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دو مختلف قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف حضرت شعیب کو مبعوث فرمایا تھا۔ فرمایا فَأَنْتَقِمْنَا مِنْهُم پھر ہم نے اُن سے اُن کی سرکشی کا انتقام لیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم اور

ایک والے وَأَنفُكَا الْبَاكِرِ صَبِيْنِ دونوں بڑی شاہراہ پر واقع تھے عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور حجاز سے شام اور فلسطین کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا تھا اور وہ ان اجڑی ہوئی بستیوں کے گھنڈرات کو دیکھتے تھے۔ مکے کے لوگ بھی اسی راستے سے گزرتے تھے، اس لیے اللہ نے ان کو بھی یاد دلایا کہ وہ ان ویران بستیوں سے ہجرت حاصل کریں۔

جغرافیائی لحاظ سے بھی بحیرہ میت کا علاقہ سطح سمندر سے کافی نشیب میں واقع ہے۔ اس کے بعض خطوں کا پانی اس قدر زہریلا ہے کہ اس میں کوئی مینڈک، مچھلی یا کیڑا مکوڑا زندہ نہیں رہ سکتا۔ سفر ہو کر کے دوران جب حضور علیہ السلام کا اس وادی سے گزر ہوا تو آپ نے سر پر چادر ڈال لی اور جلدی جلدی گزرنے کی کوشش کی۔ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر آیا تھا، کہیں ہم بھی اس میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جس خطہ کو اللہ تعالیٰ نے جائے ہجرت قرار دیا ہے، اُسے جدید روشنی والوں نے تفریح گاہ بنا لیا ہے۔ وہاں پر عجائب گھر قائم کر دیا گیا، ساتھ ہوٹل بھی ہیں جہاں لوگ تفریح کے لیے آتے ہیں حالانکہ ایسے مقامات سے ہجرت حاصل ہونی چاہیے تھی اور لوگوں کو معاصی سے باز آجانا چاہیے تھا۔

الحجیر ۱۵

آیت ۸۰ تا ۸۹

ربما ۱۳

درس دہم ۱۰

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۝۸۰  
 وَاتَيْنَاهُمُ الْيَتِيمَ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝۸۱  
 وَكَانُوا يُنَجِّتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝۸۲  
 فَآخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝۸۳ فَمَا  
 أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸۴ وَمَا  
 خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا  
 بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ  
 الْجَمِيلَ ۝۸۵ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝۸۶  
 وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ  
 الْعَظِيمَ ۝۸۷ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا  
 بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْ  
 جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝۸۸ وَقُلْ إِلَٰهِيَ أَنَا التَّوَّابُ  
 الْمُبِينُ ۝۸۹

ترجمہ :- اور البتہ جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسولوں

کو ۸۰ اور ہم نے دیں ان کو اپنی نشانیاں، پس وہ تھے  
 ان سے اعراض کرنے والے ۸۱ اور وہ لوگ پہاڑوں میں  
 گھر تراشتے تھے بے فکری سے ۸۲ پس پھڑا ان کو

خونفک آواز نے اس حال میں کہ وہ صبح کے وقت تھے (۸۳) پس نہ بچایا اُن کو اُس چیز نے جو وہ کھاتے تھے (۸۴) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور بیشک قیامت البتہ آنے والی ہے، پس آپ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا (۸۵) بیشک تیرا پروردگار وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور سب کی خبر رکھنے والا ہے (۸۶) اور البتہ تحقیق دی ہی ہم نے آپ کو سات دمہائی جانے والی آیتیں اور بڑا قرآن (۸۷) آپ نہ پھیلائیں اپنی آنکھوں کو اس کی طرف جو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے اس کے ساتھ ان میں سے مختلف لوگوں کو۔ اور نہ غمگین ہوں آپ ان پر۔ اور آپ جھکا دیں اپنے بازو ایمان والوں کے لیے (۸۸) اور آپ کہہ دیں کہ بیشک میں ڈر بنانے والا ہوں کھول کر (۸۹)

پہلے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور اُن کی سزا کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایک والوں کا تذکرہ بھی ہوا۔ ایک اور دین والے قریب ہی راستے پر تھے تو اللہ نے ان کی سزا کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا۔ ان کا تفصیلی بیان سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں آچکا ہے اور آگے بھی بعض سورتوں میں آئے گا۔ یہ نافرمان لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کا نشان بنے۔ آج کی ابتدائی آیات میں قوم ثمود ہی کا مختصراً ذکر ہے۔ جنہیں یہاں پر اصحاب حجر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اہل حجر کی تکذیب

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمَسْلُومِينَ ۝  
اور البتہ تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسولوں کو۔ اہل حجر صالح علیہ السلام کی

قوم ثمود ہیں جو تبوک سے لے کر وادی قریہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ  
 عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ اس خط میں اس قوم  
 کے سترہ نو شہر، قضیات اور دیہات آباد تھے۔ یہ لوگ صنعت و حرفت  
 میں بڑے ماہر تھے۔ بڑے مستعد اور آسودہ حال لوگ تھے، حجر اہنی کے مراکز  
 میں واقع ایک جگہ کا نام ہے جس کی نسبت سے انہیں حجر کہا گیا ہے۔  
 سورۃ ہود میں ہے وَالْحَاقُّ تَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا یعنی  
 ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔  
 اس کا مطلب ہے کہ اس قوم کی طرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا جب کہ  
 اس آیت کرمیہ میں مرسلین جمع کا لفظ ہے، یعنی ہر بیت سے رسول مبعوث  
 فرمائے اس ضمن میں امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس قوم کی طرف حقیقت  
 میں حضرت صالح علیہ السلام کو ہی مبعوث کیا گیا مگر یہاں پر جمع کا صیغہ اس  
 لیے آیا ہے کہ کسی ایک رسول کے جھٹلانے سے تمام رسولوں کا جھٹلانا  
 صادق آتا ہے۔ دین کی مرکز کی تعلیم اور خاص طور پر عقیدہ توحید کے بارے  
 میں اللہ کے سارے نبی متفق ہیں تو اس لحاظ سے اس قوم نے صرف صالح  
 علیہ السلام کو ہی نہیں جھٹلایا بلکہ انبیاء کی پوری جماعت کی تکذیب کی۔ اس  
 قسم کی مثال حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن میں مذکور ہے۔ وہ بھی  
 اپنی قوم عاد کی طرف واحد رسول مبعوث ہوئے مگر سورۃ ہود میں اللہ نے  
 ان کے متعلق فرمایا مَجِدُوا بآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلًا کہ  
 انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی  
 یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے مراد یہی ہے کہ کسی ایک رسول کا  
 انکار سارے رسولوں کے انکار کے مترادف ہے۔

فرمایا اہل حجر نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا وَاتَّبَعُوا آيَاتِنَا  
 اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ



پس وہ ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے تھے۔ قوم ثمود نے حضرت صلح علیہ السلام سے خود مطالبہ کیا کہ پتھر میں سے اونٹنی کو نکال جو دس ماہ کی گامبھن ہو اور ان کے سامنے بچہ بنے۔ جب صلح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے نشانی پیش کر دی تو قوم پتھر بھی الکار کر گئی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! نشانیاں نہ طلب کیا کرو قوم ثمود کو ان کی مرضی کی نشانی دے دی گئی مگر انہوں نے اس نشانی یعنی اونٹنی سے تعرض کیا، اس کی کوئی کاپی کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ غرض یہ اہل حجر کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی معجزات سے اعراض کرنے والے لوگ تھے۔

حجر والوں کی کارگزاری کے متعلق اللہ نے فرمایا وَكَانُوا يَخْتَوْنَ  
صَلَ الْجِبَالِ يَوْمَ تَاٰهُنَّ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں قعر بناتے تھے بے فکری سے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہنر عطا کیا تھا کہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان کے اندر ہی نہایت دیدہ زیب مکان تیار کر لیتے تھے۔ ان میں کھدائی کے ذریعے خوبصورت نقش بناتے یہ ایسے محفوظ مکان ہوتے تھے کہ کوئی چوڑا کو ان میں نقب بھی نہیں لگا سکتا، اس لئے ان کے باشندے بالکل بے فکری کے ساتھ رہتے تھے ان مکانات کے بچے کچھ نمونے آج بھی موجود ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے دور دور سے سیاح آتے ہیں۔

پراتی تہذیبوں  
 کے آثار

اس قسم کی پراتی تہذیبوں کے آثار دنیا بھر میں ملتے ہیں۔ یہاں جنوبی ہندوستان میں کجھٹا اور آلوہہ کی تہذیبوں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں یہ لوگ بھی پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بناتے اور ان کی چھتوں اور دیواروں پر حیرت انگیز نقش و نگار بناتے۔ ان کی دیواروں پر بنے ہوئے انسان کی تہذیب و تمدن کے آثار اب بھی ملتے ہیں۔ کسی جگہ شادی کی کسی

تقریب کی تصاویر یہ ہیں اور کہیں کوئی ماتی مجلس دکھائی گئی ہے۔ بعض مقامات پر عبادت کا طریقہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح ٹیکسلا کی بھی ایک تہذیب تھی۔ یہ قوم زمین میں دب گئی جس کے آثار کو کھنڈرات میں سے نکالا گیا ہے۔ ہر پہ اور موہنجو دھارو کی تہذیب کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے عراق میں آشور لیل کی تہذیب کے بہت سے آثار ملے ہیں۔ مصر میں پانچ چھ ہزار سالہ عمارت ابھی تک موجود ہیں۔ چار چار سو فٹ اونچے مہم ہیں جو ٹٹوں وزنی پتھروں سے تعمیر کیے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

عذاب کی آہ

فرمایا جب ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا فَاَحْذَثَهُمُ الصَّيْحَةُ مَصِيحًا ان کو چیخ نے آلیا صبح کے وقت۔ سورۃ اعراف اور ہود میں چیخ کے ساتھ زلزلے کا ذکر بھی ہے بہر حال جس طرح کل قوم لوط کے متعلق پڑھا تھا کہ ان پر سورج نکلنے کے وقت عذاب آیا، اسی طرح قوم ثمود کو بھی عذاب نے صبح کے وقت ہی آن پڑا اور پھر ان کی حالت یہ تھی فَمَا اَعْنٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ پس نہ کام دیا ان کو اس چیز نے جو وہ کماتے تھے بمطلب یہ ہے کہ جب اس قوم پر عذاب آیا تو ان کی کارگیری، صنایع، اوزار اور ان کی عقل و دانش کچھ کام نہ آئے اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ نے اپنی صفت کھنور اور رحیم کا ذکر فرمایا تھا اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ اور اس واقعہ میں صفت غضب کا ذکر کیا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز بیکار محض نہیں بلکہ ہر چیز کی تخلیق اس کی حکمت پر مبنی ہے

حضرت علیہ السلام کے لیے تسلی

زمین، جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر، ستارے اور سیارے وغیرہ ہر چیز کے ساتھ انسان کا مفاد وابستہ ہے۔ اور ان تمام اشیاء کا خالق اور مالک بھی موجود ہے وہی ہر چیز کی تدبیر کر رہا ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے۔ فرمایا جو خالق ان اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ان کو ختم کرنے کا بھی مجاز ہے، لہذا یاد رکھو! وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ بِشَكِّ قِيَامَتِ آنے والی ہے۔ جس کائنات کا آغاز دیکھ ہے ہو اس کا انجام بھی ہوگا۔ پھر صحابہ کی منزل آئیگی، ہر چیز کے متعلق باز پرس ہوگی، جو شخص آنحضرت میں سلائی ڈالتا ہے یا انگلی کے ساتھ گارے کا ذرا سا حصہ لگاتا ہے اسے بھی حساب دینا ہوگا۔

اس سورۃ کی ابتداء میں گنہگار چکا ہے کہ جب حضور علیہ السلام اپنے مخاطبین کو قیامت کی ہولناکیوں اور حساب کتاب کی منزل سے ڈراتے تو لوگ کہتے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ آپ تو دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ بھلا کسی مردے کو زندہ ہونے کسی نے دیکھا ہے؟ کوئی قیامت اور جزائے عمل نہیں ہے۔ ایسے ہی تو بین امیر کلمات سے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو سخت گرفت ہوتی ہے ایسے ہی مواقع پر تلی کے لیے الٹرنے فرمایا ہے۔ اے پیغمبر! آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا۔ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ لوگ یقیناً پکڑے جائیں گے اور پھر اپنے انجام کو بھی پہنچیں گے، لہذا آپ درگزر کریں۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ آپ کا پروردگار بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز یا ہر نہیں۔ اس نے کائنات کا عظیم سلسلہ پیدا کیا ہے، اس میں انسان جیسی اشرف مخلوق پیدا کی ہے پھر ان کی آزمائش بھی لی ہے، لہذا آپ خاطر جمع رکھیں اور ان لوگوں کی کارگزاریوں پر بد دل نہ ہوں بلکہ اپنا

کام کرتے رہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ہونے والے ایک  
 عظیم احسان کا ذکر کیا وَلَقَدْ أَنْزَلْنَاكَ سَبْعًا مِنَ السَّمَاوَاتِ  
وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے  
 والی آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔ اللہ نے اس عظیم نعمت کا نزول آپ  
 کے قلب مبارک پر کیا۔ سب سے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس  
 سے سات لمبی سورتیں مراد ہیں یعنی سورۃ بقرہ سے لیکر سورۃ یونس تک۔  
 صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے سورۃ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں اور یہی آیتیں  
 نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت  
 سے یہی ثابت کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ سب سے بڑی  
 سورۃ فاتحہ ہے اور قرآن عظیم بھی یہی سورۃ ہے۔ قرآن پاک میں سب سے زیادہ  
 فضیلت والی سورۃ یہی ہے اور یہ پورے قرآن کا لب لباب ہے اس لیے  
 اسے قرآن عظیم بھی کہا گیا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ قرآن پاک میں  
 سب سے زیادہ فضیلت والی آیت آیت الکرسی اور سب سے فضیلت والی سورۃ  
 سورۃ فاتحہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اس لیے علمائے کرام  
 فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن کریم آتا ہے اسے اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے  
 کیونکہ اللہ نے اسے عظیم نعمت عطا کی ہے۔ دنیا کا مال و مناع اس کے  
 مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہذا ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کا شکر  
 ادا کرنا چاہیے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے رُكِعَتِي الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ  
الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا یعنی نماز فجر سے پہلے دو سنتیں دنیا اور اس کی ہر چیز  
 سے بہتر ہیں۔ دنیا کا مال و اسباب تو عارضی ہے مگر ٹھیک طور پر ادا  
 کی گئی یہ سنتیں اگر مقبول ہوئیں تو ان کا اجر کبھی ختم نہیں ہوگا، لہذا یہ دنیا

سب سے بڑی  
 کا نزول



ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئیں تاکہ ان کو تسلی ہے۔ وَقُلْ  
أَبِئْتُمْ لِمَ كَفَرْتُمْ انا التذیۃ المبین میں تو کھول  
 کر ڈرنا نے والا ہوں۔ میں تو تمہیں خطرناک انجام سے آگاہ کرنے والا ہوں۔  
 اگر کفر، شرک، معصیت اور ناشکرہ گتاری کا راستہ اختیار کر کے تو میں تمہیں  
 برے انجام سے خبردار کر رہا ہوں۔ جس طرح قرآن مبین سے یعنی ہر چیز  
 کو واضح کر رہا ہے، اسی طرح اللہ کے نبی بھی نذیر مبین ہیں کہ کسی چیز کو تشنہ  
 نہیں لے سکتے بلکہ ہر چیز کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں  
 عربوں میں نذیر العریان کی اصطلاح پائی جاتی تھی یعنی سخت خطرے کے  
 وقت کوئی شخص اپنا تہ بند اتار کر جھنڈے کے طور پر لہراتا تھا اور خطرے  
 سے آگاہ کر دیتا تھا، وہ نذیر عریان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح اللہ کا نبی بھی  
 لوگوں کو شدید خطرے سے آگاہ کرنے والا ہے کہ آنے والے وقت  
 سے ڈر جاؤ اور اللہ کے احکام کو تسلیم کر لو۔

ربما ۱۳

المجدد ۱۵

رس یازدہم ۱۱

آیت ۹۰ تا ۹۹

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۙ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ  
 جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۙ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَأْذِنَهُمْ  
 أَجْمَعِينَ ۙ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۙ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ  
 بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۙ ﴿٩٤﴾ إِنَّا  
 كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۙ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ  
 مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۙ ﴿٩٦﴾  
 وَلَقَدْ نَعَلْنَا أَنَّاكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ بِمَا  
 يَقُولُونَ ۙ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ  
 السَّجِدِينَ ۙ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ  
 الْيَقِينُ ۙ ﴿٩٩﴾

ترجمہ:- جس طرح کہ ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے  
 والوں پر ﴿۹۰﴾ وہ جنہوں نے بنایا ہے قرآن کو ٹکڑے  
 ٹکڑے ﴿۹۱﴾ پس تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب  
 سے سوال کریں گے ﴿۹۲﴾ اس بارے میں جو کچھ وہ  
 کیا کرتے تھے ﴿۹۳﴾ پس آپ واضح طور پر وہ بات  
 سنا دیں، جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور آپ اعراض کریں  
 شرک کرنے والوں سے ﴿۹۴﴾ بیشک ہم کفایت کرتے

ہیں آپ کے لیے مٹھا کرنے والوں کے شر سے (۹۵) وہ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، پس عنقریب وہ جان لیں گے (۹۶) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں (۹۷) پس آپ تیج بیان کریں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیں آپ سجدہ کرنے والوں میں سے (۹۸) اور عبادت کریں اپنے پروردگار کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس یقینی بات (۹۹)

پہلے اللہ تعالیٰ کی دونوں شانوں یعنی اُس کے غفور اور رحیم ہونے اور غضبناک ہونے کی شان کا ذکر ہوا پھر اللہ نے دونوں قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائیں جن پر اللہ کا انعام ہوا اور جن پر غضب نازل ہوا۔ پھر آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے تسلی کا مضمون نازل ہوا۔ مشرکین آپ کے اور آپ کے سائقیوں کے ساتھ نہایت غلط قسم کا سلوک کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ دل برداشتہ ہوتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی بھی دی، اور ساتھ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ نافرمان لوگ بالآخر ناکام ہوں گے۔ اس ضمن میں قوم لوط کی ناہنجاری کا ذکر فرمایا، اہل حجر کی بات کی کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے سچے نبی اور سچے دین کی مخالفت کی، اہل ایمان کو اذیت پہنچانی تو اللہ نے اُن کو سزا میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح سابقہ انبیاء کے مخالفین تباہ و برباد ہوئے، اسی طرح آپ کے مخالفین بھی اللہ کے غضب سے بچ نہیں سکیں گے۔

اب اللہ نے اس بات کو ایک مثال تشبیہ کے طور پر سمجھایا ہے



كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ جیسا کہ ہم نے آلا اذ عذاب (تقسیم  
 کرنے والوں پر یقیناً تقسیم کے مادے سے بھی ہو سکتا ہے اور قسم کے  
 مادے سے بھی اور اس مقام پر دونوں معنی درست ہیں، البتہ تقسیم والا معنی  
 زیادہ معروف ہے۔ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ وہ تقسیم  
 کرنے والے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر قرآن سے اللہ  
 کی یہی کتاب مراد لی جائے جیسا کہ تبارہ ہے تو تقسیم کرنے والے مشرکین  
 محکم ہیں جنہوں نے قرآن کو تقسیم کر دیا تھا یعنی وہ کتاب الہی کے ساتھ غلط  
 باتیں منسوب کرتے تھے، کوئی کہنا یہ شاعری ہے، کوئی طے سے سحر بانا  
 اور کوئی طے سے اساطیر الاولیاء (الانفال) پرانے لوگوں کی قصے  
 کہانیاں کہتا۔ بعض لوگوں نے قرآن کو تسخر کے طور پر اس طرح تقسیم کر  
 رکھا تھا کہ ایک شخص دو کسر سے کتا کہ سورۃ بقرہ کو میں بجالا لوں گا  
 تم ذرا سورۃ الفیل سے نیٹ لو۔ کوئی کتا ماڈہ میرے ذمے لے بنے دو اور  
 الغام فلاں کے ذمے لگا دو۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے قرآن پاک کی  
 سورتوں کو مذاق کے طور پر تقسیم کر دیا تھا۔ تقسیم کی ایک صورت یہ بھی اللہ  
 نے سورۃ ماڈہ میں ذکر کی ہے کہ بعض اوقات مشرکین اپنے مقدمات  
 حضور علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیجتے اور ساتھ ہی فریق  
 مقدمہ کو کہہ دیتے کہ اگر فیصلہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوا تو قبول کر لینا ورنہ  
 چھوڑ دینا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا لَهُمْ فِي  
 الدُّنْيَا حِزْبٌ مِّنْهُمْ وَكَهْفٌ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
 (المائدہ) یعنی ایسا شخص بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی اُس کے  
 لیے عذاب عظیم ہوگا۔ بڑے بڑے صنادید قریش تھے جنہیں اللہ نے  
 اسی دنیا میں ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔  
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آپس میں درے اور راستے

تقسیم کر رکھے تھے تاکہ حضور علیہ السلام کے پاس جانے والے لوگوں کو راستے میں ہی روک دیا جائے۔ آپ کے خلاف یہ لڑائی لڑا کرتے، آپ کو نعوذ باللہ ساحر اور دیوانہ کہہ کر لوگوں کو آپ کی ملاقات سے روکتے۔ ایک دفعہ عربوں کا مشہور شاعر اعشى حضور کی خدمت میں حاضری کے لیے مکہ آیا۔ یہ شخص سناجۃ العرب یعنی عربوں کا باجہ کہلاتا تھا۔ اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات ضرب المثل بن جاتی تھی۔ قریش مکہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر اس نے حضور کی شان میں کوئی قصیدہ کہہ دیا تو پھر آپ کا راستہ روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا انہوں نے تدبیر کی کہ کس طرح اعشى حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے امامج سے لڑا ہوا ایک سہاونٹ اُسے رشوت میں اس لیے پیش کیا کہ وہ حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کرے۔ وہ شخص اونٹ لے کر اپنے وطن میں چلا گیا اور آپ سے ملاقات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ائمۃ النہر کو دنیا میں ہی سزا دی۔ چنانچہ بعض جنگ بدر میں مارے گئے۔ کوئی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا ہو کر جسم واصل ہوا کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا جس کا نہ ہر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ یہ حال جن لوگوں نے قرآن پاک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، اللہ نے ان پر طرح طرح کا عذاب نازل فرمایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر قرآن سے مراد اللہ کی آخری کتاب نہیں بلکہ اس سے مراد پہلی کتابیں اللوات، انجیل و عیضہ ہیں اور ان کو تقسیم کرنے والے ان کے حاملین یہود اور نصاریٰ ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ ان کے کسی حکم کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں موجود ہے "أَفْتَقُّمِشُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کیا تم کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ ایسے لوگوں کے عذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن

میں بار بار ذکر کیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ بندر اور خنزیر بنادیے گئے، کہیں فرمایا کہ چالیس سال تک صحرائیں بھٹکتے رہے۔ کبھی یہ باہمی عداوت و بیگاریں مبتلا ہو اور کبھی ان کو دوسری اقوام نے پامال کیا۔

اگر متقسم قسم کے مادے سے ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والے لوگوں پر عذاب نازل فرمایا۔ ایسے لوگوں کا ذکر بھی اللہ نے مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ اصحابِ حجر یعنی قوم ثمود کے لوگ بھی قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ ہم صلح علیہ السلام کو زندہ نہیں کھوپڑیں گے سورۃ النحل میں موجود ہے "قَالُوا نَقِاسُكُمْ بِاللَّهِ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ" وَأَهْلُ الشَّرِّ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُجْرِمُونَ" صحیح علیہ السلام اور اس کے کفر والوں پر شب خون ماریں گے۔ یعنی ان سب کو ہلاک کر دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے خود انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والوں پر عذاب نازل کیا۔ اسی طرح ان لوگوں پر نازل کریں گے جو خاتم النبیین علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

لازمی  
باز پر

قرآن پاک کو مختلف طریقوں سے تقسیم کرنے والے ہوں یا دین حق کی قسمیں اٹھا کر مخالفت کرنے والے اللہ نے فرمایا "هُوَ كَذِبٌ" تیرے پروردگار کی قسم لست لکنہم اجمعین ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اس بارے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اس مقام پر تو مسکنین و مکذبین سے سوال جواب کا ذکر ہے مگر بعض مقامات پر بغیر باز پرس ہی جہنم سیدگی کی وعید سنائی گئی ہے جیسے سورۃ الرحمن میں "ذَیْئُوصَةٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ" اِسْ وَنَاسٌ اِنَانِ یَا حِن سے اُس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔

بَلَّغْ لِعَرَفِ الْمُجْرِمُونَ بِسِيئَتِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي  
وَالْأَقْدَامِ۔ مجرم لوگ اپنے چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے اور انہیں  
سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے  
حشر کے میدان میں کئی واقعات پیش آئیں گے بعض مواقع پر انسان سے  
شدید باز پرس ہوگی اور بعض مواقع پر بغیر لہجے مجرمین کو پکڑ کر لے جایا جائے گا  
امام ابو بکر رازی فرماتے ہیں کہ یہاں پر سوال کرنے سے مراد محض اذیتوں  
نہیں بلکہ سخت ڈانٹ ڈپٹ مراد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے  
کہ کسی شخص کو قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا جب تک وہ ان سوالوں  
کا جواب نہ دے لے کہ اُس نے عمر کے شباب کے حصے کو کہاں خرچ کیا  
دنیا میں مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر بھی  
فرمایا ہے کہ اُن سب سے ہم ضرور سوال کریں گے ان تمام کاموں کے متعلق  
جو وہ دنیا میں انجام دیتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے۔  
فَاَصْدُقْ كَيْمَا تَقُولُ۔ پس آپ واضح طور پر بتادیں جو کچھ آپ  
حکم دیا گیا ہے۔ صدرِ دراصل اُس برتن کو کہتے ہیں جو ٹوٹ جائے اور  
اُس کے دوبارہ جڑنے کا امکان نہ ہو۔ تو یہاں پر مطلب یہ ہے کہ آپ  
اللہ کی توحید کا واضح طور پر دو ٹوک اعلان کر دیں اور اس میں کسی قسم کی رو  
رعایت نہ رکھیں وَاعْرِضْ عَنكَ الْمُشْرِكِينَ، اور مشرکوں  
سے اعراض کر دیں۔ آپ ان کی پروا نہ کریں کہ وہ کیا کرتے ہیں، انہیں  
اُن کے حال پر چھوڑ دیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اَنَا كَفَيْتُكَ  
الْمُسْتَهْزِئِينَ ہم آپ کو کفایت کریں گے عطا کرنے والوں کے  
شر۔ یہ یعنی اُن کے شر کے اثرات آپ تک نہیں پہنچنے دیں گے

سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے ”فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی کفایت کرے گا کیونکہ وہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔ آپ ٹھٹھا کرنے والوں کی بالکل پرواہ نہ کریں۔

اور استنزا کہنے والے کون لوگ ہیں؟ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ کوئی ان کا سفارشی ہے۔ کوئی معبود، کوئی حاجت اور شکر کا۔ فرمایا فَيَسُوفَ يَكْفِيكَمُ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ مُعِينٍ کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بندے نہ شریک اور نہ ہی اس کے سوا کوئی معبود ہے فرمایا وَلَقَدْ نَعَلَكُمْ أَنْتُمْ كَيْفَ تَصِفُونَ صِدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو میرے مشرکین کہتے ہیں۔ یہ لوگ کفر شرک کی باتیں کہتے ہیں، آپ پر طعن اور استنزا کرتے ہیں، آپ کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہنچتی ہے، آپ کو رنج ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ زیادہ فکیر نہ کریں۔ جب آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے اور وہ اسے شدت سے روک دیتے تو پھر بھی آپ کی طبع پر بہت گدلاں گزرتا آپ بنی نوع انسان کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور لوگوں کو لے لوٹ ایمان اور فلاح کی دعوت دیتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا لوگو! کہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، فلاح پا جاؤ گے، یہ تو تمہارے ہی فائدے کی بات ہے مگر اتنی خیر خواہی کا جواب جب شر و فساد سے ملتا تو حضور علیہ السلام کا دل بڑا تنگ ہوتا۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا فَكَلِمَاتٌ بَاخِعٌ نَفْسًا عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ آسَفًا

(الکہف) اے پیغمبر اگر یہ لوگ اس کلام الہی پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ  
گلا گھونٹ کر ہلاک ہو جائیں۔

فرمایا اس قدر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا فرض  
یہ ہے "بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ" (المائدہ)  
جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، آپ اُسے  
بلا کم و کاست آگے پہنچادیں۔ کیونکہ "فَاتِمَّا عَلَيْكَ الْبَلِّغُ وَعَلَيْنَا  
الْحِسَابُ" (الرعد) خدا کا پیغام پہنچادینا اور لوگوں کو سمجھادینا آپ کا کام  
ہے، اور ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ "وَلَا تَسْأَلْ عَنْ  
أَصْحَابِ الْجَحِيمِ" (البقرہ) اہل دوزخ کے متعلق آپ سے نہیں  
پوچھا جائے گا کہ وہ کیوں دوزخ میں گئے، بلکہ اپنی کارکردگی کے وہ خود  
ذمہ دار ہوں گے اور اس بارے میں انہی سے سوال ہوگا۔ آپ صرف  
اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے چلے جائیں۔ بہر حال مشرکین کی بدسلوکی پر حضور  
علیہ السلام کے دل کی تنگی قدرتی بات تھی۔ بہر نبی امت کا خیر خواہ ہوتا ہے  
حضرت ہوں اور علیہ السلام نے بھی اپنی قوم عادی سے ہی کہا تھا "أَبْلَغُكُمْ  
رَسَلْتُ رَجُلًا وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ آمِينَ" (الاعراف)  
میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور  
امانت دار بھی ہوں۔ اس میں سیرا ذاتی کوئی مفاد نہیں بلکہ تمہاری خیر خواہی مقصود  
ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم کو اس طرح خطاب فرمایا  
اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے "وَأَصْحَابُ  
كُفْرٍ أَوْ تَمَّارٍ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْكُمْ" (الاعراف) اب میں تمہاری ہلاکت پر کیسے افسوس کا اظہار  
کروں؟

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے قلب و صدر کی تہی

کا علاج بھی بتایا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ  
 بلکہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کریں، اسکی پاکی اور حمد بیان کریں  
وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو  
 جائیں یعنی آپ کثرت سے نماز پڑھیں۔ چنانچہ ترمذی اور ابوداؤد کی  
 روایت میں آتا ہے کہ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت پریشانی  
 لاحق ہوتی تو آپ فوراً نماز کی طرف رجوع کرتے۔ پریشانی کا علاج نماز ہے  
 کیونکہ اس کے ذریعہ تعلق باللہ قائم ہوتا ہے اور جس قدر تعلق باللہ مضبوط  
 ہوگا اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی اور  
 دل میں تسکین پیدا ہوگی کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر میں ہی ہے تو فرمایا  
 آپ اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کریں، اس کی تعریف کریں اور نماز کی  
 کثرت رکھیں۔

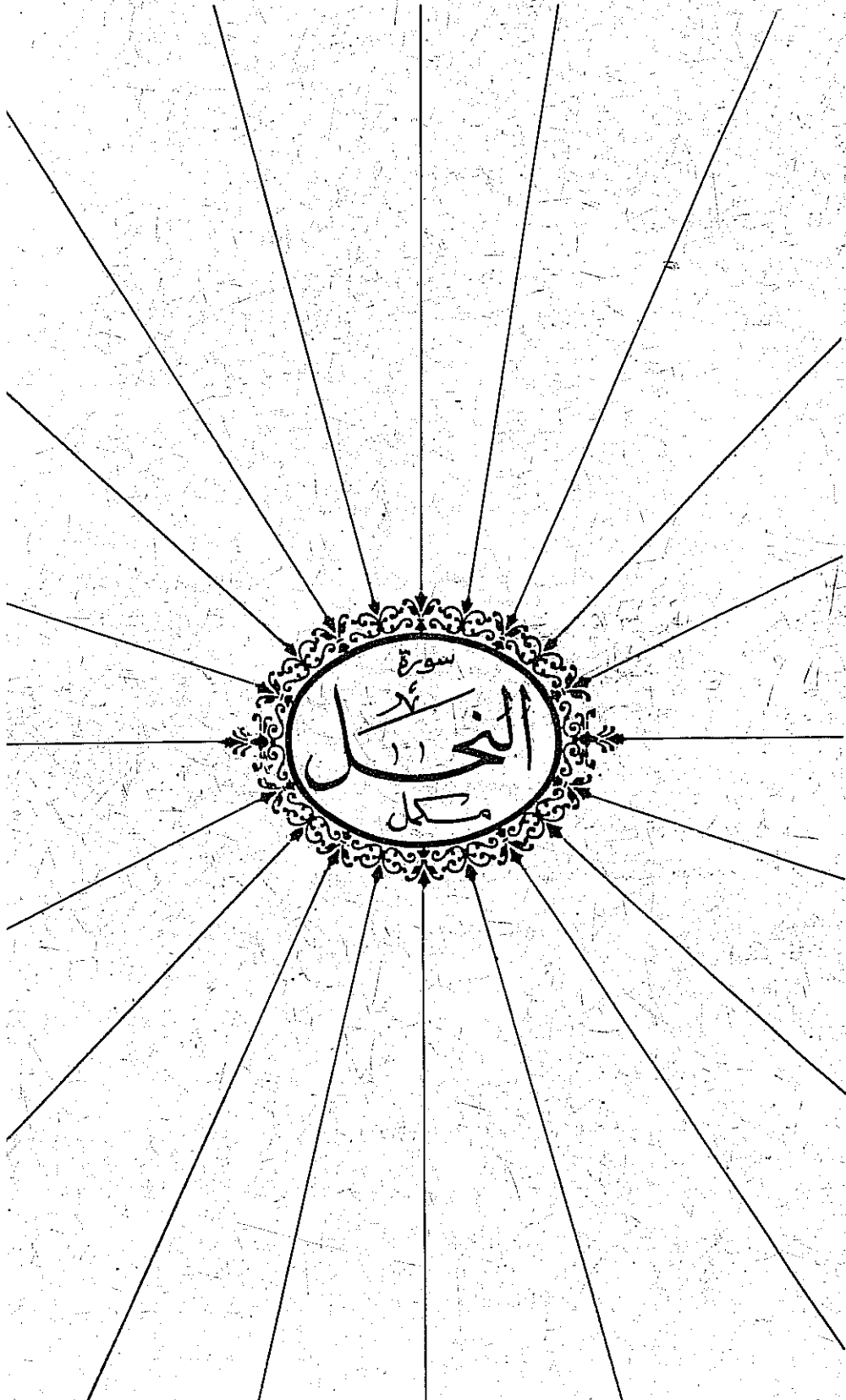
آخر دم  
 ایک عبادت

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے وَاعْبُدْ  
رَبَّكَ اپنے پروردگار کی عبادت کرنے رہیں ہمسلسل بندگی میں لگے رہیں  
حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے  
 عربی زبان میں یقین کا اطلاق موت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے  
 معنی یہ ہوگا کہ آپ آخر دم تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ موت  
 ایک یقینی امر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد بھی ہے  
 ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ (آل عمران) ہر نفس کو موت کا  
 نذرہ چھٹتا ہے اس سے اللہ کا نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر جاندار کو اس کھٹن  
 گھٹائی سے گھزنا ہے۔ مثنوی شاعر کہتا ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہو سکتا  
 ہے مگر موت ایک ایسی چیز ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں، اس  
 پر سب کو یقین ہے الْمَوْتُ أَصْدَقُ وَالْحَيَاةُ عُدْوَسٌ۔  
 موت یقینی چیز ہے اور زندگی محض دھوکا ہے۔ انسان کے گلے

میں زندگی کا جو دھکا ٹک رہا ہے، یہ بالکل کمزور ہے اور کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے، لہذا فرمایا کہ زندگی کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں یہ تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

سورۃ کی ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت، اور صداقت کا مضمون تھا پھر توجید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی شان رحمت اور شان غضب کا ذکر ہوا۔ پھر نافرمان قوموں کی سزا کی طرف اشارہ کیا اور آخر میں تسلی کے مضمون پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے۔





النحل ۱۶

آیت ۱ تا ۲

ربما ۱۳

درس اول ۱

سُورَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ هِيَ مَائَتٌ وَاثْنَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا سِتَّةٌ وَعِشْرُونَ كُوفَةً

سورۃ نحل مکی ہے اور یہ ایک سو اٹھائیس آیات اور سہ سو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلَّذِیْ اٰمَرَ اللّٰهَ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی  
عَمَّا یُشْرٰکُوْنَ ۝۱ یَنْزِلُ الْمَلٰٓئِکَةُ بِالرُّوْحِ  
مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّهُ  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۝۳ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرٰکُوْنَ ۝۴  
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفٰتٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ  
مُّبِیْنٌ ۝۵

توجہ دے۔ آپہنچا ہے اللہ کا حکم۔ پس نہ جلدی کرو  
اس کے لیے۔ پاک ہے اُس کی ذات اور بلند و برتر  
ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اسکے ساتھ شریک بنتے  
ہیں ① اُتارنا ہے وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ  
اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے (اور  
فرماتا ہے) کہ ڈرا دو لوگوں کو بیشک نہیں کوئی معبود میرے

سوا، پس مجھ سے ڈرتے رہو ② پیدا کیا ہے اُس نے  
 آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بلند و بتر ہے اُن  
 چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ③  
 پیدا کیا ہے اُس نے انسان کو پانی کے قطرے سے، پس  
 اچانک وہ انسان ہو گیا جھگڑا کرنے والا کھلے طور پر ④

نام اور کوالف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النحل ہے۔ نخل شہد کی مکھیوں کو کہا جاتا ہے  
 ان مکھیوں میں اللہ نے جو کمال رکھا ہے اُسے اپنی توحید کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا  
 ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کو نخل کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول  
 بھی سابقہ سورۃ کی طرح مکی زندگی کا آخری دور ہے۔ جب کہ ہجرت کا وقت قریب  
 آچکا تھا۔

اس سورۃ کی ۱۲۸ آیات ۱۶۱ رکوع ۱۸۴۱ الفاظ اور ۶۷۰ حروف ہیں۔ یہ  
 درمیانے درجے کی سورتوں میں سے ہے۔

مضامین  
 سورۃ

گذشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو مخاطب کر کے فرمایا تھا "قُلْ لِّمَنْ اَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ" آپ کہہ دیں  
 کہ میں کھول کر ڈر سنانے والا ہوں، تو اس سورۃ میں اللہ نے ڈر کی تفصیل بیان فرمائی  
 ہے، اور مجرمین کو واضح طور پر خبردار کر دیا ہے کہ وہ اپنی فکر کر لیں، اُن کی گرفت  
 آنے والی ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور وحی الہی  
 کی صداقت، توحید باری تعالیٰ، مسند رسالت اور وقوع قیامت اور اس کے ساتھ  
 مجرموں کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان  
 ہوئے ہیں۔ انسان کی طرف سے از خود حرام کردہ چیزوں کی تردید اور اللہ  
 کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ

کا کام اور اس کی صفت ہے اور یہ بات ایمان کی شرائط میں داخل ہے حضور علیہ السلام کے صحابی نعان بن قوفلؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، اگر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کروں، نماز ادا کروں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں، تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ مجبوری کی حالت میں بعض اوقات حرام چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں، تو اس سورۃ میں اللہ نے اضطرار کے مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ سورۃ ابراہیم کی طرح اس سورۃ میں بھی ہمت ابراہیمی کی تصریح کی گئی ہے۔ غلامی اور آزادی کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے تاہم زیادہ تر توحید کے دلائل اور شرک کی مختلف صورتوں کی تردید کی گئی ہے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پروگرام پیش کیا ہے۔ جسے اہل اسلام فخر کے ساتھ دینا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ وہی عالمی پروگرام ہے جس کی ایک آیت آپ ہر خطبہ جمعہ میں سنتے رہتے ہیں "اللَّهُ يَا مَعْزِبُ الْعَمَلِ وَالْإِحْسَانِ" اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ یہ اسی سورۃ مبارکہ کی آیت ہے، جسے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خطبہ جمعہ میں شامل کیا تھا۔ ہر جماعت اور حکومت کا ایک منشور ہوتا ہے جس کے مطابق کوئی نظام چلانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے منشور اسلام (MANIFESTO OF ISLAM) یعنی فٹو آف اسلام) بھی پیش کیا ہے اس اگلی دونوں سورتوں میں اللہ نے درج ذیل کے فتنوں یعنی عیسائیت اور ذہالیت کا رد فرمایا ہے۔ اس میں طریقہ تہذیب بنایا ہے اور اقتصادی مسائل کا حل بھی پیش کیا ہے۔ اللہ نے ایفائے عہد کی تلقین اور نقص محمد سے منع فرمایا ہے۔

تہذیب کے طور پر بعض سورتوں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہوتی

ہے اور بعض کی ابتدا میں حروف مقطعات آتے ہیں۔ تاہم اس سورۃ مبارکہ میں چونکہ انذار کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس سے مجرموں اور نافرمانوں کی تنبیہ مطلوب ہے، لہذا اس سورۃ کی ابتدا بلا تہمید براہ راست کی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہ حکم ان پہنچا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی لوگوں کو قیامت اور محاسبہ اعمال سے ڈراتے تو وہ کہتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو، اُسے لے آؤ۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اَنْ کُوْمِرَ لَیْنٌ وَّالْحَکْمُ اَیْبَسُ ہے یہ عذاب الہی کی آمد کی وعید ہے جو کہ مستقبل میں نازل ہونے والا ہے مگر اس آیت کریمہ میں اَلْحَمْدُ ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کا حکم آچکا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جو واقعہ مستقبل میں یقینی طور پر پیش آئیگا ہوتا اُسے مضارع کی بجائے ماضی کے صیغہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت اور جنت، دوزخ کے اکثر واقعات ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کُلُّ مَا لَیْسَ بِہِیْ حَیْرٍ لِّمَنْ یَعْلَمُ السَّغْرَ لَیْلٍ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ اور جنت والی ہے، وہ اتنی ہی اٹل ہوتی ہے جیسے وہ آج ہی ہے چونکہ قیامت اور عزرائل عمل لازمی طور پر واقع ہونے والے ہیں، اس لیے اللہ نے انہیں ماضی میں بیان کیا اور مطلب یہی ہے کہ اللہ کا حکم عنقریب آنے والا ہے فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ لِنَدَابِہِ لَعَلَّہٗ یَسْرِعَ وہ آیا ہی چاہتا ہے۔

عذاب الہی کی آمد

غالب اسلام کی پیش گوئی

حضرت مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق امر اللہ سے مراد اسلام کی فتح، اس دنیا میں مخالفین کی تذلیل اور آگے چل کر سخت عذاب ہے۔ اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر پیش گوئی کر دی ہے کہ اس وقت تو کافر لوگ اہل ایمان کو تنگ کر رہے ہیں، ان پر عرصہ حیات

سنگ کہ رکھا ہے مگر ان کی فتح اور کفار کی شکست عنقریب واقع ہونے والی ہے۔ اسی غلبہ اسلام کے ساتھ اسلام کا عالمی پروگرام بھی منسلک ہے۔ یہ ایسا پروگرام ہے جو اسلام کے سوا کسی مذہب کے پاس نہیں ہے اور اسی پروگرام کے ذریعے پوری دنیا کی اصلاح مقصود ہے۔

نزول وحی

فرمایا سُبْحٰنَکَ اَکْبَرُ ہے اس کی ذات وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرکُونَ وہ ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اللہ کا شریک بنا لے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق اور معبودِ برحق ہے اور اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ اُس کی برتری اسی بات سے ظاہر ہے کہ اُس نے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے اپنے فرشتوں کے ذریعے وحی نازل فرمائی، چونکہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے احکام حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ نے کفر، شرک اور معاصی سے بچنے کا پروگرام فرشتوں کے ذریعے ارسال کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَنۡرَآلۡ اَلۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوحِ مِنْۢ مِّنۡۢ اَمۡرٍۭ وَہ ملائکہ کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اتارتا ہے۔ یہاں پر روح سے مراد وحی ہے جیسے قرآن پاک۔ خود قرآن کو بھی وحی کہا گیا ہے۔ اور ایک روح وہ بھی ہے جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے۔ اسی کے ذریعے انسان میں عقل و شعور پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان کے جسم سے روح خارج ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان کو روح کے ذریعے ظاہری حیات نصیب ہوتی ہے، اسی طرح کلام پاک اور وحی الہی کے ذریعے انسانوں کے دل زندہ ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں ایمان، توحید اور نیکی پیدا ہوتی ہے گویا وحی الہی انسان کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے۔ اس کی وساطت سے انسان کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور ابدی حیات نصیب ہوتی ہے ول میں پاکیزہ اخلاق و جذبات ابھرتے ہیں، انسان کا قلب اللہ کی

تجلیات کا مورد بنتا ہے، اور انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔

رسالت کا  
انتخاب

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنی وحی سے کہ نازل فرماتا ہے حضرت  
جبریل امین اس اعلیٰ منصب پر فائز ہیں جن کے ساتھ فرشتوں کی ایک  
جماعت ہوتی ہے اور یہ وحی کس پر نازل ہوتی ہے؟ عَلَّمَكُم مَّا  
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ عِبَادِہٖ اِنِّیْ اَنْزَلْتُہٗ مِنْ سَمٰوٰتٍ سَابِغَةٍ  
مَطْلَبِیْہٖ ہے کہ نبوت و رسالت کا انتخاب کسی شخص کی کوشش محنت  
عبادت و ریاضت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ یہ انتخاب خود اللہ جل جلالہ کا  
اپنا ہوتا ہے۔ سورۃ النعام میں گزر چکا ہے۔ "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ  
یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کی صلاحیتوں کو جانتا  
ہے اور پھر وہ حکمت اور مصلحت کے مطابق ان میں سے نبوت اور  
رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ سورۃ حج میں بھی موجود ہے  
"اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنْ النَّاسِ"  
فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ ہی اپنے رسول منتخب فرماتا ہے۔  
گویا پیغام رسانی کے لیے فرشتوں کا انتخاب اور نبوت و رسالت کے  
لیے انسانوں کا انتخاب دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں  
اور وہی ان کا فیصلہ کرتا ہے۔ پیغام رسانی کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت  
آدم علیہ السلام سے شروع کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
پر ختم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آخری اور ابدی پروگرام قرآن پاک کی صورت  
میں آچکا ہے۔ اب اگر اس کائنات کی مجموعی عمر دس لاکھ سال بھی ہو  
تو بھی کسی دور سگر پر وگرام کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نیا نبی  
آئے گا۔ اب تا قیام قیامت ہی دین باقی رہے گا۔

دعوت  
توحید

فرمایا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے  
اور حکم دیتا ہے اَنْ اَنْذِرُوْا کہ لوگوں کو خبر کر دو، اَنْذِرُوْا اَللّٰہَ لَعَلَّہٗ

اَلَا اَنَا كَمَا مِيرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نہ کوئی میری عبادت میں شریک  
 ہے اور نہ تو جید میں۔ میں ہی خالق اور مالک ہوں۔ میں ہی قادر مطلق،  
 مختار مطلق اور علمِ کل ہوں۔ تمام سببی نوع انسان کی ضروریات کو جاننے  
 والا میں ہوں۔ نفع نقصان کا مالک میں ہوں۔ میرے سوا نہ کوئی مشکل کشا  
 ہے اور نہ حاجت روا اور نہ بگڑی بنانے والا۔ ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ لوان  
 بھی میرے سوا کوئی نہیں لہذا فَاتَّقَوْنِ مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اگر تم  
 نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنا یا تو میری معرفت سے بچ نہیں سکتے۔  
 فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اُس نے  
 آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کائنات کا پورا نظام کوئی  
 کھیل تماثلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے انیس  
 مخلوق کی مصلحت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور پھر اس ساری تخلیق کا  
 نتیجہ بھی سامنے آنے والا ہے۔ لہذا اُس ذات سے ڈرجاؤ، اور وہ ذات  
 ایسی ہے تَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَنْ تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے  
 جن کو وہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ بار بار یاد دہانی کو لائی جا رہی  
 کہ وہی ذات اعلیٰ و ارفع ہے، اس کے مقابل کی کوئی چیز نہیں، لہذا اُس  
 کے ساتھ کسی کو شریک اور شفع نہ بناؤ، کسی کو مشکل کے وقت میں مت  
 پکارو، حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اسی سے چاہو۔ وہی ذات  
 بلند و برتر ہے، باقی ہر چیز بیچ ہے۔

تخلیق الہی  
 بطور دلیل

آسمان وزمین کا ذکر کہہ کے اللہ نے اپنی وحدانیت کی بیرونی نشانیاں  
 پیش کہہ دیں۔ اب انسان کو خود اس کے وجود کی اندرونی نشانیوں کی طرف  
 متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْقَةٍ  
 اللہ نے انسان کو قطرہ آب سے پیدا کیا۔ سورۃ الہم سجده میں ہے کہ  
 ہم نے انسان کی نسل مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ یعنی حقیر پانی سے چلائی۔



ایسا حقیر بانی کہ اگر کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو دھونا یا نہانا لازم ہو جاتا ہے  
یہ ایسی نجاست ہے جسے انسانی مزاج برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں  
مگر یہی حقیر مادہ انسانی تخلیق کا ذریعہ ہے۔

فرمایا کہ جب انسان اس حقیر مادہ سے پیدا ہو گیا فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ  
مُتَّبِعٌ تُوَاجِهَانَا كُحْلٌ طُورٌ بِرُجْمٍ كُطِنٌ وَالْإِنِّ كَمَا - اب یہ توحید الہی  
کا انکار کرتا ہے اور شیطان کی پیروی میں شرکیہ امور کی ترجیح دیتا ہے  
غیر اللہ کی نذر و نیاز کے حق میں باطل دلائل پیش کر کے جھگڑا کرتا ہے  
کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اپنی تخلیق سے اللہ کی وحدانیت کو سمجھنے  
کی بجائے شرک کے حق میں دلائل دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی  
بغاوت پر اتر آتا ہے۔

یہ انداز کا مسئلہ بھی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی بیرونی اور  
اندرونی دو دلیلیں بیان کی ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش میں بخیر کہہ کے بھی  
انسان معرفت الہی حاصل کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق پر بخیر کہے تو پھر بھی اللہ  
کی وحدانیت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہ تو عقلی دلائل ہیں، اس کے  
علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتب سماویہ نازل کئے  
انسان کے لیے اپنی وحدانیت کے قطعی دلائل بھی دیا کہ دیے ہیں۔ اللہ نے دنیا  
کے ہر خطے میں اپنے نبی بھیجے ہیں اور ہر ایک نبی نے ہی تعلیم دی "لَا إِلَهَ إِلَّا  
أَنَا فَاعْبُدُونِي" (الانبیاء) خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی لیے  
وہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کر۔ ورمیزی توحید میں کسی کو شریک  
نہ بناؤ۔ انسان کی اپنی عقل اسے تسلیم کرتی ہے کہ یہ بات سچی ہے، لہذا اسے قبول  
کیے بغیر چارہ نہیں۔

النحل ۱۶

آیت ۵ تا ۹

ربما ۱۳

رسوم ۲

وَالْأَنْفَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ  
 وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ ۵ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ  
 تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ ۶ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ  
 إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۝ ۷  
 إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ۸ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ  
 وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۝ ۹ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۱۰  
 وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِزٌ ۝ ۱۱ وَلَوْ شَاءَ

لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ۱۲

ترجمہ :- اور مویشی ، ان کو پیدا کیا ہے ۔ ان میں تمہارے  
 لیے گرمی کا سامان ہے اور بہت سے فائدے ہیں ۔ اور ان  
 میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ۝ ۵ اور تمہارے لیے ان  
 مویشیوں میں خوبصورتی ہے جس وقت تم انہیں چراگاہوں  
 سے چرا کر پھلے پیر لاتے ہو ، اور جس وقت تم صبح ان  
 کو چرنے کے لیے لے جاتے ہو ۝ ۶ اور اٹھاتے ہیں  
 وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک کہ تم نہیں پہنچنے والے  
 تھے ان تک مگر اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈال کر ۔  
 بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت شفقت کرنے والا  
 اور بہت مہربان ہے ۝ ۷ اور گھوڑوں ، بچھڑوں اور گھوڑوں

کو (اس نے پیدا کیا ہے) تاکہ اُن کی سواری کرو اور (تمہارے لیے) زینت ہو۔ اور وہ پیدا کرے وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے ۸ اور اللہ ایک ہی پہنچتا ہے سیدھا راستہ، اور بعض راستے اِن پر ٹیڑھے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو البتہ تم سب کو ہدایت دے ۹

سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں انذار کا مضمون بیان ہوا ہے۔ اللہ سے ڈرنے اور اُس کی گرفت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اپنے انبیاء پر وحی نازل فرما کر لوگوں کو ڈرنے اور خیر دار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہذا مجھ ہی سے ڈرو اور میری توحید کو مانو، خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے اور اُن دلائل کو بیان کیا ہے جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے اور خدا کی اطاعت اور شکر گزاری سجا لاسکتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کا ذکر بطور دلائل قدرت کے کیا۔ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہر قسم کے شریکوں سے بلند و برتر قرار دیا۔ اس کے بعد اللہ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا کہ اسے ہتھیر قطرہ آب سے پیدا کر کے کتنا کمال عطا کیا، مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی طرف عدم توجہی کی بنا پر اس کی توحید میں جھگڑا کرنے لگتا ہے اور شرکیہ عقائد اور باطل رسوم کے حق میں دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب اللہ نے موشیوں کا ذکر کر کے اپنی قدرت کے بعض دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا اور موشیوں کو پیدا کیا۔ اِن موشیوں سے کون سے موشی مراد ہیں۔ اس کا ذکر سورۃ الانعام اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے

موشیوں کے  
فوائد

سورۃ الانعام میں ہے ثُمَّ لِيَسْئَلَنَّ أَزْوَاجَهُمْ یہ آٹھ جوڑے ہیں جو عام طور پر انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ ان کا دودھ، گوشت، کھال اور ہڈیاں استعمال میں لاتے ہیں اور یہ جانور اونٹ (دنا اور مادہ) گائے بیل (دنا اور مادہ) بھینس (دنا اور مادہ) اور بکری (دنا اور مادہ) ہیں۔ یہ مویشی طاقت، میں انسان سے کہیں بڑھ کر نہیں مگر اللہ نے ان کے اذہان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ ایک تین سال کا بچہ بھی اونٹ کی نیل کچھ کر چلے سے تو سو اونٹ اس کے پیچھے چل پڑے گا۔ بعض اوقات یہی جانور خلافتِ معمول جب بگڑ جاتے ہیں تو تباہی مچاتے ہیں۔ اونٹ کے متعلق تو خاص طور پر مشہور ہے کہ وہ اپنے دشمن کو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بہر حال اللہ نے ان آٹھ قسم کے مویشیوں کا ذکر کیا ہے اور انسان کو یاد دلایا ہے کہ ان جانوروں کو اس کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی اس کی وحدانیت کی ایک دلیل ہے۔

ان جانوروں کے علاوہ بعض دوسرے جانور بھی ہیں جو انسان سے مانوس نہیں ہیں۔ ان میں جنگلی جانور، نیل گائے، ہرن، جنگلی گدھے وغیرہ بھی ہیں جو اگرچہ مفید ہیں مگر انہیں آسانی سے قابو نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے ایسے جانوروں کی قربانی جائز قرار نہیں دی۔ بلکہ قربانی کے لیے وہی آٹھ جوڑے مقرر کیے ہیں جو ہمیشہ انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور آسانی سے دستیاب ہیں۔

فرمایا اللہ نے مویشیوں کو پیدا کیا لَعَلَّكُمْ فِيهَا دِفْعَةٌ ﴿۱۰﴾ ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ اونٹ اور بھینس بکری کی اون سے گرم لباس تیار ہوتے ہیں جو موسم سرما میں انسان کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔ انسانی لباس میں دودھ، کرٹ، جمل، سویٹر وغیرہ اون سے تیار کیے جاتے ہیں جو کہ ان جانوروں سے حاصل

ان اور  
وخت

ہوتی ہے۔ اسی طرح ان جانوروں کی کھال سے پوتین، موزے اور صدی وغیرہ بنتے ہیں، وہ انسانوں کے لیے گرمی پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ان جانوروں میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ وَمَنْ فَحَّحْهُ فَاَنْدَرْتُمْ فَانْدَرْتُمْ۔ اس کے بعد ان جانوروں کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ مٹھا تاکھوں ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ مذکورہ آٹھ قسم کے جانوروں کا گوشت انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس لیے شریعت میں انہی جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ جن میں کسی قسم کا جسمانی یا روحانی ضرر نہ ہو۔ سردار، خنزیر، نذغیر، بلی کتے وغیرہ اور سببہ مار کہہ شکار کر نیوے پرندوں کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان میں جسمانی یا روحانی ضرر پایا جاتا ہے اور یہ انسان کے لیے غیر مفید ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے پاکیزہ اخلاق یعنی طہارت، اجابت، سماحت اور عدالت پر غذا کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قسم کے جانور کا گوشت کھایا جائے گا۔ انسانی اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ جن آٹھ جانوروں کا گوشت اللہ نے حلال قرار دیا ہے، وہ انسان کے پالتو جانور ہیں، اس لیے ان کا گوشت بھی انسانی مزاج کے مطابق ہے ان کی پیدائش کا بھی اللہ نے وسیع انتظام فرمایا اور ہر روز لاکھوں جانور ذبح ہو کر استعمال ہوتے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی شخص بھیرے کے گوشت کھائے گا تو اسی قسم کی بھپڑ والی خصلت پیدا ہوگی۔ خنزیر، بلی وغیرہ کے گوشت سے اسی قسم کے اخلاق پیدا ہوں گے۔ بہر حال فرمایا کہ مولیٰ میں انسان کے لیے یہ دو بڑے فائدے ہیں کہ ان کے ذریعے گرمی کا سامان مہیا ہوتا ہے اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔

دودھ کی  
نعمت

ان دو بڑے فوائد کے درمیان اللہ نے ایک اور چیز کا ذکر کیا ہے

وَمَنْ فَحَّجَ لِعَنَىٰ اِنْ جَانُوْرُوْنَ مِيْنَ تَمَّارِے لِيْے اُوْر بھِي سَبْت سے فائِزے  
 ہيں۔ مثلاً سَبْت کے اہم چيز اِنْ جَانُوْرُوْنَ کا دودھ ہے جو بچپن سے لے کر  
 آخر عمر تک انسانی غذا کا حصہ ہے۔ پھر دودھ سے حاصل ہونے والا دھی  
 اور گھی بھی بہت بڑی مقدار میں انسانی استعمال میں آتا ہے۔ خاص طور پر یہ  
 بچوں اور بیماروں کے لیے یہ چیزیں انتہائی مفید ہیں، جنہیں اللہ نے اِنْ  
 جَانُوْرُوْنَ کے ذریعے ہم پہنچایا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا  
 ہے کہ ایک ایسی چیز جو بیک وقت کھانے اور مشروب کا کام دے، وہ دودھ  
 کے علاوہ کوئی نہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے امت کو سکھلایا ہے کہ  
 جب بھی کوئی نعمت استعمال کرے تو اس کا شکر یہ ادا کرے اور دعا کرے کہ لے  
 اللہ! اس سے بہتر عطا فرما۔ مگر جب دودھ عیسٰی عظیم نعمت استعمال کرے  
 تَوَاللّٰهُمَّ زِدْنَا حَسَنَةً كِي دَعَا کرے یعنی اے اللہ! ہمارے لیے اس  
 میں اضافہ فرما۔ گویا دودھ سے بہتر چیز کی دعا نہیں کی گئی۔ دودھ کے  
 علاوہ اِنْ جَانُوْرُوْنَ کی چربی اور پٹھیاں بھی انسانی فائدے کی مختلف چیزوں  
 میں استعمال ہوتی ہیں۔ تو فرمایا اِنْ جَانُوْرُوْنَ میں تمہارے لیے دیگر فوائد  
 بھی ہیں۔

فَرِيَا وَ لَكُم فِيْهَا جَالٌ اِنْ مِيْنَ تَمَّارِے لِيْے خوبصورتی  
 ہے حِيْنَ تَنْجُوْنَ جَب كِه وَه جَنَگَلِيْنَ سے چر کر پھلے پھر گھر  
 واپس آتے ہيں وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ اُوْر جِس وَ قْت صَح کے وقت  
 چرنے کے لیے باہر جاتے ہيں مطلب یہ کہ مولیشیوں کی آمدورفت  
 بھی تمہارے لیے خوشنما کی کا باعث ہے یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا  
 ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے جانوروں کے چرنے کے لیے  
 جانے اور پھر واپس آنے کا ذکر ہونا چاہیے مگر اس آیت کریمہ  
 میں پہلے واپس آنے اور بعد میں گھر سے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ایسا کیوں؟

خوبصورتی  
 کا ذریعہ

اس ضمن میں امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ خوبصورت حالت کا پہلے ذکر کیا ہے اور نسبتاً کم خوشنمائی کا بعد میں۔ جس وقت جانور گھسر سے پھرنے کے لیے جنگل کی طرف نکلتے ہیں تو لبا اوقات گوبر سے لمختطے ہونے اور کسی قدر بھوکے بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے زیادہ خوبصورت نظر نہیں آتے۔ البتہ جب جنگل سے چرچاگ کر شام کو واپس آتے ہیں تو دین بھر پھرنے سے ان کی غلاظت و پتیرہ بھی دُور ہو چکی ہوتی ہے اور پیٹ بھی بھرے ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ خوشنما نظر آتے ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے زیادہ خوشنمائی کی حالت کو پہلے ذکر کیا ہے۔

جانوروں  
کے  
حقوق

اپنے جانوروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر انسان کا حسی خوش ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے بشرطیکہ اس میں تکبر کا پہلو نہ ہو۔ خوبصورت جانور دیکھ کر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وہ ان پر غرور کرنے لگے گا تو یہ اس کے حق میں حرام ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کسی ناشکری پر محمول کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر ان جانوروں کے بھی بعض حقوق رکھے ہیں۔ فرضی حق میں زکوٰۃ ہے جو سال بھر میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہے بشرطیکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں اس کے علاوہ انسان پر ایک اخلاقی حق بھی عائد ہوتا ہے کہ اگر جانور دودھ پینے والا ہے تو اس میں سے غریبوں اور محتاجوں کو بھی حصہ دیا جائے۔ کوئی بیمار ہے بچہ ہے جسے دودھ کی ضرورت ہے تو اسے مایوس نہ کیا جائے اس طرح اگر کسی کے پاس گھوڑا ہے تو اس کا حق بھی ادا کرے۔ کسی ضرورت مند پڑوسی یا عزیز کو سواری کے لیے ضرورت ہے، تو انکار نہ کرے۔ یہ حق محض گھوڑے کی سواری تک محدود نہیں سواری کی کوئی قسم کار، موٹر سائیکل یا سائیکل کی سواری موجود ہے تو حاجتمند

کو بوقت ضرورت پیش کرنا، اس سواری کا حق ادا کرنا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اپنے جانوروں کا حق ادا کرو جس دن انہیں گھاٹ پر لے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا ایک یہ فائدہ بھی بیان فرمایا ہے وَتَحْمِلُ

أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَلِغِيهِ إِلَّا بِشِقْوَةِ

أَلَا نَفْسٌ طِيْرٌ جَانُوْرٌ اِيْسَے شَرُوْن تَمَّهَا لَے لَوَجْهًا اُحْمَاتَے هِيں اِهْجَال تَم

اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ بار برداری کا کام خالی

سفر سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اللہ کے پیدا کردہ جانور نہ صرف انسانوں کے

لیے سواری کا کام دیتے ہیں بلکہ ان کی بار برداری بھی کرتے ہیں۔ اگر بار برداری

کے ذرائع نہ ہوں تو انسان سخت مشکل میں پڑ جائیں۔ اونٹ اور بیل وغیرہ

بار برداری کے لیے خاص طور پر مہوزوں ہیں اور انسان کی بڑی خدمت انجام

دیتے ہیں۔ فرمایا اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تھارا پورا دگار نہایت

شفقت والا اور بڑا مہربان ہے جس نے تمہیں جانوروں کی خدمات

دیا کر کے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب تمہارا بھی فرض ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، صرف

اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

فرمایا وَ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْنَ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں

خچروں اور گدھوں کو بھی پیدا کیا ہے لَنْ يَكُوْفَهَا نَا كَمَ ان پر سواری کرو۔

وَزِيْنَةً اُوْرِيے تَمَّارَے لِيے زِيْنَت كَا سَاْمَان بھي هِيں۔ يه جانوروں

کا ایسا کردہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ جن کا گوشت تو نہیں کھایا جاتا، البتہ

یہ انسان کی دیگر خدمات ضرور انجام دیتے ہیں۔ خالص النمل گھوڑے کی

حالت کے متعلق البتہ دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں اور اس میں المکرّم

کا اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ گھوڑے کے گوشت

کو حرام بھی نہیں کہتے اور اسے بہتر بھی نہیں سمجھتے۔ گھوڑے کے متعلق

برداری  
کا کام

جانوروں  
کا کام



حالت و صرمت دونوں قسم کی روایات کی موجودگی میں اس پر محکومہ کا حکم لگایا جاتا ہے۔ البتہ گھوڑے کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف حضور کے ارشاد مبارک سے ملتا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں اللہ نے بہتری لکھی ہوئی ہے۔ یہ جانور قیامت تک کارآمد رہیں گے۔ چنانچہ گھوڑا سفر میں سواری کا کام دیتا ہے اور جنگ کے دوران بھی بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ چھر بھی بڑا مفید جانور ہے۔ یہ گدھے اور گھوڑی کا مرکب ہوتا ہے۔ مگر اس کی نسل آگے نہیں چلنی۔ یہ بڑا طاقتمند جانور ہے اور بار برداری میں بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ بار برداری اور سواری کے لیے گدھا بھی بڑا کارآمد جانور ہے، تاہم اس کی حماقت بڑی مشہور ہے۔ اس کا گوشت بھی حرام ہے کہ اس سے حماقت پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ سواری کے طور پر خود حضور علیہ السلام نے اسے استعمال کیا ہے۔ بہر حال یہ سارے جانور انسان کے خادم اور خدا کی قدرت کے نمونے ہیں۔

مستقیل کی  
سواریاں

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ایک بڑا یا معنی چلا یہ فرمایا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْقِلُونَ اور اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے یا پیدا کرے گا۔ وہ چیزیں بھی جو تم نہیں جانتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جملے سے وہ تمام سواریاں مراد ہیں جو نزل قرآن کے زمانے میں اس کے اولین مخاطبین کی نظروں سے اوجھل تھیں، یا آئندہ قیامت تک معرض وجود میں آتی ہوں گی۔ اس وقت جانوروں سے کھینچی جانے والی، بجلی، پٹرول اور بھاپ سے چلنے والی اتنی سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں جن کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جھکڑا، ٹرک، موٹر گاڑی، بس، ریل گاڑی، اسٹیکل، موٹر اسٹیکل، ہوائی جہاز اور بحری جہاز کی بے شمار قسمیں انسانوں اور ان کے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی نظر آتی ہیں۔ تیز ترین سواریوں نے دنیا بھر کو سیکڑوں گدھے دیا ہے بلکہ اب تو گدھے اتنی ہی سے نکل کر انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور مریخ پر پہنچنے کی کوشش

کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں پیدا فرما کر کہ بنی نوع انسان پر بڑا احسان کیا ہے ورنہ انسانی زندگی میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی ہوتیں۔ اگرچہ ان تمام مشینیں ذرائع کو ایجاد کرنے کا سہرا بظاہر خود انسان کے سر ہے مگر اس کے علاوہ خام مال کی بہم رسانی اور انسانی اعضاء قوی کی عطا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ فضا میں پرواز کا شوق ایک اندسی آدمی کے دل میں پیدا ہوا جس نے اپنے بازوؤں پر گدھ کے پر باندھ کر اڑنے کی کوشش کی مگر گدھ کی زخمی ہو گیا۔ اس کا جذبہ زندہ رہا۔ لوگ تجربات کرتے رہے حتیٰ کہ آٹھ سو سال کے تجربات کے بعد اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۴ء میں ہوائی جہاز کی پہلی پرواز کامیابی سے ممکن ہوئی۔ بہر حال اس دور میں بجلی، ڈیزل اور پٹرول سے چلنے والی بے شمار گاڑیاں منظر عام پر آچکی ہیں اور ایجادات کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بھی پیدا کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔

یہ تو مادی زندگی کی سواریوں کا تذکرہ تھا، حضور علیہ السلام نے اگلے جہان کی سواری کا تصور بھی دیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور! جنت میں ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے کیا انتظام ہوگا۔ آپ نے فرمایا، وہاں تمہیں سرخ یا قوت کا گھوڑا ملے گا جس کی رفتار اتنی تیز ہوگی کہ اس دنیا کی جدید ترین گاڑی اس کی گدھ کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور پھر یہ ہے کہ دہاں پر کسی حادثے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ جنتی آدمی کو ٹرول میلوں کا سفر آسانی سے بلا خوف و خطر کر سکے گا۔ فرمایا وہاں تمہیں ایسی سواری ملیں گی۔

اگے اللہ نے انسان کی روحانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے روحانی راستوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَ عَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ اور اللہ تک ہی پہنچتا ہے سیدھا راستہ۔ اللہ تعالیٰ

مستقیم اور  
منجی راستے

کے بنائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے تو یہ زندگی بھی خوشگوار گزرے گی اور آخرت کی کامیابی بھی یقینی ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھو! وَصْنَعُهَا اجَابٌ ان میں بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں۔ اگر ان پر چل نکلے۔ لفظ اشْرَکَ پر بحث، اہمیت اور گمراہی کے راستے اختیار کر لینے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے مقابلہ میں نہیں پہنچ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے راستے واضح کر دیے ہیں، اب یہ انسان کی اپنی صوابدید ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُصِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکہف) کہ وہ ایمان کا راستہ قبول کرنا ہے یا کفر کا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سمجھ، کتب ہدایت اور مبلغ جیسے سارے وسائل مہیا کر دیے ہیں اب مستقیم یا منحرف راستہ اختیار کرنا اس کا اپنا کام ہے۔ وَكُوشَاءَ لَهَادُكُمْ اجْمَعِينَ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم سب کو زبردستی ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا۔ مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں یا ٹیڑھا اور پھر اس امتحان میں کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آخرت کی کامیابی صراطِ مستقیم کو اختیار کرنے پر منحصر ہے اور جو شخص دوسرا راستہ اختیار کرے گا، اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے۔

ربما ۱۴

النحل ۱۶

درس سوئم ۲

آیت ۱۰ تا ۱۴

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ  
 شَاجِبٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ⑩ يُنبِتُ  
 لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ  
 وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط اَب فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ  
 لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ  
 وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ⑫ وَمَا  
 ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ  
 فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ⑬ وَهُوَ الَّذِي  
 سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا  
 وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى  
 الْفُلْكَ مَوَازِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ  
 وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑭

ترجمہ :- وہ وہی ذات ہے جس نے آواز آسمان  
 کی طرف سے پانی تمہارے لیے اسی میں تمہارے پینے  
 کا سامان ہے اور اسی سے درخت لگتے ہیں جس

میں جانوروں کو پاتے ہو (۱۰) آگاتا ہے وہ تمہارے لیے کھیتی  
 اسی (پانی) کے ذریعے - اور زیتون (کے درخت) اور کھجوریں  
 اور انگور اور ہر قسم کے پھل - بیشک اس میں نشانی ہے  
 ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۱۱) اور مسخر کیا  
 اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو، اور سورج اور  
 چاند کو - اور سارے بھی مسخر کیے ہوئے ہیں اُس کے حکم  
 سے بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے  
 لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (۱۲) اور جو چیزیں پھیلائی  
 ہیں اُس نے تمہارے لیے زمین میں اُن کا رنگ مختلف  
 ہے - بیشک اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے  
 جو نصیحت پکڑتے ہیں (۱۳) اور وہ وہی ذات ہے جس  
 نے مسخر کیا تمہارے لیے دریا کو تاکہ کھاؤ تم اس میں سے  
 تازہ گوشت، اور نکالو اس میں سے زبور جس کو تم پھینتے  
 ہو - اور تم دیکھو گے کشتیوں کو جو چلتی ہیں - اس میں  
 پانی کو چیرتی پھاڑتی، اور تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل  
 سے، اور تاکہ تم (اللہ کے احسانات کا) شکر یہ ادا کرو (۱۴)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کا ذکر کر کے اپنے انبیاء کو  
 حکم دیا اَنْتُمْ اَنْذَرُوْا اَنْهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَانْقَبُوْا عَنِ لِبْءِ  
 كُمْ دُوْكُمْ مِمْسِكِیْنَ سَوَآءٌ لِّمَنْ يُّمْبِرُوْنَ لَیْلًا مِّنْ لَّیْلِ  
 كُمْ اَوْ یَوْمًا مِّنْ یَّوْمِ كُمْ اِنَّ سَوَآءٌ لِّمَنْ یُّنذَرُ  
 اِنْ كَانَتْ اٰیٰتِ اللّٰهِ تَنْزِیْلًا لِّقَوْمٍ یُّعٰذِلُوْنَ  
 قدرت کا ذکر کیا جن میں ہر نشانی اس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے - ارض و سما  
 کی تخلیق، ہتیر قطرہ آب سے انسان کی پیدائش، موسیٰ کی پیدائش، ہر شے سے حاصل ہونے والے  
 فوائد اور ان سے زمینت کا سامان پیدا کرنے کا ذکر کر کے اللہ نے اپنی رافت اور

شفقت کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یہ پیش گوئی کر دی کہ سواری کے لیے ان جانوروں کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کرنا ہے گا، جسے تم اس وقت نہیں جانتے ان مادی لوازمات کے ساتھ ساتھ اللہ نے انسان کی روحانی اور اخروی زندگی کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ اُس نے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی کہ جس پر چل کر انسان اللہ کی رحمت کے مقام تک پہنچ سکیں گے۔ فرمایا اگر انسان بخور و فکر کرے تو یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی توجید کے لائق ہیں اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی ضروریات سے متعلق بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان کو، طرف سے پانی نازل فرمایا۔ یہ پانی بھی اللہ کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ سماء کا لفظ بادل پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سورۃ الحج میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بوجھل بادلوں سے پانی برسایا۔ ہوا میں بوجھل بادلوں کو اٹھا کر لے جاتی ہیں اور پھر جہاں مشیت ایزدی ہوتی ہے، وہاں بارش برتی ہے۔ بہر حال السماء سے محض بادل بھی مراد نہیں بلکہ اس لفظ میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہے۔ بادل زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں چلتے ہیں۔ اور حکم الہی کے مطابق بارشیں برساتے ہیں۔

فرمایا، اس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے تمہارے لیے بطور مشروب ہے انسانی زندگی کا انحصار بہت حد تک پانی پر ہے۔ میٹرکیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ انسانی جسم میں چلنے والے خون میں اسی فیصدی پانی اور بیس فیصدی غذائیت ہوتی ہے۔ انسان جو بھی خوراک کھاتا ہے وہ جگر میں پہنچ کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے

انسانی جسم میں جگر اتنی بڑی فیکٹری ہے کہ اس مادی دنیا میں اتنا بڑا کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ اس قدرتی فیکٹری میں اللہ کے لاکھوں کمپوزٹل فرسٹ مرصوف کارہیں جو غذاؤں کو خون میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر اس خون کو قلب میں بھیج کر سارے جسم میں پھیلاتے ہیں اور اس طرح استعمال شدہ غذا جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔ جسم کا ہر عضو اس میں سے اپنی ضرورت کی غذا حاصل کر لیتا ہے اور غلیظ مادہ دور کر کے راستے سے پھینک دیتے ہیں۔ آج کل کے لوگوں پر اسے تازہ ہوا (اکسیجن) میسر آتی ہے تو ان کے کابعض حصہ صاف ہو جاتا ہے، اور گندہ دخان باہر نکل جاتا ہے بہر حال پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، ہمارے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حجاز میں سفر کے دوران بعض ایسے مواقع بھی آئے کہ ایک گھنٹہ پانی سے سات سات آدمیوں نے وضو کیا۔ پانی کی قدر ان خطوں میں ہے۔ جہاں اس کی قلت ہے۔ ہمارے ماں تو پانی کی فراوانی ہے اور قدر نہیں ہے۔ وضو اور غسل پر گھنٹوں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ نلوں اور ٹیوب ویلوں نے پانی کی اتنی افراط کر دی ہے کہ ہر روز کثیر مقدار میں پانی ضائع ہوتا ہے لوگ پانی استعمال کرتے کرتے بعد ٹونٹی کو بند کرنے کی تکلیف نہیں کرتے جس کی وجہ سے منوں اور ٹیوبوں ذریعہ پانی ضائع ہوتا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ پانی کو ضائع ہونے سے بچاؤ ان کنت علیک شسطہ التھیر یعنی اگر تیرہ تم نہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں بھی پانی کا اسراف درست نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اسی لیے اعضائے وضو کو تین دفعہ سے زیادہ بلا ضرورت دھونا اسراف میں داخل ہے جو شخص ایسا کرتا ہے فقہی و تعدی اس نے برائی اور تعدی کی۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی ہر کام انجام دے۔ اگر کوئی حصہ رخصت ہو

رہ گیا ہو یا وضو کی تکمیل کا تیقن نہ ہو تو تین سے زیادہ بار بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال پانی جیسی نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ تمہارے پینے کی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کا پہلا فائدہ تو یہ بتایا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے اور دیگر جانوروں کے لیے مشروب ہے، اور دوسرا فائدہ یہ کہ وَصَلَتْ شَجَرٌ فِيهِ تَسْبِيحٌ اسی پانی سے درخت، پودے، گھاس پھوس اور جڑی بوٹیاں بھی اگتی ہیں جن میں تم جانور چراتے ہو۔ جانور بھی انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوشت انسانی جسم کو لحمیات (پروٹین) مہیا کرتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت جلد جذب بدن بن جاتا ہے۔ تو جانوروں کا مدار حیات بھی اللہ نے پانی پر رکھا ہے پانی جانوروں کے لیے بطور مشروب بھی ضروری ہے اور ان کی خوراک کا دار مدار بھی پانی پر ہے۔

فرمایا يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الرِّزْقَ اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے۔ پہلے پانی کا ذکر بطور انسانی مشروب کے کیا گیا تھا۔ اب اسے انسانی خوراک، کا ذریعہ بھی بتلایا گیا ہے۔ کہ پانی کے ذریعے ہی کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہے، پھل پیدا ہوتے ہیں جو انسان کی خوراک بنتے ہیں وَالنَّيْتُونَ اور زیتون بھی پانی کے ذریعے ہی پیدا ہوتا ہے اس درخت کا پھل بھی کارآمد ہے اور اس کا تیل تو کثرت سے استعمال ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے بھی زیتون کی تعریف فرمائی ہے مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَمُتْ اور اس کی مالش بھی کرو۔ انسانی بدن کی جلدی بیماریوں کے لیے زیتون کا تیل بڑا مفید ہے۔ اس کے علاوہ یہ کھانا پکانے میں

نباتات کے  
لیے پانی



گھی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے اسے بڑا برکت  
درخت بنایا ہے جس کے لیے اللہ کے نبیوں نے برکت کی دعائیں  
کی ہیں۔

وَالشَّجَلِ کھجور کا درخت بھی پانی کا سرہون منت ہے۔ یہ  
درخت بڑھی لمبی عمر پاتا ہے اور پھل بھی بہت زیادہ دیتا ہے۔ اس کا پھل  
جلدی ضرب نہیں ہوتا، اس لیے اگلا پھل آنے تک سارا سال استعمال  
ہونا رہتا ہے۔ ریگستانی علاقوں میں کھجور کی بڑھی افادیت ہے جہاں یہ پھل  
خوراک کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بڑھی غذائیت ہے  
اور بطور تفریح تو یہ پھل بہر حال استعمال ہوتا ہے۔ اس کے  
علاوہ وَالْأَعْنَابِ انگور کی پیداوار بھی پانی ہی پر منحصر  
ہے یہ بھی بڑا عمدہ پھل ہے۔ اس سے مشروب، سرہنہ اور کئی قسم کی چیزیں  
تیار کرنے کے لیے محفوظ رکھی جا سکتی ہیں۔ الغرض! فَرْمَا بَا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ  
اللہ نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا کیے ہیں جو انسان کھاتے  
ہیں۔ ان میں بڑھی غذائیت اور توانائی ہوتی ہے بلکہ بعض پھل دیگر خوراک  
کو بھی مہتمم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں تو اللہ نے یہ تمام چیزیں انسان کے  
لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان سب کا دار و مدار پانی پر ہے۔

فَرْمَا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْتَبِرُونَ اس میں  
غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ دیکھو! ایک ہی  
پانی سے اللہ تعالیٰ بے شمار اقسام کا اناج، پھل اور دوسری نباتات پیدا  
کرتا ہے۔ یہی اس کی وضاحت کی دلیل ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسری  
ہستی کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ایک  
ہی پانی سے پیدا ہونے والے پھلوں کے رنگ و شکلیں خوشبو اور ذائقے  
کس قدر مختلف ہیں۔ کیا یہ کسی مادے کی طاقت ہے یا پھر کے مطابق

خود بخود ہو رہا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ سے چل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اکثر لوگ ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں، روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں مگر کبھی سوچا ناک نہیں کہ آخر یہ سب کچھ کون کر رہا ہے۔

آگے بعض دوسرے افادات کا ذکر ہے وَمَسْخَرَكُمُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ اللّٰهُ نے تمہارے لیے رات اور دِن کو مسخر کر دیا ہے یعنی تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور سورج اور چاند کو بھی۔ یہ چار چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو ہر وقت واسطہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو انسانوں اور جانوروں کے لیے آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب کہ دِن کے وقت لوگ کام کرتے ہیں اور روزی کھاتے ہیں۔ جانور، پرندے اور چمڑے بھی دِن بھر اپنی روزی کے لیے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور رات کو آرام کرتے ہیں۔ پورے نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں سورج کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے دِن رات کا تغیر و تبدل اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ سورج تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ ان کے لیے گرمی جیسا کہ تاہم جس سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں اور جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ اسی طرح چاند کی وہ بھی روشنی رات کے اندھیروں میں بہت حد تک کام آتی ہے۔ یہی مدھم روشنی پھلوں میں رس پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور سمندروں میں مدوجزر پیدا ہوتے ہیں۔

فَرَمَا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَسْخَرَاتٍ بِأَمْرِہٖ سارا ہی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں اور سیاروں کا وسیع نظام پیدا کر کے ان سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے سائنسدانوں نے

شمس و قمر  
کی نشانیاں

تجربات کے ذریعے بعض ستاروں اور سیاروں کی حرکات و سکنات کا پتہ چلا یا ہے اور مزید تجربات ہو رہے ہیں۔ تاہم عام مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ستارے ایک چال سے ایک خاص منزل کی طرف، واں دواں کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ سمندری اور صحرائی سفر کے دوران انہی ستاروں سے منزل کی طرف راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

قَرَأُوا آيَاتٍ فِي ذَلِكَ لِقَوْمٍ لِّعَقْلُونَ بَشِك  
 اہیں نشانات ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں جو لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، ان کے لیے تمام مذکورہ نشانات کچھ مفید نہیں ہو سکتے۔ لوگ ان پر سے صبح و شام گزر جاتے ہیں مگر ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے کہ کافر لوگ  
 اَلصُّلَمُ الْبُكْمُ الَّذِي لَا يَعْقِلُونَ اِيسے ہیں جو گونگے اور بہرے میں اور کچھ عقل نہیں رکھتے۔ اگر عقل کو صحیح طریقے پر استعمال کرتے تو کفر اور شرک میں کیوں مبتلا ہوئے۔ ان کی یہ عقلی کامیابی ثبوت کافی ہے کہ اللہ کی قدرت کی کوئی نشانی انہیں نظر نہیں آتی۔

نزید ارشاد ہوتا ہے وَمَا اذْرَاكُمْ فِي الْاَرْضِ  
 مُخْتَلِفًا اَلْوَانًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں جو چیزیں پھیلوائی ہیں، اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ انسانوں کو دیکھ لیں مختلف خطوں کے لوگوں کے رنگ، وضع قطع اور قد کاٹھ مختلف ہیں۔ پھل ہر قسم کے پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کی شکلیں، رنگ، ذائقہ اور بو مختلف ہے۔ اللہ نے پھولوں کی بے شمار قسمیں پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کا رنگ اور بو جدا جدا ہے۔ انسان اور سبزیاں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ساری چیزیں شاہکار قدرت ہیں۔ اِن فِي ذَلِكَ

لَا يَأْتِيَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْبُنُوعُ الْبِغْيَاءُ وَالنَّيْبُ وَالنَّشَانِيَةُ فِيكُمْ إِلَّا أَنْ يُبْعَثَ عَلَيْكُمْ ذُرِّيَّتٌ حَقِيقَةٌ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

ان لوگوں کے لیے جو نصیحت بگڑتے ہیں۔ غافل انسان ان چیزوں سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے، جب کہ صاحب عقل و دانش انہی نشاناتِ قدرت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

فَرِيًّا وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ أَوْزَةً وَهِيَ ذَاتُ بَيْتٍ حَسْبُهَا  
 نے تمہارے لیے سمندروں اور دریاؤں کو مستخر کیا لیتا کھلوا بیتہ  
 لَحْمًا طَرِيًّا نَاكَرًا تَمَّ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔ دریاؤں اور  
 سمندروں کے کنارے بعض خطروں کی معیشت کا انحصار مچھلی کے شکار  
 پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خاطر پانی میں تازہ گوشت پیدا کر دیا ہے  
 جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس طرح گویا اللہ نے سمندروں کو  
 بھی انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے کہ وہ اس کی خوراک کے لیے  
 مچھلی پیدا کریں۔ مچھلی کا گوشت بھی اللہ نے عجیب نعمت پیدا کی ہے  
 جس کا ذائقہ دوسرے گوشت سے مختلف ہے مگر اس میں بھی انسانی حیات  
 کے لیے بہت سے پروٹین پائے جاتے ہیں۔ اس کا تیل بڑی مفید چیز ہے  
 جو اکثر دوائیوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی چربی اور کانٹے بھی بڑی مفید  
 چیزیں ہیں۔ بہر حال مچھلی انسان کی حرارت اور توانائی کے لیے ایک بہت  
 بڑا ذریعہ ہے جسے اللہ نے اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے  
 چونکہ مچھلی کا گوشت عام جانوروں کے گوشت سے قدرے  
 مختلف ہے، اس لیے اس سے متعلقہ مسائل میں بھی فقہائے کرام  
 کا اختلاف رہا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ میں گوشت  
 نہیں کھاؤں گا اور پھر وہ مچھلی کا گوشت کھا لیتا ہے تو امام سفیان ثوریؒ  
 فرماتے ہیں کہ اس شخص کی قسم لوٹ جائے گی کیونکہ مچھلی کا گوشت بھی  
 گوشت ہی ہے جسے اللہ نے لَحْمًا طَرِيًّا یعنی تازہ گوشت فرمایا ہے،

مچھلی بطور  
 تازہ گوشت

فقہی مسائل  
 متعلقہ مچھلی

البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عرف عام میں مچھلی کا اطلاق گوشت پر نہیں ہوتا اس لیے مچھلی کا گوشت کھانے سے اس شخص کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ وہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے خادم کو گوشت لانے کا حکم دے اور وہ مچھلی لے آئے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ عرف عام کے مطابق گوشت سے مراد بھٹیڑ بھٹیڑ یا گائے اونٹ کا گوشت مراد لیا جاتا، اور مچھلی کا گوشت مطلوب ہو تو اسے مچھلی کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں سزیدینین پیدا کرنے کے لیے امام صاحب نے ایک آدمی کو امام سفیان ثوریؒ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں بساط پر نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر وہ زمین پر نماز ادا کرے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس شخص نے بساط یعنی دری، قالین یا چٹائی وغیرہ پر نماز نہ پڑھنے کی قسم اٹھائی ہے، نہ کہ خالی زمین پر۔ اس پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ نے سورۃ نوح میں زمین کو بھی بساط فرمایا ہے وَجَعَلَ الْأَرْضَ رِبْسًا اُس نے تمہارے لیے زمین کو بساط بنایا ہے۔ اگر عرف عام میں بساط کو زمین پر قیاس نہیں کیا جاتا تو مچھلی کو گوشت پر کیسے محمول کیا جائیگا؟ بہر حال اگرچہ مچھلی کا گوشت بھی گوشت ہی ہوتا ہے تاہم اسے جانور کے گوشت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی ایک مثال اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا۔ اب اس شخص کے مرنے کے بعد اگر قسم اٹھانے والے شخص نے اس کو مخاطب کر لیا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عرف عام میں اس کلام کو کلام ہی نہیں کہا جاتا جو کسی کے ساتھ اُس کے مرنے کے بعد کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اُس کی زندگی میں اس سے کلام کرتا،

تو قسم ٹوٹ جاتی۔ اسی طرح ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ مجھے بازار سے سری لائے۔ تو اگر ماسور مرعی یا چڑیا کی سری لے آئیگا تو وہ قابل قبول نہ ہوگی۔ بلکہ عرف عام کے مطابق بھٹی بکری یا گائے بھینس کی سری کہہ ہی سری پر محمول کیا جاتا ہے۔

قریبا دریاؤں اور سمندروں کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ انسانوں کے لیے نازہ گوشت حیا کرتے ہیں، اور دوسرا یہ ہے وَتَسْتَنْزِرُ جُورًا مِنْهُ حَلِیةٌ تَلْبَسُوْنَهَا تاکہ تم ان میں سے پہننے کے لیے زیورات نکالو۔ یہاں زیورات سے مراد مونگے اور موتی ہیں۔ جنہیں عورتوں کے علاوہ مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ البتہ معدنیات کے طور پر زمین اور پہاڑوں سے نکلنے والا سونا اور چاندی مرد کے لیے حلال نہیں ہے۔ بہر حال سمندروں سے نکلنے والے زیورات پہننے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا وَتَرَى الْفُلَّکَ مَوَاجِحَ فِیْہِ اے مخاطب! تم ان کشتیوں کو بھی دیکھتے ہو جو پانی کو پھیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ آج کی دنیا میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں سے لے کر تیل سے چلنے والی کشتیاں، بیٹنر اور بڑے بڑے بحری جہاز سمندر کی سطح پر دوڑتے نظر آتے ہیں، جو انسان کی بڑی خدمت بجالاتے ہیں مسافروں کی نقل و حرکت کے علاوہ لاکھوں ٹن دزنی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک منتقل ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے سمندروں اور دریاؤں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَلِیَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِہِ تاکہ تم اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو۔ فضل سے مراد رزقِ حلال ہے جو بحری جہاز کے دور دراز کے سفر کے ذریعے تلاش کیا جاتا ہے۔ ایک مومن رزقِ حلال حاصل کرنے کا پابند ہے کیونکہ

کے  
عندوں  
بجہ فراہم

رزق حرام سے تو عبادت بھی نامقبول ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل میں عبادت  
 بھی داخل ہے کہ حج و عمرہ کے لیے، دوست احباب اور عزیزوں  
 سے ملاقات کے لیے بھی سفر اختیار کیا جاتا ہے وَلَعَلَّكُمْ  
تَشْكُرُوا اور تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اتنی  
 نعمتیں عطا کی ہیں۔ یہ سب اللہ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جو آگے  
 بھی ذکر کئے جائیں گے۔

---

النحل ۱۶

آیت ۱۵ تا ۲۱

ربما ۱۴

درس چارم ۴

وَالَّذِي فِي الْأَرْضِ رَوَّاسِي أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَانْحَرًا  
 وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَّمْتَ ط وَالنَّجْمِ  
 هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا  
 يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تَعُدُّوا  
 نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ  
 رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُكِنُّونَ ﴿١٩﴾  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ  
 شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ  
 وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ :- اور رکھ دیے اُس نے زمین میں بوجھل  
 پہاڑ تاکہ زمین تمہارے ساتھ مضطرب نہ ہو۔ اور اس نے  
 چلا دیں، نریں، اور (بنا دیے) راستے تاکہ تم راہ پاؤ ﴿١٥﴾  
 اور کئی علاقے (اُس نے رکھ دیں) اور ستاروں کے  
 ذریعے بھی یہ لوگ راہ پاتے ہیں ﴿١٦﴾ بھلا وہ ذات جو  
 پیدا کرتی ہے اُس کی طرح ہو گی جو نہیں پیدا کر سکتا۔  
 کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿١٧﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ  
 کی نعمتوں کو تو نہیں شمار کر سکتے ان کو۔ بیشک اللہ تعالیٰ



البتہ بہت بخش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۸) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو (۱۹) اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسروں کو، وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز بھی، اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں (۲۰) وہ مردہ ہیں، زندہ رہنے والے نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۲۱)

ربط آیت

سورۃ ہذا کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرما کر انہیں انذار کا حکم دیا اور فرمایا "أَنْذِرُوا أُمَّ الْبَلَدِ الْآتِ" لوگوں کو ڈرا دو اور خبردار کرو میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت بیان فرمائے اور مخلوق کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا جن میں ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ دلائل قدرت میں سے ارض و آسمان کی پیدائش، انسان کی قطرہ آب سے تخلیق، جانوروں کی پیدائش اور ان کے فوائد بارش کا نزول، باغات اور نباتات کی تخلیق، ہل و سوار اور شمس و قمر کی تسخیر، تاروں کی تسخیر، سمندر و صہل ہونے والے موتی اور تازہ گوشت اور پھران میں ہونے والی جہاز رانی اور ان کے ذریعے انسانوں کو ملنے والی سہولتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

دین کا توازن

دلائل قدرت اور انعامات الہی ہی کے سلسلے میں اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَالْقَمِي فِي الْأَرْضِ رَوَّاسِيٍّ اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیے۔ عربی زبان میں عام طور پر پہاڑ کے لیے جبل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور پختہ اور جھبے ہونے پہاڑ کے لیے راسیہ کا لفظ آتا ہے جس کی جمع یہاں پر رواسیہ آیا ہے۔ زمین کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ بوجھل پہاڑ اس لیے رکھ دیے ہیں۔

اِنَّ تَمِيْدَ لِيَكْمُرُ تا کہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے۔ اگر زمین مضطرب ہو جائے یعنی ڈولنے لگے تو انسانی زندگی کس قدر تلخ ہو جائے۔ جب کبھی چند سیکنڈ کے لیے زلزلے کے جھٹکے آتے ہیں تو انسان کس قدر پریشان ہو جاتے ہیں اور پوری زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ تو فرمایا ان بوجھل پہاڑوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے پوری زمین مضطرب رہتی تو پوری نوع انسانی کے لیے زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس نے زمین میں بڑے بڑے بوجھل پہاڑ نصب کر دیے ہیں تاکہ زمین پر سکون رہے اور لوگوں کی زندگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

پہاڑوں کے اس بنیادی فائدے کے علاوہ اللہ نے ان میں اور بھی بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ پہاڑوں میں موجود بے شمار قسم کی معدنیات نمک، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، تیل، چشمے، فلک بوس درخت اور لاتعداد جڑی بوٹیوں اور ایسی چیزیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتی ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے باشندے ان چیزوں سے محروم ہتے اور خود انسانی زندگی مضطرب ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی خاطر ان پہاڑوں میں ہزاروں قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسانی زندگی میں توازن پیدا فرمایا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَ اَنْهَارًا

اس نے تمہارے لیے نہریں، دریا یا سمندر پیدا کر دیے۔ سمندروں اور ان کے فوائد کا ذکر گذشتہ درس میں بھی ہو چکا ہے۔ وہاں پر سَحَابًا مِّنْجِبَالٍ فرمایا کہ اللہ نے ان میں چلنے والی کشتیوں کا ذکر کیا تھا اور یہاں پر اَنْهَارًا کا لفظ آیا ہے اور مطلب وہی نہریں، دریا یا سمندر ہیں جو انسانی خدمت پر مامور ہیں۔ اس آیت کے بعد میں انہار کا ذکر آبی راستوں کی حیثیت سے کیا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں وَسَبُلًا

اور اللہ نے راستے بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اس سے مراد زمینی راستے ہیں جن پر چل کر لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ یہ راستے ہموار زمین میں بھی ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی جن کے ذریعے نقل و حمل ہوتی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اُس نے تمہارے لیے منزلیں اور راستے بنائے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ یعنی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

اللہ نے فرمایا وَعَلَّمْتُمْ اِن رَاسْتوں پر اللہ تعالیٰ نے کسی نشانیاں بھی رکھ دیں تاکہ مسافر اپنی منزل کا تعین کر سکیں۔ متمدن دنیا میں تو اب بڑی بڑی شاہراہیں ہیں اور ان پر جگہ جگہ سیلوں کے نشانیاں ہیں جن سے مسافر راہنمائی حاصل کرتے ہیں، تاہم قدرتی طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور عام نشیب و فراز کی صورت میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنی منزل کا تعین کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ستاروں کے ذریعے بھی لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں اندھیری راتوں میں جب لُق و دِق صحر کا سفر ہو یا سمندر کا تو پرانے زمانے میں لوگ ستاروں کی مدد سے ہی ہمت معلوم کر کے راستوں کا تعین کرتے تھے۔ اب تو سائنسی ترقی کی وجہ سے بہت سی آلات ایجاد ہو چکے ہیں اور سمندری یا ہوائی سفر میں منزل کے تعین میں کوئی دقت پیش نہیں آتی مگر پرانے زمانے میں ستارے ہی راستہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور اپنے احسان کے کیا ہے۔

الغایات  
اللبیہ

ان نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے ان پر اپنی وحدانیت کی دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان نعمتوں کو ماننے کے بعد ذریرہ تو باؤ اَفْکَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ مجھلا پیدا کرنے والی ذات اُس کی مانند ہوگی جو کچھ پیدا نہیں کرتا۔ ایک طرف خالق ہے

جن نے خود انسان کو قطرہ آب سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس کی مصلحت کے لیے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور دوسری طرف، تم ایک ایسی ہستی کو معبود بنا رہے ہو جو ایک پتہ اور ایک قطرہ آب۔ پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کا اپنا وجود ذاتی نہیں، بلکہ وہ نور مخلوق ہے تو کیا خالق اور مخلوق برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے تو پھر تم خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو کیسے الہ مانتے ہو۔ کتنے انبیس کا مقام ہے اَفَلَا تَذَكَّرُونَ کیا تم ان تمام تر دلائل سے نصیحت نہیں لکھتے، تم غور و فکر کر کے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچتے کہ خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود میں کتنا فرق ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے، کہ وَاِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم انہیں شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اللہ کی ہر نعمت کا شکر ادا کر سکو۔ فرمایا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تم پر قدرت نہیں کرتا، ان نعمتوں کو سب نہیں کرنا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَكَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ یہ اس کی رافت و رحمت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کے علاوہ نافرمانوں، مشرکوں اور کافروں کو بھی روزی دے رہا ہے۔ اس کی لاتعداد نعمتوں سے وہ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ مغفور بھی ہے اور رحیم بھی۔

فرمایا، یاد رکھو! وَاللّٰهُ يَعْزَمُ مَا تَدْسُوْنَ وَمَا تَكْفُرُوْنَ وہ جانتا ہے جس چیز کو تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اس کی نگاہوں سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی احوال سے واقف ہے بلکہ تمہاری نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے، اسے علم ہے کہ کون سا انسان اس کی عطا کردہ نعمتوں سے کس قدر مستفید ہو رہا ہے، کون شخص اپنے قلب اور اعضا و جوارح سے اس کا شکر یہ ادا

کہتا ہے اور کون ناشکر گزاروں میں شامل ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون  
 شخص ایمان لائے اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنا ہے اور کون ہے جو کفر  
 اور شرک میں مبتلا رہتا ہے۔ اس دنیا میں تو وہ بلا لحاظ اطاعت و نافرمانی  
 سب کو اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے جب  
 فرماے گی منزل ایسی اور پھر ہر ایک کو اس کی کارگزاری کی بنا پر سزا یا جزا  
 بھگتنا ہوگی۔

شرک کی  
 تردید

دلایل توحید بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا ہے  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ يَحْمِلُونَ غُنًا أُولَٰئِكَ سَاءَ لِمَنْ يَدْعُونَ  
 میں اللہ کے سوا دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یا ان کی عبادت  
 کرتے ہیں، فرمایا، لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُكْفَرُونَ بِهَا  
 کرتے وہ يَخْلُقُونَ بلکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں مطلب  
 یہ کہ جن کی زندگی خود متعارف ہے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، وہ اپنی  
 ذات کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ان کو معبود کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ  
 مضمون سورۃ رعد میں بھی گزر چکا ہے۔ اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا  
 ہے، کیا انہوں نے اس لیے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ انہوں نے  
 بھی خدا تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کوئی تخلیق کی ہے۔ پھر خود ہی اپنے پیغمبر کو  
 خطاب کرتے ہوئے فرمایا قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ  
هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ آپ کہیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے  
 اور وہ اکیلا بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ عَرَضْنَا ارض و سما کی تمام چیزیں  
 اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین، آسمان، شجر، حجر، جنت اور دوزخ سب  
 مخلوق ہیں، اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو ان سب کا خالق ہے۔ مگر ان  
 کی پستی کی انتہا ہے کہ وہ انسانوں کے علاوہ گائے کے گوبر، بندر، بلی،  
 پتھر۔ اعضائے تناسل تک کی پوجا کر رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کائنات،

کی ہر چیز مخلوق ہے اور جو خود مخلوق ہے، وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے  
لہذا عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو  
ہر چیز کی خالق ہے۔

فرمایا یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں اُمواتِ غیور  
أَحْيَاءٌ وہ تو مردہ ہیں، زندہ ہونے والے نہیں۔ امام بیضاویؒ: مولانا شاہ  
اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر مفسرین نے  
اموات کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے  
ہیں۔ وہ تین لحاظ سے مردہ ہیں۔ یا تو وہ دواگامردہ ہیں یعنی مکڑی، بھڑیا  
مٹی کے بیت ہیں جو مستقلاً مردہ ہیں اور ان میں زندگی کے کبھی کوئی آثار نہیں  
پائے گئے۔ یا وہ فی الحال اموات ہیں یعنی وہ انسان ہیں جو وفات پا چکے  
ہیں اور لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے  
ہیں اور ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ اور یہ دو صورتیں نہ بھی ہوں تو تیسری  
صورت یہ ہے ہر چیز انجام کے لحاظ سے مردہ ہے کہ اسے بہر حال  
موت کا نذر چھننا ہے۔ "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يُبْقَى  
وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" (الرحمن) یہاں کی ہر چیز فنا  
ہونے والی ہے اور باقی رہنے والی صرف رب ذوالجلال کی ذات ہے  
بہر حال فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز مردہ ہے۔ اور زندہ ہونے والی نہیں۔ مگر  
کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کہ مردہ چیزوں  
کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض بد بخت تو ایسے ہیں جو جنوں اور شیطانوں کی  
عبادت کرتے ہیں۔ شیاطین تو کجا ملا اعلیٰ کے فرشتے بھی فنا ہونے والے  
ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاء بھی اس دنیا سے جا چکے  
ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے وقت پر اس منزل سے گزرنا ہے، تو  
فرمایا کہ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا اور ان سے حاجات طلب کرنا کتنی لپستی کی بات

ہے۔ انسان خود انسانوں کے آگے سر بسجود ہو رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا ہے، اولیاء اللہ کو مشکل گشا سمجھا جا رہا ہے، مافوق الاسباب ان کو پکارا جا رہا ہے، حالانکہ ان کی اپنی زندگی بھی مستعار ہے، ذاتی نہیں، وہ خدا کے عاجز بندے ہیں اور ان پر موت طاری ہو چکی ہے۔ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا کہاں کا انصاف ہے۔

فرمایا جن کی یہ پوجا کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يَتَّبِعُونَ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے یہ تو خدا نے عزوجل ہی کے علم میں ہے بعث بعد الموت کب ہوگی۔ ان میں سے بعض ایسی ہستیاں ہیں جنہیں دوبارہ جی اٹھنے کا بالکل تصور اور شعور ہی نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو پتھر اور مٹی کے پتے ہیں جو نہ کبھی زندہ تھے اور نہ وہ دوبارہ زندہ ہونگے۔ البتہ دنیا میں بعض انسان ایسے بھی گزرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی معرفت سے بیگانہ ہے، ان کو دوبارہ زندگی کا کوئی تصور ہی نہ تھا مگر لوگ ان کی بھی پوجا کرتے رہے۔ البتہ اللہ کے یہ گنہگار نہ بنی اور اس کے اطاعت گزار بندوں کو قیامت اور دوبارہ بعثت کا شعور ہے۔ فرشتوں کو بھی معلوم ہے مگر بعثت کے وقت اسے کوئی بھی باخبر نہیں ہے۔ یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے کہ کب قیامت برپا ہوگی اور وہ کب سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو فرمایا اللہ کے سوا ہر چیز اموات ہے جنہیں بعثت بعد الموت کا بھی شعور نہیں ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۲۲ تا ۲۵

ربما ۱۴

درس پنجم ۵

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
 بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾  
 لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ  
 إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ  
 مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾  
 لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ  
 عِلْمٍ الْأَسَاءَ مَا يَزُرُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے  
 پس وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر، ان کے  
 دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ﴿۲۲﴾  
 ضرور بر ضرور (یہ بات برحق ہے) بیشک اللہ تعالیٰ  
 جانتا ہے جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو  
 ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) نہیں پسند کرتا تکبر  
 کرنے والوں کو ﴿۲۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا  
 پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے، تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے  
 قصے کہانیاں ہیں ﴿۲۴﴾ (اس کا نتیجہ یہ ہو گا) تاکہ اٹھائیں یہ  
 لوگ اپنے بوجھوں کو پورے پورے قیامت کے دن، اور



ان لوگوں کے بوجھ سے بھی جن کو یہ گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے۔ آگاہ رہو، بُری ہے وہ چیز جس (بوجھ) کو یہ اٹھا رہے ہیں (۲۵)

ربط آیات

ابتداءً سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت اور وحی الہی کے نزول کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اپنے انعامات اور نشانات قدرت کا ذکر کیا جو اس کی وحدانیت کی دلیل بنتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں وہ تو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ خود پیدا شدہ ہیں۔ اللہ نے ان کو اموات کے لفظ سے تعبیر کیا کہ یا تو وہ مٹی اور پتھر کے بے جان ٹیٹ ہیں ایسی احوال وفات پا چکے ہیں، اور یا ہل مرنے والے ہیں، ان میں سے کوئی بھی باقی رہنے والا نہیں۔ ان کی اپنی زندگی بھی ذاتی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ تو جو ہستی خود اپنی ذات کی مالک نہیں وہ معبود کیسے بن سکتی ہے۔ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے۔

مسئلہ الوہیت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ الوہیت بیان فرمایا ہے اور ضمناً تجریر کرنے والوں کا انجام ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الْهٰکُمْ رَاللّٰہِ وَاٰلِہٖٖٓ وَسَلَّمَ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بنانا انتہائی درجے کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد اور بیوی کیسے ہو سکتی ہے وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ اَسْمًا نے تو خود ہر چیز پیدا کی ہے وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے یہ صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِکُمْ اللّٰہُ رَبُّکُمْ

یہی اللہ تمہارا رب ہے جس کی یہ صفات ہیں ”لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ“ اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ“ وہی ہر چیز کا خالق ہے، لہذا اسی کی عبادت کرو ”وَهُوَ عَلِيُّ كُلِّ شَيْءٍ وَكَيْلٌ“ اور ہر چیز کا کارساز بھی وہی ہے۔

غرضیکہ سمجھنا یہ مقصود ہے کہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو رب ہو، خالق ہو، عظیم کل اور مختار مطلق ہو۔ اگر یہ صفات اللہ کے سوا کسی دوسری ذات میں ناپید ہیں تو عبادت کے لائق بھی اُس کے سوا کوئی نہیں مخلوق میں سے کوئی بھی کسی کا کام نہیں بنا سکتا، نہ کسی کی فریاد رسی کر کے اُس کی حاجت روائی کر سکتا ہے کیونکہ نافع اور ضار صرف وحدہ لا شریک ذات ہی ہے۔ اس کے باوجود ایسی ہستیوں کو پکارنا اور ان سے فریاد چاہنا جن کا کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ کتنی حماقت کی بات ہے بغرضیکہ ہر قسم کی عبادت قولی یا فعلی یا اعتقادی سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کوئی کسی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنانے گا وہ مشرک ٹھہرے گا اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔

امام برصی اور حنوفی فرماتے ہیں کہ لفظ ”الہ“ لفظ ”اللہ“ کی اصل ہے فرماتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے الہ کا اطلاق ہر معبود پر کیا جاسکتا ہے مگر شرائع اللہ، کتب سماویہ اور انبیاء کی تعلیمات میں یہ لفظ صرف معبود برحق کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ذات پر نہیں ہو سکتا۔

لفظ الہ  
کی تحقیق

بعض فرماتے ہیں کہ الہ کا اشتقاق (ROOT) روت (الوہیت سے ہے جس کا معنی عبادت ہے۔ تو اس لحاظ سے اللہ وہی ذات ہوگی جس کی عبادت کی جاسکے اور وہ ذات صرف خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ الہ کا مادہ اشتقاق الہ ہے جس کا معنی

حیرانگی ہے چونکہ تمام عقول اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران ہو جاتی ہیں اس لیے اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مادہ وَلَّی ہے جس کا معنی سکون پکڑنا ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں اَلْهَيْتُ الْهَلْ فَهَلَّانِ یعنی میں نے فلاں کی طرف سکون پکڑا۔ چونکہ انسانی ارواح قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ سکون پکڑتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اَللّٰہُ کا معنی گھبرا جانا اور اَللّٰہُ کا معنی اپنا دینا ہوتا ہے۔ انسان گھبرا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہی ان کو پناہ دیتا ہے، لہذا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جب اونٹ کا بچہ اپنی ماں پر بہت زیادہ فریفتہ ہوتا ہے تو عربی محاورہ میں کہتے ہیں اَللّٰہُ الْفِصْلُ بِأُمَّتِہٖ۔ چونکہ بندے اپنی مشکلات اور شدائد میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُمّی پر فریفتہ ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لہجہ کا لفظ حجاب کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے بلند و برتر ہے اس کے سامنے پردے پڑے ہوتے ہیں اور کوئی شخص اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس لحاظ سے بھی یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر صادق آتا ہے۔

فکرِ آخرت

فرمایا تمہارا معبودِ برحق ایک ہی ہے فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جُلُودًا مَّرْتَدِينَ نہیں رکھتے قُلُوبُهُمْ مُّصِیۡرَةٌ اُنْ كَے دَل اِنكَار كَرْنِے وَاَلْے ہِن وَهَمْ مُّسْتَكْبِرُونَ اور وہ بجز کرنے والے ہِن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی الوہیت کو ماننا اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے صرف اسی کی عبادت کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو فکرِ آخرت رکھتے ہِن۔ اور جو لوگ فکرِ آخرت ہی کے متنبک ہِن، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر اُن کا یقین ہی

نہیں ہے، وہ خدا تعالیٰ کو الہ کیسے مانیں گے اور اس کی عبادت کیونکر کریں گے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرنے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک فخرِ آخرت کا انکار اور دوسری تکبر کی بیماری۔ فرمایا جب خدا کا نبی یا اس کا مہتمم والا اللہ تعالیٰ کی الوہیت بیان کرتا ہے تو یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کو تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ اکثر لوگ تکبر ہی کی وجہ سے ہدایت سے محروم ہوتے ہیں حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر تکبر کی مذمت بیان فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا، حضور! اگر کوئی شخص اچھا لباس پہنتا ہے اور اچھی سواری استعمال کرتا ہے تو کیا یہ تکبر میں شامل ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ یہ تو جمال ہے اللہ و جلیل و جلیل الجمال یعنی اللہ تعالیٰ خود جلیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے البتہ تکبر کی تعریف یہ ہے بطر الحق و غمط الناس کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کی تحقیر کی جائے۔ کسی کو اس کی عزت کی وجہ سے یا اس کے خاندان کی وجہ سے یا جسمانی کمزوری کی بنا پر حقیر جانا تکبر میں شامل ہے کسی معمولی آدمی کی سچی بات کو ٹھکرا دینا بھی تکبر کی نشانی ہے دنیا میں اکثر مشرکین نے اللہ کے نبیوں کی معمولی حیثیت کے پیش نظر ہی ان کا انکار کیا۔ کہتے تھے کہ تو تو ہمارے جیسا کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا انسان ہے، تیرے پاس تو کمر چاکر اور کوٹھی اور باغات نہیں ہیں، تو ہمیں کیسے تبلیغ کرتا ہے۔ کوئی بڑا آدمی ہم سے بات کرتا تو ہم توجہ بھی دیتے مگر تجھ جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کی بات کو کیسے تسلیم کر لیں۔ وہ لوگ اسی تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اور یہ بیماری اس زمانے بس بھی موجود ہے۔ آج بھی کوئی جاگیر دار کسی مزارع کی بات سننے کے

تکبر کی  
بیماری

یہ تیار نہیں، کوئی کارخانہ دار کسی ضرور کی رائے کو اہمیت نہیں دیتا اور  
کوئی افسر اپنے ماتحت کی رائے کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا یہ سارا تجربہ کا شاخسانہ  
تجربہ ابلسی بیماری ہے اور ہدایت سے اکثر حیران اسی بیماری کی وجہ  
سے ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین جب لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں تو ان کو عبادت  
اور ریاضت کہاتے ہیں، ان کو اذکار سکھاتے ہیں اور ان کو روزائل سے پاک  
کرتے ہیں۔ تجرہ ایک ایسی نفع چیز ہے کہ انسان کی تمام بد اخلاقیوں میں سے  
سب سے آخر میں اس سے خلاصی ہوتی ہے بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ ایک  
سوئی کے ذریعے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے  
مگر اس کے مقابلے میں دل سے تجرہ کو نکالنا مشکل کام ہے۔

فرمایا لا جبرم یہ لازمی امر ہے اِنَّ اللّٰهَ يَكْتُمُ مَا يَشَاءُ  
وَمَا يُعْلِنُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ  
ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ وہ ہر شخص  
کے غور و نیاز مندی اور اس کے اخلاص کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ  
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ کوئی متجرب  
آدمی خدا کا محبوب نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے اور وہ اپنے  
عاجز بندے ہی کو پسند کرتا ہے حُضُوْر عَلِيْهِ الصَّلٰوٰةُ وَالسَّلَامُ کا فرمان ہے  
لَا يَبْغِيْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ تم ایک دوسرے پر سرکشی اختیار نہ کرو بلکہ تواضعاً  
ایک دوسرے سے تواضع، ہمدردی اور غمگساری کے ساتھ پیش آؤ۔ تجرہ  
بجائے خود مبغوض چیز ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مبغوض بنانا ہے  
لہذا اس سے بچنا چاہیے کہ یہ بہت تجربہ بیماری ہے۔

ان متجربین کی ایک یہ خصلت بھی بیان کی گئی ہے وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ  
مَّا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے  
کیا چیز نازل فرمائی ہے۔ یعنی جب ان سے قرآن کریم، وحی الہی اور شرائع الہیہ کے

متعلق دریافت کیا جاتا ہے۔ قَالُوا اسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ مشرک اور جاہل لوگ ہمیشہ یہی بات کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے تعلیمات اور سائنسدان پیرس اور عیسائی بھی قرآن حکیم کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں تکبر بھرا ہوا ہے اور وہ اسلام کو ایک رسمی مذہب خیال کرتے ہیں۔ دنیا کی ناپائیدار اور حقیر تعلیم حاصل کر کے اپنے آپ کو بڑا صاحب کمال سمجھتے ہیں اور قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کو اللہ کا کلام اور اس کا آخری نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ بھی اللہ کے پاک کلام کو قصے کہانیوں پر محمول کرتے ہیں۔ بعض مشرک کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عا د اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں، اؤ ہم تمہیں رستم و اسفندیار کے کاہنوں سے سناتے ہیں۔ جو محمد کی کہانیوں سے بڑھ کر دلچسپ ہیں۔ بہر حال وہ لوگ قرآن پاک اور وحی الہی کا انکار کرتے تھے اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

فرمایا اس انکار کا نتیجہ یہ ہوگا لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ تاکہ اٹھائیں یہ لوگ اپنا بوجھ پورا پورا قیامت کے دن جب محاسبے کا وقت آئے گا تو منکسرین پر ان کے گناہوں کا پورا پورا بوجھ لاد جائے گا۔ وہ نہ صرف اپنی کارستانی کا بوجھ اٹھائیں گے، بلکہ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ بُغِيءٌ عَلِيمٌ بلکہ ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا بلا تحقیق۔ اس طرح گریا ان پر دوسرا بوجھ یعنی عذاب ڈالا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو امام یا پیشوا برائی کا کوئی راستہ مقرر کرے تب سے، اس کو اپنے گناہ کا بدلہ بھی ملے گا اور ان تمام لوگوں کے گناہ میں سے بھی حصہ ملے گا جو اس باطل راستے پر چل نکلے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اس دنیا میں ہونے والے ہر قتل ناحق کا ایک گناہ آدم علیہ السلام

پہر بوجھ

کے اس بیٹے کے نام اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے، جس نے سب سے پہلے قتلِ ناحق کی بنیاد رکھی۔ نیکی کے متعلق بھی یہی اصول ہے۔ ہر نیکی والے کی نیکی کا ایک اجر نیکی کا راستہ بنانے والے کو بھی ملے گا۔ چونکہ دنیا میں نیکی کا راستہ انبیا کریم نے ایجاد کیا، لہذا یہاں پر ہونے والی ہر نیکی کا ایک ایک اجر امت کے نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے لہذا انبیا علیہم السلام کے اُجرو ثواب کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس آخری امت میں نیکی کے موجب حصہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ قیامت تک ہونے والے کار خیر میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

فرمایا، ان لوگوں نے بلا سمیچے سمجھے قرآن پاک کا انکار کر دیا ہے حالانکہ خود قرآن انہیں بخور و فخر کی دعوت دے رہا ہے۔ اَفْکَاۗرًا یَبْدُوۡنَ الْقُرْاٰنَ اَمْرًا عَلٰی فُتُوۡرٍ اَقْفَاۗلُهَا (محمد) یہ لوگ قرآن میں تدبیر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر فضل پڑ گئے ہیں سورۃ صں میں ہے کہ ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے «لَیْسَ کَذِبًا وَّآیٰتِہٖ» لہذا اس کی آیتوں پر بخور و فخر کریں جن لوگوں نے اس کلام کو سمجھے کی کوشش کی انہیں پتہ چل گیا کہ پوری دنیا کی تاریخوں میں روشنی کا یہی ایک مینار ہے مگر انہوں نے انکار کر کے دھیرا بوجھ اٹھا لیا ہے۔ فرمایا اَلَا خَبِرْتُمْ سَاعَ مَا بَیْنَ رُوۡنَہٗمَا بہت بڑا بوجھ ہے جس کو یہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ اس کا احساس جزائے عمل کی منزل کے وقت ہو گا کہ انہوں نے کتنا بڑا بوجھ اٹھایا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہَا اللّٰہُ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

النحل ۱۶

آیت ۲۶ ۲۹۲

ربما ۱۳

درس ششم ۶

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَى اللَّهُ  
 بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ  
 السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ  
 حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِبُهُمْ  
 وَيَقُولُ آيَاتِ شُرَكَائِي الَّذِينَ كَانْتُمْ تَسَافِرُونَ  
 فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ إِنَّ  
 الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۷﴾ الَّذِينَ  
 تَتَوَقَّعُهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا  
 السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى  
 إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾  
 فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ  
 مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ :- تحقیق چالبازی کی ان لوگوں نے جو تم  
 سے پہلے گزرے ہیں پس اللہ نے قصد کیا ان کی  
 عمارت کا، پس اس کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا۔ پس گر پڑی  
 ان پر چھت اُوپ سے۔ اور لایا اللہ تعالیٰ ان کے پس  
 عذاب جہاں سے ان کو خبر بھی نہ تھی ﴿۲۶﴾ پھر قیامت



وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
 وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ بیشک رسولیٰ آج کے دن اور برائی کفر کرنے والوں پر ہے (۲۷) وہ کہ جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ پس وہ ظاہر کرتے ہیں اس وقت اطاعت کو، اور کہتے ہیں کہ نہیں تھے ہم برائی کرتے۔ کیوں نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کام کرتے تھے (۲۸) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے ہو گے تم ان میں۔ پس بہت بڑا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا (۲۹)

اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر غیروں کو الہانے والوں کی تردید فرمائی۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ خالق، رب، علیم کل، قادر مطلق، نافع اور ضار اُس کے سوا کوئی نہیں، لہذا عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجبور و برحق وہی اکیلا ہے اور اس بات میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ نے مشرکین توحید کے باطل عقیدے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ایک تو اس میں آخرت کے محاسبے کا ایسا نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ تکبر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کفر، شرک اور منافقانی پر مصر ہیں۔ جب ان کے سامنے اللہ کا کلام یا رسولوں کی بات پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ وہ اپنے تکبر کی بنا پر اللہ کے نبیوں کی بات کو معمولی سمجھ کر ٹھکراتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ قیامت والے دن وہ دوہرا بوجھ اٹھائیں گے۔ انہیں اپنے گناہوں کا بار بھی اٹھانا ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں کا بھی جن کو انہوں

نے گمراہ کیا، فرمایا، یہ بہت برا بوجھ ہوگا جو وہ اٹھائیں گے۔  
 آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین قرآن  
 اور نبی اور اسلام کے مخالفین خصوصاً مشرکین مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے، اور  
 دوسرے لوگوں کو بھی سمجھایا ہے کہ جس طرح آج تم مخالفت کر رہے ہو اسی  
 طرح پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی تو وہ دنیا و آخرت  
 میں ذلیل و خوار ہو کر جہنم رسید ہوئے، اسی طرح اگر تم بھی انہی کے نقش  
 قدم پر چلتے ہوئے اللہ کے دین اور پیغمبر خدا کی مخالفت ترک نہیں کر  
 گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

مشرکین مکہ نے دین اسلام کے خلاف بڑی سازشیں کیں اور نبی  
 آخر الزمان کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کیں جن  
 کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ہوا ہے حضور علیہ السلام کے خلاف  
 باطل پراسیکیوٹا مشرکین مکہ کا ایک اہم ہتھیار تھا، کبھی شاعر کہتے، کبھی کاہن  
 کا لقب دیتے، کبھی آپ کو ساحر کا خطاب دیتے اور کبھی نعوذ باللہ من  
 جھون قرار دیتے تاکہ لوگ آپ کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس کے علاوہ مسطحی  
 مصر مسلمانوں پر تشدد بھی کیا جاتا۔ طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی، ذمہ  
 پر پریشان کیا جاتا تاکہ وہ اسلام کا دامن چھوڑ دیں۔ باہر سے آنے والوں  
 کو راستے میں ہی روک دیتے اور انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر  
 نہ ہونے دیتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آپ نے کہ  
 آپ کی قوم کے لوگ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے  
 اور شعیب علیہ السلام کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ اسی طرح  
 مشرکین مکہ نے اس قسم کا انتظام کر رکھا تھا کہ لوگ حضور علیہ السلام کی بات  
 نہ سن سکیں۔ وہ جانتے تھے کہ جیسے ایک دفعہ آپ کی صحبت حاصل  
 ہوگئی، وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ گذشتہ سورۃ الحج کے آخری حصے

میں لفظ **عصیان** کی تشریح میں عرض کیا گیا تھا کہ ان بدبختوں نے علاقے تقسیم کر رکھے تھے کہ فلاں راستے سے قم روکو اور فلاں درے پر ہم بٹھیں گے۔ تاکہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ دو صحابیوں کا ذکر آتا ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے ملنے کی کوشش کی تو انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے کسی معمولی چٹیت کے آدمی سے حضور علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو وہیں پٹانی شروع ہو گئی۔ حضرت عمر و ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جس زمانے میں وہ مکہ پہنچے تو اس وقت **حَجْرًا عَلَیْہِ قَوْمًا** آپ کی قوم آپ کے سخت مخالفت تھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ تم اپنے اسلام کا برملا اظہار نہ کرو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ پھر جب تمہیں خبر پہنچے کہ اللہ نے اہل ایمان کو علیہ عطا فرما دیا ہے تو ہمارے پاس آ جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے علاقے میں واپس چلے گئے۔ پھر جب اہل اسلام حضور علیہ السلام کی معیت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ کے قدم جم گئے اور کفار مکہ کو بدر کے میدان میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، تو وہ لوگ دیتے پہنچ کر اپنے مسلمان بھائیوں میں شامل ہو گئے۔ بہر حال یہاں پر اسی بات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ پرانے مشرکوں نے بھی بڑی بڑی تلہیر اختیار کیں اور آج کے مشرک بھی اپنی کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں، اللہ کی توحید کو مٹانا چاہتے ہیں اور نبی کے مشن کو باہام بنانے پر کمر بستہ ہیں مگر تم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مشن پر قائم رہو، ان کی رسوائی کا وقت آنے والا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ**

بیشک چالبازی کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے خدا کے دین کے خلاف بڑی سازشیں کی، غلط پراپیگنڈا کیا، راستہ

میں پیٹھ تھپی کہ جنگ و جدل ہم کو بہت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عمرو اور فرعون کی مثالیں بیان فرمائیں کہ انہوں نے اللہ کے جلیل القدر اہلبیاء علیہم السلام کے خلاف کیسی کیسی تہذیریں کیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام خدا کا نام لیتے تو عمرو کہتا کہ تمہارے خدا کا مقابلہ میں کروں گا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا مینار تیار کیا جائے جس پر چڑھ کر میں ابراہیم علیہ السلام کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ بائبل کی تفسیری روایات، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں آتے ہیں کہ عمرو نے اس مقصد کے لیے ۷۰ فٹ بلندی مینار تعمیر کرایا تھا مگر اس کے اوپر چڑھ کر مقابلہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تیز آندھی بھیجی کہ مینار کی چوٹی تو ٹوٹ کر دور پانی میں جا گری اور باقی حصہ منہدم ہونے پر ہزاروں آدمی اس کے نیچے آکر کچلے گئے۔ بعض کے دماغ خراب ہو گئے اور بعض کی زبان ہی بدل گئی، وہ زبان سے کنا کچھ چاہتے، مگر ادا کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ فرعون نے بھی اپنے وزیر سے کہا تھا کہ میرے لیے ایک بہت بلند و بالا مینار تعمیر کرواؤ تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکوں۔ یہ سب پہلے لوگوں کی چالیں تھیں جو انہوں نے اللہ کے سچے دین کے خلاف اختیار کیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ بھی کام کر رہی تھی۔ جب مشرکین خدا اور رسول نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں تو فرمایا قَاتِلُوا اللّٰهَ وَبَنِيَّاهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ کہ اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا فَوَقَّهْمُ اور اوپر سے ان پر ان کی چھتیں ہی گھر ٹپیں، اور ان کی تمام تہذیریں ناکام ہو گئیں۔ یہ دراصل مکے والوں کو تمثیل کے طور پر بات سمجھائی جا رہی ہے کہ پرانی اقوام میں سے بھی جس کسی نے سرکشی کی اور خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اللہ نے ان کی جڑ بنیاد کو ہی اکھاڑ کر ان کو نیست و نابود کر دیا۔ اور پھر وَأَنْتُمْ

العَذَابِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ان پر ایسی جگہ سے خدا کا عذاب آیا جس کا انہیں وحسوم و گمان بھی نہیں تھا۔ لہذا اگر تم بھی پرانے مشرکین کی روش پر چلے گے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے چند سالوں میں مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، مگر فتح ہو گیا اور وہاں سے مشرکین کا نام و نشان تک مرٹ گیا۔

مسئلہ  
سازشیں

خدا کے دین کے خلاف سازشیں ابتداء سے ہی ہوتی رہی ہیں پہلے زمانے کے لوگ بھی تدبیریں اختیار کرتے رہے اور پھر نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین نے بھی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگایا۔ اور اس کے بعد بھی ہر دور میں اسلام کے خلاف بڑے بڑے منصوبے بنتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی یہودی، عیسائی، ہندو اور اشتر کی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہزاروں سکیمیں بنا رہے ہیں، کہیں سکولوں اور کالجوں کے ذریعے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہیں ہسپتالوں کی آڑ میں اسلام مخالفت پر پیکیز ڈالیا جاتا ہے انسانیت کے نام بنا دیکھنا خواہ یہ لوگ دراصل دین اسلام پر شب خون مارنے ہیں۔ بیعت لڑ پھر تقسیم کر کے لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ امیٹریکریب ارسبلان (ستوری ۱۹۴۰ء) بڑے مجاہد آدمی تھے ترکی کے ہسپتالوں کے انچارج اور دین کے شیدائی تھے، وہ لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے یہودیوں اور عیسائیوں نے قرآن پاک اور پیغمبر اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے بیگانہ ہو جائیں۔ کہیں یہ سازش مستشرقین کے ذریعے پروان چڑھائی جا رہی ہے۔ مشرقی علوم کے نام بنا دیکھنا مشرقی لوگ قرآن پاک اور دین اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات جاری کر کے لوگوں کو دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بغرض یہ کبھی مخالفت کر کے اور کبھی موافق بن کر ہر طریقے سے دین کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ خاص طور پر انگلینڈ تو اس حد تک منصوبہ بندی کر چکے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے منقطع نہیں ہوتا۔ یہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے بھی بڑا کام کیا کہ جب تک مسلمانوں کی حیثیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ہے، ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہر دو گروہ اپنے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اُدھر مسلمان ہیں جو ان سازشوں سے بے خبر سوئے ہوئے ہیں۔ انہیں اس وقت پرستہ چلتا ہے جب یہود و نصاریٰ کی کوئی تدبیر کامیابی کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی بد عملی کی وجہ سے مارے جاتے ہیں۔

باطل فرقوں میں مرزائیوں اور رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی دینِ حق کے خلاف مسل سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی زور میں ہم ایک صدی سے آئے ہوئے ہیں۔ اب تو قانونی طور پر ان کی حیثیت کمزور ہو چکی ہے۔ وگرنہ اقتدار پر قابض اکثر لوگ انہی کی طرف داری کرتے آئے ہیں۔ ان کا لٹریچر اب تک پھیلایا جا رہا ہے اور وہ دنیا بھر میں اپنے باطل دین کے لیے سرگرم ہیں۔ اُدھر رافضیوں نے بھی اپنی پراپیگنڈا مہم تیز کر رکھی ہے کہ یا رافضیت ہی اصل اسلام ہے۔ ایرانی انقلاب کے بعد خمینیوں کی حمایت میں بڑا لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے وہ اپنے آپ کو اسلام کے نمائندہ کے طور پر دنیا میں پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ رافضی ہیں۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ دشمنانِ دین کو پہلے بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ان کی عمارتوں کو جبر و بنیاد سے اکھڑا دیا گیا۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے۔ مخالفینِ خدا و رسول کی طرف سے حضورؐ کے لیے مشور و شر ہو رہا ہے، بعض لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے ہیں، مگر ان کی سازش جلد ہی منظر عام پر آجاتی ہے اور ان کی تمام سیکمیں جھاگ کی طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اپنی ذاتی خصوصیت اور حقانیت کی بنا پر قائم ہے اور تا قیامِ قیامت

قائم ہے گا۔

ظالموں کی  
رسوائی

قریبا دشمنانِ دین کا دنیا میں تو یہ حال ہوا تھا کہ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
یَحْزَنِيهِمْ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا  
اس دنیا میں مشرکین شرک کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے  
ہیں مگر قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اُن سے فرمائے گا۔ وَيَقُولُ  
أَيُّكُمْ شَرٌّ لِّكَ أَيُّ الدِّينِ كُنْتُمْ تَشَاقِقُونَ فِيهِمْ  
بناؤ آج میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دنیا میں جھگڑا  
کیا کرتے تھے۔ میرے نبیوں کی بات نہیں مانتے تھے اور شرکیوں کی  
حمایت کیا کرتے تھے۔ اب اُن کو بلاؤ تاکہ تمہاری مدد کریں۔

اِس وقت قَالَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ اٰہلِ عِلْمِ کہیں  
گے۔ جن کو اللہ نے دنیا میں علم کی روشنی عطا فرمائی اور وہ کفر شرک  
سے بیزار رہے، وہ کہیں گے اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمِ وَالسُّقُوٰءِ  
عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ بیشک آج کے دن کی رسوائی اور برائی یعنی عذاب  
کفر کرنے والوں پر ہے۔ انہوں نے دنیا میں اللہ کی توحید کا انکار کیا، خدا  
کے شریک ٹھہرنے، اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی، وہ دنیا میں بھی  
ناکام ہوئے اور آج قیامت کے دن بھی اُن کے مقدر ہیں رسوائی اور  
ذلت ہے۔

فرمایا ان کافروں کی حالت یہ ہے الَّذِيكَ تَتَوَفَّوْهُ  
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْۤ اَنْفُسِهِمْ کہ اللہ کے فرشتوں نے  
اُن کو اس حالت میں موت دی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے  
کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں جس کا ارتکاب کفر کے وہ خود  
اپنے نفسوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے حضور علیہ السلام دُعا میں کہتے تھے  
اَللّٰهُمَّ اِنِّكَ اَكْمُوْذِرُ بِيْكَ مِنْ شَرِّ الْحَيٰوةِ وَمِنْ شَرِّ الْمَمٰٓةِ

اے اللہ! میں بری زندگی اور بری موت سے پناہ مانگتا ہوں۔ بری زندگی  
یہ ہے کہ انسان عمر بھر بد عقیدگی میں مبتلا رہے اور بری موت یہ ہے کہ اسی  
بد عقیدگی پر جانم ہو۔ ایسا شخص تو حیدر اور ندی سے خالی گیا۔ لہذا اس سے  
بری موت کون سی ہو سکتی ہے۔ ؟

فرمایا، یہ لوگ دنیا میں اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے۔ انہوں نے کفر  
اور شرک کا راستہ پکڑا، حالانکہ اللہ کا فرمان ہے **اِنَّ الشِّرْكَ كَظُلْمٍ**  
**عَظِيْمٍ** (لقمان) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ نیز فرمایا **وَالْكَافِرُوْنَ**  
**هُمُ الظَّالِمُوْنَ** (البقرہ) اور کافر وہی ہیں ظلم کرنے والے۔ تو فرمایا  
کہ دنیا میں تو یہ کفر و شرک میں مبتلا رہے مگر قیامت کے دن اپنے آپ  
کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کریں گے **فَاَلْقُوا السَّلْمَ** اُس  
وقت اپنی اطاعت اور کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں  
گے **مَا كُنَّا لَعْمَلٍ مِّنْ سُوْءٍ** ہم تو دنیا میں برائی کا  
ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے۔ اُس وقت اپنی صفائی پیش کرنے  
کی کوشش کریں گے مگر اللہ فرمائے گا، تم جھوٹ بولتے ہو کیلی  
**اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ** **ذٰمِكُمْ** **تَعْمَلُوْنَ** کیوں نہیں؟  
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ علیم کل  
ہے اور تمہاری ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل سے واقف ہے  
وہ جانتا ہے کہ تم دنیا میں کفر اور شرک پر لہند رہے، لہذا آج تمہارا انکار  
کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ جب وہ زبان سے انکار  
کریگا تو زمین، انسان کے جوارح اور دوسری چیزیں اس کے خلافت  
گواہی دیں گی۔ یہ خط ارضی، پہاڑ، درخت، بول کہہ کہیں گے کہ اس شخص  
نے فلاں مقام پر فلاں گناہ کیا۔ لہذا اور پاؤں گواہ بن جائیں گے اور اس کی  
کوئی بات نہیں چل سکیگی۔



پھر ارشاد ہوگا فَادْخُلُوا الْاَبْوَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے دروازوں  
 میں داخل ہو جاؤ۔ اب تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ثَلَاثِينَ  
 فیہکا تمہیں اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ کھچلی سوزقا میں  
 گنز چکا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور سرگیت سے منقہ ہوا  
 کے مطابق داخل ہوں گے۔ فَرَمَا فَلْيَسَّ مَشْوَى الْمَتَكَلِيمِ  
 تکبر کرنے والوں کا یہ مرت فَرَمَا کا نام ہے۔ انوں نے غرور و تکبر کی  
 وجہ سے انبیاء کی بات کو تسلیم نہ کیا، خدا کی وحدانیت کو سمجھ لی چہر سمجھ کہ  
 ٹھکے ادا، تو فرمایا کہ تمہارے تکبر کی سزا یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس جہنم  
 کا ایندھن بن جاؤ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۗ  
 قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ  
 الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ  
 دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝۳۰ جئتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا  
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا  
 مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝۳۱  
 الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ  
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۗ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَعْمَلُونَ ۝۳۲ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ  
 الْمَلَائِكَةُ أَوْيَاتٍ ۗ أَمْرٌ رَبِّكَ ۗ كَذَلِكَ فَعَلَ  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ  
 وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۳۳ فَاصَابَهُمُ  
 سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا  
 بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝۳۴

ترجمہ :- اور کہا گیا ان لوگوں سے جو بچتے ہیں  
 کہ کیا چیز اتاری ہے تمہارے پروردگار نے، تو انہوں نے

کہا کہ (جو کچھ بھی اُس نے اُتارا ہے) وہ سراسر خیر ہی ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے بھلائی کی اس دُنیا میں، بھلائی ہی ہے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور بہت اچھا گھر ہے اُن لوگوں کا جو متقی ہیں (۳۰) وہ باغات ہیں پہنے کے لیے داخل ہوں گے وہ ان میں۔ بہتی ہیں ان کے سامنے نہریں اُن کے لیے ہو گا ان (باغوں) میں جو وہ چاہیں گے۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو (۳۱) وہ کہ جب وفات پاتے ہیں اُن کو فرشتے (اس حال میں کہ وہ) پاک ہوتے ہیں، اور (فرشتے) کہتے ہیں۔ سلام ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اس کے بدلے میں جو کام تم کیا کرتے تھے (۳۲) یہ (نافران لوگ) نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے یا پہنچ آئے ان کے پاس تیرے پروردگار کا خاص حکم۔ اسی طریقے سے کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (۳۳) پس پہنچیں اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے کی تھیں، اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھسٹا کیا کرتے تھے (۳۴)

پہلے اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا حال بیان کیا کہ جب اُن سے قرآن پاک سے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر کیا چیز اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصے کہانیاں ہیں وہ نہ صرف وحی الہی کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا انجام بیان فرمایا کہ قات

کے دن یہ لوگ نہ صرف اپنے گناہوں کا پوچھنا اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بار بھی ان پر ہوگا جن کو انہوں نے دنیا میں گمراہ کیا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیا میں اسلام کے خلاف بڑی منصوبہ بندی کی، بڑی سکیس بنائیں، چال بازیوں کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر اللہ نے ان کو دنیا میں بھی سزا دی اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب لازمی سے فرمایا یہ لوگ مرتے دم تک کفر شرک پر اڑے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اسی حالت میں ان کی جان قبض کرتے ہیں۔ پھر اس وقت یہ توحید کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس وقت کا اقرار کچھ مفید نہیں ہوتا اور فرشتے انہیں جہنم کی وعیدنا دیتے ہیں۔ فرمایا تکبر کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

تصنیف  
مولانا صاحب

نافرمانوں کا حال اور انجام بیان کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ جہاں مشرکین کا ذکر آتا ہے تو ساتھ متقین کا بیان بھی ہوتا ہے، اور جہاں مجاہد کا حال بیان کیا جاتا ہے تو ساتھ امیر کا ذکر بھی ہوتا ہے، اور اس طرح تہمید اور تہمید ساتھ ساتھ چلتے ہیں اب یہاں پر بوقت موت اہل ایمان کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا اور کہا جاتا ہے ان لوگوں سے جو ڈرتے ہیں۔ اتقی کی تفسیر میں رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے بچے۔ پھر ہر باطل عقیدے سے پرہیز کرے۔ پھر کبائرت سے اور پھر تدریج صفائے سے کبھی بچ جائے۔ متقین کی یہی نشانیاں ہیں۔ گویا تقویٰ کی پہلی سیڑھی کفر اور شرک سے پرہیز ہے۔ جو شخص ان سے نہیں بچتا، وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ جب بچنے اور ڈرنے والوں سے کہا گیا کہ اذّا

اَنْذَلَ رَبُّكُمْ مُحَمَّدًا كَمَا نَزَّلَ الْوَحْيَ فِي الْبُرُوقِ لِقَوْمٍ يَشْرُونَ الْقِيَامَ بِالْآيَاتِ  
 خَيْرًا تَوَّابِينَ لِيُحْيِيَ الْوَحْيَ فِي الْبُرُوقِ لِقَوْمٍ يَشْرُونَ الْقِيَامَ بِالْآيَاتِ  
 برکت ہے، اور یہ بے پایاں رحمت کا حامل ہے۔

حضرت اسامہؓ کی والدہ ام ایمنؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گود لیا تھا پھر وہ آپؐ  
 ایساں بھی بے امیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جوتا کے وقت تک وہ کافی عمر ریہ ہو چکی تھیں  
 حضور کی ولادت کے بعد حضرت ابو جبر صلیقؓ اور عرفانؓ ملاقات کے لیے ام ایمنؓ کے  
 پاس گئے تو وہ رونے لگیں۔ انہوں نے سمجھا کہ ام ایمنؓ حضور علیہ السلام  
 کی جدائی کی وجہ سے رورہی ہیں یا شاید آپ کے بعد انہیں کوئی تکلیف  
 پہنچی ہے۔ پھر جب انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگیں  
 کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ کے نبی اس وقت بڑے آرام و راحت میں ہیں  
 مجھے آپ کی طرف سے کوئی تشویش نہیں، بلکہ رونے کی وجہ یہ ہے  
 کہ جب نبی علیہ السلام ہم میں موجود تھے تو وحی الہی کا سلسلہ بھی جاری تھا جو کہ  
 اب منقطع ہو چکا ہے اور ہم اس کی برکات سے محروم ہو گئے ہیں۔  
 اس پر حضرت ابو جبر صلیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی آبدیدہ ہو گئے کہ واقعی اللہ  
 کی جانب سے جو چیز اپنے نبی پر نازل ہوتی تھی وہ سرسبز و برکت تھی۔ اور  
 اب ہم اس خیر و برکت سے محروم ہو چکے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی جو سرسبز خیر ہے اور اس سے  
 مقصود یہ ہے کہ لوگ اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کریں اور اچھی  
 اچھی باتیں سیکھیں۔ انسان وحی الہی کے ہر وقت محتاج ہیں، اسی لیے تو ہر  
 نماز کی ہر رکعت میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کی درخواست  
 کرتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتی ہے  
 اور ان کی بہتری کے سامان پیدا کرتی ہے۔

مؤمنین کے  
 لیے بہتر گھر

فَرَمَا يَا دُرَيْدُ رَهْمًا لِلَّذِينَ احْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا

حَسَنَةً لِّمَن لَّوْغُوں نے اس دنیا میں اچھا کام کیا، یقیناً ان کے لیے بھلائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اچھے کام کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا۔ جو دنیا میں نیک کام کرتے ہیں، انہیں نیکی کی مزید توفیق ملتی ہے اور انہیں روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا دنیا میں بھی انہیں نیکی کا بدلہ نیکی کی صورت میں ملتا ہے وَكَذَلِكَ الْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقِينَ اور آخرت کا گھر تو بہت بہتر ہے وَكَذَلِكَ الْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ ۚ وَفِيهَا مَا تُشْتَهَىٰ ۚ وَالْأَنْفُسُ ۚ وہاں ان کے نفسوں کی پسندیدہ ہر چیز ہوگی۔ اور وہ گھر کونسا ہے؟ فرمایا جنت عدن تَيَّدَ خَلْقُهَا وَرَهَائِشُ كَيْسُهَا ۚ وہ رہائش کے باغات ہیں جن میں منتقی لوگ داخل ہوں گے، عام باغات تو محض جنگل کی طرح ہوتے ہیں جن میں پھول بوڑے اور درخت ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنے کی سہولت موجود ہو، مگر رہائشی باغات میں رہائش کی تمام سہولتیں موجود ہوتی ہیں اور انہیں زیادہ قریب سے سجا یا جاتا ہے تاکہ وہاں رہنے والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ تو فرمایا متقیوں کے لیے بہتر گھر رہائشی باغات ہیں ہوں گے جَعَزَتْ مَحْتَهَا الْأَنْهَارُ ۚ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ آسائش کی ہر چیز موجود ہوگی، بلکہ لَهْمٌ حَرِيصٌ مَّا يَشَاءُونَ ۚ وہاں پر جہانی اور روحانی راحت کی ہر وہ چیز ہوگی، جو وہ چاہیں گے۔ ان کا ہر پسندیدہ سامان ہاں موجود ہوگا، اور یہ چیز ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوگی۔ بلکہ فرمایا كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ اللہ تعالیٰ عام تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ جو کبھی کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے ایسے ہی انعامات عطا فرمائے گا۔

فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے انعامات ہیں الَّذِينَ تَتَّوَفَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت

وہ طیبین پاک صاف ہوتے ہیں۔ یعنی زندگی کے آخری لمحات میں وہ کفر، شرک، نفاق اور بعقیدگی سے پاک ہوتے ہیں نجاست تو شرک میں ہے، اللہ نے خود فرمایا ہے "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (التوبة) مشرک تو ناپاک ہیں اور یہ ناپاکی باطن کی ناپاکی ہے ان بد بختوں کی روح، دل اور دماغ پلید ہے۔ سورۃ حج میں فرمایا ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ بَيْتِ پرستی کی گندگی سے بچو۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے دین کے طہارت کے اصول میں عقیدے کی طہارت کو اولیت حاصل ہے۔ اگر روح پاک نہیں تو جسم ہزار بار دھونے اور خوشبو لگانے سے بھی پاک نہیں ہوگا۔ بات واضح ہے کہ کتا اور خنزیر ناپاک ہیں، ان کو کتنی بار بھی صابن کے ساتھ نہلاؤ، یہ پاک نہیں ہوں گے۔ مشرک کی نجاست بھی ایسی ہی ہے تو متقی بننے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے دل و دماغ ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو، اور بسے باطنی طہارت حاصل ہوگئی، اس کے متعلق فرمایا "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ كَفَرَ" (الاعلیٰ) جس نے تڑکیہ حاصل کر لیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا تڑکیہ کفر، شرک اور بعقیدگی کا تڑکیہ ہے اسی پلیدی کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرک سجن میں "فَلَا يَفْعَلُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ كَعَمَلِهِمْ هَذَا" (التوبة) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں ستر کے بعد کسی مشرک کو حج بہت اللہ کی اجازت نہ تھی۔ بہر حال شرک ایک گندگی ہے۔ جس سے انسان کا باطن پلید ہوتا ہے۔

جنت میں داخلہ

تو فرمایا کہ جب متقی لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے یقولون  
سَلِّمْ عَلَيْنَا فَمَنْ فَرَّسْتُمْ فَمَنْ فَرَّسْتُمْ فَمَنْ فَرَّسْتُمْ  
خود شجر ہی دیتے ہیں اُدْخِلُوا الْجَنَّةَ لِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

جنت میں داخل ہو جاؤ، اُن اعمال کی وجہ سے جو تم انجام دیتے رہے۔ اعمال سے اگر اعمالِ قلوب مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایمان کا وہ ارتقا ہے جو یقینوں نے اختیار کیا۔ دوسرے مقام پر ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اور اگر اعمال سے مراد اعضاء و جوارح کے اعمال ہیں تو یہ جنت میں داخلے کا ظاہری سبب ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ان کے ظاہری اعمال اس کی کامیابی کا حقیقی سبب نہیں ہیں بلکہ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے۔ لہذا ان کو چاہیے کہ اعمال انجام دینے کے بعد اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا **أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ** حضرت! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا **الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ** یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، ظاہر ہے کہ یہ قلب کا عمل ہے۔ اور تصدیق قلب کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ لہذا جنت

میں داخلے کا اولین ذریعہ نورِ ایمان ہے۔  
**اِنَّ تَابِيَهُمْ الْمَلَائِكَةُ** کہ نہیں انتظار کرے ہیں مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے۔ مطلب یہ ہے کہ نافرمان لوگ اپنے کفر، شرک، نفاق، بدعتیگی اور مخالفتِ قرآن و رسول کا اظہار کر کے فرشتوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ اور فرشتوں کی آمد کا مطلب یہ ہے کہ عیب کے پرے اٹھ جائیں اور فرشتے اللہ کا عذاب لے کر پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ وقت آجائے گا تو پھر ان نافرمانوں کو مزید سزا نہیں دیگی اور وہ عذابِ الہی کا شکار ہو جائیں گے فرمایا ان کو **يَا تَوَفَّرْتُمْ** کا انتظار ہے **اَفِيَاؤُكُمْ** یا اس بات کا انتظار ہے کہ تیرے رب کا مخصوص حکم آجائے اور اس سے عذاب ہی

عذاب کا  
انتظار



میرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرائے میں منکرینِ خدا و رسول کو وعید سنائی ہے کہ اللہ کے پیغمبر آچکے ہیں، کتابیں آچکی ہیں۔ ہدایت کے سارے سامان آچکے ہیں۔ اور اگر اب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر اس کے سوا باقی کیا رہ گیا ہے کہ ان پر عذاب الہی نازل ہو اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

فَمَا يَكْذِبُكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَنْ سَبَّ  
 پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بھی کفر اور شرک پر اصرار کرتے تھے  
 رسولوں سے عطا کرتے تھے، کتاب الہی کو قصے کہانیاں بناتے تھے  
 اور آج کے یہ مشرک بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ وَسَبَّ  
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ أَنْ لَوْ كُفِرُوا بِاللَّهِ لَكُنْ لَهُمْ جَزَاءٌ  
وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ انہوں نے خود  
 اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کفر اور شرک سے بڑھ  
 کہہ کوئی ظلم نہیں ہے۔ ان لوگوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی اپنے  
 آپ کو مستحق عذاب بنا لیا۔

فَمَا يَكْذِبُكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سَبَّ  
 وہ برائیاں جو انہوں نے کی تھیں یعنی ان کو اپنے اعمال ہی کی سزا ملی۔ وَمَا  
ظَلَمَهُمُ اللَّهُ أَنْ لَوْ كُفِرُوا بِاللَّهِ لَكُنْ لَهُمْ جَزَاءٌ  
 ان کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ عطا کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ عذاب الہی  
 کا سزا اڑایا کرتے تھے۔ اپنے بےسوں سے کہتے تھے کہ لے آؤ۔ وہ  
 عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو، ہم جنت اور دوزخ کو کچھ نہیں  
 جانتے۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ تو فرمایا جس عذاب الہی کا  
 وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ لوگ اسی عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس  
 دنیا میں بھی سزا کے مستحق ٹھہرے، اور آگے آخرت کا عذاب بھی ان

کے لیے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں میں سے منکرین اور  
متنقین کے حالات بیان کر کے ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے، اور  
مشرکین، مکہ اور نجد میں آنے والوں کو بات سمجھائی ہے کہ کہیں تم بھی  
منکرین کے نقش قدم پر نہ چل نکلتا، وگرنہ تمہارا بھی حشر وہی ہوگا، جو ان  
کا ہوا۔

---

النحل ۱۶

آیت ۳۵ تا ۳۶

ربما ۱۳

درس ہشتم ۸

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا  
 مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا  
 وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ  
 فَعَدَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَبَدَّلَ عَلَى  
 الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ③۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ  
 أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا  
 الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ  
 مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ③۶

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا ، اگر  
 چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ عبادت کرتے ہم اُس کے سوا کسی چیز  
 کی اور نہ ہمارے باپ ددرا۔ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز  
 کو اس کے حکم کے سوا۔ اسی طرح کیا اُن لوگوں نے جو اُن  
 سے پہلے گزرے ہیں۔ پس نہیں ہے رسولوں کے فتنے  
 مگر کھول کر پہنچا دینا ③۵ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر  
 امت میں رسول (اور حکم دیا) کہ عبادت کرو اللہ کی ، اور بچو  
 طاغوت سے پس بعض اُن لوگوں میں سے وہ تھے جن کو

اللہ نے ہدایت دی اور بعض اُن میں سے وہ تھے جن پر گمراہی پاتا  
 ہوئی۔ پس چلے زمین میں اور دیکھو کیسے انجام ہوا اُن لوگوں کا جو  
 جھٹلانے والے تھے (۳۶)

ابتداءً سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے وحی الہی کا ذکر کیا، پھر اپنی وحدانیت کا تذکرہ  
 کیا "اللہم کلمہ اللہ واحد" اور اس کے دلائل بیان فرمائے۔ اس کے بعد اُن لوگوں  
 کی دو بڑی بیماریوں کا ذکر کیا جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے۔ ایک تو وہ آخرت  
 کے منکر ہیں اور دوسرے تکبر کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور متقیوں کے انجام  
 سے آگاہ فرمایا۔ شرک کی تردید اس سورۃ کا خاص موضوع ہے جو گذشتہ آیات میں بھی بیان  
 ہوا ہے، اس درس میں بھی آ رہا ہے اور آگے مثالوں کے ذریعے بھی اس مسئلہ کی  
 وضاحت کی جائے گی۔ بہر حال آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے حق میں  
 مشرکین کی ایک نہایت ہی بھونڈی دلیل کارڈ فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی ضد اور  
 ہٹ دھرمی کا ذکر بھی کیا ہے۔

شُرک ایک ایسی بیماری ہے جو تمام پڑنی قوموں میں راسخ رہی ہے۔ حضرت  
 نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اللہ کے ہر نبی کی قوم میں شرک پایا گیا اور ہر  
 نبی نے سب سے پہلے اسی بیماری کی طرف توجہ فرمائی۔ اور قوم سے یہی منہ فرمایا  
 "يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ" (ہو دے میری قوم کے  
 لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے سٹی اور  
 پتھر کے جتنے معبود بنا رکھے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ نہ یہ کچھ دے سکتے ہیں اور  
 نہ چھین سکتے ہیں، ان کی پوجا کر کے تم اپنے لیے تباہی کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ یہ تو  
 خدا تعالیٰ کی کھلی بغاوت اور سرکشی ہے۔ مختلف اقوام میں اور بھی مختلف بیماریاں تھیں،  
 کسی میں تکبر کی بیماری تھی، کوئی ناپ تول میں ڈبڈبی مارتے تھے، کسی قوم میں معاملات کی  
 خرابی تھی، کسی میں ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا اور کوئی قوم حد درجے کی بد اخلاقی میں مبتلا تھی۔ تاہم

طِائِبَات

سرک پڑنی  
 باری ہے

تمام اقسام میں شرک ایک ایسی بیماری تھی جو سب کی قدر مشترک تھی۔ اس لیے اللہ کے نبیوں نے سب سے پہلے اسی بیماری کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس بیماری کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھی اللہ کے نبیوں نے اس بیماری کا قلع قمع کرنا چاہا تو مشرکین نے اس کے حق میں دلائل دینے شروع کر دیے اور برہن ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آج کے درس میں اللہ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا اور کہا شرک کرنے والوں نے۔ یعنی جب اللہ کے نبیوں نے شرک سے منع کیا تو کہنے لگے لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عٰبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اللہ کے سوا کسی کی وَإِذَا آبَاؤُنَا اور نہ ہی ہمارے باپ دادا ایسا کام کرتے۔ وَلَا حَرَجٌ مِّنَّا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، اس کے حکم کے سوا۔ یہ ہے وہ دلیل جو مشرکین شرک کے حق میں پیش کرتے تھے۔ گویا اپنے شرکیہ افعال کو خدا تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ منسلک کر کے خود بری الذمہ ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ شرکیہ کام پسند نہ ہوتے تو وہ فوراً ہمیں روک دیتا، ہماری زبانوں کو بند کر دیتا یا ہمارے ہاتھ پاؤں کی طاقت کو ہی سلب کر لیتا تاکہ ہم ایسا کام نہ کر سکتے۔ اگر اس نے ہمیں ان کاموں سے نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان امور پر راضی ہے، لہذا ہم انہیں انجام دینے میں حق بجانب ہیں۔ یہ تو بالکل وہی بات ہے کہ کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کا اعتراف کرنے اور توبہ کرنے کی بجائے اسے تقدیر پر ڈال دیتا ہے کہ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا، لہذا ہو گیا، اس میں میرا کیا قصور ہے؟

حلت و حرمت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ مشرکین نے بعض چیزیں

مشرکین کی  
دلیل

از خود اپنے آپ حرام کھڑا رکھی تھیں حالانکہ اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ انہوں نے بعض جانوروں کو بکیرہ، سانپ، وکیلہ اور حام کا نام دے کر عام لوگوں کے لیے ان کا گوشت حرام قرار دے لیا تھا۔ چنانچہ جس مادہ کا دودھ نذر کے طور پر وقت کر دیتے اسے کوئی عام مردوزن نہیں پی سکتا تھا بلکہ وہ صرف گدی شینوں کے لیے حلال ہوتا تھا۔ اس طرح جس اونٹ یا بیل کو معبودانِ باطلہ کی نذر کر دیتے تھے، نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ کسی دیگر کام میں لاتے تھے۔ اسی طرح جو جانور مقررہ تعداد میں بچے دے دیا تھا اسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس کا دودھ پیتے نہ گوشت کھاتے اور نہ سواری کے لیے استعمال کرتے۔ انہوں نے بعض چیزیں عورتوں پر اور بعض مردوں پر حرام کر رکھی تھیں۔ اس کا جواز بھی وہ یہی پیش کرتے تھے کہ اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روکا، لہذا ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔

سورۃ النعام میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تمام اقسام پر بھت کی ہے اور ان کی تردید فرمائی ہے۔ یہ مضمون اسی قسم کی آیت میں وہاں بھی بیان ہو چکا ہے سَبِّحُوا لِلَّهِ مَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا أَشْرَكُوا وَلَا آبَاءُ وَلَا أِبْنَا وَلَا حَرَمًا مِّنْ شَيْءٍ فَرِيًّا

مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد شرک کا از نکاب نہ کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام کھڑا کرتے۔ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پہلے لوگوں نے بھی اسی قسم کی بہودہ دلیل پیش کی تھی کہ انہیں ہماری سزا کا سزا چھٹنا پڑا۔ فرمایا، اس حرمت کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو محض گمان کی بیروی کر رہے ہیں اور اسکلے پچھو تھیں کر رہے ہیں۔ یہ تو حرمت کی بات تھی، ایک زمانہ ایسا بھی گزر رہا ہے

جب مشرکین بیت اللہ شریف کا برہنہ طواف کرتے تھے اور اس کے لیے بھی انہوں نے خدا کی مشیت کو بہانہ بنا رکھا تھا، مگر اللہ نے فرمایا کہ وہ کبھی بے حیائی اور برائی کا حکم نہیں دیتا۔ تم تو شیطان کا اتباع کر کے اس فعل کو خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

بہر حال شرک کے از نکاب اور حلت و حرمت کے معاملہ میں مشرکوں نے نہایت ہی سیودہ دلیل پیش کی جس کا اللہ نے رد فرمایا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اجمالی طور پر ذکر کیا ہے، آگے عام قانون کی صورت میں بھی حلت و حرمت کا مسئلہ آٹے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس باطل

دلیل کے جواب میں فرمایا کَذَلِكَ فَعَلَّ الَّذِينَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، گویا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اس سے حضور علیہ السلام کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ آپ مشرکین کے قبیح افعال سے گھبرائیں نہیں۔ اس قسم کے واقعات آپ کے ساتھ ہی پیش نہیں آئے ہیں بلکہ پہلی اقوام کبھی اسی طرح کرتی اور کہتی رہی ہیں، وہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ بڑا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ روک دیتا، لہذا ہم جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ یہ

کتنی نادانی کی بات ہے۔ بھلا یہ تو سوچو کہ ہر فرقے کے نزدیک بعض کام بڑے ہیں جن سے وہ انکار نہیں کر سکتے، مگر لوگ انہیں انجام دے رہے ہیں۔ اگر مشرکین کے فلسفے کو تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں کوئی

بھی برائی نہیں رہتی کیونکہ ہر برائی انجام دی جا رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ مانتا ہے پھر روکتا نہیں۔ لہذا ہر بڑے سے بڑے کام میں بھی مشیت الہی شامل ہے معلوم ہوا کہ بڑا کام بہر حال بڑے سے اور خدا تعالیٰ کے جبراً نہ

روکنے سے کوئی برائی اچھائی میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی سے جبراً کوئی کام نہیں کرتا

کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اسی سورۃ کے پہلے رکوع  
 میں گمز چکا ہے کہ اللہ تک تو سیدھا راستہ ہی پہنچتا ہے۔ مگر کچھ پیڑھے  
 راستے بھی موجود ہیں "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ"  
 اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ پر لگا دیتا، مگر وہ کسی کو مجبور نہیں  
 کرنا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، عقل، شعور اور قوی عطا کر کے کچھ اختیارات  
 بھی دیے ہیں جن کو بروئے کار لاکر انسان اچھے یا بُرے اعمال انجام دیتا  
 ہے۔ اگرچہ خالق سب کا خدا تعالیٰ ہے مگر کاسب خود انسان ہے  
 اُسے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اچھے یا بُرے کام کرنے کی اجازت  
 ہے۔ سورۃ الکہف میں ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ آپ  
 کہہ دیں، حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے "فَمَنْ شَاءَ  
 فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ" اب یہ تمہاری مرضی ہے  
 جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ یہ اس  
 کی اپنی صوابدید پر ہے، اس پر جبر نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کوئی جو نسا  
 راستہ اختیار کر لے گا، اسی کے مطابق جزایا سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ نے  
 صاف بتلادیا "أَنَا أَعْتَدُ نَارًا لِلظَّالِمِينَ" نارا ہم نے ظالموں کے لیے  
 جہنم بھی تیار کر رکھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کسی کو اچھائی یا بُرائی پر مجبور نہیں  
 کرتا، نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر غلط راستے پر جانے سے روکتا ہے۔ فَطَرَتِ  
 اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم) اللہ نے ہر انسان  
 کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي  
 جَبْرِئِيلٍ وَشَاوِبِ الرِّجَالِ اللہ تعالیٰ نے امانت یعنی صلاحیت  
 اور استعداد ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے، کسی کو اس سے محروم  
 نہیں رکھا۔ اس امانت کی تفصیل دنیا میں آکر کتاب و سنت سے  
 معلوم کی جاسکتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس صلاحیت سے فائدہ



اٹھانے کی بجائے اسے خراب کر لینا ہے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں سخت بُرا نکلے گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ مشرکین کی یہ دلیل ناقابل قبول ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک کا ارتکاب نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شرک کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور نہ ہی انہیں جبراً اس سے روکا ہے، انہوں نے اللہ کے عطا کردہ اختیارات کو بڑھنے کا لاتے ہوئے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ جہنم کا راستہ ہے اور اپنے شرک کی پاداش میں مشرک لوگ وہیں پہنچیں گے۔

رسولوں کی  
ذمہ داری

جہاں تک اللہ کے رسولوں کی ذمہ داری ہے، فرمایا فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ان کا کام کنسول کر بیان کر دینا ہے۔ رسولوں کا کام کسی کو جبراً منوانا نہیں۔ اگر لوگ رسول کی بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں یا اس کی مخالفت پر اتر آئیں تو یہ ان کا عباد ہو گا اور مشرکین اسی بیماری میں مبتلا ہے ہیں۔ اللہ نے اپنے رسول بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر برائی سے روکنے کے سامان ہیج پہنچا دیے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی کفر اور شرک سے باز نہیں آتا بلکہ اس بات کا انتظار کر رکھا ہے کہ کوئی اس کا لہختہ پیرہن کرے، تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اُسے اس کا کردگی کا بھگتنا کرنا ہو گا۔

اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ بَدَأْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا

ہم نے ہر امت اور قوم میں اپنا رسول بھیجا جس نے ہمارا پیغام اپنی امت تک پہنچایا۔ اور وہ پیغام یہ تھا اتَّعِبُوا اللَّهَ وَاجْتَدُوا الطَّاعُونَ کو کہ عبادت صرف اللہ کی کرو اور طاقت سے بچ جاؤ۔ اللہ نے کفر و شرک سے روکنے کا یہی تو سامان پیدا کیا کہ اللہ کے ہر نبی نے اسی بات کی دعوت دی کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، کفر اور شرک مہلک بیماری ہے۔ اس سے بچ جاؤ۔ اگر

اب بھی کوئی شخص اس سے اجتناب نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے، اللہ کے نبی کا کام پہنچا دینا ہے۔ کسی کو مجبور کرنا نہیں۔ تو گویا اللہ نے قانون اور شریعت کے ذریعے لوگوں کو شرک سے منع کیا ہے کسی کی قوت سلب کر کے اُسے مجبور نہیں کیا۔

طاغوت طغیان کے مادے سے ہے جس کا معنی سرکش اور بغاوت ہے؟  
 ہوتا ہے۔ یہ لفظ شیطان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بت کیلئے بھی۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا جن باطل قوتوں کی پرورش کی جائے وہ طاغوت ہیں۔ مشہور مؤرخ ابن ہشام نے اپنی "سیرت" میں طاغوت کی تعریف یہ کی ہے **كُلُّ مَا أَضَلَّ عَنْ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتٌ** جو چیز بھی حق کے راستے سے گمراہ کرے وہ طاغوت ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث، دہلوی "طاغوت کا ترجمہ" لکھتا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر بھنگا اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلا سند سرداری کا ناحق دعویٰ کرے۔ یہ وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو حقیر لفظوں سے یاد کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو مہین کہا۔ جن کو ٹھکانے والے طاغوت کی فہرست میں آتے ہیں، ہر ظالم خواہ وہ فرعون ہو، نمرود ہو، چنگیز ہو یا ہلاکو سب طاغوت ہیں۔ اکثر و بیشتر ملوک طاغوت ہیں مارشل لاڈ کا قانون بھی طاغوتی قانون ہے۔ غرضیکہ حق سے گمراہ کرنے والا کوئی انسان ہو، بت ہو یا شیطان ہو، طاغوت کی تعریف میں آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کو پس پشت ڈال کر من مافی کرنے والی ہر شخصیت طاغوت سے تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ طاغوتوں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر ملوک آج تک من مافی کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے حق و باطل میں تمیز کرنے کی بجائے اپنی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ قوم اور ملک کی دولت کو لوٹا اور عیاشی و فحاشی پر خرچ کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے خدا کے قانون کے

اجزا اور مخلوقِ خدا کے فائدے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور یہ فلک بوس عمارتیں بنانے میں مصروف ہیں۔ قوم کو تعلیم اور خوراک کی ضرورت ہے مگر یہ قوم کا پیسہ اپنی عیاشیوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ مگر اسی عام ہے، برہمنی کی دبا چھیل رہی ہے، اہو و لعیب سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ سب طاغوتی کام ہیں جو انجام دیے جا رہے ہیں۔ ہاں ہماری تاریخ میں بعض اچھے لوگوں کا نام بھی محفوظ ہے مگر یہ خال خال لوگ ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور مخلوق کی بھلائی کا جذبہ موجزن تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔ یہاں صغیر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ، سلطان محمود، ناصر الدین التمش اور ٹیپو شہید جیسی ہستیاں ہوتی ہیں۔ بن کو لبطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاہم باقی کلام طاغوتی کی فہرست میں ہی آتے ہیں۔ کوئی بڑا طاغوت ہے اور کوئی چھوٹا اللہ نے فرمایا کہ تم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جسے لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت اور طاعت سے نپکنے کی نصیحت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَمَنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ لِنِ اَنْ يَّسَّ سے بعض کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی۔ جن میں انصاف اور حق طلبی تھی اور جو خدا اور خدا سے پاک تھے، ان کو ہدایت نصیب ہو گئی وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور ان میں سے بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ حق طلبی اور انصاف سے عاری اصدی اور عداوتی لوگ گمراہی میں غرق رہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے حَتّٰى اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ ان پر کفر کے زنگ چڑھ چکے ہیں۔ جیسے سورۃ المطفین میں موجود ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی اور وہ جہنم کا شکار بنے۔

ہدایت  
 اور  
 گمراہی

فرمایا فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ پس زمین پر چل پھر کر دیکھو تمہیں بہت  
 ہی چیز نظر آئیں گی۔ تاریخ کے اوراق اور اجڑی بستیوں کے کھنڈرات عبرت  
 کا سامان پیش کر رہے ہیں آپ کو جگہ جگہ ایسے کہنے نظر آئیں گے کہ یہاں  
 فلاں قوم آباد تھی مگر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے غضب کا نشانہ  
 ہو گئی۔ عَادِيۡوۡنَ وَاٰمُرُوتُوۡنَ اور مُؤَدِّيۡوۡنَ کی بستیاں، الطِّيۡبِيۡنَ والوں کے نشانات  
 آشوری، مصری، کلدانی اور بابلی تہذیبوں کے نشانات آپ کو دعوت دے  
 رہے ہیں کہ اَكْرٰوۡنَ وَاَنْظُرُوۡا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكٰذِبِيۡنَ اور دیکھو  
 کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں اور  
 یہ سب لِقَمۡرِۡ اٰجِلٍ بن گئے۔

النحل ۱۶

آیت ۳۷ تا ۴۰

ربما ۱۴

سورہ نهم ۹

اِنْ تَحَرَّصْ عَلَىٰ هُدٰىهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اِيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مِنْ اَمْوَاتٍ بَشَرًا مِّثْلِكَ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

۵  
ع

ترجمہ :- اگر آپ بہت خواہش کریں ان کی ہدایت کی، پس بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ان کو جن کو گمراہ کرتا ہے۔ اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار ﴿۳۷﴾ اور قسمیں اٹھائیں انہوں نے اللہ کے نام کی سچتہ قسمیں کہ نہیں اٹھائے گا اللہ ان کو جو مرچکے ہیں۔ کیوں نہیں؟ وعدہ ہے اُس کا سچا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۳۸﴾ (اٹھائے گا ان کو) تاکہ ظاہر کر دے ان کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک وہ جھوٹے تھے ﴿۳۹﴾ بیشک ہماری بات کسی چیز کے بارے میں، جب

ہم ارادہ کرتے ہیں اس کا تو کہتے ہیں اس کو ہو جائے، پس وہ ہو جاتی ہے (۴۰)

رابط آیات

مشرکین نے اپنے کفر اور شرک کے جواز میں یہ دلیل قائم کی تھی کہ اگر یہ بڑے افعال ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے روکتا کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ خیال کا رد فرمایا کہ اللہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو بڑائی سے نہیں روکتا نہ اس سے بڑائی کرنے کی طاقت ہی سلب کر لیتا ہے بلکہ اس نے بڑائی کی رکاوٹ کے لیے ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ اس نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا **اِنْ اَعْبَدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنَبُوا الطّٰغُوْتِ عِبَادَتِ صِرَاطِ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِكُرْهٍ** اور طاغوت کی پرستش سے بچ جاؤ، گویا اللہ تعالیٰ نے قانون کے ذریعے لوگوں کو شرک سے روک دیا اس کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ بعض کو تہدایت نصیب ہو گئی، انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا اور طاغوت کی پرستش سے بچ گئے۔ البتہ جس گروہ نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور کفر و شرک پراڑے ہے، ان پر کھرا ہی ثابت ہو گئی۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ذرا زمین میں چل پھر کر مشاہدہ کرو، جگہ جگہ اجڑی بستیوں کے کھنڈرات اور تاریخ کے اوراق بتائیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کفر و شرک کو ترک نہ کیا۔ ان کا کیا حشر ہوا، ان لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب آیا، ان کی بستیاں تباہ و برباد ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ وہ اس دنیا میں بھی ناکام ہوئے اور آخرت میں بھی وہ نامراد ہی رہیں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے ماننے والوں کو تسلی دی ہے کہ اگر آج آپ کے مخالفین بھی عند اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، آپ کو تکالیف پہنچا رہے ہیں، حق بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو آپ گھبرائیں نہیں۔

سے  
رومی

ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِي تَخِصُّ عَلَيَّ هَذَا هَهُوَ اَكْبَرُ  
 آپ بہت طمع کریں اس بات کا کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں، اللہ  
 کے دین کو قبول کر لیں، تو یاد رکھیں فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الَّذِي يَكْفُرْ تو بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا جن کو گمراہ کرنا ہے۔ آپ  
 کتنی بھی تمنا کریں کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں، مگر جنہیں اللہ نے اُن کی ضد  
 عناد اور مہٹ دھرمی کی بنا پر گمراہ کر دیا ہے۔ وہ راہ راست پر نہیں آ  
 سکتے، لہذا آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور لالچ  
 ہوتا ہے جو کہ اخلاقی بیماری ہے اور یہ چیز ایک نمون آدمی میں پیدا نہیں  
 ہو سکتی چہ جائیکہ یہ چیز اللہ کے نبی کی طرف منسوب کی جائے تو یہاں پر  
 حرص کا لغوی معنی سرا نہیں بلکہ اس مقام پر حرص سے مراد خواہش اور تمنا ہے  
 جو اپنی قوم کی ہدایت کے لیے نبی کے دل میں پیدا ہوتی تھی۔

اللہ کے تمام نبیوں کا یہی حال رہا ہے۔ اپنی قوم کو کفر اور شرک میں  
 غرق دیکھ کر انہیں سخت کوفت ہوتی تھی اور وہ ہر طریقے سے لوگوں کو  
 اس بیماری سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ پھر پوری کوشش کے باوجود  
 جب قوم نہیں مانتی تھی تو خود ان سے علیحدگی کا اعلان فرمادیتے تھے۔  
 سورۃ الممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں جب آپ  
 اور آپ کے سبھی بھرانے والے قوم سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اِذْ  
 قَالُوا لَقَوْمٌ لَّقَوْمِهِمْ تَرٰ اٰنِي قَوْمٌ سَعٰ كٰنُوْا  
 وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هُمْ تَمْتَمُّوْنَ  
 اور تمہارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی دیوار حائل ہو چکی  
 ہے حَتّٰی تَوَمَّنُوْا بِاللّٰهِ وَحٰدَهُ یہاں تک کہ تم اللہ وحدہ

لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ انبیاء علیہم السلام کی تمام تر خواہش اور تمنا کے باوجود  
 کہ سارے لوگ ایمان لے آئیں، اللہ نے سورۃ یوسف میں فرمایا ہے "وَمَا  
 أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ" آپ کتنی بھی خواہش  
 کریں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ہدایت سے محروم ہی رہیں  
 گے۔ آگے اللہ نے اس محرومی کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے "فَإِنَّ اللَّهَ  
 لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَافِرٌ" بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا  
 ان کو جن کو گمراہ کر دیتا ہے، اور گمراہ اسی کو کہہ تا ہے جو ضدی اور بخادی  
 ہوتا۔ اس بات کو اللہ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بیان فرمایا  
 کہ جو شخص ظلم اور فسق پر اڑا رہتا ہے۔ اس کے دل میں تعصب اور عناد  
 راسخ ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت اور استعداد  
 ہی خراب کر بیٹھتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق  
 ہی نصیب نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے دل میں ہدایت کے لیے طلب  
 پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ضرور راہ راست واضح کر دیتا  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا "وَلَكِنْ  
 كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" (النحل) بلکہ لوگ خود ہی اپنی  
 جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ گمراہ نہیں کرتا  
 بلکہ ان کی اپنی نفرت، ہٹ دھرمی، تعصب اور تکبر انہیں ہدایت  
 سے محروم رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مثال دیکھ لیں ان بد بختوں کو  
 آج تک پتہ نہیں چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں وہ  
 اپنی ضد پر اڑے بیٹھے ہیں اور حضور علیہ السلام کی رسالت سے شدید  
 ترین عداوت رکھتے ہیں۔ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں مگر اپنے آپ پر  
 حق پرستی کا لیل بگاڑ رکھا ہے، کہتے ہیں کہ ہم آسمانی کتابوں اور اللہ  
 کے رسولوں کو ماننے والے ہیں مگر نہ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم



کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ پیغمبرِ آخر الزماں پر ایمان ہے بلکہ آپ سے شدید دشمنی ہے۔ دنیا کی اڑھائی تین ارب کی آبادی عیسائیوں کی ہے۔ یہ اپنی ضد سے اس وقت تک باز نہیں آئیں گے۔ جب تک علی علیہ السلام زمین پر نازل ہو کر ان کو ختم نہیں کر دیتے۔

فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ ضد اور عناد کی بناء پر گمراہ کر دے، آپ کتنی بھی خواہش کریں، وہ راہِ راست پر نہیں آئے گا۔ آپ ان کے متعلق زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے وَمَا لَهُمْ مِنْ قِصِيٍّ اور پھر ان کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا، محاسبہ کی منزل اور جزا لے عمل کے وقت یہ لوگ بالکل اکیلے ہوں گے اور انہیں کسی طرح سے کوئی حمایت حاصل نہیں ہوگی۔

اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مضمون نے یہ مضمون قرآن پاک میں مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ جب بھی پیغمبر علیہ السلام قوم کی طرف سے دل برداشتہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام آجاتا۔ سورۃ الکہف میں جہاں اللہ نے کفار کے اس دھوکے کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھوں کو اولاد رکھتا ہے۔ وہاں فرمایا قَلْعَلَّكَ بَانِحٌ فَفَسَكَ "کیا آپ اپنا کلا کھونٹ کر ہلاک ہو جائیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے فرمایا، آپ ان کو چھوڑ دیں کہ ان کی ہٹ دھرمی میں قصور راہی کا ہے، آپ کا نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے "وَإِنَّكَ لَنْتَهْدِيَهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (الشوری) آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ ان کے سامنے راہِ راست پیش کر دیں۔ اور گذشتہ درس میں یہ بھی گزر چکا ہے "فَهَلْ عَلَّمَ الرَّسُولَ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ" رسولوں کا کام تو یہ ہے کہ وہ احکامِ الہی کھول کر بیان کر دیں، لوگوں کو آگاہ کر دیں اور انہیں ان کے بڑے انجام سے ڈرا دیں۔ لیکن کسی کو منزل

مقصود نیک پہنچا دینا نبی کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے حضرت علیؑ کا باب الوطاب جب بستر مرگ پر پڑا تھا تو حضور علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہو رہا تھا کہ آپ کا چچا ایمان سے خالی جا رہا ہے آپ نے ہر چیز کو کشش کی کہ وہ مرنے سے قبل کلمہ توحید پڑھ لے مگر اس وقت بھی اس کا بکرا اس کے اڑے آیا اور کہنے لگا کہ اگر اس وقت میں نے کلمہ پڑھ لیا تو لوگ کیا کہیں گے کہ مرنے وقت اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ گیا۔ لہذا میں اپنے بڑوں کے دین پر ہی مروں گا حضور علیہ السلام کی اس انتہائی خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

”اِنَّكَ لَا تَقْدِرُ مَنْ اَجَبْتُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ  
مَنْ يَشَاءُ“ نبی! آپ کسی کو اپنی خواہش پر ہدایت نہیں دے سکتے، ہدایت تو اسے ہی  
مجھے اللہ منزل مقسود تک پہنچاتا چاہے ”وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ“  
(القصاص) اور یہ اسی کے علم میں ہے کہ ہدایت کی استعداد رکھنے والے  
کون ہیں تو آیت زہر درس میں حضور علیہ السلام کے لیے تلی کا مضمون ہے  
کہ نبی مومن، یا مبلغ کا کام تو پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ وہ لوگوں کو راہ راست پر  
لانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ کسی کے  
انجام کے متعلق ان سے نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ اللہ خود ان سے پڑ  
لے گا اور خود پوچھے گا کہ اس نے صحیح راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ ہاں  
اگر اللہ کا نبی یا دوسرا مبلغ دین کو پہنچانے میں کوشش نہیں کرے گا تو پھر  
ذمہ دار ہوگا اور ناخوذ ہوگا۔

اس آیت کے یہ میں آمدہ لفظ حرص قابل توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے  
عرض کیا۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور لانگ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے  
کہ فلاں چیز ہمارے پاس آجائے اور ہم زیادہ صاحب مال و آسائش بن  
جائیں، خواہ دوسرے حقدار اس سے محروم ہی رہ جائیں۔ ان معانی میں بحل

اچھی اور  
بری حرص

کی طرح فرض بھی نہایت ہی قبیح چیز ہے، تاہم اس مقام پر حرص کا لفظ ان معانی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس سے مراد خواہش اور تمنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خواہش معیوب نہیں اور اگر یہ سچی کے کام کے لیے ہو تو اچھی چیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ ادا ہو رہی تھی۔ جب حضور علیہ السلام رکوع میں تھے تو ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا اور پھر اسی حالت میں گھسٹتا ہوا جماعت کے ساتھ مل گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا رکوع جماعت سے نہ رہ جائے۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا **إِنَّكَ اللَّهُ حَرَصًا وَلَا تَعُدُّ الشَّرَّ تَسْرِي** اس حرص کو زیادہ کرے، مگر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا، پہلے صف میں شریک ہو جاؤ، پھر تکبیر کو اور پھر رکوع میں جاؤ۔ جماعت کے ساتھ جتنا حصہ مل جائے شامل ہو جاؤ اور باقی نماز بعد میں ادا کر لو۔ شریعت نے دو رکعت نماز میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی طبعی چال سے چل کر آؤ، اور جتنا حصہ ملے حاصل کر لو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ لوگوں کی ہدایت کے لیے کتنی بھی تمنا کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارا ہونے والوں کو ہدایت سے نہیں لواتا۔

بعث بعد الموت کا انکار

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے تعصب کی ایک مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ **وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ يَوْمَ رَبِّهِمْ** اللہ کے نام کی سخت قسمیں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں **لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ** کہ جو مر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ کہتے ہیں یہ مسلمانوں کے ڈھکوسلے ہیں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور حساب کتاب ہوگا، یہ سب جھوٹ ہے۔ اس کی شان نزول میں امام ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان نے کسی مشرک سے قرض لینا تھا، وہ اس کے ہاں

پہنچا تو باتوں باتوں میں قیامت کا ذکر بھی آگیا، اس پر شرک قسمیں اٹھا کر کہتے  
 لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان سر کر مٹی ہو جائے اور پھر دوبارہ زندہ ہو  
 جائے، یہ ناممکن ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ اللہ نے  
 ایسے ہی لوگوں کی تردید میں فرمایا کیوں نہیں۔ یہ حروفِ ایجاب ہے  
 اور مطلب یہ ہے کہ اللہ ضرور مرنے کے بعد اٹھائے گا وَعَدًّا عَلَیْهِ حَقًّا وَعَدُّ  
 ہے اسکا سچا یکر بات یہ ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ کہ اکثر لوگ  
 بے علم اور بے سمجھ ہیں جسکی وجہ بخت بعد الموت کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ  
 عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جب تک انسان مرنے کے بعد  
 دوبارہ زندہ نہ ہو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی ہر  
 حکومت مجرموں کو سزا دیتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ملک میں اندھیر بگڑی  
 مچ جائے اور جس کی لامٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہو جائے۔ اس کے باوجود ہم  
 دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بعض لوگ جرم کا ارتکاب کرنے کے باوجود کسی  
 نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو کسی انفرادی ملک یا  
 حکومت کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر پوری کائنات پر تمام عارضی حکومتوں  
 کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک حکومت بھی ہے۔ دنیا کی کسی حکومت کا مجرم لاچار  
 اللہ تعالیٰ کی حکومت کا مجرم ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس دنیا کی کسی حکومت  
 یا کسی عدالت کی آنکھوں میں دھول ڈال کر یا سفارش اور رشوت کی بنا پر سزا  
 سے بچ سکتا ہے، مگر اللہ احکم الحاکمین کی عدالت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔  
 ایک دن آنے والا ہے جس دن اس کا بھی میزانِ عدل قائم ہوگا، اور  
 اس عدالت میں کسی جرم کی پردہ پوشی نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے تو اللہ  
 نے اس دن کا نام یوم الدین رکھا ہے اس دن ہر ایک کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا  
 جائیگا۔ نہ کوئی نیکی کو تیرا محروم رہے گا اور نہ کوئی مجرم بچ سکے گا اس دن ہر ایک کی  
 پوری پوری داری ہوگی اور ہر ایک کو اسکا حق دلا جائیگا، لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک

ایسا دن مقرر کرے جب سب کو اپنے دربار میں حاضر کر کے ہر ایک کے ساتھ انصاف کرے۔ تو اس کام کو پاپیٹھیل تک پہنچانے کے لیے بعثت بعد الموت ضروری ہے، جس کا اللہ نے وعدہ بھی کر رکھا ہے۔

قیامت  
کی ضرورت

فرمایا وقوع قیامت اور بعثت بعد الموت اس لیے بھی ضروری ہے

لَيَسْئَلُنَّ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَئِن لَّا فَتَنَّا لَهُم مَّا قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ

وہ لوگ اسی بات میں اختلاف کرتے تھے اور قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، اللہ کا نبی سچ نہیں کہتا اور ہمارے محبوب بالکل برحق ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے تنازعہ مسائل کو حل کرنے اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کے لیے وقوع قیامت ضروری ہے۔ پھر فرمایا

قیامت کا آنا اس لیے بھی ضروری ہے وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ کافر جان لیں، ان پر واضح ہو جائے أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ کہ وہ جھوٹے تھے۔ قیامت برپا کر کے اللہ تعالیٰ عملی طور پر ثابت کر دیگا کہ کافر جھوٹے ہیں جو قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ التغابن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کافر لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے

اپنے پیغمبر کو فرمایا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّيَ آپ کہہ دیں میرے رب کی قسم كَلْبَعُونَ تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے لَقَدْ كُنْتُمْ يَوْمًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ پھر تمہیں بتلا دیا جائے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

اس وقت ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائیگا وگرنہ عقل کی بات یہ ہے کہ انصاف کا ایک دن ہونا چاہیے جب ہر ایک کو پورا پورا انصاف بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ انسان مجھے جھٹلاتا ہے اور گالی دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ بات ہرگز

مناسب نہیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ کہ گالی دینا یوں ہے کہ وہ کہتا ہے ”قَالَ لَوْلَا  
 اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا“ (الکہف) یعنی اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ  
 کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ مجازی، وہ تو کہتا ہے اَنَا الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ  
 کہ میں یگانہ اور بے نیاز ہوں، میری نہ بیوی ہے اور نہ بچے۔ جہاں تک  
 عقل کا تعلق ہے، یہ بھی دوبارہ اٹھائے جانے کو تسلیم کرتی ہے یہ کیسے  
 ہو سکتا ہے کہ انسان کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو آسان ہو مگر دوسری دفعہ پیدا  
 کرنا مشکل ہو جائے۔ عقلی انداز سے دیکھا جائے تو پہلی پیدائش زیادہ مشکل  
 تھی جب کہ نہ کوئی مادہ تھا، نہ نمونہ اور نہ آلہ۔ جب ایک دفعہ تخلیق معرض ہو  
 میں آگئی تو اب اس کا اعادہ کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات  
 اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا اس طرح ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ دوبارہ نہیں اٹھایا  
 حالانکہ میرا یہ بچا وعدہ ہے کہ سب کو دو بارہ اٹھاؤں گا اور پھر حساب کتاب  
 کی منزل بھی آئے گی۔

فرمایا اِنَّمَا قَوْلُكَ لِشَيْءٍ بِشَاكٍ کسی چیز کے متعلق ہماری  
 بات بالکل فیصلہ کن اور اٹل ہوتی ہے۔ اِذَا ارَادَ نَلَهُ جب ہم  
 کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں نہ کسی وقت کی ضرورت ہوتی  
 ہے اور نہ مانسے اور آئے کی، بلکہ جب بھی ہماری مشیت ہوتی ہے  
 اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ تو ہم اس چیز کو کہتے ہیں، ہو جاؤ فَنِيكُونُ  
 پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ ہم کسی بھی کام کو کہہ گزرنے پر قادر ہیں اور  
 ایسا کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ جس طرح ہم ہر  
 چیز کو کہہ گزرنے پر قادر ہیں، اسی طرح قیامت برپا کرنے  
 اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہیں، ہمیں کسی قسم کی  
 رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے قیامت  
 بھی برپا کرے گا اور لوگوں کو زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا بھی

بدا کا اٹل  
 بیصلہ

کرتے گا۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ  
 زندہ نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان پر ہر چیز ظاہر کرے گا، اور پھر  
 ان کا جھوٹ کھل جائے گا۔

---

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا  
لَسَوْنَّهَمُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَلَا جَزَاءُ الْآخِرَةِ  
أَكْبَرَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا  
وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ  
قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَأَلُوا أَهْلَ  
الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾  
بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۖ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ  
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ:- اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے واسطے  
بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، البتہ ہم ضرور ان کو ٹھکانا دیں گے  
دنیا میں اچھا۔ اور البتہ آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ  
جانیں ﴿۴۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر  
بھروسہ کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے  
مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے تھے ان کی طرف، پس پوچھو یاد  
رکھنے والے لوگوں سے اگر تم نہیں جانتے ﴿۴۳﴾ (ہم نے بھیجا  
ان کو) کھلی نشانوں اور صحیفوں کے ساتھ۔ اور اتارا آپ  
کی طرف ذکر تاکہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے لیے وہ



چیز جو اتاری گئی ہے ان کی طرف، اور تاکہ وہ لوگ  
غور و فکر کریں (۴۷)

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس باطل عقیدے  
کا رد فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے یعنی وہ ہمیں زبردستی شرک سے روک  
دیتا، اور اگر نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی پسند کا کام کر رہے  
ہیں۔ پھر اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجنے کا ذکر کیا، جنہوں نے لوگوں کو حکم  
دیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت کی پرستش سے اجتناب  
کریں۔ اس کے بعد اللہ نے نافرمانوں کے انجام کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا  
کہ زمین میں چل پھر کہہ دیجھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کتنا عبرتناک انجام ہوا۔

پھر گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون  
بیان فرمایا اور آپ کو خطاب کیا کہ آپ کی شہید خواہش کے باوجود یہ لوگ  
ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی لوگ ہیں جو قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ نہ قیامت  
آئے گی اور نہ مرے دوبارہ زندہ ہوں گے، حالانکہ وقوع قیامت اور  
جرائے عمل برحق ہے۔ قیامت والے دن کافر جان لیں گے کہ وہ اپنے  
دعوتے میں جھوٹے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر بھی کیا کہ  
وہ جب چاہے کسی چیز کو ہوجانے کا حکم دے تو وہ فوراً ہوجاتی ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر کر کے ان  
کے اجرِ عظیم کی بات کی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جن اہل ایمان نے ابتدائی  
دور میں تکالیف اٹھائی تھیں اور پھر ہجرت کی تھی، اللہ نے ان کی تعریف  
فرمائی ہے۔ دنیا میں ان کو اچھا ٹھکانا اور آخرت میں بہتر اجر و ثواب عطا  
کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

دعا کریں  
کی حوصلہ افزائی

ارشاد ہوتا ہے **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ** وہ لوگ  
جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی، یعنی انہوں نے اپنا گھر بار اور

ہر چیز کسی مالی مفاد یا دیگر مقصد کے حصول کے لیے نہیں بلکہ دین پر عملدراہ کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے چھوڑی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کرنا مسلمانوں پر فرض تھا۔ اس دور میں مکہ کے اندر اہل ایمان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے جا رہے تھے۔ اپنے دینی شعائر پر کھلے عام حمل درآمد کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لہذا ان حالات میں ان کا مکہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں نے دوسری ہجرت کی، ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ حبشہ کی طرف یکے بعد دیگرے درجاعتیں گئیں، ایک چھوٹی ٹھکانی اور ایک بڑی۔ پھر جب خود حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہنچ گئے تو حبشہ جانے والے لوگ بھی مدینہ آ گئے۔ بعض لوگ کم و بیش چودہ سال تک حبشہ میں مقیم رہے اور جب مدینہ میں مسلمانوں کے پاؤں جم گئے، بدر، احد اور احزاب کے واقعات ہو چکے بلکہ بعض تو خیر کی لڑائی کے موقع پر حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دیکھو! ظاہری ہجرت تو یہ ہے کہ اتان اپنا وطن، گھر بار، کاروبار چھوڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے مگر ہجرت کا ایک باطنی پہلو بھی ہے۔ فرمایا **السَّلَامُ مَنْ هَجَرَ مَا كَفَى اللَّهُ عَنْهُ** مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور ہماجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی تعریف بھی فرمائی۔ فرمایا ایمان کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر کی تصدیق کرے۔ اور حقیقی مومن وہ ہے **مَنْ آمَنَ بِوَأَيْقَاهُ جَارُهُ** جو اپنے پڑوسی کو امن و امان میں رکھتا ہے

ہجرت کے  
سبع  
عالی

اور اُسے تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح جہاد کا باطنی معنی یہ بیان کیا وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد حقیقت میں وہ ہے جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا۔ وہ اپنے نفس پر اس طرح کنٹرول کرتا ہے کہ اُس پر شیطان کے وساوس اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ بہر حال حضور نے مہاجر کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی کہ جو شخص اللہ کی ممنوعہ چیزوں کے قریب نہیں جاتا، وہی حقیقی مہاجر ہے۔

ہجرت کی  
اقسام اور  
مسائل

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ہجرت کی بہت سی اقسام بتائی ہیں۔ پہلی قسم ایسے ایمان اور جان و مال کی حفاظت سے متعلق ہے اور اس کی آگے چھ قسمیں ہیں۔ مثلاً انسان کسی ایسے دارالکفر میں رہتا ہے۔ جہاں دینی فرائض ادا کرنے پر پابندی ہو تو ایسی صورت میں ہجرت کہنا فرض ہو جاتا ہے تاکہ وہ دارالاسلام میں پہنچ کر اپنے دینی فرائض کی کما حقہ ادائیگی کر سکے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دارالبدعت سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی جگہ مقیم ہے جہاں اہل بدعت کا غلبہ ہے یا صحابہ کو سب و شتم کیا جاتا ہے تو ایک بچے کو من کے لیے وہاں رہنا درست نہیں بلکہ وہاں سے نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ طلبِ رزق حلال بھی فرائض میں داخل ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی مقام پر رزق حلال میسر آنے کی کوئی صورت نہیں تو اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے۔ جہاں سے حلال رزق میسر آسکتا ہے۔ بعض اوقات جسمانی اذیت سے بچاؤ کے لیے بھی ہجرت کہنا ضروری

ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے۔ کفار ان کے جانی دشمن بن چکے تھے، لہذا انہیں کہنا پڑا اِنَّكَ صَاحِبُ جَنَّةٍ اِلٰی رَجَّتِ (العنکبوت) کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر کے نکلنے والا ہوں۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوا کہ فرعون نے انہیں قتل کرنا چاہتا ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ (التقصص) تو آپ

وحشت کی حالت میں وہاں سے نکل گئے۔  
 بعض اوقات آب و ہوا کی ناموافقیت کی وجہ سے امراض لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ترک وطن جائز ہوتا ہے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے برینہ پہنچے تو بعض لوگوں کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہونے لگے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو فلاں دیہات میں چلے جانا چاہیے، جہاں کی آب و ہوا ان کے لیے نسبتاً بہتر ہے اور وہاں انہیں اونٹوں کا دودھ بھی میسر ہو گا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چوری، ڈنکے وغیرہ کا مشغل خطرہ ہو اور حفاظت مال کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ تو ایسی جگہ سے دارالامن کی طرف ہجرت کر جانا جائز ہے۔

یہ تو حفاظتی نقطہ نظر سے ہجرت کی اقامت تھیں مفسرین کہہ ام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات طلب اور جستجو کے لیے بھی ہجرت کرنا پڑتی ہے۔  
 خدا تعالیٰ کا فرمان ہے "فَبَيِّنُوا فِي الْأَرْضِ مَا نَظَرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ" (الخل) زمین میں چل پھر کر آثار قدیمہ کو دیکھو اور غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تو اس حکم کی تعمیل میں ہجرت حاصل کرنے کے لیے نکلنا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح اذان ریح اور عمرے کے لیے نکلنا ہے، یہ فرض اور واجب ہیں داخل ہے جہاد کے لیے ترک وطن فرض ہے۔ بعض اوقات یہ واجب ہونا ہے اور بعض اوقات مستحب۔ تبلیغ بھی جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہ سفر بھی حالات کے مطابق کبھی فرض عین، کبھی فرض کفایہ، کبھی واجب اور کبھی مستحب ہوتا ہے۔ اسی طرح تجارت کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ سورۃ بقرہ میں "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ تِجَارَةٍ تَمَّ بِكُمْ" تم پر کوئی

گناہ نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ بعض اوقات حصول علم کے لیے ہجرت کرنا فرض عین ہوتا ہے اور بعض اوقات فرض کفایہ۔ علاوہ ازیں متبرک مقامات منجملہ بیت اللہ شریف، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا کہ وہاں پر عبادت کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، یہ بھی ہجرت میں داخل ہے پھر سرحدوں کی حفاظت یعنی رباط کے لیے ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ یہ بھی بعض اوقات فرض عین اور بعض اوقات فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دوست احباب یا عزیز واقارب کی ملاقات کے لیے وطن چھوڑ کر جانا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔

مہاجرین  
کے لیے  
احمد

فرمایا جنہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی صِفَ الْكَفِّدِ مَا ظَلَمُوا بعد اس کے ان پر ظلم کیا گیا۔ تو ایسے لوگوں کا صلہ یہ ہوگا لَسَوْنَهُمْ فِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ کہ انہیں ہم دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔ چنانچہ جب مسلمان بے حد تکالیف برداشت کرنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اچھا ٹھکانا عطا کیا۔ اور قبیلہ عرسہ میں انہیں ہر چیز عطا کر دی، حکومت بھی دی، مال و دولت سے بھی نوازا، مکانات اور کاروبار عطا کیے، عزت بخشی، حتیٰ کہ مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا اور اس طرح مہاجرین کے نقصان اور ان کی جانی اور ذہنی تکالیف کا ازالہ ہو گیا۔

فرمایا، یہ تو دنیا میں عطا کیا، وَلَا جِرَ الْآخِرَةَ أَكْبَرُ اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت بڑا ہے جو آگے چل کر حاصل ہوگا اور جس کے مقابلے میں پوری دنیا کا ساز و سامان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بہر حال سننایا کہ ہجرت کی تکالیف برداشت کرنے والوں کو اللہ اچھا بدلہ عطا فرمائے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اس کی تکالیف و مصائب کا ازالہ اس دنیا میں ضرور ہی کر دیا جائے۔ اس بات میں شک نہیں کہ ہجرت کے بعد

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجموعی حیثیت سے بہت کچھ دیا۔ مگر ایسے مسلمان بھی تھے جو ہجرت کے بعد بے سر و سامانی کی حالت میں ہی اس دنیا سے جلدی رخصت ہو گئے اور انہوں نے خوشحالی کا دور نہ دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد جو لوگ لمبی مدت تک زندہ رہے انہوں نے بڑے فائدے اٹھائے مگر بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کے غیلے کا پورا پھل نہ کھا سکے اور جلدی ہی اللہ کے پیارے ہو گئے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے کہ جن کا پھل دنیا میں بھی پک چکا تھا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اسی لیے مہاجرین کے متعلق حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئیں تو وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی موت کا وقت وہیں آجائے اور ان کی ہجرت نامکمل رہ جائے۔ ایک صحابی قیام مکہ کے دوران اونٹنی سے گمراہ ہو گیا، تو حضور علیہ السلام نے بڑے افسوس کا اظہار کیا، اور دعا کی کہ اے اللہ! میرے جن صحابہ نے ہجرت کی ہے، ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو جائے۔ مکے کی سر زمین میں فوت ہو کر دفن ہونا اگرچہ نیرت کے اعتبار سے نہ بھی ہو، مگر پھر بھی ان کے اجر و ثواب میں کمی کا امکان تو ہے۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

إِنَّ شَانَ الْهَاجِرَةِ كَبِيْرٌ هِجْرَتِ كَمَا مَعَالِمُهُ بَدَلْتُهُ لَمْ يَكُنْ يَسِيْرٌ  
 نے جتنی زیادہ مکالیف برداشت کیں، اس کے لیے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ہے۔ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ہجرت کے بعد کسی مہاجر کی موت مدینے کی بجائے مکہ میں ہو۔ فرمایا آخرت کا اجر تو بہت زیادہ ہے لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو۔

فرمایا، یہ اجر مہاجرین کے لیے ہے الَّذِينَ صَبَرُوا

جنہوں نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور زبان پر صرف شکایت نہ لائے۔ حضرت صہیبؓ ہجرت کر کے مدینہ جانا چاہتے تھے مگر کافران کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور انہیں مکہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ پھر آپ نے کافروں سے سووے بازی کی اور اپنا سارے کا سارا اثاثہ ان کے سپرد کر کے بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ صہیبؓ نے سب کچھ لٹا کر بھی بڑا نفع کما یا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ صہیبؓ وہ شخص ہے لَوْ كُمْ يَخْفَ اللَّهُ لَكُمْ يَعْصُونَ یعنی اگر اسے اللہ کا خوف نہ بھی ہوتا، تب بھی وہ نافرمانی نہ کرتا، حضرت صہیبؓ اتنے پاکیزہ دل انسان تھے۔ بہر حال مہاجرین نے کفار کے ہاتھوں بڑے دکھ سے بعض کے بچے رکھ لیے گئے اور بعض کی بیویوں کو روک لیا گیا، مگر اسلام کے ان شہداء نے ہر قسم کی مالی، جسمانی اور ذہنی تکلیف برداشت کیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہجرت کی اور پھر ان تکلیف پر صبر کیا۔ فرمایا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ انہوں نے صبر و سہمی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی کیا۔ اگر اللہ پر بھروسہ نہ ہوتا تو اتنی تکلیف کیسے برداشت کر سکتے۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی قدر دانی کی اور انعامات سے نوازا۔

رسول مژ  
ہوتے  
ہیں

گذشتہ رکوع میں گنہگاروں نے کہا "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا لِيُعَلِّمُوا" ہم نے ہر امت میں ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو ہماری توحید کی دعوت دے۔ اب آج کی اگلی آیت میں رسول کی ایک خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول صرف مرد ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے کسی عورت کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے وَصَلَّىٰ

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا هُمْ نَسِبُ  
 نہیں بھیجا مگر مردوں کو یعنی منصب رسالت کے لیے اللہ نے ہمیشہ  
 مردوں ہی کا انتخاب کیا ہے۔ اگرچہ بعض عورتوں کو بھی اللہ نے بڑی  
 فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کا ذکر قرآن پاک میں بھی کیا ہے جیسے  
 حضرت مریم علیہا السلام اور فرعون کی بیوی امکنہ اللہ نے منصب رسالت  
 و نبوت کسی عورت کو عطا نہیں فرمایا۔ تو مردوں کو رسول بنایا اور ساتھ  
 تَوْحَىٰ اِلَيْهِمْ اَنْ كِي طَرَفٍ وَحَىٰ بَعْضِي كِي۔ اور وحی کا تذکرہ بھی گذشتہ  
 رکوع میں ہو چکا ہے کہ ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو یہی دعوت دی  
 "اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ" لوگو! عبادت  
 اللہ کی کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ۔ نبی ہمیشہ توحید کی دعوت اور شرک  
 سے منع کرتے رہے ہیں اور اسی بات کا تذکرہ اللہ نے یہاں اجمالاً کیا ہے  
 آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے فرمایا کہ بعثت رسل میں اگر تمہیں  
 کچھ شک و تردید سے یا ان کی تعلیمات کے متعلق تلی کرنا چاہو۔  
 فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ لَوْ يَدْرِكُهُنَّ وَالرَّسُلُ مِنْ اَنْ  
 كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم خود نہیں جانتے۔ مطلب یہ کہ  
 انبیاء کی تاریخ تم نہیں جانتے تو ان صاحب علم لوگوں سے دریافت  
 کر لو جن کو انبیاء کے واقعات یاد ہیں۔ اہل کتاب اور بعض دوسرے  
 لوگوں میں بھی بعض اہل علم ہمیشہ رہے ہیں جو اخبارِ ماضیہ کا علم رکھتے تھے  
 وہ سابقہ امتوں اور ان کے انبیاء کے حالات و واقعات سے واقف  
 ہوتے تھے، لہذا فرمایا کہ ہماری بات کی تصدیق تم ایسے لوگوں سے  
 کر سکتے ہو، جو تمہیں بتائیں گے کہ واقعی اللہ نے ہر امت، گروہ اور  
 قوم میں انبیاء و بعوث فرمائے جنہوں نے اپنی اپنی اقوام کو اللہ کی طرف  
 دعوت دی اور کفر و شرک سے منع کیا۔



تقلید کی  
ضرورت

اس حصہ آیت سے مفسرین نے یہ بات بھی انڈ کی ہے کہ اس آخری  
امت میں مسائل دینیہ سے ناواقف لوگوں کو اہل علم کی طرف رجوع کرنا  
چاہیئے اور ان سے مسئلہ پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ تقلید اسی  
بات کا نام ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کر کے  
عمل پیرا ہوں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اہل علم پر کمال اعتماد کر کے  
ان کی بات کو بلا دلیل تسلیم کر لیا جائے۔ جو چیزیں قرآن و سنت میں صراحتاً  
مذکور ہیں ان پر تو سن و عن عمل کرنا ہی ضروری ہے اور دلائل کسی تقلید کی  
ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ جن مسائل کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت  
موجود نہ ہو، ان کو معلوم کرنا ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ وہ تو مجتہد حضرات ہی  
کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے غیر معمولی استعداد اور صلاحیت عطا فرمائی  
ہے اسی طرح بعض چیزوں میں تعارض پایا جاتا ہے اور اس کو دور کرنا  
بھی ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ یہ بھی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔ عرضیکہ ایسے  
مسائل میں کسی مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہی تقلید کہلاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ  
محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے اس قسم کی تقلید و رجوع کا درجہ  
رکھتی ہے کیونکہ وہ خود ایسے مسائل کے حل کی استعداد نہیں رکھتے اور  
بعض اوقات بڑے بڑے صاحب علم لوگ بھی بعض مسائل کے حل کرنے  
میں عاجز آجاتے ہیں۔ وہ کسی تعارض کو دور نہیں کر سکتے یا کسی مسئلے میں  
استنباط سے عاجز آجاتے ہیں۔ مثلاً امام رازی، امام غزالی، امام شاہ ولی اللہ  
وغیر ہم قرآن و سنت کو بخوبی جاننے کے باوجود فروعات میں ائمہ اربعہ  
میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ کہتے تھے کہ ہم بھی قرآن و سنت  
کو جانتے ہیں مگر جو کچھ ائمہ سلف جانتے تھے، ہماری رسائی و طمان تک  
نہیں ہے۔ اور جن طرح وہ اجتہاد کر سکتے تھے، ہماری وہ طاقت  
نہیں۔ چنانچہ یہ بزرگ بھی ائمہ سلف پر اعتماد کرتے تھے۔ امام شاہ ولی اللہ

حنفی مسلک رکھتے تھے۔ جب کہ امام رازی اور امام غزالی شافعی تھے اسی طرح امام ابن تیمیہ حافظ الحدیث ہونے کے باوجود امام احمد کے مقلد تھے۔ غرضیکہ یہ تقلید بری نہیں ہے بلکہ جس اندھی تقلید کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے، وہ منکر کا نہ تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے خلاف ہو اور مقلد بن محض آباؤ اجداد کی رسم کے طور پر اسے سینے سے لگائے ہوئے ہوں اور اس کے مقابلے میں صریح حکم بھی ٹھکرا دیں۔ ایسی تقلید حرام ہے۔

اس وقت جو فقہی اختلاف حنفی، مالکی، شافعی، ظاہری وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ فرقہ واریت کی زد میں آتے ہیں۔ یہ تو محض فہم و دلیل کی بات ہوتی ہے جسے مناظرہ تم کے لوگ خواہ مخواہ طول دیکر ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ فروعی اختلاف کی مثال حرمت سود کے متعلق دی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سود کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے مگر حضور علیہ السلام نے اس ضمن میں صرف چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی کوئی چیز سود میں آتی ہے یا نہیں۔ پھر اگر حرام اس بات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ سود کی حرمت مذکورہ چھ چیزوں کی ذات تک محدود ہے یا یہ حرمت ان میں موجود کسی علت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اب اگر وجہ حرمت علت ہے تو اس کی تلاش کی جائیگی۔ اب علت کی جستجو میں چاروں آئمہ کا آپس میں اختلاف ہے، کسی نے کسی چیز کو علت قرار دیا ہے اور کسی نے کسی چیز کو، مگر سود کی حرمت کے متعلق سادہ منتفق ہیں اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ سود کیوں حرام ہے اور ایسا اختلاف ہرگز معیوب نہیں۔ اس معاملہ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج نہیں بونا چاہیے۔ کوئی

فقہی اختلاف  
کی حیثیت

شخص اپنے مسلک کو بیشک ترجیح دے مگر دوسرے کو غلط نہ کہے اور نہ ہمارے دور کی طرح پہلے مناظرہ بازی اور پھر فتویٰ بازی کرے۔ جب کسی معاملہ میں اجتہاد کیا جائے گا تو وہاں اختلاف کا پیدا ہونا فطری بات ہے، تاہم علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک امام کا اتباع کر لیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بیماری کی حالت میں کوئی مریض شہر کے مختلف ڈاکٹروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیتا ہے کہ وہ اس کا بہتر طور پر علاج کر سکتا ہے۔ اگرچہ شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر اسباب کی دنیا میں طبیب کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ اب اگر کوئی مریض ایک ڈاکٹر پر قناعت کرنے کی بجائے وقفہ وقفہ سے مختلف ڈاکٹروں سے علاج کر لے گا۔ تو اس سے مرض پر منفی اثرات پڑنے کا بھی خطرہ ہوگا، لہذا مریض کو کسی ایک ڈاکٹر پر ہی اکتفا کرنا بہتر ہوگا۔ بالکل ہی حال تقلید کا ہے کہ کسی ایک امام کے انتخاب پر قانع ہو جائے اور پھر فروعیات میں اس کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے۔

فرمایا، ہم نے آپ سے پہلے بھی سردوں کو رسول بنا کر چھجا یا البینت کھلی نشانوں کے ساتھ یعنی ہم نے ان رسولوں کو احکام اور معجزات عطا فرمائے والتبر اور صحیفے یعنی چھوٹی کتابیں بھی عطا فرمائیں۔ صحیفہ چھوٹی کتاب کو کہا جاتا ہے تاہم اللہ نے چار بڑی کتابیں بھی اپنے منتخب رسولوں کو عطا کیں اور پھر سب سے آخر میں وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ اے نبی آخر الزمان! آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا۔ ذکر کا معنی نصیحت ہے اور یہ قرآن پاک کا ایک نام بھی ہے۔ ظاہر ہے قرآن پاک سے بڑھ کر کون سی نصیحت ہو سکتی ہے تو فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک کو نازل فرمایا لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمْ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ چیز بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ نبی کی زبان سے قرآن پاک کی

تبیین و تشریح بھی ضروری ہے۔

اس امتِ آخر الزمان کے لیے قرآنِ کریم کو اساسی قانون کی حیثیت حاصل ہے جب کہ سنت اس کی تبیین ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان اور اس کے عمل سے جس چیز کو ظاہر کیا ہے، وہ سنت ہے بعض افراد فرتے نبی کو محض ڈاکے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے کہ نبی اللہ کا پیغام پہنچا کر پھر لا تعلق ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ قرآن کی تشریح و تبیین بھی نبی کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: پس صحیح حدیث شرح ہے قرآن کی، امام شافعیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح حدیث قرآن کی شرح ہیں، البتہ غلط اور مصنوع احادیث ناقابلِ عمل ہیں جنہیں محدثین عظام نے چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرا مسلک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تشریح کے لیے میں سب سے پہلے قرآن کو دیکھتا ہوں کیونکہ بعض چیزوں کی تشریح خود قرآن پاک کرتا ہے۔ اگر ایک مقام پر کسی بات میں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل مل جاتی ہے۔ اگر کوئی چیز قرآن پاک سے نہ ملے تو پھر میں سنتِ نابتہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہاں سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہاں بھی کوئی چیز ثابت نہ ہو تو پھر صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھتا ہوں کیونکہ قرآن کے اولین متعلمین اور عاملین علیہم یہی لوگ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، تو میں اس کو اختیار کر لیتا ہوں اور اگر ان میں اختلاف ہو تو پھر میں از خود ترجیح دیتا ہوں، اور زیادہ راجح چیز کو اپنا لیتا ہوں۔ یہ تین چیزیں مسلم الاصول ہیں۔ صحابہؓ کے بعد ہم کسی کی پروا نہیں کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں کہ اسی میں خیریت ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بھی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں: فَالْمُسْتَدَلُّ بِالْقُرْآنِ وَتَبْيِينِهِ، یعنی سنت ہی قرآن کی تفسیر کرتی ہے اور اس کو

بیان کرتی ہے۔ جو لوگ سنت کا انکار کرتے ہیں، وہ قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ ان کا انکار سنت محض اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ قرآن پاک کی من مانی تفسیر کر سکیں۔ چنانچہ پروردگار کہتا ہے کہ جو نماز ہم ادا کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو۔ اس کے مطابق جب پرویز یوں کی حکومت قائم ہوگی اور پھر وہ نماز کا طریقہ وضع کریں گے تو اس کے مطابق نماز درست ہوگی۔ ہماری موجودہ نماز بیکار محض ہے (نعمت باللہ) حالانکہ تمام سلف و صالحین آئمہ کرام اہل زکات دین، محدثین، مفسرین وغیرہم اسی نماز پر اتفاق کرتے اور پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ نماز اسلام کے فرائض اربعہ میں سے اہم فرض ہے جس کے ارکان میں کسی کو اختلاف نہیں مگر سنکرین سنت کے نزدیک یہ نماز ایک رسم سے زیادہ کچھ نہیں۔

فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک نازل فرما کر آپ کو تشریح کا حکم بھی دیا ہے۔ اب یہ لوگوں کا فرض ہے وَكَلَّمَكَ بِمَنْ تَقُولُ کہ اس کلام الہی میں غور و فکر کریں کہ جن احکام الہی کی اللہ کے نبی نے تفصیل بیان کر دی ہے، اس پر کس طریقے سے عمل کرنا ہے قرآن میں غور و فکر کی دعوت خود قرآن پاک نے متعدد مقامات پر دی ہے، اب یہ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر کس حد تک عمل درآمد کرتے ہیں۔

النحل ۱۶

آیت ۴۵-۵۰

ربما ۱۲

درس یازم ۱۱

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ  
 بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ  
 لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلِبِهِمْ  
 فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى  
 تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ  
 يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُا  
 ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ  
 وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
 وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ  
 لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ  
 وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ-۱۔ کیا بڑھ ہو گئے ہیں وہ لوگ جنوں نے کمانی ہیں برائی

کہ اللہ تعالیٰ دھنا سے ان کو زمین میں . یا اُن کے پاس

عذاب جہاں سے ان کو پتہ بھی نہ ہو ﴿۴۵﴾ یا پھڑپھڑے اُن کو

چلنے پھرنے میں . پس نہیں وہ عاجز کرنے والے ﴿۴۶﴾ یا پھڑ

اُن کو خوف کے بعد پن بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت

نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۴۷﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں

دیکھا کہ اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کا سایہ ڈھلتا ہے (مائل ہوتا ہے) دائیں طرف اور بائیں طرف سجدہ کرتے ہوئے اللہ کے سامنے، اور وہ عاجز ہوتے ہیں (۴۸) اور اللہ ہی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں جاندار اور فرشتے، اور وہ تکبر نہیں کرتے (۴۹) خوف کھاتے ہیں اپنے پروردگار کا اوپر سے، اور کرتے ہیں وہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے (۵۰)

ربط آیات

گذشتہ سے پورے درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا اور پھر گذشتہ درس میں ان مومن مہاجرین کی حوصلہ افزائی فرمائی جن پر بڑے مظالم ڈھائے گئے مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر کے دامن کو نہ چھوڑا۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا میسر آئے گا اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسالت کے سابق بیان کے تسلسل میں فرمایا کہ ہر قوم میں مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اگر منکرین توحید و رسالت کو اس بارے میں کوئی شک و تردد ہے تو وہ تاریخی واقعات کو یاد رکھنے والوں سے تصدیق کر لیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اللہ نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے دے کر بھیجا، اور پھر آخر میں حضور علیہ السلام پر ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا۔ آپ کو اس بات کا پابند کیا کہ آپ اس قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کا کام بھی انجام دیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ اور یہی ”سنت“ ہے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ اس قرآن پاک میں غور و فکر کریں تاکہ صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں۔

منکرین کے لیے  
سخت و عجز

اب آج کے درس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین و مشرکوں و رسالت کو ان کی ریشہ دوانیوں پر سخت تنبیہ فرمائی ہے اور بعض سزاؤں کا ذکر

کر کے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ ارشاد ہونا ہے أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا الشَّيْءَ کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں۔ أَمِنَ کا معنی امن میں ہوجانا، نڈریا بے خوف ہوجانا ہے۔ فرمایا جو لوگ براٹیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انبیاء کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اللہ کے پروگرام کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، اُس کی توحید کی مخالفت کرتے ہیں، انبیاء کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اور اہل ایمان کو ان کے دین سے روکنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ اللہ کے عذاب سے بالکل بے خوف ہو چکے ہیں؟ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وہ مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں یہ لوگ گرفتار ہو سکتے ہیں۔

فرمایا اللہ کے عذاب کی پہلی صورت یہ ہے أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے۔ ان لوگوں کو کچھ احساس نہیں کہ خدا کی پیدا کردہ جس زمین پر یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں اور کاروبار کرتے ہیں اللہ چاہے تو اسی زمین میں ان کو غرق کر دے، اس قسم کی مثال دنیا میں پہلے ہی قائم ہو چکی ہے جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو مع اس کے مال و دولت اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا۔ اس قسم کے واقعات ہر زمانے میں پیش آتے رہتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص تہامس غرور و تیسر کی حالت میں پل پر سے گزر رہا تھا، اس کی گردن الٹھی موٹی تھی اور وہ متوجہ نہ چال سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں اُسے زمین کے اندر دھنسا دیا۔ یہ شخص تب سے زمین میں دھنسا چلا جا رہا ہے اور اس کا قدم اُس وقت کہیں ٹکے گا جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ نے اس کے تکبر کی اتنی سخت سزا دی۔ ۱۹۴۹ء میں اخبارات میں پڑھا تھا کہ مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی ایک بستی میں بچے بچوں میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران سارا سکول زمین کے اندر دھنسا گیا۔

ہیں  
س جانا



۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا، زمین میں بڑی بڑی ٹہریں  
 پڑ گئی تھیں اور اس حادثے میں تین لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ ابھی  
 پندرہ بیس سال کا عرصہ گزرا ساحلی کنارے پر آباد بارہ ہزار کی آبادی برزتہ کا  
 یہ پر فضا شہر پورے کا لہرا تباہ ہو گیا تھا۔ ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ کوئی چیز  
 باقی نہ بچی۔

(۳۱)  
 بیرونی ذرائع  
 سے عذاب

اللہ نے عذاب کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْتِيهِمْ  
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ یا ان پر ایسی جگہ سے  
 عذاب لے آئے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہو۔ بعض اقوام کو ایسے ذرائع  
 سے بھی سزا ملتی رہی ہے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ مثال کے  
 طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں مکے والوں پر میدان بدر میں جو آفت آئی، وہ  
 اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ مکے سے سامان ضرب حرب  
 سے لیس ایک ہزار فوج لے کر نکلے تھے، کھانے پینے اور رنگ و سرود  
 کے تمام سامان موجود تھے، وہ ایک ہی جست میں مسلمانوں کو ختم کر دینا  
 چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مٹھی بھر  
 بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ ستر  
 مارے گئے جن میں بڑے بڑے ائمہ کفر تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ اسی  
 لیے اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے  
 پاس ایسی جگہ سے عذاب لے آئے جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو۔

(۳۱)  
 چلنے پھرنے  
 کثرت

سزا کی تیسری شکل اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْخُذْهُمُ  
فِي تَفَكُّبِهِمْ یا ان کو چلے پھرنے کے وقت رہی کپڑے۔ اللہ تعالیٰ  
 قادر مطلق ہے اور جب چاہے اپنی مخلوق کی گرفت کر لے۔ کوئی آسمانی  
 آفت نازل ہو جائے، حادثہ پیش آجائے یا کوئی طوفان باد و باران جائے  
 اور یہ چشم زدن میں ماخوذ ہو جائیں ایسے لوگوں کو اپنی گرفت کرنی چاہیے کہ

خدا تعالیٰ ان کی گرفت اُن کے بستر پر بھی کر سکتا ہے اور چلتے پھرتے، کاروبار کرتے، جشن مناتے یا لہو و لعب میں مصروف ہونے کی صورت میں بھی وہ گرفت کرنے پر قادر ہے، لہذا انہیں اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ يَكُونُ لَهُمْ فَمَا هُمْ بِمَصْعَجِينَ وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں وہ اللہ کی گرفت کو ٹال نہیں سکیں گے۔

چوتھی صورت عذاب کی یہ بیان فرمائی اَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَيَّ تَخَوُّفٍ یا انہیں خوف دلانے کے بعد پکڑے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دوسری قوم یا فرد کو بتلائے بلا دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے اور پھر آخر میں خود خوف زدگان کی باری بھی آجاتی ہے اور وہ بھی عذاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اکثر مفسرین "تخوف" کا معنی خوف دلانا ہی کرتے ہیں مگر حضرت عمرؓ کو اس لفظ کے صحیح معانی کے تعین میں تردد تھا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آپ نے مینبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، لوگو! مجھے بتلاؤ کہ تخوف کا کیا معنی ہے۔ بعض نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں فرمایا کہ اس کا معنی تنقص یعنی کسی چیز کو کم کر دینا یا گھٹا دینا ہے۔ آپ نے فرمایا، کیا تم اس کا ثبوت عربوں کے کسی کلام سے پیش کر سکتے ہو۔ تو ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہاں قبیلہ ہذیل کے عمر سیدہ شاعر البدیر ندہلی نے یہ شعر کہا ہے۔

تَخَوُّفٌ رَحَلٌ مِّنْهَا تَامِكًا قَرْدًا  
كَمَا تَخَوُّفٌ عَوْدًا تَبَعَةَ السَّفِينِ

کیا دوسے نے اس اونٹنی کے مضبوط کولان کو اس طرح گھٹا دیا ہے جس طرح کمان کی لکڑی کو ریتی گھٹا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دوران سفر بیسول پائیس کی وجہ سے بار برداری کا جالور کمزور ہو جاتا ہے۔ اونٹ

۱۴  
ب بعد  
خوف

کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دس دس بیس بیس دن تک بھوک پیاس کی شدت برداشت کر سکتا ہے۔ جب اونٹ کی خوردہ غذا ختم ہو جاتی ہے تو اس کے جسم کی چربی پگھل پگھل کر غذا بنتی رہتی ہے جسکی وجہ سے اس کی کوٹھان کمزور ہو کہ کم ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس شعر میں تحوف کو گھٹانے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا عَلَيَّ كَرِيْدًا يُوَابِكُمْ تَمَّ اَيْنِهٖ دِيْوَانٌ كُوْلَا زَمٍ كَطُوْرٍ۔ لوگوں نے دریافت کیا، حضرت! ہمارا دیوان کونسا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں، ان کو سیکھا کرو اور پڑھا کرو فَإِنَّ فِيْهِ تَفْسِيْرًا لِّكِتَابِكُمْ وَمَعَانِي كَلَامِكُمْ کہ اس سے تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی سمجھ میں آتے ہیں۔ چنانچہ عربی شعر کا قدیم کلام اب بھی رسول میں پڑھا جاتا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار پڑھنا جائز ہے اگرچہ ان میں بد اخلاقی، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد کا ذکر ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ کلام الہی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کیونکہ قرآن پاک اس وقت کی ترقی یافتہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا بعض عربی الفاظ کے معانی سمجھنے میں بھی دقت آتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی لفظ کا مادہ کیا ہے اور عربی محاورے میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے اور پھر اس کا معنی کیا بنتا ہے، چنانچہ اس پر علمائے کرام اور مفسرین نے کتابیں لکھی ہیں۔

فرمایا، يَادِرْكُهُوْ اِفَاتٌ رَّبِّكَوْ كَرُوْوْهُ رَجِيْعٌ بِشِكِّ تَمَّارٍ  
پروردگار بڑا نرم اور مہربان ہے۔ اس کی شفقت کا تقاضا ہے کہ وہ بعض اوقات مجرموں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور اعمال و تیراج سے کام لیتا ہے، اور نہ حقیقت یہ ہے اِنَّ لِّطُغْيٰنٍ رَّبِيْكَ كَسْتَدِيْدٌ

(البروج) بیشک تیرے رب کی بچڑ بڑی سخت ہے۔ جب وہ کسی کو بچڑنے پر آتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ یہ اللہ نے مخالفین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ انہیں اس بات سے خوف رکھنا چاہیے کہ کسی نہ کسی صورت میں ان پر خدا تعالیٰ کی گرفت نہ آجائے۔

آگے پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور معبودیت کی طرف توجہ دلائی ہے أَوَلَمْ يَكُنْ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ شَيْءًا كَمَا إِنْ لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیزیں پیدا کی ہیں يَتَفَكَّرُونَ ظَلَمَهُ عَنَ الْيَمِينِ وَالشَّمَانِ كَلِّ سَجْدًا لِلَّهِ ان کے سامنے ڈھل جاتے ہیں دائیں اور بائیں طرف اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے۔ وَهُمْ حَرُورٌ خَالِدُونَ اور وہ عاجز ہوتے ہیں۔

سامنے کا  
سجدہ

ہم روزمرہ زندگی میں پہاڑوں، درختوں، ٹیلوں اور عمارات کے سالیوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ دن کے پیدل حصے میں تمام چیزوں کے سامنے گھٹنے رہتے ہیں۔ دوپہر کو ایک خاص بج پر پہنچ کر رک جاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت جب سورج سر پر آتا ہے تو ہر چیز کا سایہ ٹھہر جاتا ہے۔ اور جب دن ڈھلتا ہے تو سایہ جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ جاتا ہے۔ ان سالیوں کی سجدہ ریزی بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی پہلے قیام کرتا ہے پھر رکوع میں جاتا ہے اور پھر سجدہ میں گر پڑتا ہے اسی طرح ہر ایک تادہ چیز پہاڑ، درخت، عمارت وغیرہ اپنے سالیوں کے ذریعے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ سایہ کسی ملک میں کسی موسم میں دائیں طرف جھکتا ہے اور کہیں بائیں طرف۔

ہماری آخری شریعت میں اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ روا نہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی۔ عبادت کا سجدہ تو قطعی حرام

اور کفر سے خواہ وہ کسی کے سامنے بھی کیا جائے۔ البتہ سجدہ تعظیمی جو بادشاہوں یا دیگر بڑے لوگوں کے سامنے کیا جائے، وہ حرام ہے مگر کفر نہیں ہوتا۔

ہر چیز  
سجدہ ریز  
ہے

اس کے بعد اختیاری اور غیر اختیاری دونوں قسم کے سجدے کے متعلق فرمایا وَاللّٰهُ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ زمین میں مِنْ ذٰلِكَ چلنے پھرنے والے جاندار ہیں، اور آسمان پر وَالْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے ہیں۔ البتہ انانوں کے متعلق دو کفر مقام پر فرمایا ہے کہ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ اپنے اختیار اور رضا و رغبت سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے جب کہ دوسرا نافرمانوں اور کافروں کا گروہ ہے جو تکبر کرتا ہے اور سجدہ نہیں کرتا۔ باقی تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے سامنے منقاد ہیں۔ وہ سب عاجزی کرنے والی ہیں۔ جانور، حیرند، پہاڑ وغیرہ سب اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وَقَدْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور وہ تکبر نہیں کرتے بلکہ عاجزی کہتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ معذور لوگوں کے لیے زمین پر سر رکھنا شکل ہونا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے سر کا سر نیچا ہوتا ہے اور انہیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ انسان کی بڑائی اپنے پروردگار کے سامنے تواضع، اخلاص اور خشوع و خضوع کے اظہار میں ہی ہے۔ ملائکہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ فرشتوں کی وجہ سے اَطَعَتِ السَّمٰوٰتُ الْاَرْضَ چرچا ہے۔ جس طرح نیا کچا وہ جانور پر رکھا جائے تو وہ چرچراتا ہے، اسی طرح آسمان بھی چرچراتا ہے کیونکہ آسمان پر ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو یا کسی دوسری عبادت میں مصروف نہ ہو۔ تو فرمایا کہ نہ تو جانور تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی فرشتے بلکہ وہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فرشتوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا يَخَافُونَ رَبَّهُمْ وَهُمْ اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں مِنْ فَوْقِهِمْ اپنے اوپر سے کہ کہیں خدا تعالیٰ کی گرفت نہ آجائے وَكَيفَ عَالِمُونَ مَا يُؤْتِيهِمْ مِنْ قَوْلٍ اور کرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ فرشتے اللہ کے حکم سے سرسبز تابی نہیں کرتے۔ اسی طرح جائز اور دوسری چیزیں بھی اپنے طبعی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ صرف انسان اور جنات ہیں جو مکلف مخلوق ہیں، ابھی میں سے بعض لوگ تکبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل سے گریز کرتے ہیں۔

سجدہ کی مختلف قسمیں ہیں جیسے سجدہ عبادت (غزات) سجدہ شکر اور سجدہ تلاوت ہے۔ سجدہ تلاوت واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس آیت کے اختتام پر بھی پڑھنے اور سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں پہنچ کر سجدہ کرنا لازم آتا ہے۔ اگر کوئی آیت سجدہ پڑھتے یا سنتے وقت سجدہ کرنے کی حالت میں ہے یعنی با وضو ہے تو فوراً سجدہ کرے، وگرنہ طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ کرے کیونکہ طہارت سجدہ کے لیے شرط ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۵۱ تا ۵۶

ربما ۱۳

درس دوزیم ۱۲

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا  
 هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِنِ آيَ فَارِهِبُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَهُ مَا فِي  
 السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ ۚ وَاصْبِرْ ۚ أَفَغَيِّرُ  
 اللَّهُ تَتَّخُونَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ  
 اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَالْيَهُ تَجَرُّونَ ﴿۵۳﴾  
 ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِّقُومِنكُمْ  
 بِرِبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْهِمْ  
 فَتَمْتَعُوا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا  
 لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۚ تَاللَّهِ لَتَسْلَنَّ  
 عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ بناؤ دو معبود - بیشک

وہ ایک ہی معبود ہے - پس خاص مجھ سے ہی ڈرو ﴿۵۱﴾  
 اور اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین  
 میں ، اور اسی کے لیے ہے اطاعت والی ۔ کیا تم اللہ  
 کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو ﴿۵۲﴾ اور جو کچھ تمہارے  
 پاس نعمت ہے - پس وہ اللہ کی طرف سے ہے - پھر  
 جب تم کو پہنچتی ہے تکلیف تو اسی کے سامنے چلاتے

ہو (۵۳) پھر جب وہ دُور کہ دیتا ہے تم سے تکلیف کو تو اچانک ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے والا ہوتا ہے (۵۴) تاکہ (نتیجہ یہ ہو) یہ ناشکری کریں اس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے۔ پس فائدہ اٹھا لو، پس عنقریب تم جان لو گے (۵۵) اور ٹھراتے ہیں یہ لوگ اس کے لیے کہ جس کو نہیں جانتے، حصہ، اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے۔ اللہ کی قسم تم سے ضرور سوال کیا جائے گا ان باتوں کے بارے میں جو تم افتراء کیا کرتے تھے (۵۶)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء کا ذکر فرمایا کہ مشرکین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا، ہر نبی نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی "اَبِئِدُوا لِلّٰهِ وَاَعْبُدُوْهُ وَالْحَجَّتَ بِجُوعِ الطَّاعُوْتِ" یعنی صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش سے بچ جاؤ۔ پھر اللہ نے مختلف طریقوں سے توحید کے دلائل سنبھائے۔ اور آخر میں فرمایا کہ کائنات میں خدا کی پیدا کردہ تمام چیزیں جو جسم کھتی ہیں۔ اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتی ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایسا وہ چیز کے سامنے زمین پر سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا آسمانوں کی ہر مخلوق خواہ وہ فرشتے ہوں یا جانور سب اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف صرف انسانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو اگر دکھاتا ہے اور اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اب آج کی آیات میں بھی اللہ نے توحید پر مضبوطی سے جھے بہنے کی تلقین کی ہے۔ اور شرک کی بعض صورتوں کا رد فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا الْهٰٓئِنِ اٰتٰنِیْنَ اللّٰهُ نے فرمایا دو معبود مت بناؤ۔ جملہ مشرکین میں سے مجوسیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے

ربطایات

عقیدہ  
ائینیت



جو دو معبودوں کا قائل ہے۔ اس باطل عقیدہ کا ذکر سورۃ النعام کی ابتدا میں بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ یہ لوگ کہتے ہیں کہ روشنی یا نیکی کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جبکہ تاریکی یا برائی کا پیدا کنندہ دوسرا خدا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہاں پر اس باطل عقیدے کا رد فرمایا تھا کہ انھیں اور روشنی کا خالق خدائے واحد ہے۔ نہ کوئی نیر ان ہے اور نہ اس میں بلکہ اللہ ہی وحدہ لا شریک ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اب آج کے درس میں بھی اسی قسم کے شرک کی تردید فرمائی ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ یہاں پر الٰہین کا معنی دو معبود ہیں اور آگے پھیر اثنتین کی تاکید بھی فرمادی ہے کہ اللہ کی وحدانیت کے مقابلے میں اثنتیت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے اِنَّهَا هُوَ الْاَلٰهُ وَاحِدٌ وہ تو ایک ہی معبود برحق ہے اور اسی نے فرمایا فَاِنِّي اَنَا قَادِهٖمْ بَعُوْنٍ کہ صرف مجھ سے ہی ڈرنے رہو۔ میرے علاوہ نہ کوئی نفع نقصان کا مالک ہے اور نہ کوئی کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے اور باقی ساری اس کی مخلوق ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کو اللہ کے درجے پر پہنچا دینا تو بغاوت اور سخت ظلم ہے۔ تعریفیک اس آیت کہ میرے اللہ نے دو خداؤں والے عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔

عقیدہ  
ثلیث

عقیدہ اثنتیت کے علاوہ عقیدہ ثلیث والے اس وقت اربوں کی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں۔ عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ جس کی تردید سورۃ مائدہ میں آچھی ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ لِلّٰهِ ثَلَاثَةً تَحْقِيقًا ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں تیسرا ہے۔ یہ لوگ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا مانتے ہیں۔ باپ سے مراد اللہ تعالیٰ، بیٹے سے مراد مسیح علیہ السلام اور روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ایک عقیدے کے لحاظ سے باپ، بیٹا اور

مہریم تین خدا بنتے ہیں مگر اللہ نے وہاں پر اس عقیدے کی سختی سے نفی فرمائی  
ہندوؤں میں آریہ سماجی مسلمانوں کے عقیدہ توحید سے کسی قدر متاثر ہوئے  
اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سائنس دھرمی تو غلط ہیں جو کہ وڑوں معبودوں کو مانتے  
ہیں کیونکہ یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہے، مگر وہ خود بھی تثلیث ہیں اگر کہ پھنس  
گئے۔ عیسائیوں کی طرح انہوں نے بھی تین خدا بنایے ایک پرمانند خدا دوسرے  
روح اور تیسرا مادہ۔ انہوں نے ان تینوں کو قدیم تسلیم کیا۔ بجاری شریف کی  
روایت میں آتا ہے **كَانَ اللَّهُ وَكَوْنُهُ مَعَهُ شَيْءٌ**  
یعنی ابتدا میں صرف خدا تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کے ساتھ دوسری کوئی  
چیز نہیں تھی، نہ روح تھی اور نہ مادہ۔ یہ مخلوق ہے جسے خدا نے اپنی صفت  
اور تجلی سے ظاہر کیا۔ اُس وقت نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ جن اور نہ انسان۔ صرف  
اللہ کی ذات اور اس کے ساتھ اس کی صفات تھیں، اس کے علاوہ کوئی  
چیز نہیں تھی، تو آریہ سماجیوں نے روح اور مادہ کو قدیم کیسے تسلیم کر لیا۔ ہندوؤں  
کے لاکھوں کروڑوں معبودوں کا انکار کرنے کے باوجود بھی یہ لوگ عقیدہ تثلیث  
کی بنا پر مشرک کے مشرک ہی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہندوؤں کی ایک کثیر آبادی لاکھوں اور کروڑوں  
دلیوتاؤں کو مانتی ہے۔ پرانے مصر لوہوں میں بھی شرک کی بیشمار قسمیں رائج تھیں۔  
حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کی مشرکوں  
نے پوجا نہ کی ہو۔ گوہر کے پجاری آج بھی موجود ہیں جو اسے پوترتہ سمجھ کر اس  
کی پوجا کرتے ہیں۔ ناگ پچھی والے سانپ کی پرستش کرتے ہیں۔ بلی کو  
معبود مانتے والے مشرک بھی دنیا میں موجود ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے تو  
بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے پجاری بابلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
دور کے کلدانی بھی تھے۔ پھر پچھر کے دلیوتاؤں کو ماننے والوں کی بھی  
کمی نہیں۔ حتیٰ کہ شتولنگ کے پجاری بھی ہیں جو آکر تیناسل کو پوجتے ہیں۔

مردروں  
معبود

یہ شرک کی مختلف قسمیں ہیں، جبکہ اللہ نے فرمایا کہ مجبوراً تو صرف ایک اللہ ہے۔ خالق صرف وہ ہے، باقی سب مخلوق ہے۔ وہی قادر مطلق،

علم کل، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے۔ فرمایا جیب وہ ایک ہی خدا ہے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور خالص اسی سے ڈرو۔

واعظ  
دامی اطاعت

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اسی اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ ہر چیز خالق (پیدا کرنے والے) کے لحاظ سے) ملکا (ملکیت کے لحاظ سے) اور تصرف (تصرف کے لحاظ سے) اسی مالک الملک کی ہے۔ ہر شے کا خالق، مالک اور مدبر وہی ہے۔

سورۃ آل عمران میں ہے "يَذَّبِ الْأُمِّمَاتِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالزَّمِينِ تَحْتَ الشَّرْحِيِّ" تک تدبیر کرنے والا وہی ہے۔ وہ کلی اختیار کا مالک ہے، اس کا کوئی نائب نہیں جو کسی کی حاجت روائی کرتا ہو وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

وَأَصِيًّا اور اسی کے لیے ہے دائمی اطاعت و اصیب کا معنی دائم اور لازم ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الصافات میں شیاطین کے متعلق فرمایا وَكَلَّهْمُ عَذَابٌ وَأَصِيًّا یعنی ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔ غرضیکہ فرمایا کہ دائمی اطاعت بھی اسی وحدہ لا شریک کی ہے۔ ملائکہ ہوں یا ارض و سما کی تمام چیزیں، انکو سنی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ عقل کے دائرے میں رہ کر انسانوں میں سے بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں۔

کثیر حق علیہ العذاب (الحج) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر سزا ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ توحید کو تسلیم کرنے کے باوجود شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا أَفَلَيْتَنَّا اللَّهُ تَقُولُونَ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ جن کو تم نے خدا کا شریک

بنا رکھا ہے۔ اُن سے خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ حالانکہ نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ نہ اُن کے پاس تصرف ہے اور نہ وہ سب چیزوں کا علم ہی رکھتے ہیں۔ بھلا اُن سے تم کیوں خوف کھاتے ہو؟

فَرَمَا وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ تَهَارَبُونَ  
 نعمت ہے فَمِنْ اللّٰهِ وَهِيَ اللّٰهُہی کی طرف سے ہے۔ نعمت حسی ہو یا معنوی، مادی ہو یا روحانی، ظاہری ہو یا باطنی، سب اُسی کی طرف سے ہے سورۃ لقمان میں ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسمان و زمین کی ہر چیز مسخر کر دی ہے "وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَتَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تم پر کامل بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر لاتعداد نعمیں رکھی ہیں مگر انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بیرونی انعامات کا بھی کوئی شمار نہیں اللہ نے انسان کو وجود دیا۔ صحت، تندرستی اور عمر دی، اولاد، زمین و مکان، تجارت، سرمایہ، عزت، اقتدار اور سوسائٹی میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کا کوئی حصہ نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے پاس موجود ہر نعمت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔

فَرَمَا تَمَرًا إِذَا مَسَّكُمْ الضُّرُّ بِمَنْ جِبْتُمْ كَوْنِي تَكْلِيفٍ  
 پہنچتی ہے قَالَ كَيْدِ تَجْرُؤُونَ تو تم اُسی کے سامنے چلا تے ہو، اور رو کر دعائیں کرتے ہو۔ جب مریض کے سر ہانے کھڑے سارے ڈاکٹر عاجز آجاتے ہیں۔ کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو پھر لامحالہ انسان خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مولا کریم! ظاہری اسباب تو ختم ہو چکے ہیں اب تو ہی شفا دے سکتا ہے مگر دیکھو! تَمَرًا إِذَا كَشَفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ حِينَ وَقْتِ خَدَّاعِي تَمَّ مِنْهُ وَهُوَ تَكْلِيفٌ دُورٌ كَرِهَ دِينًا هُوَ إِذَا فَرَّقَ مَعَكُمْ بَرَبِّهِمْ كَيْسَرٌ كَوْنٌ تَوَاجَاهُ تَمَّ مِنْهُ سَبَّحٌ

تار  
ہ

بت  
رجوع  
اللہ

گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شکر کہنے لگتا ہے۔ جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو پھر وہی غیر اللہ کی نذر و نیاز شروع ہو جاتی ہے اور انسان اپنی خیالات میں گم ہو جاتا ہے جن میں تکلیف آنے سے پہلے ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف آئی ہی نہیں، اس نے خدا تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں اور نہ اسے خدا نے کسی مصیبت سے رٹائی دی ہے۔ مطلب یہ کہ مطلب نکل جانے کے بعد لوگ پھر وہی شکر یہ رسوم ادا کرنے لگتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احسانات کو بھول جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ کہ جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس کی ناقدر دانی ہوگی۔ اللہ نے عقل، صحت، علم، مال و دولت سب کچھ دیا مگر اس کا نتیجہ ناقدری کی صورت میں تو نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ انسان کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے تمام نعمتیں عطا کیں۔ پھر تکلیف کو دور کیا مگر انسان نے پھر اسی کے ساتھ شکر یک ٹھہرا کہ اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ فرمایا فَتَكْفُرُوا بِاللَّهِ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا لو مگر کب تک؟ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ تمہیں ثبوتِ حلد پتہ چل جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

شکر کا حصہ

آگے اللہ تعالیٰ نے شکر کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ہماری دی ہوئی رزق میں سے ایسی چیزوں کے لیے حصہ بٹھراتے ہیں جن کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں نہ کوئی تحقیق ہے، نہ سند ہے اور نہ دلیل مگر مختلف اشیاء میں سے اُن کے نام کا حصہ ضرور نکالتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ العناب میں بھی بیان ہو چکا ہے وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأْنَا مِنَ الْخُرْتِ وَالْأَعْنَابِ نَصِيبًا کہ انہوں نے نصیبی کی پیدوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا تقدر کر رکھا ہے فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا اور پھر بزعْم خود کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے

شرک کا دکان ہے۔ اس طرح وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔ گائے بھینس کا دودھ تو اللہ تعالیٰ دینا ہے مگر مشرک لوگ اس سے شیخ عبدالقادر جیلانی کی گیارہویں کے نام پر دیتے ہیں۔ بکرا یا دنبہ بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ وہ دانا صاحب کی نیاز کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے یہ تو اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غیر اللہ کا حصہ نکالنے والی بات ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے مشرکانہ عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے۔

نذر غیر اللہ

نذر غیر اللہ کی کئی مثالیں روزمرہ مشاہدے میں آتی ہیں۔ ایک دفعہ ہواٹی اڑے سے تانگے پر سوار ہوئے۔ ایک پہلوان صاحب نے ایک موٹا تازہ دنبہ بھی تانگے میں سوار کرایا۔ گوہر اللہ کی طرف آتے ہوئے میں نے پوچھا کہ قربانی کا موسم تو نہیں ہے، پھر یہ دنبہ کہاں لے جائے ہو، کہنے لگے یہ دانا صاحب کی نیاز ہے۔ میں نے کہا، اللہ کے بندے! اللہ کی نیاز کہو۔ کہنے لگے، اللہ کیا اور دانا کیا ایک ہی بات ہے۔ بعض لوگ شرک میں اتنے پختہ ہوتے ہیں مسعود سالار غازی کے نام کی گائے تو ہندوستان میں مشہور ہے۔ شیخ سدھو کا بکرا بھی دیا جاتا ہے۔ دہلی والے بی بی کی صحنک دیتے ہیں۔ ایک برٹے کھلے برتن میں کھانا رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے صرف عورتیں ہی کھائیں گی، مرد نہیں کھا سکتے، اور عورتوں میں بھی دو خصمی عورت دوسرے نکاح والی نہیں کھا سکتی۔ امام جعفر کے کوڑے بھی تیار کیے جاتے ہیں جنہیں صرف چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے اس قسم کی نذر غیر اللہ مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے دی جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خود ہی اسے منکھل بنا دیا جاتا ہے حیدرآباد دکن کے ایک بزرگ نے جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ ان کی قبر پر لوگ درخواستیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے خود وہاں درخواستوں کا اتنا انبار دیکھا کہ جس سے پورا شکر بھر جائے۔ شاید لوگ

سمجھتے ہیں کہ اُس بزرگ نے وہاں کلک مقرر کر رکھے ہیں جو لوگوں کی درخواستیں اُن کے پاس پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگ قبر پر قرآن خوانی کرتے ہیں کہ بزرگ خوش ہو کہ ہمارا مقصد پورا کر دے گا۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے، ان پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ وہاں کی خاک کو منہ اور آنکھوں پر ملا جاتا ہے، کوئی قبر کو چوم رہا ہے۔ کوئی وہاں ناک رگڑ رہا ہے اور کوئی اس پر سر رکھے ہوئے ہے بعض لوگ قبروں سے پتھر، کنکر وغیرہ اٹھا کر لے جاتے ہیں کہ اُن سے شفا یابی ہوتی ہے۔ صوبہ سرحد میں قبروں پر جھنڈے لہرانے کا عام رواج ہے جن پر بڑی مقدار میں کپڑا لگایا جاتا ہے حالانکہ یہی کپڑا کسی غریب کے تن ڈھانپنے کے کام آسکتا ہے۔ یہ سب خدا کی عطا کردہ چیزوں میں سے غیروں کا حصہ مقرر کرنے کی مثالیں ہیں۔

لازمی باز  
پرس

اللہ نے فرمایا کہ مشرک لوگ یہ سب شرکیہ باتیں کرتے ہیں۔ مگر انہیں یہ بھی علم نہیں کہ یہ رسم کیوں ادا کی جاتی ہے اور اس کا موجد کون ہے۔ مگر یاد رکھو! تَاللّٰہِ اللّٰہِ کی قسم۔ اللہ نے خود اپنی قسم اٹھا کر فرمایا ہے  
لَتَسْلُکُنَّ عِمَّا کُنْتُمْ تُفْتَوْنَ کہ جو کچھ تم افتراء کرتے ہو، اس کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا۔ قیامت والے دن تمہیں جواب دینا ہو گا کہ یہ شرکیہ رسم تم نے کہاں سے نکالی اور تمہارے پاس اس کی کیا دلیل تھی۔ کیا کسی اہم نے یا بزرگ نے کہا تھا کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی نیاز دیا کہ وہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی ساری کاروائیاں افتراء کے زمرے میں آتی ہیں اور انہیں ایصالِ ثواب یا صدقہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو غیروں کی نیاز ہے جنہیں نافع اور ضرر سمجھ کر دی جاتی ہے فوسل شدگان کے لیے صدقہ خیرات اور استغفار کہنا تو جائز ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ثواب مرنے والوں کو پہنچائے اور یہ ملتِ ابراہیمی کا مسلمہ اصول ہے۔ مگر نذر و نیاز کی مراد حسبِ تشکیلیں مشرک ہیں

یاد بخت۔ ایسی چیزوں کے حق میں شریعت کا حکم موجود نہیں۔ فرمایا اس بارے میں قیامت کے دن تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔

---



النحل ۱۶

آیت ۶۰، ۵۸، ۵۷

ربما ۱۳

درس سیزدہم ۱۳

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَ ۚ وَلَهُمْ مَا  
 يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ  
 وَجْهَهُ مُسْوَدًّا ۖ وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ  
 مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ  
 يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۖ أَلَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾  
 لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السُّوءِ ۗ وَاللَّهُ  
 الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۰﴾

۱۶۰۳۱۱

ترجمہ :- اور ٹھہرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں، پاک  
 ہے اس کی ذات، اور اپنے لیے وہ کچھ جو وہ چاہتے ہیں ﴿۵۷﴾  
 اور جب خوشخبری دی جائے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا  
 ہے اس کا چہرہ سیاہ اور وہ غم میں بھرا ہوا ہوتا ہے ﴿۵۸﴾  
 چھپتا ہے قوم سے اس بری خبر کی وجہ سے (اور خیال  
 کرتا ہے کہ) روک رکھے اس کو ذلت پر، یا داب سے اس  
 کو مٹی میں بسنو! پڑا ہے وہ جو یہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾  
 ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، یہ بری مثال  
 ہے اور اللہ کی مثال بلند ہے، اور وہ زبردست اور حکمت  
 کا مالک ہے ﴿۶۰﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دو خدا ماننے والے مجوسیوں یا تنزی فریقے  
 ربط آیات

والے مشرکوں کا رد فرمایا۔ پھر مطلق شرک کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی کہ وہ اپنی کھائی میں سے خیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا تم میں تو ساری کی ساری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تو اس میں سے دوسروں کا حصہ نکالنے کا کیا مطلب؟ تکلیف تو اللہ تعالیٰ دوزخ کرنا ہے مگر نذر و نیاز اختیار کی دی جاتی ہے۔ فرمایا یہ لوگ اس چند روزہ زندگی سے فائدہ اٹھالیں، آگے چل کر انہیں پتہ چل جائے گا۔ جو یہ افتراء کیا کرتے تھے اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی ایک اور قسم کا رد فرمایا ہے

فَرَمَا وَ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَدَنَ اور ٹھہراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں۔ پھر ان کو دیویاں مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور حاجت لےوا اور مشکل کشا مانتے ہیں۔ دیویوں کا تصور عربوں کے علاوہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا تھا۔ مثلاً ہندوؤں میں کلکتے والی کالی دیوی مشہور ہے جس کے نام پر کلکتہ میں مندر بھی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر انسانوں، خاص طور پر چھوٹے بچوں کو کالی دیوی کی بھینٹ (قربانی) چڑھایا جاتا ہے تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ لوگوں پر قہر کا باعث نہ بنے۔ اسی طرح یونانی زہرہ ستارے کو دیوی مانتے تھے، اور اس کے نام پر مندر بھی بنا رکھا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔

بِعْتَابِ زُهَيْرٍ قَادُورَتَانِ  
وَيُحْيِي خَيْبٍ وَ ذِي لَيْسَى الْهَوَلِ

یعنی زہرہ دیوی کی دلہیز پر قسمت کی دو بیٹیاں رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک بونٹل میں خیر ہے اور دوسری میں شر ہے۔ گویا یہ دیوی خیر و شر کی مالکہ ہے۔ پرانے آشوریوں میں بھی اس قسم کا تصور پایا جاتا تھا۔ عرب کے بعض قبائل بنو خزاعہ وغیرہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور کہتے تھے، کہ بخدیاں (مادہ جن) ان کی ماٹیں ہیں۔ اسی باطل عقیدے کے متعلق اللہ نے سورۃ الصفہ میں فرمایا ہے "وَجَعَلُوا بَنَاتِهِ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ

خدا کے  
بیٹیاں

تَسْبَابًا اِنْ بَدَسْتُوْنَ لِنِعْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قائم کر رکھی ہے۔ گویا جنات خدا تعالیٰ کے کسرال ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔

فرمایا، دیکھو! یہ کتنا باطل عقیدہ ہے۔ حقیقت میں سُبْحَانَكَ خدا تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرنا نہایت ہی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان رفیع کے بالکل خلاف ہے کہ اس کی کوئی بیوی اور اولاد ہو۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیوں کا تصور رکھتے ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ اور اپنے لیے وہ کچھ چاہتے ہیں جو انہیں پسند ہے۔ یعنی خدا کی بیٹیوں کے مقابلے میں اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں جو کہ ویسے بھی عقل کے خلاف ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے "آپتجر بر خود نہ پسندی بر دیگر نہ پسندی" یعنی جو چیز خود پسند نہیں کرتے، وہ دوسروں کے لیے کیسے گوارا کرتے ہو؟ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بعض عرب قبائل کے اس عزم و غصہ کا

ذکر کیا ہے جس کا اظہار وہ اپنی بیٹی کی پیدائش پر کیا کرتے تھے۔ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى اَوْ رَجَبٍ اَنْهٰى بِهَا بِطِيْطٍ كِيْ بِبِئٰثِشِ كِيْ خَوْشِجْرٰى دِيْ جَاتِيْ هِيَ۔ یعنی کسی شخص کے گھر بیٹی پیدا ہوتی اور اس بات کی اطلاع اُسے دورانِ مجلس دی جاتی، تو پھر اُس کی حالت یہ ہوتی ظَلَّ وَجْهَهُ مَسْوَدًا اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا۔ یہ خبر اس پڑھنے والے بن کر گرتی کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے وَ هُوَ كَطِيْمٌ اور وہ غم سے نڈھال ہو جاتا۔ اللہ نے فرمایا کہ بیٹی کی پیدائش پر ان مشرکین کی یہ حالت ہو جاتی ہے مگر انہی بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں ذرا شرم نہیں کھاتے۔ اور پھر وہ اپنی اس بدنامی کے منہ عومہ دلخ کو دھونے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ فرمایا يَتَوَارَىٰ مِنْهَا الْقَوْمُ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهٖ پھر وہ اس بُری خبر کی وجہ سے

طیبت  
بیٹی کی اولاد  
پر رسیا ہی

قوم سے چھپتا پھرتا ہے، کسی کو اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتا کہ لوگ کہیں گے اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے اس شرم کے بارے میں وہ اپنی بستی اور گھر بار بھی چھوڑ بیٹھتے۔ چنانچہ امام جاحظ نے ”البيان والتبيين“ میں ایک عورت کے چند اشعار لکھے ہیں جن میں اسی قبح صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ سچی کی پیدائش پر جب اس کا خاندان گھر بار ہی چھوڑ بیٹھا ہے، تو وہ اسے اس طرح خطاب کرتی ہے۔

مَا لَاجِبُ هَمْزَةٍ لَا يَأْتِيكَ  
بَيْتٌ فِي بَيْتِ الَّتِي تَلِينَا

اے ابوہمزہ! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ہمارے پاس نہیں آتا بلکہ بیرونیوں کے گھر میں رہتا ہے۔

غَضَبَاتُ الْأَنْدَالِبِينَا  
تَاللَّهِ مَا ذَاكَ بِأَيْدِيكَ

تو اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بچے نہیں جنتیں  
حالانکہ خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے

نَحْمَبُ كَزَرْعٍ لَمَّا  
فَدُ زَرْعُوا فِيْنَا

ہم عورتیں تو کھیتی کی مثال ہیں کہ جیسا بیج پڑتا ہے ویسی ہی پیداوار ہوتی ہے۔

وہ بد نصیب جو بیٹی کی پیدائش پر پریشان ہو جاتا ہے، اس سے گلو خلاصی کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتا ہے اپنے دل میں سوچتا ہے اَيْمَسْكَةُ عَلَا هَوَاتُ كَيْمَا فِي ذِلَّتِ بَرْدَاشْتِ کرتے ہوئے بیٹی کو روک رکھوں اَمْ يَكْسُكُ فِي الْخَرَابِ یا اُسے سٹی میں دبا دوں۔ وہ بے وقوف لوگ بیٹی کو اس لیے باعثِ ذلت

بیٹی سے  
گلو خلاصی

سمجھتے تھے کہ بڑی ہوگی تو اس کی شادی ہوگی اور پھر لوگ کہیں گے کہ یہ  
 قیلاں کا داماد ہے وہ یہ نہیں سوچنا کہ وہ بھی نہ کسی عورت ہی کا جانا ہوا ہے  
 اگر عورت نہ ہوتی تو اس کی اپنی پیدائش کب ممکن ہوتی۔ وہ لوگ محض خود خواستہ  
 جاہلانہ غیرت کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے  
 فرمایا إِلَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ دیکھو یہ کتنا بڑا فیصلہ کرتے ہیں بہر حال  
 سارے عرب بچپوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ چند قبائل  
 بنو خزاعہ، بنی کنانہ، ہمزضر اور بنو تمیم تھے جو عام طور پر بچپوں کو زندہ درگور  
 کر لیتے تھے۔

اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب بچی چھٹے سال میں پہنچتی تو اس کو خوب مصللاً زندہ درگور  
 کر اور نئے کپڑے پہنا کر باہر جنگل میں لے جاتے اور پھر اس مقصد کے  
 لیے پہلے سے کھوروں گئے گڑھے میں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دیتے  
 بعض بد بخت پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیتے یا کسی پہاڑی سے نیچے گرا دیتے  
 بہر حال لو مولود بچپوں کا یہ قتل عربوں میں رائج تھا۔ اس کی تکفیر کا ذکر اللہ  
 تعالیٰ نے سورۃ الشکور میں کیا ہے وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ  
 ذَنْبٍ قُتِلَتْ "قیامت والے دن زندہ درگور ہونے والی بچی سے  
 پوچھا جائے گا بتا، تجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ ان بے نصیبوں  
 کو اس وقت پتہ چلے گا جب انہیں اس ظلم کا ازالہ کرنا پڑے گا۔

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت قیسؓ نے آپ کی خدمت میں  
 عرض کیا کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، بہت پریشان رہتا ہوں۔ وجہ  
 یہ ہے کہ میں جاہلیت کے دور میں آنحضرت بچپوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں  
 مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ میں کتنے بڑے ظلم کا مرتکب ہوا ہوں۔  
 آپ علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام پہلے سے کہنے لگے  
 گناہوں کو مندم کر دیتا ہے۔ اب تمہارے گناہوں کا کام یہ ہے کہ تم اسے

سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو۔ نیز ہر زندہ درگزر کردہ بچی کے عوض ایک غلام آزاد کرو۔ اس شخص نے عرض کیا حضور! میرے پاس غلام نہیں ہیں چو آزاد کروں گا، البتہ میرے پاس جانور ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر بچی کے بدلے ایک اونٹ ہدی کر دو، شاید کہ بارگاہ رب العزت میں کچھ کفارہ بن جائے۔ تاہم عام قانون یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کردہ گناہوں پر گرفت نہیں ہوگی۔

امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جب سے اسلام لایا ہوں۔ سخت پریشانی میں مبتلا ہوں حتیٰ کہ راتوں کی نیند بھی اچاٹ ہو گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں میرے لمبے بچے پیدا ہوئی جس کا میں نے بہت بُرا منایا، تاہم میں نے اُس کو زندہ رہنے دیا۔ پھر جب وہ مجھے ۷ سال میں داخل ہوئی تو میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے ہنلاؤ، اچھے کپڑے پہناؤ، سرمہ لگاؤ اور خوب زینت کا سامان کرو۔ پھر جب وہ تیار ہو گئی تو میں نے کمر جنگل کی طرف چل دیا۔ میں اسے ایک گہرے گڑھے پر لے گیا جو میں نے اس مقصد کے لیے پہلے ہی کھود رکھا تھا۔ میں نے بچی سے کہا کہ ذرا اس کنوئیں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جو نبی اُس نے اُدھر توجہ کی میں نے پیچھے سے دھکا دے کر اُسے کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ بڑی چیخی چلائی اور ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی، مگر میں نے اوپر سے مٹی ڈال کر اُسے زندہ گاڑھ دیا۔ مجھے یہ حرکت بہت پریشان کر رہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں کے متعلق اب سوائے استغفار کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا، یا پھر صدقہ خیرات کرو۔ غلام آزاد کرو یا جانوروں کی ہدی پیش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور ہو۔

حضرت علیؑ کے زمانہ میں عرب کے دو مشہور شاعر فرزدق اور عجمی



بچپوں کے نکاح میں جہیز کا مسئلہ دردمسربنا ہوا ہے۔ والدین جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بچپوں کا نکاح نہیں کر سکتے اور اسی انتظار میں بچپوں کو روک لیا جا تا ہے۔ بعض والدین بچپوں کو خالی ہاتھ رخصت کرنے میں اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور اب بعض لڑکے والے ایسے چوڑے جہیز کا مطالبہ کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے کتنی ہی لڑکیوں کی عمر برباد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے تاکہ بچپوں کے نکاح سنت کے مطابق سادگی سے انجام پائیں اور لوگوں کو جہیز کی لعنت سے نجات حاصل ہو جائے۔

عورت کو ذلیل اور حقیر سمجھنا سخت جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے جنسی تفریق پیدا کر دی ہے، کسی کو مرد بنا لیا ہے اور کسی کو عورت۔ کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو محض عورت سمجھنے کی بنا پر حقیر سمجھے۔ کسی کو لڑکھا دے یا لڑکی، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے جسے اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تاہم عورت نصف انسانیت ہے۔ متمدن دنیا میں عورت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مرد کی۔ اگر مرد کو اللہ نے عورت پر فوقیت عطا فرمائی ہے تو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ عورت کو ذلیل سمجھے۔ اللہ نے عورت کے لیے بھی خاص احکام مقرر فرمائے ہیں اور اُس کو خاص فرائض سونپے ہیں۔ قانون کی نظر میں وہ بھی مرد کی طرح باعزت ہے۔ اس کو بھی آرام و راحت کی ضرورت ہے جس طرح مرد کو۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے عورت اور مرد دونوں کی ضرورت ہے، لہذا بچپوں کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوش ہونا چاہیے جس طرح بچے کی ولادت پر۔

فَرَأَى اللَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ  
جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری مثال ہے جیسی تو وہ حقیر و ذلیل

در نصف  
انیت ہے



کام کرتے ہیں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی اور اللہ ہی کی مثال بلند و برتر ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، نہ اُس کی بیوی ہے نہ بچے، وہ سخی، صمد اور بے نیاز ہے وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وہ کمال قدرت اور حکمت کا مالک ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیئے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ٹھہرانا باطل عقیدہ ہے۔ ان آیات میں اللہ نے مشرکوں کا ذہنی پس منظر بیان فرمایا ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۶۱ تا ۶۵

ربما ۱۴

درس چارہم ۱۴

وَلَوْ يَأْخُذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا  
 مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ  
 مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ  
 سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا  
 يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذْبَ أَنَّ  
 لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۗ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ  
 وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ  
 أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ  
 فَهُوَ وَيْلُهُمُ الْيَوْمَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾  
 وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ  
 الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ  
 يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَالْحَيَاةُ  
 بِهِ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
 لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ :- اور اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرتا لوگوں سے اُن کے  
ظلم کی وجہ سے تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے

۷

والا - لیکن اللہ مہلت دیتا ہے ان کو مقررہ وقت تک -  
 پس جب آجائیں گے ان کا مقررہ وقت تو نہیں بیچھے ہوں گے  
 ایک گھڑی بھر (اس سے) اور نہ آگے (۶۱) اور ٹھہراتے ہیں  
 یہ لوگ اللہ کے لیے وہ چیز جس کو یہ خود ناپسند سمجھتے  
 ہیں - اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے  
 لیے بھلائی ہے - ضرور بر ضرور بیشک ان کے لیے (موفق  
 کی) آگ ہے - اور وہ آگے بڑھائے گئے ہیں (۶۲) اللہ کی  
 قسم بیشک ہم نے بھیجا امتوں کی طرف آپ سے پہلے  
 رسولوں کو - پس مزیں کیا ان کے لیے شیطان نے ان  
 کے (غلط) اعمال کو - پس وہی آج کے دن ان کا فریق  
 ہے - اور ایلے لوگوں کے لیے عذاب - الیم ہے (۶۳)  
 اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس لیے  
 تاکہ آپ بیان کریں ان کے لیے وہ چیز جس میں وہ  
 اختلاف کرتے ہیں - اور یہ ہدایت اور رحمت ہے  
 ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۶۴) اور اللہ  
 کی ذات وہ ہے جس نے امارا آسمان کی طرف سے  
 پانی - پس زندہ کیا اُس کے ساتھ زمین کو اس کے خشک  
 ہونے کے بعد - بیشک اس میں البتہ نشانی ہے  
 ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں (۶۵)

گزشتہ رکوع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید بیان فرمائے اور وہ  
 ٹوک الفاظ میں فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ بلکہ جمود برحق تو صرف ایک ہی ہے پھر اللہ  
 نے مشرکوں کی مختلف کارگزاروں کا ذکر فرمایا - منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ

خدا تعالیٰ کی بیٹیوں کا تصور رکھتے تھے جو کہ اس کی شان میں گستاخی اور سخت بے ادبی ہے۔ فرمایا کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہوں مگر خدا تعالیٰ کی نسبت اپنی ناپسندیدہ مخلوق بیٹیوں کی طرف کرتے ہو۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی شخص کو اس کی بیٹی کی ولادت کی خبر دی جاتی تو غم و غصہ اور ہدامت کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور بچہ سوچنے لگتا کہ اس بیٹی کو ذلت برداشت کرتے ہوئے زندہ رہتے دوں یا پھر فوراً ہی زندہ درگور کر دوں۔

اب آج کی آیات میں بھی اللہ نے مسخر کیں ہی کا رد فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی مہربانی کی وجہ سے اکثر و بیشتر مجرمین کو اس دنیا میں مہلت دی جاتی ہے۔ مگر نہ اس کی گرفت تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بھی آسکتی ہے۔ ارشاد مہوتا ہے۔ وَكُلُّيَوْمًا يَأْخُذُ اللَّهُ الْمَنَاسِكَ يُظَلِّمُ فِيهَا اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا ٹواخذہ کرے تا ماسک تترك علیہا من ذابہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ گرفت کرنے پر آئے تو انسانوں کے گناہوں کا انہماک اور دل پر بھی پڑے اور وہ انسانوں کے ساتھ ہی ہلاک ہو جائیں۔ باقی رہا ظلم کہ اس کی حدود و قیود کیا ہیں، تو یہ لفظ بھی عام ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی خطا سے لے کر بڑے سے بڑے گناہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے مسجد داخل ہوئے تو وقت، دائیں کی بجائے بائیں پاؤں پہلے رکھ لیا تو یہ بھی ظلم میں شمار ہوتا ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے خاص کیا ہے۔ جلسے ال اللہ الشِّرْكَ كَظَلَمَ عَظِيمٌ (تعمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے

المومن  
بالحق

اور کفر کے متعلق بھی فرمایا "وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ"  
 (البقرہ) کافر ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ تو گویا اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرنا چاہے  
 تو ادنیٰ سے ادنیٰ یا بڑے سے بڑے گناہ پر کر سکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ  
 بھی ہو سکتا ہے کہ روئے زمین پر نہ کوئی انسان نظر آئے اور نہ چرند، پتہ نہ  
 اور کیڑے مکوڑے، اللہ سب کو ہی ملیا میٹ کر دے مگر یہ چیز اس کے  
 قانون انہال و نذر نوح کے خلاف ہے وہ لیا اوقات دنیا میں مہلت  
 دیتا رہتا ہے۔ "سَتَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا  
 يَعْلَمُونَ" (القلم) وہ ایسے ذرائع سے مہلت دیتا ہے جو لوگوں  
 کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور پھر جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے  
 تو اللہ کا فیصلہ آجاتا ہے۔ جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے کسی  
 شخص نے اس بات کا ذکر کیا کہ ظالم آدمی صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا  
 ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ ظلم کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔  
 فرمایا "بِئْسَ الْخَبْرَآءُ يَمُوتُ هَذَا لَأَمِتِ الظَّالِمِ"  
 یعنی جب تکی مرغ (سرخاب) ظلم کی وجہ سے اپنے گھسولے میں لاسر ہو کر مر جاتا ہے  
 حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ کبیرا اپنی بل میں ظلم کی وجہ  
 سے مر جاتا ہے، گویا ظلم کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے۔ بخاری مسلم  
 اور مؤطا امام مالکؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی ظالم، فاسق اور مجرم  
 آدمی مر جاتا ہے تو جانور، درخت حتیٰ کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے  
 کہ وہ ظالم کی نحوست سے چھوڑ گئی۔ ظلم بہر حال برا ہے خواہ وہ عقیدے میں  
 کفر و شرک کی شکل میں ہو یا اعمال میں جو روحنا کی صورت میں۔

مقررہ وقت  
 تک مہلت

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ظالموں کا مواخذہ کرے تو فوراً بچے لیں، مگر اس کا قازن  
 یہ ہے وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

بلکہ وہ لوگوں کو مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد، ہر قوم، ہر سنی اور ہر ملک کے لیے اپنی حکمت کے مطابق ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ پھر جب مہلت گزرنے کے بعد مقررہ وقت آجاتا ہے لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ تو پھر وہ ایک گھنٹی بھی بچھری نہ اس وقت سے پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے بلکہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ کا حکم آجاتا ہے اور وہ لوگ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا عام قانون ہے کہ وہ مہلت دینا بہت ہے مگر بعض اوقات وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جلدی بھی کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی مشا میں کسی کو دخل کی مجال نہیں۔

فرمایا، وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْفُرُونَ اور پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں جو خود ناپسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے لیے تو بیٹھیوں کو پند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بھڑاتے ہیں۔ خود تو اپنی ملکیت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بھڑاتے ہیں اپنے حق میں ذرا بھڑ بھی کوتاہی یا استخفاف کو پسند نہیں کرتے مگر اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کی گستاخی کرتے ہیں اور خود رب العزت کی بارگاہ میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فرمایا ان تمام زیادتیوں کے باوجود قَصِفُ السِّنْدِ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں۔ أَنْ كَلِمَةُ الْحَسَنِيِّ کہ بھلا انہی کا ہوگا۔ اپنی تمام تر ختمہ ایوں، ناقہ ماہیوں اور کفر و شرک کے باوجود ان کا دعویٰ یہ ہے کہ بھلائی انہی کا حق ہے جو ضرور انہیں حاصل ہوگا۔ مشرک لوگ تو صاف کہتے تھے کہ اول تو قیامت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت واقع ہو گئی تو وہاں پر

رہی ہے  
بلائی کی  
لوقح

بھی نہیں ہی کامیابی حاصل ہوگی، ہماری کسی سہولت میں کمی نہیں آئے گی۔ فرمایا یہ لوگ کسی جھوٹی بات کہہ رہے ہیں۔ عقیدے کی ہر نجاست میں ملوث ہیں اور اعمال میں ہر بیکرداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں مگر توقع اچھائی کی کر رہے ہیں۔

دوزخ  
کی آگ

فرمایا حقیقت یہ ہے لَا جِرْمَ اِنَّ اَلَهُمُ النَّارَ اَنْ  
کے لیے تو ضرور بر ضرور دوزخ کی آگ ہے۔ وَأَنَّهُمْ مَفْرَطُونَ  
اور بیشک وہ آگے بڑھانے گئے ہیں۔ یعنی دوزخ کی آگ پر پیش کئے گئے  
ہیں۔ یہاں پر مَفْرَطُونَ را کی زیر کے ساتھ مفعول کا صیغہ ہے اور  
معنی یہ ہے کہ وہ لوگ آگے بڑھانے گئے ہیں۔ اور اگر مَفْرَطُونَ را کی  
زیر کے ساتھ ہو تو یہ فاعل کا صیغہ بنتا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ یہ لوگ زیادتی  
کرنے والے ہیں۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ یہ لوگ، کفر، شرک اور معاصی  
کا ارتکاب کر کے زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ فرط کا معنی فراموش کر دینا  
بھی ہوتا ہے۔ اگر ان معافی پر محمول کیا جائے تو مطاب یہ ہوگا کہ ایسے  
ناہنجاروں کو دوزخ میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔ فرط کا معنی پیش رو  
بھی آتا ہے۔ جیسے حضور کا فرمان ہے اَنَا فَرَطٌ عَلَيْكُمْ عَلَا  
الْحَوْصِ فِي حَوْصٍ كَوْتَرٍ بِرِثْمَارٍ بِرِثْمَارٍ رَوْحُونَ گوا یعنی میں تم سے  
پہلے دہاں موجود ہوں گا۔ قبرستان میں جا کر کی جانے والی دعا جو حضور  
علیہ السلام نے سکھائی ہے، اس میں یہ الفاظ آتے ہیں اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ  
تم ہمارے پیش رو ہو وَاِنَّا بِكُمْ لَلْاَحِقُّونَ اور ہم بھی تمہارے  
ساتھ ملنے والے ہیں يَخْفِضُ اللّٰهُ لَنَا وَاَكْفُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى ہمارے اور  
تمہاری غلطیاں معاف فرمائے۔ بہر حال فرمایا کہ یہ لوگ عجلائی کی توقع رکھتے  
ہیں جب کہ یہ دوزخیوں کے پیش رو ہوں گے یا انہیں دوزخ کی طرف  
آگے بڑھایا جائے گا۔

ترجمہ  
میں

آگے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا





قسم کے حوادث، ماجریات اور حالات انسان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے بعض کاموں کو انسانی عقل پر رکھا ہے اور بعض چیزوں کو اہل علم کے سپرد کیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح وضاحت کر دیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی سب سے زیادہ علم عطا کیا ہے اس لیے یہ ان کے فرض منصبی میں داخل ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ اللہ نے سورۃ ہود کی ابتدا میں فرمایا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی آیات کو حکم کیا گیا ہے "ثُمَّ فَصَّلْنَا مِنْهَا لَدُنَّ حَكِيمٌ خَبِيرٌ" پھر خدا نے حکیم و خبر کی طرف سے وضاحت ہے۔ قرآن پاک میں اسامی تعلیم ہے۔ اللہ نے تمام مطلوبہ اصول دنیا کر دیے ہیں جن کی توضیح اللہ کا نبی اپنے قول اور عمل کے ذریعے کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ عقیدے میں اختلاف کرنے ہوں یا اعمال میں، ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔

اسی وضاحت کے ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو "كَلِمَةً لِّكُلِّ اُمَّرُكُمْ عَلَيَّ كَوْعَمَةٍ" (یونس) پھر ہمارے معاملے میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہنی چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو تو ان کی قوم نے صاف صاف کہہ دیا "قَالُوا لَشُعَيْبٌ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا" "مَا تَقُولُ" (ہود) اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، حالانکہ اللہ کے نبی نے ہر چیز کی وضاحت کر دی تھی اور وہ لوگ محض اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کی بات کو قبول نہیں کرتے تھے۔ قرآن پاک سے متعلق نبی آخر الزمان کی تمام تعلیمیں و تشریح آپ کی سنت اور احادیث کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ بعض گمراہ فرقے چمڑا لوی اور پڑی وغیرہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے قرآن میں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ان سے

کوئی پوچھے کہ جس تبیین کا ذکر اللہ نے بار بار کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے قرآن پاک کے الفاظ کی تشریح حضور علیہ السلام کی سنت میں ہے۔ تمام صحیح احادیث قرآن پاک کی شرح ہیں۔ پوری امت کے سلف سے لیکر خلف تک اس پر عمل کرتے آئے ہیں لوگوں میں کو تاہمیاں ضرور پیدا ہوئی ہیں مگر وہ سنت تو محفوظ ہے جس پر اللہ کا نبی، خلفائے راشدین اور آپ کے متبعین چلتے آئے ہیں۔ یہی سنت ہے اور اس کے بغیر قرآن کی تبلیغ ممکن نہیں۔

ہدایت اور  
رحمت

فرمایا کہ آپ پر نازل کردہ کتاب وَهْدَىٰ سِرِّ هِدَايَتِ بِي ہدایت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے جس سوڑ پر بھی راہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ کی کتاب اس کے لیے راہنمائی بہم پہنچاتی ہے۔ البتہ اس ہدایت اور راہنمائی کو تلاش کرنا خود انسان کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیم ہی حاصل نہیں کرے گا اور اس میں غور و فکر ہی نہیں کرے گا تو اس کو ہدایت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ ہم نے بیانات اور ہدایت دو چیزوں کو اتارا ہے بیانات وہ چیزیں ہیں جو بالکل واضح ہیں اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں اور ہدایت ایسی چیز ہے جو استاد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی سورۃ صافات میں بھی ہے هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولًا بِالنُّورِ يَا هُدَىٰ اللہ کی ذات وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو یہ ہدایت اللہ کے رسول یا اس کے متبعین اور مبلغین سے لیکھنا پڑتی ہے۔ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ تب جا کر ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا ایک تو ہم نے ہدایت نازل فرمائی اور دوسری چیز وَرَحْمَةً رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اس کی نازل

کردہ ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت اور مہربانی شامل حال ہو جاتی ہے۔ انسان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور اسے نیکی کی مزید توفیق حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ عَلٰیٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فرمایا یہ سارے انعامات ان لوگوں کے حصے میں آتے ہیں لِقَوْمٍ كَثِيرٍ مِّنْهُمْ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن لوگوں کا ایمان ہی مکمل نہیں۔ وہ صدقِ قلب سے یقین ہی نہیں کھتے۔ ان کے لیے نہ ہدایت ہے اور نہ رحمت، وہ محروم ہی رہیں گے۔

مادی حیات  
کاسمان

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور رحمت کا ذکر کر کے انسان کی روحانی زندگی کاسمان میں کیا اور اب آگے مادی زندگی کے لوازمات کا تذکرہ فرمایا وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَسَاءَ بِالنَّاسِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ انزل کر کے پانی نازل فرمایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کہ زمین کی موت یعنی اس کے خشک ہو جانے کے بعد پانی کے ذریعے اس کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ خشک زمین میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بارش برساتا ہے تو زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اناج اور پھل کا شنت ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ تمام جانور، چرند اور پرند حتیٰ کہ کھیرے مکھڑوں کی زندگی کا احتصار بھی پانی پر ہے۔ پانی ہی کے ذریعے ان کے لیے چارہ، سبزیوں اور جڑی بوٹیوں پیدا ہوتی ہیں۔ جو ان کی خوراک بنتی ہیں۔ تو گوہر اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی زندگی کے لیے اپنی کتاب نازل فرمائی جس میں ہدایت اور رحمت ہے اور مادی زندگی کے لیے پانی اتار کر یہ ضرورت بھی پوری فرمادی۔

زمین کے مختلف خطوں میں پانی کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں  
 کوئی خط ارضی پانی کو اچھی طرح جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔  
 وہاں خوب پیداوار ہو جاتی ہے اور کسی جگہ سے پانی گذر جاتا ہے۔ وہ  
 زمین پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی  
 لہذا پیداوار بھی نہیں دیتی، ہدایت کا سلسلہ بھی ایسا ہی ہے  
 یہ انسان کے قلب پر پڑتی ہے۔ پھر جو قلوب اس کے طالب ہوتے  
 ہیں اور اس کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اس سے  
 مستفاد ہو جاتے ہیں۔ اور بعض سخت دلوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ لہذا  
 وہ اسی طرح محروم ہتے ہیں جس طرح کوئی چٹان پانی کے اثرات کو  
 قبول نہیں کرتی اور وہ اِدھر اُدھر بہ جاتا ہے۔

فَرَمَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ بِشَاكٍ  
 اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔ جو لوگ بات کو سن  
 کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اللہ  
 ان کی روحانی اور مادی دونوں ضروریات پوری فرماتا ہے۔ اور جو لوگ اس کی  
 طرف توجہ ہی نہیں کرتے، انہیں نہ ہدایت نصیب ہوتی ہے اور نہ اللہ  
 کی رحمت۔

النحل ۱۶

آیت ۶۶ ۶۷

ربما ۱۴

درس پانزدہم ۱۵

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نَسِيَ كُمُ  
 مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ  
 لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّرْبِ ۖ (۶۶) وَمِنْ ثَمَرِ  
 النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا  
 حَسَنًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۖ (۶۷)

ترجمہ ۱۔ اور بیشک تمہارے لیے موشیوں میں البتہ  
 عبرت ہے۔ پلاتے ہیں تم کو اس سے جو اُن کے  
 پیٹ میں ہے۔ گوبر اور خون کے درمیان ہے دودھ  
 خالص، خوشگوار پینے والوں کے لیے (۶۶) اور کھجوروں کے  
 پھلوں اور انجور سے بناتے ہو تم نشہ اور اچھی روزی۔  
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو  
 عقل سے کام لیتے ہیں (۶۷)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل عقائد کا رد فرمایا  
 اور اُن کے بڑے انجام کا ذکر کیا۔ رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ رسول کی امت  
 کے بڑے اعمال کو شیطان نے انہیں مزین کر کے دکھایا وہ اپنے شرکیہ عقائد  
 اور باطل رسومات پر ہی جمے رہے اور رسولوں کی بات کو نہ مانا۔ پھر آخری دور میں  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرِ آخر الزمان پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا تاکہ آپ اس کی  
 اچھی طرح وضاحت کریں اور وہ تمام چیزیں واضح ہو جائیں جن میں لوگ اختلاف

کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے مگر اہل ایمان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ کتاب نازل فرما کر انسان کی روحانی زندگی کا سامان کر دیا اور آسمان کی طرف سے بارش برسا کر ان کی مادی زندگی کا بندوبست کر دیا۔ فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو کان لگا کر سنتے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے موشیوں اور بعض پھولوں کا ذکر کھمکے ان کے فوائد کو بیان کیا ہے اور یہ بات سمجھائی ہے کہ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ کے دلائل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّمَنِ لَوْ كُوْا بِشَيْءٍ تَمَارِكُ لِيْهِ موشیوں میں سامانِ عبرت ہے بہمیتہ الانعام کا ذکر سورۃ انعام میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان سے مراد آٹھ قسم کے وہ نر اور مادہ جوڑے سراد ہیں جو انسانوں کے قریب ہوتے ہیں اور ان ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسان کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے چنانچہ انسان ان کی ہڈیاں گوشت دوہرہ، کھال اور اون استعمال کرتے ہیں۔ یہ آٹھ جوڑے، اونٹ، زرد اور گائے بھینس (نر اور مادہ) بھیر (نر اور مادہ) بکری (نر اور مادہ) ہیں۔ اگرچہ یہ طاقت میں انسان سے بہت زیادہ ہیں مگر اللہ نے ان کی سرشت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان کا حکم مانیں اور اس کی خدمت کریں۔ پھر بھی جب کسی جانور کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا انسان بلاوجہ تنگ کرتے ہیں تو وہ انہیں ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس سلسلہ میں اونٹ کی دشمنی تو ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ بہر حال فرمایا ان موشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ عبرت کا معنی ہوتا ہے کسی معلوم چیز سے کسی نامعلوم چیز کو دریافت کرنا یعنی مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کو دیکھ کر مشاہدہ میں نہ آنے والی چیزوں پر

موشیوں  
میں سامان  
عبرت

یقین کرنا۔ مذکورہ مویشی ہمیں نظر آ رہے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے  
اور اس کی توحید کو سمجھنا ہی عبرت ہے۔

دودھ کی  
نعمت

آگے اللہ تعالیٰ نے دودھ کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
نَسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِمْ يَلْتَمِسُونَ تَبَعِيضَهُ  
سے جو ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے۔ یہاں پر ہمیں تبعضیہ ہے  
یعنی بعض جانوروں میں سے پلاتے ہیں، سب کا ضروری نہیں۔ اور کیا  
پلاتے ہیں؟ لَبَنًا خَالِصًا خَالِصًا اور صاف سٹھرا دودھ جیب  
یہ مویشی کے محضوں سے برآمد ہوتا ہے تو بالکل خالص ہوتا ہے اس میں  
کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اور بالکل پاکیزہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم  
کی نجاست نہیں ہوتی۔ اللہ نے تو اس دودھ کو خالص اور پاکیزہ بنایا ہے  
جیب یہ انسانوں کے ہاتھوں میں آتا ہے تو یہ خالص نہیں رہتا بلکہ اس  
میں پانی یا دوسری چیزوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے اور اس کی پاکیزگی میں  
بھی فرق آتا ہے کہ بعض اوقات اس میں ظاہری یا باطنی نجاست شامل  
ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دونا پاک چیزوں میں سے لَبَنًا  
فَرِيًّا قَدِيمًا یعنی گوبر اور خون کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔ جانور کے  
پیٹ میں ایک طرف گوبر کا ذخیرہ ہے جو خوراک کا فضلہ، بدبودار اور نجس  
ہے اور دوسری طرف خون ہے جو بچانے خود حرام اور ناپاک ہے۔ مگر  
انہی کے درمیان میں سے اللہ تعالیٰ نے دودھ جیسی نہایت ہی خالص اور  
صاف سٹھری چیز کو پیدا فرمایا ہے تاکہ انسان اس کی لذت اور غذائیت  
سے مستفید ہوں۔

فرمایا یہ دودھ نہ صرف خالص اور پاکیزہ ہے بلکہ سَائِفًا نَسْقِيكُمْ  
بھی ہے۔ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور یہ آسانی سے حلق میں گھسی اتر جاتا  
ہے یعنی اس کے استعمال کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ یہ لفظ

سورۃ ابراہیم میں آچکا ہے۔ جہاں دوزخیوں کو پیر پلا پانی میسے جانے کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا وَلَا يَكْفُرُ اَنْفُسًا وَاَنْفُسًا وَاَنْفُسًا سے نیچے نہیں اتار سکیں گے، اس قدر بربودار اور کڑوا ہو گا۔ مگر یہاں پر دودھ کے متعلق فرمایا کہ یہ خوشگوار ہے جو آسانی کے ساتھ حلق سے اتار جا سکتا اور ایک بہت طبری نعمت ہے لِلشَّرْبِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاللَّوْنِ كَالْيَسْمِينِ کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ، حکمتِ بالغہ، اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ فرمایا ان مویشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے تمہیں غور کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی ربوبیت کا کس طریقے سے اظہار فرمایا ہے۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ بَطْنٍ غور طلب ہے اور اس میں مفسرین کلام نے بحث کی ہے۔ اس میں ہ کی ضمیر العام یعنی جانوروں کی طرف لٹپٹی ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے مگر یہاں پر ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ اس ضمن میں لغت کے امام کہتے ہیں کہ اگرچہ لفظ العام جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مگر لفظ تو بہر حال مفرد ہی ہے، جیسے بعض حضرات لفظ اخلاق کو بھی مفرد شمار کرتے ہیں اگرچہ اس کا معنی جمع والا ہے۔ اسی طرح اخبار عام لفظ ہے۔ اگرچہ یہ خبر کی جمع ہے مگر یہ استعمال واحد ہوتا ہے اور اس کی جمع اخبارات آتی ہے۔ لہذا لفظ مفرد ہونے کی بنا پر العام کی ضمیر بھی واحد ہی لائی گئی ہے۔ امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ہ کی ضمیر العام کی طرف نہیں بلکہ یہ محذوف لفظ مذکور کی طرف راجع ہے جو کہ واضح طور پر مفرد لفظ ہے۔ اس لحاظ سے بھی ضمیر کا مفرد آنا درست ہے۔ پہلے سے مذکور چیز بھی العام ہی، اور وہ بھی مفرد لفظ ہے۔ ضمیر کے مفرد آنے میں کوئی اشکال نہیں۔ پہلے سورۃ مؤمن میں العام ہی سے متعلق مؤنث اور مفرد ضمیر ہا بھی لائی گئی ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ مِثْلَهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ۔



دودھ ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص کو اللہ دودھ عطا فرمائے<sup>۹</sup> سے یوں دعا کرنی چاہیے۔  
 اللَّهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ لِيَا اللَّهُ! اس نعمت میں مزید اضافہ فرما  
 اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری نعمت حاصل ہو تو کہنا چاہیے اللَّهُمَّ سَخِّرْ لَنَا  
 حَيْرًا مِثْلَهُ لِيَا اللَّهُ! ہمیں اس سے بہتر نعمت عطا کر، مگر دودھ  
 چونکہ بہترین نعمت ہے، اس لیے اس میں اضافہ کی درخواست کی جاتی ہے  
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ اکل و شرب کی تمام اشیاء میں سے  
 دودھ ہی ایک ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کے کام آتی ہے  
 یہ ایک بہترین اور لذیذ مشروب بھی ہے اور غذا اہیت کے اعتبار سے  
 بہترین غذا بھی ہے۔ اللہ نے دودھ میں غذا اہیت کے تمام اجزاء  
 نمکیات، کھیات، پانی، چربی، روغن شامل کر دیے ہیں جو انسان کی جسمانی  
 ساخت اور توانائی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی لیے دو سال تک بچہ صرف  
 دودھ پے گا کہہ سکتا ہے۔ دودھ کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیز نہ بھی ملے  
 تو یہی اس کی نشوونما کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت  
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد موجود ہے کہ دودھ سے بہتر کوئی  
 نعمت نہیں ہے لہذا اس میں اضافہ کی دعا کی گئی ہے۔ پھر یہ ہے  
 کہ دودھ جنت کی نعمتوں میں بھی سرفہرست ہے۔ جہاں اللہ نے پانی  
 شہد، شراب طہور کی نروں کا ذکر کیا ہے، وہاں دودھ کی نروں کا تذکرہ  
 بھی موجود ہے۔

دودھ کی طہارت کے متعلق فقہائے کرام بحث کرتے ہیں۔  
 امام ابو جبر حصاص نے بھی "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ اللہ نے دودھ  
 کو اس قدر قوی طہارت عطا کی ہے کہ مردہ جانور کے عفتوں میں موجود دودھ  
 بھی پاک ہی ہوگا اگرچہ مرتے کے بعد جانور خود ناپاک ہو چکا ہے بزرگان دین

میں ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کو بھی دودھ پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح دودھ میں گوبر یا خون کی ملاوٹ سے دودھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسانی اعمال میں ریا اور ہوس کی ملاوٹ ہوگئی تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔ ریاکاری بھی اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اور بدعات بھی اعمال کے قاطع ہیں۔ لہذا انسان کے اعمال کو ان دو چیزوں سے پاک ہونا چاہیے۔

دودھ کا  
کارخانہ

دودھ کی فراہمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جانور کے جسم میں عجیب و غریب کارخانہ قائم کر رکھا ہے۔ جانور کی خوردہ غذا اُس کے معدے میں جاتی ہے۔ پھر اس غذا کے تمام لطیف اجزاء باریک باریک ٹکڑوں کے ذریعے کھینچ کر جگر میں آجاتے ہیں۔ جگر ان کو خون میں تبدیل کرتا ہے جو کہ پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ چونکہ اس خون میں انسانی ساخت کے تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اس لیے یہ خون جس جس ساخت میں پہنچتا ہے وہ اپنی مطلوبہ غذا حاصل کر لیتا ہے اور باقی دوسری ساختوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق خوب خون جانور کے عضلوں کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اس سے دودھ پیدا کرنے والے اجزاء حاصل کر کے انہیں دودھ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے جسم میں بہت بڑی فیکٹری لگا رکھی ہے۔ جہاں اللہ کے لاکھوں فرشتے کام کر رہے ہیں اور ہر جاندار کی ضروریات کی چیزیں تیار کرتے رہتے ہیں۔ پھر حال اللہ نے دودھ کو اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ رنگت، ذائقے اور غذائیت کے لحاظ سے بہترین چیز ہے اور انسانوں کے لیے عبرت کا سامان بھی ہے۔

دودھ کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کارآمد پھلوں کا ذکر فرمایا ہے اور انہیں اپنی قدرت نامہ اور وحدانیت کی دلیل

مشروب  
اور کھجی  
روزی

کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمِمَّنْ تَمَلَّتِ النَّجِيلِ  
 وَالْأَعْيُنُ كَجُجُورِ كَعْمَلِ اور انگوٹوں سے تَخَذُوا مِن مَّثَلِهِ  
 سکر آتم نشے والی چیز بناتے ہو وِرْدًا حَسَنًا اور اچھی روزی  
 بھی تیار کرتے ہو۔ کجور اور انگوڑا ایسی چیزیں ہیں جن سے شراب بھی بن سکتی ہے  
 اور اچار، مربے، چٹنی اور غذائیت کی دوسری چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں یہاں  
 پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی حرام چیز کا ذکر کیسے  
 فرمایا ہے۔ مفسرین کہہ لیں کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے۔  
 جب کہ ابھی شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ  
 نے اس مقام پر شراب کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ اس کو رِزْقًا حَسَنًا  
 (حلال اور پاکیزہ روزی) سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لیے کجور اور انگوڑا پیدا فرمائیے ہیں۔ اب تم اپنی صوابیہ  
 کے مطابق خواہ ناپسندیدہ نشہ آور چیز شراب تیار کر لو یا اسے مشروب اور  
 سر کے کی صورت میں حلال طور پر استعمال کر لو۔

اس بات میں کلام نہیں کہ حرمت شراب کے سلسلے میں جن میں حل  
 سے گزرنے کے بعد قطعی حرمت کا حکم آیا، ان میں یہ آیت پہلا مرحلہ ہے  
 اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لطیف پیرایہ میں اس کی ناپسندیدگی کا ذکر  
 کر دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں سورۃ بقرہ کی آیت  
 ”يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ الْمَذْمُومِ نَازِلٍ هُوَ لَكُمْ  
 حَضْرًا عَلَيْهِ السَّلَامُ“ سے اس کی حرمت و عدلت کے متعلق دریافت کرتے  
 تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ شراب اور جوئے میں نقصانات بھی ہیں اور فوائد  
 بھی مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اس  
 طرح گویا شراب کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ پھر تیسرے مرحلہ  
 وہ آیا جب شراب کے نشے میں مخمور ایک صحابی نے امامت کر لی تو

قرآن پاک غلط پڑھ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ  
 وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ" (النساء) یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب  
 نہ جاؤ۔ لوگ پھر بھی گاہے بگاہے شراب استعمال کرتے رہے اور بالآخر  
 چوتھے مرحلے میں جا کر صرمت کا قطعی حکم آگیا "إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ  
 وَالْأَلْطَبَابُ وَالْأَزْدَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ  
 فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ أَفْلِحُونَ" (المائدہ) بہر حال اس وقت  
 تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لیے اللہ نے یہاں پر بطور احسان یاد  
 دلایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے کھجور اور انگور پیدا کیے جس سے تم شراب  
 بھی کشید کرتے ہو اور طیب روزی کے طور پر بھی مستفید ہوتے ہیں۔

مخط "سکر"  
 کی تحقیق

امام ابو عبیدہ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر "سکر" سے مراد  
 نشے والی چیز نہیں بلکہ "خوراک" مراد ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ  
 خوراک یا غذا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وہ اس کی مثال بیان کرتے  
 ہیں کہ کسی نے کہا ہے جَعَلْتَ اَعْرَاضَ الْكُورِ سَكْرًا لِنِي  
 شَرَفَا كِي عَزْتُولِ كُو خوراک بنا لیا ہے کشتی شاعر نے بھی کہا ہے لَعْدَةَ  
 مِنْ اَعْرَاضِنَا مُسْتَحَلَقٌ خَوْشَوَارِي هُو عَزِي كِي لِي كِه اَس  
 نے تمہاری ابروؤں کو کھا لیا ہے یعنی ہماری غیبت کر کے ہماری عزتوں کو  
 کھا لیا ہے۔ خدا کرے کہ اُس سے بچ جائیں کَهَيْتِي مَرِيئًا عِي كِي اَس  
 محاکرین بالکل خورشوار ہو اور بد مضمی نہ ہو۔ تو گویا سکر کا معنی خوراک بھی ہوتا ہے  
 اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ کے اسناد امام شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی  
 زیارت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سکر سے مراد پینے کی چیز ہے نہ کہ نشے آمد  
 چیز حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حبشی زبان میں سکر کے کو  
 سکر کہا جاتا ہے جو کہ حلال چیز ہے۔ بہر حال مفسرین کہہ رہے ہیں کہ سکر کا معنی خوراک  
 بھی کیا ہے اور محض مشروب بھی اور سکر کہ بھی۔ اگر معافی کو پیش نظر رکھا جائے

تو نشہ آور چیز والا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ شراب ہماری شریعت میں بہر حال حرام ہے اور اس کا کشید کرنا۔ بیچنا، خریدنا اور پینا پلانا سب حرام ہے۔  
 فرمایا ان في ذلك آية لقوم يعقلون بیشک  
 اس میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ شراب کو خامر العقل  
 اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ شرابی آدمی تو اس کے  
 نشے میں ہی محمور رہیگا، البتہ جو اس کے قریب نہیں جاتا، اس کی عقل و  
 غرور قائم ہے گی اور وہی اس نشانی سے مستفید ہو سکے گا۔ ایسا شخص اللہ  
 کی قدرت نامہ کو خوب سمجھ جائے گا اور پھر اسے وعدہ امتیت خداوندی اور  
 معاد پر یقین آجائے گا۔ بہر حال مذکورہ اشیاء قدرت الہی کے منونے ہیں  
 جو روز مرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور ہم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

النحل ۱۶

آیت ۶۸ ۶۹

ربما ۱۴

درس شانزدهم ۱۶

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَىٰ النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي  
 مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾  
 ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي  
 سَبِيلَ رَبِّكَ ذُلًّا ۖ يَخْرُجُ مِنْ أَبْطُونِهَا شَرَابٌ  
 مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي  
 ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ :- اور وحی کی تیرے پروردگار نے شہد کی  
 مکھیوں کی طرف کہ بناؤ پہاڑوں میں گھر اور درختوں پر  
 اور ان جگہوں پر جو چھپر باندھتے ہیں لوگ ﴿۶۸﴾ پھر کھاؤ  
 ہر قسم کے پھل ، اور چلو اپنے راستوں پر سہارا کیے ہوئے  
 نکلنا ہے ان کے پیٹوں سے ایک مشروب جس کی  
 رنگت مختلف ہوتی ہے ۔ اس میں شفا ہے لوگوں کے  
 لیے ۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے  
 لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۶۹﴾

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے  
 متعلق دلائل بیان فرمائے ۔ ان میں سے پہلے آسمان سے پانی نازل کرنے کا  
 ذکر ہوا ۔ پھر موشیوں ، انگوروں اور کھجوروں کا تذکرہ ہوا ۔ ان کے فوائد بیان کر کے  
 اللہ نے انہیں بطور دلیل ذکر کیا کہ ان چیزوں میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ

بط آیت

کی وحدانیت، اُس کی قدرت اور حکمت کو سمجھ سکتے ہیں۔ اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیسا کمال رکھا ہے جو انبان کے لیے نہایت لذیذ اور مشغی مشروب دیا کرتی ہیں اس سورۃ کا نام سورۃ النحل اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر ہے۔

مکھیوں کی  
طرف وحی

ارشاد ہوتا ہے **وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی الخِطْلِ** اور وحی کی آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف بمقصد کلام فرماتے ہیں کہ اس وحی سے مراد رست اور ثبوت والی وحی نہیں ہے کیونکہ وہ تو انبیاء اور رسولوں کے ساتھ مختص ہے البتہ اس وحی سے الہام مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ الہام عام ہے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو ہو سکتا ہے۔ اس الہام کی نوعیت بالکل وہی ہے جس قسم کا الہام اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کیا تھا۔ وہاں بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں **وَ اَوْحٰیْنَا اِلَیْہَا اَمْرٌ مِّنْ سِیِّئَاتِہَا** (قصص) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا یعنی اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس بچے کی جان کی خاطر اسے صندوق میں بند کر کے پانی میں بہا دیں۔ ظاہر ہے کہ اُم موسیٰ نبی تو نہیں تھیں، لہذا اُن کی وحی کی نوعیت بھی الہام والی تھی۔ الہام کے ذریعے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی چیز دل میں ڈال دیتا ہے اور بعض اوقات کوئی فرشتہ انسانی صورت میں شکل ہو کر آتا ہے اور کوئی بات کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کا الہام اسی نوعیت کا تھا **فَاَرْسَلْنَا اِلَیْہَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا مِّنْ سَوَابِہِا** (مریم) ہم نے اُس کی طرف فرشتہ بھیجا جو اُس کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن گیا۔ الہام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی غیبی آواز (طہافت) کے ذریعے کوئی اشارہ مل جائے۔ تاج شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں جیسے ہی دو سکر یا نوروں کے الہام کی صورت یہ ہے کہ اُن کے ہاں خارجی دنیا سے کوئی

فرشتہ نہیں آتا اور نہ ہی وہ اتنے عقل و شعور کے مالک ہوتے ہیں کہ بوقت ضرورت ان کے ذہن میں کوئی چیز ڈال دی جائے بلکہ ان کی طرف وحی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں کوئی چیز ڈال دی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کو صورتِ نوعیہ کے اعتبار سے کوئی بات سمجھا دیتا ہے۔ تو گویا شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات ڈال دی ہے جس کا ذکر اگلے جگہ میں آ رہا ہے۔

وہ بات یہ ہے اِنَّ اِتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ مِثْقَالَ حَبِّ كَرْمٍ  
 پہاڑوں میں اپنا گھر یعنی چھتہ بنا لو۔ صحت سے مراد یہ ہے کہ ہر پہاڑ کی ہر غار میں نہیں بلکہ بعض پہاڑوں میں اپنا چھتہ قائم کر لو۔ یہی چھتہ شہد کی مکھیوں کا گھر ہے جہاں وہ شہد کا ذخیرہ جمع کرتی ہیں جس میں سے خود بھی کھاتی ہیں اور بچوں کو بھی کھلاتی ہیں۔ یہ گویا شہد کا ڈلو ہوتا ہے۔ پھر جب قرب و جوار کے لوگوں کو کسی ایسے چھتے کا علم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں سے میروں نہیں بلکہ منوں کے حساب سے شہد برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا پہاڑوں میں اپنا گھر بنا لو وَصِیۡتِ الشَّجَرَ اِنْ مَنَسَبَ  
 درختوں پر چھتہ لگا لو۔ بعض بڑے بڑے درختوں پر مکھیاں چھتہ بنا کر شہد اکٹھا کرتی ہیں۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق جہاں مناسب سمجھتی ہیں، کسی اونچی یا نیچی شاخ پر گھر بنا لیتی ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا وَصِمَاۤیۡجَ شَوۡنَکَ  
 اور لوگوں کے تعمیر کردہ چھتوں میں چھتہ لگا لو۔ چھپرے سے مراد کھڑکی کا وہ فریم ہے جو انکو روغنیرہ کی بیل چڑھانے کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی دیگر ضرورت کے لیے بھی عارضی طور پر چھپرے تعمیر کیا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں ان جگہوں پر بھی اپنے چھتے بنا لیتی ہیں۔ الغرض! اللہ  
 نے شہد کی مکھیوں کی فطرت میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ وہ پہاڑوں میں

مکھیوں کا چھتہ



درختوں پر یا چھپیروں کے اندر اپنا چھتہ تعمیر کر لیں۔

پھلوں سے  
استفادہ

دوسری بات اللہ نے مکھیوں کی فطرت میں یہ ڈال دی کہ  
كُلِّ مِمَّا كَلَّ الشَّمَلَاتِ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھاؤ۔  
اس سے مراد دنیا بھر کے تمام پھل نہیں بلکہ وہ پھل مراد ہیں جو شہد کی مکھیوں  
کے طبائع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی اظروٹ یا یادام وغیرہ  
کا پھل توڑ کر تو نہیں کھا سکتی، مگر وہ انکور، گھوڑا ناشپاتی، آم وغیرہ تو آسانی  
سے کھا سکتی ہے اور کَلَّ الشَّمَلَاتِ سے ایسے ہی پھل مراد ہیں یہ  
بالکل اسی طرح کا طرز کلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکہ سب کے متعلق  
فَرَمَا وَأَوْتَيْتُ مِمَّا كَلَّ مَشَى کہ اُس کو ہر چیز عطا کی گئی۔ یہاں  
بھی ہر چیز سے دنیا بھر کی چھوٹی بڑی چیزیں نہیں بلکہ وہ چیزیں مراد ہیں جن کا تعلق  
امور مملکت سے ہو سکتا ہے مثلاً فوج، اسلحہ، مال و دولت، امیر و وزیر، کارکنان وغیرہ  
یہاں پر اللہ نے شہد کی مکھیوں سے فرمایا کہ ہر قسم کے پھلوں میں سے  
كُحَاؤُ فَاسَلِكِي سُبُلَ رَبِّكَ ذُلًّا اور اپنے پروردگار کے ہموار کردہ  
راستوں پر چلتی رہو۔ ذُلًّا کا معنی آسان کرنا بھی آتا ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے شہد کی مکھی میں یہ خوبی ڈال دی ہے کہ وہ اپنے چھتے سے کتنی بھی دور  
چلی جائے، یہ واپسی پر چھو لیتی نہیں کیونکہ اللہ نے اس کے لیے راستے  
ہموار اور آسان فرمادئے ہیں۔ یہ آسانی کے ساتھ بغیر بھولے اپنے چھتے پر پہنچ  
جاتی ہے۔

شہد میں  
شفافے

اب آگے اللہ نے مکھیوں کے ذریعے شہد کی پیداوار کی وضاحت  
فَرَمَا هِيَ يَخْرُجُ مِمَّا ابْطَوْنَ ذَهًا شَشَى ابْتِخْتِافَ الْوَاوَاتِ  
ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے شہد سفیدی  
مائل بھی ہوتا ہے اور سرخی مائل بھی۔ کبھی یہ بھورے رنگ کا ہوتا ہے اور کبھی  
گلابی رنگ کا جس قسم کا ماحول اور جس قسم کی خوراک مکھیوں کو میسر آتی ہے اسی

قیم کا شہد بھی اُن کے پٹیوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اور پھر یہ شہد محض تفریح  
 طبع کا سامان نہیں بلکہ **فِيهِ شِفَاءٌ لِّمَا فِي السِّنِّ** اللہ نے اس میں لوگوں  
 کے لیے شفا بھی رکھی ہے۔ ابن ماجہ شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ  
 حضور علیہ السلام نے فرمایا **عَلَيْكُمْ بِالشَّقَائِكِ الْعَسَلِ وَالْقُرْآنِ**  
 یعنی شفا والی دو چیزوں کو لازم پکڑو، ایک شہد ہے اور دوسری قرآن پاک  
 سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے **وَنَزَّلُ مِنَ الْقَدَانِ مَا هُوَ شِفَاءٌ  
 وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ** ہم نے قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے جس میں مومنوں  
 کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ بطلب یہ ہے کہ قرآن کریم باطنی بیماریوں  
 یعنی سینے کے تمام روگوں کفر، شرک، نفاق، بد عقیدگی اور بد اخلاقی کی شفا  
 ہے جب کہ شہد میں اللہ نے ظاہری امراض کی شفا رکھی ہے۔ شہد چونکہ گرم  
 تاثیر رکھتا ہے اس لیے یہ امراض بارود یعنی بلغمی بیماریوں میں بہت مفید ثابت  
 ہوتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ زہر کا تریاق (ANTISEPTIC) آٹی بائیٹک بھی ہے  
 یونانی طب میں معجونوں اور گولیوں کی افادیت کو تا دیر قائل رکھنے کے لیے شہد  
 میں تیار کیا جاتا ہے جب کہ نئی میڈیکل سائنس میں اس کام کے لیے سپرٹ کا  
 استعمال ہوتا ہے۔ تاہم مفسرین فرماتے ہیں کہ شہد میں ہر بیماری کے لیے شفا  
 نہیں بلکہ یہ شفا انکسہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کئی بیماریوں کے  
 لیے شفا ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں **عَلَيْكُمْ بِالشَّقَائِكِ  
 وَالسِّنِّ** یعنی سنا اور سنوت کو لازم پکڑو۔ سنا ایک قیم کی جڑی بوٹی ہے  
 جس میں اللہ نے کئی بیماریوں کی شفا رکھی ہے اور سنوت سویا یا شہد کو کہتے ہیں  
 فرمایا اس میں شفا ہے لیکن موت کی شفا کسی چیز میں نہیں، وہ اپنے وقت  
 پر اکبر رہے گی۔

ایک صحیح حدیث میں یہ واقعہ بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام

کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کے اسمال کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، اس کو شہد پلاؤ۔ اس شخص نے جا کر ایسا ہی کیا مگر مرض بڑھ گیا۔ وہ پھر حاضر ہوا تو آپ نے دوبارہ فرمایا کہ اسے شہد پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے اسمال میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب حضور علیہ السلام کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے تیسری مرتبہ شہد پلانے کے لیے کہا مگر پھر بھی افاقہ نہ ہوا۔ جب وہ شخص چوتھی مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ کا فرمان سچا ہے کہ شہد میں شفا ہے، مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ بہر حال جب مریض کو چوتھی مرتبہ شہد پلایا گیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ جین تک گندہ مادہ پیٹ میں موجود رہا۔ وہ نکلتا رہا، اور جب ختم ہو گیا تو مریض کے اسمال بند ہو گئے۔ اللہ نے شہد میں اس قسم کے مادے رکھے ہیں۔

حضرت علیؑ کے قول میں یوں بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے بیماری کی شکایت کی تو فرمایا کہ کسی برتن میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھو۔ پھر اس کو بارش کے پانی سے صاف کرو۔ اس کے بعد اپنی بیوی کے حق مہر میں سے ایک درہم لو۔ جب وہ اپنی خوشی خاطر سے لے لے جسے تو اس درہم سے شہد خریدو پھر وہ شہد بارش کے مذکورہ پانی میں ملا کر پی لو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اللہ نے بارش کے پانی کو مَاءٌ صَالِحٌ مَرَاتِبٌ یعنی پاکیزہ پانی فرمایا ہے اور شہد کے متعلق کہا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، تو حضرت علیؑ نے ان دونوں چیزوں کے مرکب کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔

شہد کی  
پیداوار

شہد کی پیداوار کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کے مشروب کی صورت میں نکلتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ شہد کی پیداوار کیسے ہوتی ہے۔ اس میں سائنسدانوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ لعاب کی شکل میں مکھی کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے۔ وہ بھی اپنے لعاب کے ذریعے ریشم پیدا کرتا ہے

وہ اپنے منہ سے نکلنے والا مادہ اپنے گمہر لپیٹا رہتا ہے اور اس طرح ریشم کے بیسے تار کی ایک ڈور سی سی بن جاتی ہے جسے بعد میں الگ کر کے ریشم حاصل کر لیا جاتا ہے اور اس سے لقمیں تیز ترین لباس تیار کیا جاتا ہے اسی طرح مکھی کے منہ سے نکلنے والے لعاب شہد کی صورت میں بہترین مشرکہ حاصل ہوتا ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ شہد مکھی کے منہ کا لعاب نہیں بلکہ اس کا فضلہ ہوتا ہے۔ افلاطون کا شاگرد اور سکندر کا استاد ارسطو یونان کا بہت بڑا حکیم گنہرا ہے اس کا زمانہ حضرت علیؑ علیہ السلام سے تین سو سال قبل کا ہے اس نے ایک دفعہ تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ شہد مکھی کا لعاب ہے یا فضلہ۔ اس نے شیشے کا ایک بہت بڑا جس بنوایا اور اس میں مکھیوں کا چھتہ لگا کر مکھیوں کو شیشے کے صندوق میں بند کر دیا تاکہ وہ مکھیوں کو شہد کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مکھیوں نے شہد پیدا کرنے سے پہلے شیشے کے اس صندوق کی ساری دیواروں پر موم لگا دی تاکہ باہر سے کچھ نظر نہ آسکے اور اس کے بعد مکھیوں نے شہد کی پیداوار شروع کی، اور اس طرح ارسطو اپنی تحقیق مکمل نہ کر سکا۔

شہد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ یہ اپنے چھتے میں عجیب و غریب قسم کے چھوٹے چھوٹے شش گوشہ گھومندے یا خانے بناتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انجینئر بھی ٹھیک ٹھیک شش گوشہ شکل جیومیٹری جس کے بغیر نہیں بنا سکتا مگر مکھی کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ باریک باریک دیواروں پر چھکونے والا ایسا گھومند بنا جاتی ہے کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بہر حال شہد ایک پاکیزہ اور مرغوب چیز ہے جو انسانوں کی غذا اور دوائی میں استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحِبُّ الْحُلْوَاءَ وَالْعَسَلَ** یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

مکھیوں کی  
فضیلت

شہد کی مکھی اگرچہ ایک چھوٹا سا جانور ہے مگر اللہ نے اس میں بڑی افادیت رکھی ہے۔ اللہ نے اسے زہر بلا ڈنگ عطا کیا ہے۔ جس کے ذریعے وہ دشمن سے اپنی حفاظت کرتی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی ایک چھوٹی سی چیز ہے مگر اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لیے اس کے ذریعے لذیذ ترین چیز پیدا فرمائی ہے۔ اس سے مولانا یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے رَبِّ اَعْبَدِ اشْعَثَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَيَّ اللّٰهُ لَا يَبْسُءُ لِيْ عِبَارًا لِّوَدِّ بَالُوْنَ وَاَلَيْ كَلْتُمْ اَدْمِيْ لِيْ سَ بِيْ هِيَ هُوْتُمْ هِيَ كَمَا رَوَى وَه قَوْمِ اَعْطَانِيْ تَوَالِدُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يْسَ حَانَتْ نَبِيْسَ هُوْنِ دِيْنًا لِيْ عِن اَنْ كِي قَوْمِ لُوْرِيْ هُو جَاتِيْ اَسْمَ۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے موزی جانور سانپ، کچھو، مکھی وغیرہ دوزخ میں جائیں گے سوائے شہد کی مکھی کے کہ یہ دوزخ میں نہیں جائیگی کیونکہ یہ لوگوں کے لیے نہایت ہی مفید شہد تیار کرتی ہے۔ اس چھوٹی سی مخلوق میں اللہ تعالیٰ نے تنظیم کا وہ مادہ رکھا ہے جو انسانوں کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو یجسوب کہا جاتا ہے جو عام مکھیوں سے قدر کا ٹھہ میں بڑا ہوتا ہے ان مکھیوں میں اتنا نظم و ضبط (DISCIPLINE) نہیں کہ یہ بادشاہ کے حکم کی ذرہ بھر بھی خلاف ورزی نہیں کرتی۔ یہ فوج کی طرح منظم ہوتی ہیں اور ان کا بادشاہ جہاں جانے کا حکم دے وہاں پہنچ کر خوراک حاصل کرتی ہیں اور جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ اللہ نے ان کے لیے راستوں کو آسان بنا دیا ہے، یہ دور و نزدیک جہاں بھی جائیں اپنے ڈپو پر واپس آجاتی ہیں۔ اس مکھی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ گندگی پر نہیں بیٹھتی۔ اگر کوئی مکھی کسی دوسری مکھی کو گندگی پر بیٹھی دیکھے تو فوراً بادشاہ کے پاس شکایت ہو جاتی ہے اس کا باقاعدہ کہیں پیش ہوتا ہے، گواہی ہوتی ہے اور اگر صدم ثابت ہو جائے تو مجرم کو سزا دے موت تک ہو جاتی ہے۔ بادشاہ

مکھیوں کی  
تنظیم

کی طرف سے اشارہ پا کر دوسری کھیاں مجھ مہ کو بچھڑ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں۔  
 آخر میں اللہ نے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ  
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔  
 سوچنے کی بات ہے کہ ایک معمولی مکھی سے اللہ نے کتنی عمدہ چیز پیدا فرمائی  
 ہے۔ ان مکھیوں میں کتنی تنظیم اور فرمانبرداری کا کتنا جذبہ موجود ہے۔ وہ مقررہ اصول  
 کی کس قدر پابندی کرتی ہیں۔ صرف پاک چیزیں کھاتی ہیں اور گندگی کے قریب  
 بھی نہیں جاتیں۔ وہ اپنا گھر و مذاکمال حکمت کے ساتھ بناتی ہیں جو صنایعی کا  
 بہترین شاہکار ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں بنی نوع انسان کو دعوت  
 غور و فکر دیتی ہیں اور انہیں بھی قوانین کی پابندی کا درس دیتی ہیں۔ اگر انسان کھیلوں  
 کی طرح اپنے اصولوں پر قائم ہو جائیں تو اُن کی معاشرتی زندگی میں کبھی بگاڑ پیدا  
 نہ ہو۔ اس وقت انسان جس ظلم، زیادتی، اسراف، احرام کاری، بدکاری، عیاشی  
 اور فحاشی میں مبتلا ہے، اُس سے نکل جائیں اور انہیں آرام و سکون کی زندگی میسر  
 آجائے۔ بہر حال شہد کی مکھیوں کے ہر فعل میں انسان کے لیے عبرت کا سامان  
 ہے۔ جو شخص غور و فکر کرے گا وہ اللہ کی قدرت کو سمجھ جائے گا اور اُس کی وحدانیت  
 پر ایمان لے آئے گا۔

غور و فکر  
 کا مقام

ربما ۱۴

النحل ۱۶

درس ہفتم ۱۰

آیت ۱۰

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَقَّكُمْ فَمَنْ تَقَدَّرَ مِنْكُمْ مَنْ  
يُرِدُّ إِلَيْهِ أَرِذَلٍ الْعُمُرِ لَكُمْ لَا يَعْلَمُ بَعْدَ  
عِلْمِ شَيْطَانٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾

۵۹۳

ترجمہ :- اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو۔ پھر وہ وفات دیتا ہے تم کو۔ اور تم میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو لوٹایا جاتا ہے رزقِ عمر کی طرف تاکہ نہ جانے وہ علم کے بعد کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، اور قدرتِ تامہ کا مالک ہے ﴿۱۰﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے پہلے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا۔ اس کے بعد اپنی قدرت کی چند مثالیں بیان کیں جو اس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہیں۔ سچلہ ان کے آسمان کی طرف سے پانی کا نزول اور اس کے ذریعے مختلف چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہے پھر موشیوں سے دودھ اور پھلوں سے پاکیزہ روزی کا ذکر ہوا۔ شہد کی مکھیوں کے ذریعے نہایت مفید اور مرغوب شہد کا بیان ہوا جس میں اللہ نے بہت سی بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ فرمایا یہ اس کی قدرت کے بیرونی دلائل ہیں۔ اور یہ کن لوگوں کے لیے سفید ہیں؟ فرمایا ”لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ“ غور و فکر کرنے والوں کے لیے، ”لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ“ عقل سے کام لینے والوں کے لیے، ”لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“ یقین رکھنے والوں کے لیے، اور ”لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ“ کان لگا کر سننے والوں کے لیے۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندرونی حالات کو موضوع

سخن بنایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر ہی غور کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے سورۃ الذریت میں موجود ہے "وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" خود تمہارے نفسوں کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق انانی کا ذکر کیا ہے **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ** اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ یعنی انان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ نے اُسے تخلیق کی نعمت عطا کی ہے اور وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انان کو پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ "قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" (الطلاق) اُس نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی فرمایا **مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى** (الاحقاف) آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا۔ تو کائنات کا پورا نظام ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح قوموں کے لیے بھی اللہ نے مختلف اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ ایک وقت میں انہیں عروج حاصل ہوتا ہے تو دوسرے وقت میں ان پر زوال آجاتا ہے۔ اسی طرح ہر تنفس کے لیے وقت مقرر ہے۔ اُس کی زندگی ایک خاص مدت تک کارآمد رہتی ہے اور پھر انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے **تَعْرِفُونَهُمْ بِسْمِ اللَّهِ** تم یہ موت طاری کر دیتا ہے۔ جب تک کہ اُس کو منظور ہوتا ہے، انسان کو زندہ رکھتا ہے اُسے زندگی کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے اور پھر موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

انانی زندگی میں کئی عروج و زوال آتے ہیں۔ انان پیدا ہوتا ہے،

رنگی اور  
رت

ان کا  
اور زوال



بچپن گزار کر جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے، پھر اس پر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کو زیادہ موقع نہیں ملتا اور وہ ابتدائی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے کی عمر میں فوت سے بچتا رہتے ہیں اور پھر بعض اس سے بھی آگے طبعی تدبیر کی قسم کے فوت ہوتے ہیں، لطفاً کہتے ہیں کہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے انسان کی طبعی عمر ایک سے بیس سال ہے اللہ نے انسان کے جسم کی مشینری کیلئے عرصہ کے لیے کارآمد بنا دیا ہے بشرطیکہ اس کے قوی میں کوئی صرابی واقع نہ ہو۔ حضرت حکیم بن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی عمر عطا فرمائی۔ پہلے زمانے میں لوگوں کی اوسط عمر زیادہ تھی مگر اب شاذ و نادر ہی کوئی لمبی عمر پاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے **أَعْمَادُ أُمَّتِي مَبَاكِينٌ مَسْتَبِينَ رِحْلٌ لَسَبْعِينَ** وَقَوْلٌ مِّنْ يَّمُوجٍ ذَلِكُ يَعْنِي مِيرِي أُمَّتِ كَلِ لُوكُلِ كِي عَمْرِي عَمْرًا سَاٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ علماء اور محققین کہتے ہیں کہ ابتدا سے لے کر پینتیس برس تک کی عمر کا ایک مرحلہ ہوتا ہے اس عرصہ میں انسان کے قوائے ظاہر اور باطنہ مکمل ہوتے ہیں اور ان میں کوئی منفی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ پھر چالیس سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک دوسرا دور ہوتا ہے۔ یہ درمیانہ عرصہ حیات ہے جو کہ انسان کا قیمتی سرمایہ ہے۔ بچپن میں قوی نامکمل ہوتے ہیں اور انسان میں ناپختگی ہوتی ہے، اسی لیے بچہ مکلف بھی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ درمیانی عرصہ ہی بہترین عرصہ ہوتا ہے جس میں انسان دین اور دنیا کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے۔ اگر اس عرصہ زندگی کو انسان اچھے کاموں میں استعمال کرے تو وہ ترقی کرتا ہے اور بھرپور زندگی گزارتا ہے۔ انسان کی ابتدائی زندگی کو بھی اللہ نے صنعت پر محمول کیا ہے۔ جیسے فرمایا **اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً** (الروم) اللہ کی ذات دہی ہے جس نے انسان کو کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر اس کے بعد قوت

عطا کی، پھر ضعف اور بڑھاپے کی حالت طاری کر دی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے بڑھاپے کی عمر سے پناہ مانگی ہے جس کے الفاظ اس طرح آتے ہیں۔ اللہم اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسْلِ وَمِنْ سُوءِ الْعُمْرِ وَمِنْ اَرْذَلِ الْعُمْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ پکھڑاتا ہوں بخل اور سستی سے، پیری عمر اور رذیل عمر سے، مسیح دجال کے فتنہ سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے۔

ارذل العمر

فرمایا انانی زندگی کا دوسرا اور بہترین دور چالیس سے ساٹھ تک کا ہے اور اس کے بعد تیسرا دور بڑھاپے کا ہوتا ہے جو کہ کچھ تر سال کی عمر تک چلتا ہے پھر جو کوئی اس عمر کو پہنچ جائے اس کا ارذل العمر شروع ہو جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دور اسی سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی حصہ زندگی کے متعلق اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے وَكَوْنَتْ لَكُمْ مِنْ سِنِّيْكُمْ اَرْذَلُ الْعُمْرِ اور تم میں سے بعض وہ ہیں جن کو رذیل عمر کی طرف لوٹا یا جاتا ہے۔ اس عمر کو پہنچ کر انسان کے قوی امضعل ہو جاتے ہیں اور وہ کوئی کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر سکتا۔ اس کے اعضاء میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی معدہ خراب اور کبھی پیشاب کی تکلیف، کبھی آنسوؤں میں تکلیف اور کبھی دانوں میں خرابی۔ سماعت اور بینائی تو اکثر خراب سے دیتی ہے اور انسان بیکار محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارذل العمر سے خدا کی پناہ مانگی ہے۔ اصل کام کاج اور عبادت الہی کے لیے درمیانہ عرصہ حیات ہی بہترین ہے، حضور علیہ السلام نے سات اذمیوں کے متعلق بشارت سنائی کہ ان کو عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی ان میں وہ نوجوان بھی شامل ہے جس نے جوانی کی عمر عبادت میں گزاری۔

پیرانہ سالی کے اس دور کو ہر آدمی محسوس کرتا ہے، تاہم جیب ایک شاعر اس مرحلے سے گزرتا ہے تو اس کے احاسات اشعار کی صورت میں اُس کی زبان پر آجاتے ہیں جیکر مراد آبادی بصغیر کا معروف شاعر ہے جسے فوت ہوئے ابھی بیس سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اُس نے اپنے شعر میں کہا ہے۔

زندگی و ضرر باقی در عہد شباب اولی

یعنی خواہ زندگی ہو یا ضرر باقی، یہ جوانی کی عمر میں ہی ہو سکتی ہے۔ یہ مطلب یہ کہ بڑھاپے میں انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔

قدیم شعر میں مومن خان مومن بھی صفت اول کا شاعر تھا، اسی مسلمان، سید احمد شہید بریلوی کا مرید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شاگرد تھا۔ وہ کہتا ہے

عہد شباب ہے زندگانی کا مزا

پیری میں کہاں ہے وہ نوجوانی کا مزا

یہ بھی کئی دن میں فنا ہو گا

باقی ہے جو باتوں میں کہانی کا مزا

جیکر مراد آبادی کا یہ شعر بھی ملاحظہ کریں۔

زخمت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی

کننے کی بات ہے کہ جیسے جارہا ہوں میں

صوفی شعر میں عراقی بڑے مشہور ہیں، انہوں نے بھی اس دور کا بڑے لطیف انداز میں ذکر کیا ہے۔

افسوس کہ ایام جوانی بجز شرت

سرمایہ عیش جاودانی بجز شرت

خفتم بہ کنار جوئے چنراں

کہ جوئے من آب زندگانی بجز شرت

افسوس جوانی کا زمانہ گزر گیا، حقیقت میں صبح زمانہ عیش وہی تھا۔ میں ندی کے

کنارے اتنا سو یا کہ میری اپنی زندگی کی ندی کا پانی بھی ختم ہو گیا۔  
عربی شعرا میں سے ابو کبیر ندی اپنی بیٹی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے

أَرَهَيْرُ هَلْ مِنْ شَيْبَةٍ مِّنْ مَّعَالٍ  
أَمْ لَا سَبِيلَ الْحِكْمِ الشَّبَابِ الْأَوَّلِ

اے بیٹی زہیر! کیا بڑھاپے سے بدلنے کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟  
کیا اس جوانی کے زمانے کی طرف پلٹنے والی کوئی بات ہو سکتی ہے؟

أَمْ لَا سَبِيلَ الْحِكْمِ الشَّبَابِ وَذِكْرُهُ  
أَشْهَى الْحِكْمِ مِنَ الرَّحِيفِ السُّسُلِ

یعنی مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو اس کا ذکر بھی شراب  
مصفا سے زیادہ پیارا ہے۔

سَمِعْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ لَعِيشٍ  
ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَالَكَ كَيْسًا

میں اسی زندگی سے دیکھ رہا ہوں۔ تیرا باپ نہ بتے جو آدمی اسی سال کی  
عمر تک پہنچتا ہے، وہ یقیناً زندگی سے دیکھ رہا ہے۔

رَأَيْتُ الْمَنِيَا خَطَّ عَشْوَاءَ مَنْ لَصِبَتْ  
لَيْسُهُ وَمَنْ تَحَطَّى لِعَمِّمْ فِيهِمْ

میں نے مولوں کو ایسا دیکھا ہے جیسے اندھی اونٹنی ٹامک ٹوٹیاں مارتی ہے  
جس کو مل گئی اُس کو فنا کر دیا، اور جس سے خطا کر گئی اس کو عمر لے دی جاتی ہے  
وہ ہرم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہرم صنعت اور انحطاط کی عمر کر کے کہا جاتا ہے۔  
کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

إِنَّ الثَّمَانِينَ وَبَلَغَتْهَا  
قَدْ أَحْوَجَتْ سَمِعِي إِلَى تَرْجَانِ

تحتیق خدا تجھے اسی سال کی عمر تک پہنچائے، اُس نے مجھے تو تَرْجَانِ کی طرف

محتاج کر دیا ہے یعنی میرے قوی استقدر مصلح ہو چکے ہیں کہ اب میں تیر جان کے بیچ کسی سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ نہ خود کسی کی بات سن سکتا ہوں اور نہ دوسرے کو اپنی بات سنا سکتا ہوں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ پچاس سال کے بعد انسان کی زندگی ایسی ہوتی ہے گو یا کہ وہ غلط راستے (WRONG SIDE) راگ سٹاپ پر جا رہا ہو، وہ ہر وقت حادثات کے خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔

ہگے از دست و گئے از دل گئے ز پانام  
بسرعت می روی اے عمر می ترسم کہ او مانم  
مطلب یہ کہ کبھی ہاتھ میں تکلیف ہو گئی، کبھی دل اور کبھی پاؤں میں خرابی پیدا ہو گئی۔ عمر تیزی سے گزر رہی ہے اور پھر ایسا ہو گا کہ ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور وہ نکل جائے گی۔

”البیان والتبیین“ والے نے بشار ابن برد کا شعر نقل کیا ہے

وَالشَّيْءُ شَيْنٌ لِّمَنْ آتَى بِسَاحِلِهِ  
لِللَّهِ دُرُّ السُّوَادِ وَاللَّمَّةُ الْحَالِي

بڑے سا پتھر ایک عجیب ہے جس کے صحن میں اتر جائے حقیقت میں زندگی کا بہترین دور وہی ہوتا ہے۔ جب بال کالے ہوتے ہیں۔ سعدی صفا نے کہا ہے، ابلکہ حسنور علیہ السلام کافر مان بھی ہے کہ شباب کو بچپن سے عنیمت سمجھو کہ یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ کہنا ہے شباب میں ہی کہ لو۔ اس کو عنیمت سمجھو کہ یہ دور بھی ختم ہو جائے گا۔

نیرے کن اے فلاں و عنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

دیجی کا کام کہ لو اور زندگی کے ان لمحات کو عنیمت سمجھو۔ ایک دن آواز آئے گی کہ فلاں آدمی اس دنیا میں نہیں رہا۔

اسی طرح عمران ابن حلان کا شعر ہے

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَنَعِي لِبُؤْحِدَةٍ  
حَسْبُ اللَّيْبِ بِهَذَا الشَّيْبِ مِنْ نَاعِي

جو کچھ عمل کرنا ہے کہہ لو کیونکہ ایک دفعہ آواز اٹھے گی کہ فلاں آدمی مر گیا، اور اگر تم کسی ڈر آنے والے کو تلاش کر رہے ہو۔ تو یہ بالوں کی سفیدی کافی ڈر آنے والی ہے یہی موت کی خیر دہتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ قیامت کے دن چار چیزوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور جب تک کوئی ان کا جواب نہیں دے گا، اسے قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ وہ چیزیں ہیں انسان کا عالم شباب، اس کی عمر مال اور علم۔

بہر حال زندگی کا درمیانہ عرصہ ہی بہترین عرصہ ہے جس میں انسان کمال حاصل کر سکتا ہے۔ علم و ہنر سیکھ سکتا ہے اور عبادت و ریاضت کر سکتا ہے ملکی دفاع کے لیے اسی عمر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر محنت طلب کام اسی عمر کے حصہ میں کیا جاسکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ذرا سحر و کھوکھو کہ تمہیں پیدا کیا پھر موت طاری ہوتی ہے۔ اور درمیان میں ارذل العمر کا دور بھی آتا ہے جبکہ انسان کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔ لِيَكْفُرَ لَكُمْ كَجَدِّكُمْ عَلِيمٌ شَيْئًا کہ علم ہونے کے باوجود کچھ نہیں جانتا۔ حافظہ ضراب ہو جاتا ہے۔ شباب کے عالم میں جو کچھ یاد تھا۔ وہ بھول چکا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ عالم ہونے کے باوجود بے علم ہو گیا ہے۔ شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس امت میں کامل لوگ پیدا ہونے کے بعد پھر ناقص لوگ پیدا ہونے لگیں گے واللہ اعلم۔ بظاہر ہی حال نظر آتا ہے قرآن اولیٰ کے لوگوں کے حالات پڑھئے اور پھر اس زمانے کے ساتھ مقابلہ کیجئے۔

انفرادیت اور اجتماعیت، اخلاقیات اور عبادات ہر لحاظ سے روبرو متزل ہیں البتہ شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کے

فقط کی  
مزوری

ساتھ تعلق رکھے گا، اس کی درس و تدریس میں مصروف رہیگا، اللہ تعالیٰ  
 اس نسیان کے مذکورہ عارضہ سے محفوظ رکھے گا۔ قرآن پاک کی برکت سے  
 اس کی یادداشت قائم رہے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْمٌ  
 خدا تعالیٰ کی ذات سب کچھ جاننے والی اور قدرتِ تامہ کی مالک ہے  
 تمام تغیرات اور تصرفات اسی کے اختیار اور قدرت میں ہیں۔

---

النحل ۱۶

آیت ۱ تا ۴۲

ربما ۱۳

درس ہفتدہم ۱۸

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ  
 وَمَا الَّذِينَ فَضَّلُوا بِيَدِي رِزْقَهُمْ عَلَىٰ  
 مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَقْبِنِعْمَةَ  
 اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۴۱﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ  
 أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ  
 وَحَفَدَةً وَرِزْقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبَالْبَاطِلِ  
 يُؤْمِنُونَ وَيَنْعَمَتِ اللَّهُ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۴۲﴾ وَ  
 يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ  
 رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا  
 يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ  
 إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- اور اللہ نے فضیلت بخشی ہے تم میں سے  
 بعض کو بعض پر روزی کے سہلے میں ۔ پس نہیں ہیں  
 وہ لوگ جن کو فضیلت بخشی گئی ہے ، لوٹانے والے اپنی  
 روزی کو ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ  
 تاکہ وہ اس میں برابر ہو جائیں ۔ تو کیا اللہ کی نعمت کا یہ  
 انکار کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے ہیں



تھارے لیے تمہاری جانوں میں سے تمہارے جوڑے، اور  
 بنائے ہیں تمہارے لیے تمہارے جوڑوں میں سے بیٹے اور  
 پوتے، اور روزی بخشی ہے تمہیں پاک چیزوں سے کیا یہ  
 لوگ باطل پر یقین رکھتے اور اللہ کی نعمت کے ساتھ انکار  
 کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ  
 کے سوا ان چیزوں کی کہ نہیں مالک ان کے لیے روزی  
 کے آسمانوں سے اور زمین سے کسی چیز کے بھی، اور نہ  
 وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿۴۳﴾ پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ  
 کے لیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۴۷﴾

اللہ نے اپنی قدرت کی وہ نشانیاں بیان کیں جو اُس نے انسان کے  
 اندر اور بیرونی دنیا میں پیدا فرمائی ہیں۔ پھر اسی مضمون کو شرک کی تردید میں بطور دلیل  
 پیش کیا۔ گذشتہ آیات میں بھی اللہ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کیا تھا اور آج کی  
 آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ نے مشرکین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُس  
 کے انعامات کی ناقدری کرتے ہیں حالانکہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ انسان  
 کو چاہیے کہ وہ اللہ کی دھارنیت کو تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت کھے  
 اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا ہے وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ  
 عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے فضیلت بخشی  
 ہے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے معاملہ میں۔ اللہ نے تمام مخلوق کے لیے  
 روزی کے پیمانہ دروازے کٹا دیے ہیں کیسے بلکہ بعض کو زیادہ روزی دی ہے اور  
 بعض کو کم۔ اس کبھی بیشی کی حکمت اور مصالحت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو  
 خود روزی رساں ہے اور یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ دوسری جگہ تصریح

رزق میں  
 تفاوت

موجود ہے "وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَمْثَالِ  
 وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ" (الشوری) اگر اللہ تعالیٰ  
 سب لوگوں کے لیے روزی کے یکساں دروازے کٹا دے دیتا تو وہ زمین  
 میں بغاوت کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق روزی نازل فرماتا  
 ہے کسی کو زیادہ مال دے دیا اور کسی کو کم کسی کو افسر بنا دیا اور کسی کو ماتحت۔  
 حدیث شریفین میں آدم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے  
 اُن کی اولاد کی تمام روحوں کو متحمل کر کے اُن کے سامنے پیش کیا تو ان میں  
 تباہی نظر آئی۔ آدم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا،  
 پروردگار! کَوَلَّيْنَاكَ بَيْنَ عِبَادِكَ تَوْنًا لِّأَنفُسِنَا نَبِذْنَاكَ  
 درمیان برابر ہی کیوں نہیں رکھی، اے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں سب کو  
 یکساں کر دیتا تو کوئی شخص میرا شکر یہ ادا نہ کرتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان  
 کے ذہنی قوی اور جسمانی اظاہری اور باطنی طاقتیں ایک جیسی نہیں رکھیں، اس  
 لیے اُن کے علم و عمل میں بھی فرق ہے اور پھر اُن کی روزی کا سلسلہ بھی کم و بیش  
 رکھا ہے۔ کوئی امیر اور امیر تر ہے اور اسی طرح کوئی غریب اور غریب تر ہے  
 حدیث میں آتا ہے کہ جب اپنے سے زیادہ نعمت والے کا خیال آئے تو اس  
 کی طرف نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کم تر کی طرف دیکھو "الَّتِي تَزِدُّكُمْ اللَّهُ  
 تَاكْرُمًا اللَّهُ كِي عَطَاكُمْ كَرَمًا تَحْقِرُونَ" اللہ نے تمہیں بھی بہت سے  
 لوگوں پر فضیلت دی، تم مال اور اولاد میں اُن سے بہتر ہو، گو تم سے کمتر  
 لوگ بھی موجود ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور خدا کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو اللہ  
 نے انسانوں کے درمیان جو تفاوت رکھا ہے وہ بالکل فطری ہے جس طرح  
 استعداد اور محنت میں فرق ہے، اسی طرح روزی بھی برابر نہیں  
 یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے روزی زیادہ بخشی ہے اس  
 کے ذمے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہم سورۃ الروم میں پڑھتے ہیں "فَأَدِّ

ذَٰ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ قَرْتَبَدَارِ  
 مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو پھر یہ حقوق  
 بھی پورے کرو، ورنہ ماخوذ ہو گے۔ مال میں مختلف قسم کے حقوق ہیں، کوئی  
 فرض، کوئی واجب اور کوئی نفل۔ اگر کسی مالدار کے اقربا محتاج ہیں تو اس کے  
 ذمے واجب ہے کہ وہ ان کی اعانت کرے، تاکہ وہ بھروسے ننگے نہ رہیں  
 عام انسانی سوسائٹی کا بھی یہی قانون ہے۔ اگر دولت مند نادار کی مدد نہیں کرے  
 گا تو اللہ کے ہاں جو بارہ ہو گا۔ بہر حال جو صاحب حیثیت ہے اس کی ذمہ داری  
 بھی زیادہ ہے اور اسے اپنے مال کا حساب دینا ہو گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے  
 کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

مختلف نظام  
 ہائے  
 معیشت

آجکل غیر فطری مساوات کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ کہ سب برابر ہیں۔ اس  
 معاملہ میں اشتراکی ممالک پیش پیش ہیں۔ حالانکہ تفاوت کو مٹانا غیر فطری بات  
 ہے۔ گذشتہ پچاس سال کے تجربہ نے اشتراکی نظام کو بھی ناکام ثابت کر دیا ہے  
 وہاں بھی تشدد کے سوا کچھ نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت بھی ایک لعنت سے  
 کم نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی تعلیم سے دوری کی وجہ  
 سے ہو رہا ہے اللہ نے مال کے حصول اور خرچ دونوں کے لیے قانون مقرر  
 کیے ہیں۔ حلال و حرام کا امتیاز روارکھا اور کسب اور خرچ پر بعض پابندیاں عاید  
 کی ہیں۔ کسی کو من مانے طریقے سے کمائی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ دستِ مایہ  
 فَأَتَقُوا اللَّهَ وَاجْتَمِعُوا فِي الطَّلَبِ اللَّهُ سَءِءُ دَرَارٍ حَلَالٍ رِزْقِي  
 تلاش کرو۔ فرمایا۔ اَطْلَبُوا الرِّزْقَ فِي حَيَاتِكُمْ الْأَمْضَى  
 زمین کے کونے کونے میں جہاں بھی ممکن ہو روزی تلاش کرو۔ زمین کے ایک  
 سکرے سے دوسرے سکرے تک، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندر میں رزقِ حلال کی  
 تلاش کے لیے نکل جاؤ۔ زمین اور پہاڑوں سے معذنیات نکلتی ہیں دریاؤں  
 اور سمندروں سے ٹھیکلے کا نیکار اور قیمتی سمیٹی حاصل ہوتے ہیں۔ زمین کے اوپر

کھینتی باٹری، صنعت و صرفت اور طرح طرح کے کاروبار ہوتے ہیں، یہ سب روزی کے ذریعے ہیں۔ حلال رزق میں حرام کی ملاوٹ نہ کرو، اور پھر سب جیٹھی، فحاشی، اسراف، بلڈنگ سازی کی بجائے معاشرے کے کمزور لوگوں کا سہارا بنو۔ اللہ نے انسان کو مکلف بنایا ہے۔ اس پر پابندیاں عاید کی ہیں۔ اگر اپنے تمام معاملات دائرہ قانون کے اندر رہ کر نبھائو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے، حظيرة القدس کے ممبر بن جاؤ گے۔

اللہ نے فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے زیادہ روزی دی ہے۔ مال و زر کی فراوانی ہے۔ ان کا معاملہ ایسا ہے فَمَا الَّذِيكَ فَضَّلُوا اس وہ لوگ جن کو دوسروں پر فضیلت دی گئی ہے بِرَأْدِي رَزَقَهُمُ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ وہ نہیں چاہتے کہ اپنا مال اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں تاکہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی نہیں چاہتا کہ اس کے غریب، خدام بھی اس کے برابر حیثیت کے مالدار ہو جائیں۔ کوئی کارخانہ دار اپنے مزدور کو اپنا ہم پلہ نہیں دیکھنا چاہتا، کوئی زمیندار اور جاگیر دار اپنے مزارع کو اپنے برابر بیٹھا نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی حاکم برداشت کرے کہ اس کے سارے ماتحت اس کی حیثیت میں برابر ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کس و نا کس ایک جیسے ہو جائیں تو ایک دوسرے کے کام کو دن کو رنگا اور دنیا کا نظام کیسے چل سکے گا۔؟ گویا اس طرح کی تقسیم غیر فطری ہوگی۔ اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہر شخص کی اس تعداد، قوت اور علم میں تفاوت رکھا ہے تاکہ بنی نوع انسان ایک دوسرے کے کام آسکیں۔ فرمایا جِبَّ اللہ تعالیٰ نے تفاوت قائم رکھے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے أَفِيْنِعْمَةٍ اللّٰهُ يَجْعَدُ وَاك تُو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ اس کی مہربانی سے اسے نعمت حاصل ہو گئی۔

فطری اور  
غیر فطری  
ساواوت

ہے۔ پھر اگلی آیت میں اللہ نے اسی چیز کو شرک کے خلاف دلیل بنایا ہے کہ ان کو اپنے ہم جنس انسانوں کو بھی اپنے برابر آتا نہیں دیکھ سکتے۔ چہ جائیکہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر شریک محضرایا جائے۔

فرمایا اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر دانی کرو۔ اُس نے یہ حکم نہیں دیا کہ تم اپنا سارا مال تقسیم کر کے اپنے سے کم تر لوگوں کے برابر سوجاؤ بلکہ فرمایا ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق ادا کرو اور بیشک اپنا تفاوت قائم رکھو، یہ تم پر اللہ کا انعام ہے نظام سرمایہ داری میں یہی قباحت ہے کہ وہ مالی حقوق ادا نہیں کرتے جسکی وجہ سے السلفی سوسائٹی مصائب کا شکار ہو رہی ہے غریب اور کمزور لوگ مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مذہب بیزاری اور اشتراکیت کی طرف رغبت اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر شخص کو اُس کا جائز حق مل جائے تو اُسے بغاوت کرنی کی کیا ضرورت ہے؟ آج حالت یہ ہے کہ غریب لوگ زمین اور مکان سے محروم ہیں، ان کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، ان کے لیے حفظانِ صحت کا کوئی انتظام نہیں، انہیں روزگار کی ضرورت ہے وہ بھی عزتِ نفس چاہتے ہیں مگر جب وہ ان چیزوں سے محروم ہتے ہیں تو کبھی اشتراکیت کے سائے میں پناہ تلاش کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کا اصول تو یہ ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر بھی دوسروں کو اپنے دین میں داخل کرنی کی کوشش کرو۔ یہاں اپنے بھی دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ساری مصیبت حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے تمام سوسائٹی بیکار ہو چکی ہے۔ کمزوروں کو سہارا دینے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ اشتراک کی مساوات بالکل غیر فطری ہے جب کہ حقیقی مساوات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ہے۔

نوعی اور  
شخصی بقا

اللہ تعالیٰ نے انسان کی نوعی اور شخصی بقا کا انتظام کر کے انسان پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ

الْقِسْمِ كُم مِّنْ اَرْوَاحِكُمْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہاری ہی

جنس سے تمہاری بیویاں بنائی ہیں وَجِبَہَ لِكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ  
 بَيْنَيْنِ وَحَصَدَةٌ اور پھر ان بیویوں میں سے تمہارے بیٹے اور پوتے  
 پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی بقا کا یہ انتظام فرما دیا ہے کہ مردوں  
 اور عورتوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں اور پھر ان میں سے ان کی اولادوں کو پیدا  
 کیا ہے۔ اس طرح نسل انسانی قیامت تک چلتی رہے گی۔ حصد کا معنی خادم،  
 غلام یا سرال والے بھی ہوتا ہے۔ ماہم عام مفسرین نے اس کا معنی پوتے  
 کیا ہے کہ نسل انسانی کی بقا کی یہی صورت ہے۔ ہر فرد فانی ہے اور اپنی مقررہ  
 عمر پوری کر کے مر جاتا ہے، تاہم اگر اس کی اولاد ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میں  
 نہیں ہوں گا تو اس دنیا میں میری اولاد تو موجود ہوگی۔ اس کی تسلی کے لیے یہی  
 بات کافی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔  
 نیک اولاد اپنے آباؤ اجداد کے لیے دعائیں بھی کرتی ہے اور یہ بھی اُس کی بقا  
 کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اولاد کی خواہش کو بڑا نہیں کہا گیا، بلکہ  
 انبیاء علیہم السلام بھی نیک اولاد کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم  
 علیہ السلام نے کہا رَبِّ اَعْزِبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (الصَّالِحَاتِ)  
 یا اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی خدا تعالیٰ  
 کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ  
 (الانبیاء) بہر حال نیک اولاد باپ دارا کے نام کو زبذہ رکھتی ہے۔

یہ تو عمومی بقا کا سلسلہ تھا۔ اب آگے فرمایا وَرَزَقَكُمْ مِّنَ  
 الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاک چیزوں کی روزی عطا فرمائی۔ ہر انسان خوراک کا محتاج  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اناج اور پھل پیدا کر کے انسان کی شخصی بقا کا انتظام  
 بھی کر دیا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ خوراک  
 ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی اور حیوانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ حتیٰ کہ اللہ  
 کے پاک نبی بھی اس سے منتفی نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَاهُمْ

حَسَبًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء) ہم نے انبیاء کے جسم  
 ایسے نہیں بنائے کہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو۔ غرضیکہ ایک زمانے تک  
 انسان کی شخصی بقا کا انحصار رزق پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ فرمایا  
 اللہ نے انسان پر اتنے احسانات کیے ہیں أَفَلَا يَاطَّلُ يَوْمَئِذٍ نُّحُورًا تو اس  
 کے باوجود یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں وَيَذُوعُونَ اللّٰهَ هُمْ يَكْفُرُونَ  
 اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؛ کتنے افسوس کا مقام ہے  
 فرمایا نبل انسانی کی شخصی اور نوعی بقا کا انتظام تو میں نے فرمایا ہے مگر ان لوگوں  
 کی حالت یہ ہے وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا إِلَهَ لَهُمْ  
رِزْقًا مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّه اللّٰهُ كَسُوا اَنْ كِي يُوْجَا  
 کرتے ہیں جو ان کے لیے زمین و آسمان سے کسی روزی کے مالک نہیں ہیں  
 روزی رسال تو اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر یہ لوگ لات، منات، عزیٰ، جن، قریشہ،  
 حجر، شجر اور قبر کی پرستش کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تو کوئی روزی کا سامان  
 ہے اور نہ یہ کسی کی حاجت۔ روائی اور مشکل کشائی کر سکتے ہیں اس کے باوجود  
 یہ لوگ اپنی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، مافوق الاسباب اتنی کہ  
 پکارتے ہیں اور اتنی کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا وَلَا كَيْدَ تَطْلِعُونَ  
 ان کے پاس نہ اختیار ہے اور نہ طاقت، نہ یہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین  
 میں روئیدگی پیدا کر سکتے ہیں کہ اناج، پھل اور سبزیوں پیدا ہوں۔ نہ ان کا زمین  
 میں تصرف ہے اور فضا میں کوئی دخل ہے۔ یہ کسی چیز کے مالک بھی نہیں  
 نافع اور ضار بھی نہیں تو پھر کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہرا کر  
 ان کی عبادت کی جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا  
اَلَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ  
لَكُمْ رِزْقًا فَاسْتَعُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرَّزْقُ هُوَ الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ  
 تم اللہ کے سوا جن دوسروں کی عبادت کرتے ہو ان کا رزق پر کوئی اختیار

شکر کی  
 تردید

نہیں ہے۔ لہذا اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو۔ تمام اسباب رزق اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں، لہذا ہمیشہ اسی کی طرف رجوع کیا کرو۔ اُس نے اپنے اختیارات کسی مخلوق کو تقسیم نہیں کیے جب کہ مشرکین عرب کا دعویٰ یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض ہستیوں کو اختیارات تفویض کر کے انہیں اپنا شریک بنالیا ہے۔ چنانچہ وہ حج کے دوران تلبیہ میں کہتے ہیں لَا شَرِيكَ لَكَ کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمَلِكُهُ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم) کہتے تھے اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس کے کہ جسے تو نے خود اختیارات دے کر اپنا شریک بنالیا ہے۔ بعض مشرک غیر اللہ کی عبادت کا یہ جواز پیش کرتے تھے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی، چونکہ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، اس لیے اُن کی عبادت کے ساتھ مل کر ہماری عبادت بھی قبول ہو جاتی ہے بعض یہ بھی کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ذات بڑی بلند و بالا ہے، ہماری دہان تک رسائی نہیں ہو سکتی، لہذا ہم ان کے واسطے سے خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام باطل عقائد کی تردید فرمائی ہے۔

اللہ اور بندوں کے درمیان براہ راست تعلق کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت کا نام تدلی ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں انانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر اُس میں ریح الہی داخل کی جاتی ہے اور اس طرح ہر انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی سخی اعظم کا عکس پڑنے لگتا ہے اللہ اور بندے کے درمیان یہی براہ راست تعلق ہے۔ زندگی میں تو انسان کو اس کا شعور نہیں ہوتا، مگر جب انسان مر جاتا ہے، اس کی ریح اور نعمہ جسم سے باہر نکل آتا ہے تو اُس وقت سخی اعظم کی کشش انسان کو عالم بالا کی طرف کھینچتی ہے جب کہ اُس کے برے اعمال اُسے نیچے کی طرف کھینچتے ہیں۔ اور پھر انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اُس وقت انسان کو خدا تعالیٰ



کے ساتھ براہِ راست متعلق کا احساس ہوتا ہے۔  
 غرضیکہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست متعلق قائم ہے ،  
 اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور ارادے سے جو چاہے ہے کہ آتا ہے ، وہاں کسی واسطے کی  
 ضرورت نہیں ہے بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 بعض کام فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے ، لہذا براہِ راست متعلق تو ثابت  
 نہ ہوا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے کوئی اختیار نہیں  
 دیا بلکہ وہ تو اس کے حکم سے ہر کام کرتے ہیں کیونکہ وہ مامور من اللہ ہوتے  
 ہیں۔ پیچھے گنہگار کے ”وَيَفْعَلُ الْكُوفُ مَا يُؤْمَرُ وَكَ“  
 وہ تو وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہیں از خود کسی کی  
 حاجت روائی اور مشکل کٹائی ، بارش برسانے یا پھل اگانے کا کوئی اختیار  
 نہیں۔ لہذا جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو موقوف الایاب پکارے  
 گا اور اس سے امید و البتہ کرے گا ، وہ مشرک ٹھہرے گا۔

فرمایا، تم ایسی مثالیں بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے کسی حاکم پر قیاس کے  
 کہتے ہو کہ جس طرح بادشاہ تک اس کے وزیر ، مشیر یا مصاحب کے بغیر رسائی نہیں  
 ہوتی ، اسی طرح اللہ تک بھی اس کے مقرب کے بغیر پہنچ ممکن نہیں ، تو یہ  
 تمہاری خام خیالی ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ اللَّهُ كَمَا تَمَثَّلُونَ لِبَعْضِ  
 مثالیں مرت بیان کرو۔ کیونکہ اُس کا فرمان تو ہے ”أَمَّا الْمُجْتَبِ  
 الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ“ (النحل) مصیبت زدہ  
 کی پکار کو کون سنتا ہے اور اُس کی تکلیف کو کون رفع کرتا ہے؟ ؕ وَاللَّهُ  
 تَعَالَىٰ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ نہیں بلکہ وہی براہِ راست  
 پکار کو سنتا ہے۔ اور تکلیف کو رفع بھی وہی کرتا ہے ، کوئی نبی ، ولی ، جن  
 فرشتہ اللہ کے درمیان واسطہ نہیں ہے ، نہ اُس نے کسی کو کوئی اختیار دے  
 رکھا ہے۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے لیے ایسی مشرکانہ مثالیں مرت

بیان کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہر چیز  
 کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہذا اس کی حکمت میں دخل انداز  
 کی کرکشن مت کرو۔

النحل ۱۶

آیت ۴۵ تا ۴۶

ربما ۱۳

میں نواز دیم ۱۹

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى  
 شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّْا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ  
 مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوْنَ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ  
 مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمٌ لَا يَقْدِرُ  
 عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُ  
 لآيَاتٍ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ  
 بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۶﴾

۱۶

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے۔ ایک  
 غلام کی جو مملوک ہے اور نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر۔  
 اور وہ شخص جسے ہم نے روزی دی ہے اپنی طرف سے  
 اچھی روزی، پس وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے پرشیرہ  
 بھی اور ظاہر بھی۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ سب تعریفیں  
 اللہ کے لیے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو نہیں  
 جانتے ﴿۴۵﴾ اور اللہ نے بیان کی مثال دو شخصوں کی ایک  
 ان میں سے گونگا ہے جو نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر  
 اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر۔ جیسا بھی وہ اُس کو متوجہ کرتا

ہے، وہ نہیں لانا بہتری کی بات۔ کیا برابر ہے وہ اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کا اور وہ سیدھے راستے پر سے (۷۶)

بطایات

گذشتہ آیات میں شرک اور مشرکین کا رد فرمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غلط مثالیں بیان کر کے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے مخلوق کی صفات اللہ میں ثابت کرنا نہایت ہی ہی بات ہے۔ اللہ نے اس بات کی سمجھتی سے تردید فرمائی کہ عام آدمی کی اہم تک رسائی نہیں ہے اور اُسے کسی وسیلہ کی ضرورت ہے بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا متعلق براہ راست اس کے بندے سے ہے اللہ نے اپنے لیے اس قسم کی مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اب آج کی آیات بھی شرک کی تردید میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود دو مثالیں بیان کر کے اپنی وحدانیت کا مسئلہ واضح فرمایا ہے۔ پہلی مثال ایک آزاد اور ایک غلام شخص کی ہے جب کہ دوسری مثال دو ایسے شخصوں کی ہے کہ ان میں سے ایک بہرہ ہے جو بالکل نکمہ ہے جب کہ دوسرا آدمی عدل و انصاف کا دارا رہے اور شرط تنقیح پر ہے۔ ان دو مثالوں کو اللہ نے مشرک اور مؤعد کے تقابل میں بیان کر کے توجیہ کا مسئلہ سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لِلَّهِ نے مثال بیان فرمائی ہے ایک غلام کی جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہے۔ گذشتہ درس میں مشرکین کی غلط مثالوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب اللہ نے خود اعلیٰ درجے کی مثال بیان کی ہے کہ ایک غلام اور آزاد شخص کی مثال مشرک اور مؤعد کی ہے۔ ضعیف کے مختلف معانی آتے ہیں۔ یعنی مارنا سحر کرنا اور بیان کرنا۔ تو یہاں پر یہ لفظ بیان کرنے کے معانی میں آیا ہے۔ عَبْدًا كَالْفِطْرِ ابیاد، فرشتوں اور اچھے لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے بلکہ سورۃ بنی اسرائیل میں

غلام اور آزاد کی مثال

اس لفظ کا اطلاق نافرمان اور مفرور لوگوں پر بھی کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے "بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أَوْفًا بَأْسًا سَدِيدًا" ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے مسلط کر دیے، تاہم عہد کا عام فہم معنی غلام ہونا ہے۔ یہاں پر عہد کے ساتھ مملوک کا اضا فرمایا گیا ہے یعنی ایسا غلام جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہو۔ آزاد آدمی کسی شخص کا مملوک نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ ہی کا مملوک ہوتا ہے جس نے اُسے پیدا کیا اور وہی اُس کا حقیقی مالک ہے۔ مملوک اپنے مجازی مالک کے تصرف میں ہوتا ہے اُس سے خدمت لے یا اُسے فروخت کر دے۔ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ ایسا شخص خود اپنا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ یہاں پر یقہ دہا کا معنی جسمانی طاقت نہیں کیونکہ یہ طاقت تو غلام اور آزاد میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے لہذا یہاں یقہ دہا سے مراد اختیار یا قدرت رکھنا ہے کہ غلام آدمی کا اپنا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ہر فعل اس کے آقا کی منشا و پیروی پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ غلام اپنی کمائی کا بھی مالک نہیں ہوتا بلکہ اُس کی آمدنی مالک کی آمدنی تصور ہوتی ہے اور وہی اس کا متصرف ہوتا ہے۔ ایک غلام آدمی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کر سکتا اور نہ وہ نکاح کر سکتا ہے اگر کوئی مالک اپنی لونڈی کو خود نکاح کی اجازت دے دے تو پھر اس کے اختیارات اس حد تک کم ہو جاتے ہیں کہ وہ اس سے خدمت تو لے سکتا ہے مگر قضا نے شہوت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا حق وہ لونڈی کے خاوند کو دے چکا ہے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جائے۔ تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اُس کی عبادت بھی مقبول نہیں جب تک وہ اپنے مالک کے پاس واپس نہ آجائے۔

بہر حال فرمایا کہ ایک شخص ہے جو کسی دوسرے کا غلام ہے اور وہ

کچھ اختیار نہیں رکھتا، اور دوسری طرف ایسا شخص ہے وَمَنْ رَزَقْنَاهُ  
مِنْ رِزْقِنَا سَنًا جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی عطا کی ہے  
 اچھی روزی سے نہ روپاک اور حلال روزی ہے جو جائز طریقے سے کمائی گئی  
 ہو اور جو حرام یا مشکوک نہ ہو یہ شخص آزاد ہے اور اللہ نے اسے رزق بھی مافر  
 عطا فرمایا ہے۔ فَمَنْ يَنْفِقْ مِنْهُ يَنْفِقْ بِسَبَأٍ لَّيْسَ لَكَ جَنْهَدًا جسے وہ  
 پوشیدہ طور پر بھی خرچ کرتا ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی۔ فرمایا هَلْ  
لَسْتُمْ تَنْزِلُ کیا یہ دو آدمی یعنی غلام اور آزاد برابر ہو سکتے ہیں؟ فرمایا ہرگز نہیں  
اَللّٰهُمَّ لِكُلِّ سَبْعٍ تَعْرِيفِيْنَ اللّٰهُ کے لیے ہیں كُلَّ اَكْتَفُوْهُم  
لَا يَكْفُوْنُ بلکہ ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں جو ایک عام فہم مثال کو  
 بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جب غلام اور آزاد انسان ہونے کے باوجود برابر نہیں  
 ہو سکتے تو اللہ کی ہمسری کون کر سکتا ہے جو ہر چیز کا مالک اور خالق ہے  
 اور کائنات کی ہر چیز اسی کی مخلوق اور مخلوق ہے۔ لہذا اللہ کی مخلوق میں سے  
 کسی کو اللہ کا ہم صفت بنا کر اس کا شریک ٹھہرانا کس قدر حماقت کی بات  
 ہے۔ خاص طور پر بے جان شجر و حجر اور قبر کو اللہ کے ساتھ کیسے شریک ٹھہرایا  
 جا سکتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ رزق تو جہ طلعت ہے۔ یہ لفظ عام ہے اور اس  
 سے رزق حلال بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی۔ بلکہ ایک مومن آدمی ہمیشہ رزق  
 حلال کی تلاش میں رہتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے اے لوگو!  
اِنَّ لَكُمْ فِيْ حَرَمِ الْاَسْحَابِ حَلٰلًا طَيِّبًا مَّا وَّلَا تَسْتَبِحُوْا  
حُطُوْتِ الشَّيْطٰنِ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے  
 نقش قدم پر مت چلو۔ اسی لیے رزق حلال کی تلاش کو فرائض کے بعد ایک  
 فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ ”رزقاً حسناً“ کے الفاظ گذشتہ رکوع میں بھی آچکے  
 ہیں۔ وہاں فرمایا تھا کہ تم کھجوروں اور انکھوروں سے نشہ آور اشیاء اور رزقِ حسن یعنی

لذیروز اور خوشگوار چیز بناتے ہوتا ہم یہاں پر رزقِ حسن سے وہ پاک روزی مراد ہے جس کے استعمال سے اچھے اخلاق پیدا ہوں عبادت کی قبولیت بھی حلال روزی پر موقوف ہے، صدقہ و خیرات بھی وہی مقبول ہوگا جو حلال مال سے کیا جائے گا۔ خود اپنی ذات پر پاک روزی استعمال کرے گی تو اس کا اچھا اثر ہوگا۔ تمام پاکیزہ اخلاق پاکیزہ روزی سے پیدا ہوتے ہیں اور حرام روزی سے خبیث اخلاق جنم لیتے ہیں جو انسان کے لیے باعثِ وبال ہوں گے اور اُسے خدا کے غضب کا نشانہ بنا پڑے گا۔

باطنی اور  
ظاہری  
خرچ

اس آیت کریمہ میں مذکور انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ خرچ کے ظاہری اور باطنی دونوں طریقے درست ہیں اور ان کا انحصار حالات و واقعات پر ہوتا ہے۔ اگر دوسرے کو ترجیح دلانا مقصود ہو تو ظاہری طور پر خرچ کم کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات پوشیدہ خرچ کرنا احسن ہوتا ہے کیونکہ اس میں ریاکاری کا شبہ نہیں رہتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ایک مومن آدمی دابیں ہاتھ سے اس قدر پوشیدہ خرچ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ کیا خرچ کیا ہے پوشیدہ خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ کا عنصر غالب ہوتا ہے اور ظاہرِ خرچ کرنے میں انسانی سوسائٹی کا محاذ ہوتا ہے۔ بہر حال اپنے اپنے مقام پر خرچ کے دونوں طریقے درست ہیں۔

گو ننگ غلام  
اور عادل آباد

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک گونگے غلام اور ایک عادل آزاد شخص کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَبِ اللّٰهُ مَشِيئًا رَبِّ اور اللہ نے مثال بیان کی دو آدمیوں کی۔ أَحَدُهُمَا آبٌ كَرِيمٌ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ ان میں سے ایک گونگابے جو کہ پھینچ پر قدرت نہیں رکھتا حتیٰ کہ وہ اپنے دل کی بات بھی دوسرے سے نہیں کہہ سکتا۔ اس قدر ناکارہ اور بے سود ہونے کی بنا پر وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ وہ اپنے صاحب پر

جو جہن چکا اسکا مالک اس سے کوئی خدمت تو لے نہیں سکتا بلکہ اس کی طرف نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اَيْنَمَا يُوجِّهَهُ لَآيَاتٍ بَيِّنَاتٍ اُس کا آقا جس کام کی طرف بھی ایسے غلام کو متوجہ کرتا ہے، وہ کوئی بہتر چیز نہیں لاتا یعنی کچھ کام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے ضراب کر کے آتا ہے اور مالک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے فرمایا اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے وَمَنْ يَأْمُرْ بِالْعَدْلِ وَجَعَلَ وَالنَّصَافِ كَا حَكْمٍ دِيْتَا ہے۔ وہ آزاد ہے۔ یا اختیار ہے خود بھی عامل بالعدل ہے اور دوسروں کو بھی عدل کی وصیت کرتا ہے فرمایا هَلْ كَيْتَ تَوِي هُوَ كِيَا یا شخص اس کے برابر ہے جو غلام بھی ہے اور گونگا بھی، اور کوئی قدرت بھی نہیں رکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں آدمی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بعینہ کوئی بت یا استھان، جن یا فرشتہ، یا کوئی انسان جسے کچھ اختیار حاصل نہیں، وہ اللہ مالک الملک، یا اختیار، نافع اور حار، قادر مطلق اور متصرف کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اللہ کے برابر مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ ان کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو؟ مافوق الاسباب ان کو کیوں پکارتے ہو؟ اپنی حاجات ان کے سامنے کیوں پیش کرتے ہو؟ اگر دو شخص کی مثال سمجھ آ سکتی ہے تو پھر خالق اور مخلوق کا تفاوت بھی نہیں آنا چاہیے اور ہر ایک کو اُس کے مرتبے کے برابر حیثیت دینی چاہیے نہ تو خدا تعالیٰ کی صفاتِ منحصرہ کو انسانوں یا دیگر مخلوق میں ثابت کرنا چاہیے اور نہ انسانوں کی صفاتِ اللہ کی طرف منسوب کرنی چاہئیں۔

غلامی کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ انسانی سوسائٹی میں سزائے کے طور پر رائج ہوئی۔ جنگ کے دوران دشمن کے جو لوگ گرفتار ہوتے تھے ان میں سے



سردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنا لیا جاتا۔ غلامی کی یہ لعنت انیسویں صدی میں اٹھ دینیا سے ختم ہوئی ہے۔ مثنیٰ دور سے پہلے ہر چھوڑا بڑا کام آزادی قوت سے لیا جاتا تھا اور اس کا سستا ترین ذریعہ غلام تھے جو مالک کی بلا معاوضہ خدمت کرتے تھے۔ مثنیٰ دور میں اکثر کام مثنیوں کے ذریعے ہونے لگے اور اس طرح آزادی خدمت کے کام میں کمی واقع ہو گئی۔ اور غلامی کا رواج بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ نزول قرآن کے زمانے میں اگرچہ غلامی کو کٹنا ختم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے برداشت کیا گیا اور غلاموں کے حقوق بھی ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مختلف جیلوں بہانوں سے غلامی کا فراج ختم کرنے کی ترغیب دی گئی۔ غلامی کو غیر فطری قرار دیا گیا۔ اور مختلف جرائم کے کفارے کے طور پر غلام کی آزادی کا حکم دیا گیا۔ ان کو مکاتب بنانے کی ترغیب دی گئی اور اس طرح غلامی کے خاتمے کی بنیاد دین اسلام نے رکھ دی۔ اُس زمانے میں غلاموں سے سخت ترین کام لینے کے علاوہ ان سے سخت ہسلوکی بھی کی جاتی تھی، حتیٰ کہ بعض لوگ محض تفریح طبع کے لیے غلاموں کو ہر عام قتل کر دیتے تھے اور اس طرح غلاموں کو انسانیت سے قریب بھی جگہ نہیں دیتے تھے۔

غلاموں کے  
حسن سلوک

اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے ایک موقع پر ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو پرٹ رہے تھے۔ جسنو علیہ السلام کا گذر ہوا تو فرمایا للہ اقدس علیک من ہذا یعنی جو قدرت تم کو اس وقت اس غلام پر حاصل ہے، اس سے زیادہ اللہ کو تم پر قدرت حاصل ہے۔ آپ کی اس تشبیہ پر ابو مسعود نے غلام کی پٹائی بند کر دی اور پھر اُسے بالکل آزاد کر دیا۔ ایک اور شخص نے اپنے غلام کو تھپڑ مار دیا، جسنو علیہ السلام سخت ناراض ہوئے تو اس شخص نے فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ علیہ السلام

نے فرمایا کہ اگر تم سے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ کی لہریں تم پر پڑتی۔ فرمایا اللہ نے کسی وجہ سے یہ غلام تمہارے ماتحت کر دیے ہیں، آخر یہ بھی انسان ہیں، تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ جو خود کھلتے ہو۔ ان کو بھی کھلایا کرو، اور جو خود پسندتے ہو، ان کو بھی پسناؤ۔ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر ان کے سپرد کوئی مشکل کام لگاؤ، تو پھر ان کے ساتھ تعاون بھی کرو۔ کام میں ان کا ملحق بناؤ۔ بہر حال اسلام نے غلامی کو صرف برداشت کیا، کیونکہ یہ بین الاقوامی رواج تھا۔ انسان فطری طور پر آزاد ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر غلاموں کو آزاد کر دیں تو اس میں اسلام کا کیا نقصان ہوگا، بلکہ اسلام تو اس لعنت کو ختم کرنا چاہتا ہے، اور اس کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔

قومی غلامی

اشخصی غلامی تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکی ہے، البتہ قومی غلامی کا جو اثر تے نظر نہیں آتا۔ معاشی اور فوجی لحاظ سے مضبوط اقوام کی طرف سے کمزور قوموں کو غلام بنانے رکھنے کی مثالیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ انگریزوں نے دو سو سال تک دنیا کی مختلف اقوام کو غلام بنائے رکھا، طاقتور ملک ہمیشہ کمزوروں کو غلام سمجھتے ہیں اور ان پر فوجی دباؤ کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی طور پر خوشحال ملک اپنے مالی وسائل کی بنیاد پر بد حال لوگوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا امریکہ اور روس کی معاشی غلامی کا شکار ہے۔ غریب ممالک کی تمام اقتصادی پالیسیاں امریکہ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور وہ اس قدر بے بس ہوتے ہیں کہ امریکہ کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔ ایسے ملک اپنی تہذیب بھی کھو بیٹھتے ہیں اور تہذیبی لحاظ سے بھی امریکہ کے غلام ہو جاتے ہیں۔ ان کا لباس و صنع قطعاً طور و اطوار حتیٰ کہ ان کی سوج بھی اسی غلامی کا شکار ہو جاتی ہے جو کسی قوم کے لیے انتہائی بد قسمتی کی بات ہے۔ اسی بات کو ڈاکٹر اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں کہا تھا۔

غلامی میں بدل جانا ہے قوموں کا ضمیر  
انگریز نے ہم پر جس قسم کی غلامی مسلط کی، اس کے نتیجے میں ہمارے لوگوں کے  
خیالات بہت ہی گھٹیا ہو گئے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی پالیسی تہذیب اور  
عمل نہیں رہا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقاؤں کی طرف ہی دیکھتے رہتے ہیں کہ ان  
کی خوشنودی کیسے حاصل ہو۔

خلاصہ کلام

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آزادی اور غلامی کا مسئلہ مثال کے ذریعے سمجھا دیا  
ہے۔ ایک طرف ایک غلام اور گونگا بہرہ آدمی ہے جو کچھ اختیار نہیں رکھتا  
پہر کام خراب کر کے آتا ہے اور اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ دوسری طرف  
ایک آزاد ہے جو خود مختار ہے، خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے، اور  
اسی کا حکم بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے وَهُوَ عَلِيُّ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
کہ سیدھے راستے پر بھی یہی شخص ہے۔ پھر بھلا ایک غلام اور آزاد شخص کیسے  
برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی حال ایک مشرک اور موحد کا ہے۔ مشرک آدمی کسی قبر  
پر جانے لگا، کوئی رسم اختیار کرے گا۔ اپنا دین خراب کرے گا۔ جہاں جاکے  
گا، خرابی ہی لے کر آئے گا۔ اس کے برخلاف موحد آدمی اپنے ایمان پر مضبوط  
رہے گا۔ بہ معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا طلب گار ہوگا، اس کے  
بنائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگا۔ تو فرمایا مشرک اور موحد بھی برابر نہیں  
ہو سکتے۔ سب ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۷۹

ربما ۱۳

درس بتم ۲۰

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ  
 إِلَّا كَلِمَةٍ الْبَصَرِ أَوْ هَوِّ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ  
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۷۹﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ  
 أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ  
 السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۰﴾  
 أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ  
 مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
 لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں پوشیدہ چیزیں  
 آسمانوں اور زمین کی ۔ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر  
 جیسا کہ ایک نگاہ کا پلٹنا یا اس سے بھی زیادہ قریب  
 بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۷۹﴾ اور  
 اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے  
 تم نہیں جانتے تھے کچھ بھی ۔ اور بنائے اس نے تمہارے  
 لیے کان ، آنکھیں اور دل ، تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۰﴾ کیا ان  
 لوگوں نے نہیں دیکھا پرندوں کی طرف جو مسخر کیے ہوئے  
 ہیں آسمان کی فضا میں ۔ نہیں روکتا ان کو اللہ کے سوا

کوئی بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۷۹﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اللہ نے شرک کی تردید میں بعض دلائل اور مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص غلام بھی ہے اور گونگا بھی۔ وہ بالکل نکما ہے، جو بھی کام اس کے سپرد کیا جائے وہ کوئی اچھا نتیجہ پیش نہیں کرنا اور اس طرح اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف ایک آزاد اور مومن آدمی ہے اور خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر ہے تو اللہ نے ان دو شخصوں کا حال بیان کر کے فرمایا کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی مثال ایک مشرک اور موحد کی ہے۔ جس طرح مذکورہ دو شخص برابر نہیں، اسی طرح مشرک اور توحید پرست برابر نہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے مومن اور مشرک میں تفاوت دراصل ہر آدمی کی استعداد اور عمل میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ بظاہر تو سارے انسان برابر نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو اعضائے ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے، مگر ہر انسان کے ہر عضو کی استعداد مختلف ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ انسان ظاہری آنکھ سے دوسرے کے ظاہر کو تو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے دل کی کیفیت کو نہیں جان سکتا۔

استعداد  
عمل اور جزا

ننگاہ بانگاہ امیرہ داوی دل از دل جدا کر دی  
اللہ نے آنکھوں کو آنکھوں کے ساتھ تو مشابہت دیدی ہے مگر دل کو دل سے جدا کر دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا حال معلوم نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ ہر انسان کی استعداد، عمل اور پھر اس سے اخذ ہونے والے نتیجے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی اپنے علم کے مطابق ہر شخص کو بدلہ دے گا۔ مخلوق میں سے کوئی ذات ایسی نہیں جو کسی کے تفصیلی حالات سے

واقف ہو۔ آج کی پہلی آیت کریمہ میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔  
 ارشاد ہوتا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور  
 اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں۔ جو چیزیں بھی انسانوں  
 جنوں اور فرشتوں سے پوشیدہ ہیں، ان کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ  
 کے پاس ہے۔ پوری مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا  
 دراصل ایسے مواقع پر غیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر انسانوں یا دوسری مخلوق  
 کی نسبت سے کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں مخلوق سے پردہ غیب میں ہیں،  
 وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب  
 نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس  
 کی نگاہ میں ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے ”وَمَا يَعْزُبُ عَنْ  
 رَبِّكَ مِنْ شَيْءٍ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ“  
 تیرے پروردگار سے تو کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ تو  
 عالم الغیب والشہادۃ کا یہی مطلب ہے کہ مخلوق کی نسبت سے جو  
 چیزیں بھی ظاہر ہیں۔ یا پوشیدہ، محسوسات میں سے ہیں غیر محسوسات میں  
 سے ہر چیز خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔  
 سورۃ الملک میں اس بات کو دو کمر انداز میں بیان کیا گیا ہے ”اَلَا يَعْلَمُ  
 مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْغَیْبُ“ جو گویا کائنات کو وہی نہیں جانے  
 گا جس نے اُسے پیدا کیا، حالانکہ وہ لطیف (باریک بین) بھی ہے اور ہر چیز  
 کی خبر بھی رکھتا ہے۔

عالم الغیب والشہادۃ ہونا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ محضہ میں سے  
 ہے اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی میں یہ صفت تسلیم کرے گا تو وہ مشرک  
 بن جائے گا۔ جس طرح اللہ کے سوا قادر مطلق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے  
 سوا عالم الغیب بھی کوئی نہیں۔ بہر حال ان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہاں



سَاعَاتٍ وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْتٌ" تو پھر ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہونا بلکہ عین وقت پر موت آجاتی ہے۔ ہر فرد کی موت قیامتِ صغریٰ کہلاتی ہے اور کائنات کی مجموعی موت کو قیامتِ کبریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "مَاتَ مَمَاتٌ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ" جو شخص مر گیا، اس کی قیامت تو برپا ہو گئی کیونکہ وہ جزائے عمل کی منزل میں داخل ہو گیا۔ موت کے بعد قبر کی منزل ہے، عالم برزخ ہے۔ پھر وقوعِ قیامت اور محاسبے کا پورا عمل واقع ہونے والا ہے۔ یہ ساری منزلیں آنحضرت کی منزل کی کڑیاں ہیں۔

انفرادی موت کے بعد انسان کو سب سے پہلے قبر کی منزل آتی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ عقبیٰ کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے اور اس کا معاملہ کبیتِ خطرناک ہے۔ اگر قبر کی منزل آسان ہوگی تو انشاء اللہ آگے کی منزلوں میں بھی آسانی ہوگی۔ اور یہیں مشکل پیش آگئی تو اگلی منزل میں مزید مشکل ہو جائیں گی۔ ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ قبرستان میں پہنچ کر بہت روتے تھے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تڑپ جاتی۔ دوستوں نے پوچھا، حضرت! آپ قبور کی زیارت پر بہت گریہ کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے یہی بات فرمائی کہ آنحضرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے اگر یہ آسان ہوگی تو اگلی منزلیں بھی آسان ہوتی جائیں گی، وگرنہ معاملہ بڑا مشکل ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش اور پھر اس پر کیے گئے انعامات کا ذکر کر کے اسے شکر یہ ادا کرنے کی تلقین کی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ مِّنْ مَّيْطٍ رَّبِّكُمْ اللَّهُ ذَاتٌ وَهِيَ كَرِيمٌ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، یعنی تمہیں پیدا کیا۔ اور اس وقت تمہاری حالت یہ تھی لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں

قبر کی  
منزل

انسان  
ذرائع علم



تھا تم اس دُنیا میں بالکل اجنبی تھے مگر اللہ نے تمہارے لیے ذرائع علم پیدا کیے اور وہ اس طرح وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ کہ تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو کان عطا کیے ہیں تاکہ اگر کسی ایک میں ضربی واقع ہو جائے تو دوسرے سے کام چلا یا جاسکے۔ کان اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان نہ کچھ سن سکتا، نہ دیکھ سکتا اور نہ بول سکتا۔ ظاہر ہے کہ چھوٹا بچہ اپنے ماحول سے سن کر ہی باتیں کرنا سیکھتا ہے۔ اگر وہ کوئی بات سنے گا نہیں تو اُسے بات کرنی کیسے آئے گی، اسی لیے بچے پیدائشی گونگے ہوتے ہیں وہ دراصل کانوں کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں حالانکہ اُن کی زبان بالکل ٹھیک ہوتی ہے۔ مگر وہ نہ سننے کی وجہ سے بات سیکھنے ہی نہیں، لہذا وہ گونگے بھی ہوتے ہیں بہرے بھی۔

اسی طرح آنکھیں بھی بہت بڑی نعمت ہیں۔ آنکھ کی قدر نابینا سے پوچھیے جس کے لیے سارا جہاں گھب اندھیرا ہے۔ آنکھ نہیں تو کچھ بھی نہیں بیچارہ پڑھنے لکھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کی سہیتقت کو نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس کی بنا پر اُسے اشیاء کا مکمل علم حاصل نہیں ہو سکتا پھر انسان کا دل اس کے جسم کا مرکز ہے۔ اس کے ساتھ دماغ شامل ہو کہ ہر کام میں غور و فکر کرتا ہے۔ غور و فکر دماغ کے ذریعے ہوتا ہے اور عقلی اور کام دل کی وساطت سے ہوتا ہے۔ غور و فکر کے معاملہ میں اللہ کے آخری پیغام قرآن پاک کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے تو سورۃ محمد میں اللہ نے فرمایا ہے "أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ" اَمْ عَلٰی قُلُوبِ اَقْفَاكِهِمْ" یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ غرضیکہ انسان کا دل بھی اُس کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تین اہم ترین چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا ذکر کر کے انسان کو یاد دلایا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم نے یہ نعمتیں عطا کر کے تمہیں علم کے ذرائع دیا کر دیے کہ ان کو بروئے کار لا کر علم عظیم نعمت حاصل کرو گے۔ لَا تَنْتَظِرُوْنَ اور میرا شکر ادا کرو۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کانوں سے قرآن پاک اور دین کی باتیں سنی جائیں، نہ کہ فحش گانے سماعت کیے جائیں آنکھوں سے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔ اچھی کتابیں پڑھی جائیں۔ شعاثر اللہ کی زیارت کی جائے، نہ کہ ٹیلیوژن پر فحش مناظر دیکھے جائیں۔ آنکھ کی حفاظت پر اللہ اور اس کے رسول نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ شرم و حیا کے تقاضے آنکھ کے ذریعے ہی پورے کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا دل ہے جو نیکی پر بھی مائل ہو سکتا ہے اور برائی پر بھی۔ یہ مظلوم کی مدد کے لیے بھی کھڑا کر سکتا ہے اور کسی کی حق تلفی کے لیے بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت کو سمجھنا چاہیے۔ تو یہ نینوں نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں تاکہ اس کا شکر یہ ادا کرو۔

بعض لوگ معاش کے مسئلہ کو بہانا بنا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم روزگار کے مسئلہ میں ہی الجھے رہتے ہیں۔ اس لیے ہم کوئی نیچی کام نہیں کر سکتے، عبادت اور ریاضت کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اور نہ ہماری علمی یا دماغی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ نے معاش کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے اَوْ كَمْ يَرَوْنَ اِلَى الطَّيْرِ مُسْكِنَاتٍ فِي حَبْوِ السَّمَاءِ کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جن کو اللہ نے فضا میں مسخر کیا ہے۔ وہ جب بھر چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور کشت نش نقل انہیں گم نہیں دیتی۔ البتہ جب وہ خود چاہتے ہیں تو زمین پر اتر جاتے ہیں۔ قَرَأَ مَا يُمَسِّكُنَّ اِلَّا اللّٰهُ فضا میں

فلسفہ  
معاش

اللہ کے سوا انہیں تھکانے والا کون ہے۔ سورۃ الملک میں اِلَّا الرَّحْمٰنُ کے الفاظ آتے ہیں، یعنی انہیں کھنکی فضاؤں میں تھکانے والا صرف رحمان ہی ہے۔ پرندے اپنے پروں کو پھیلاتے اور سیکڑتے ہوئے دور دور تک چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے اڑان کے راستے آسان کر دیے ہیں اور یہ سیکڑوں میل کا سفر آسانی طے کر لیتے ہیں۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ پرندے صبح سویرے خالی پیٹ اپنے کھونسوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں، اگر تم پرندوں جتنا توکل بھی کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ویسے ہی روزی پہنچاتا جس طرح ان پرندوں کو پہنچاتا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان پرندوں جیسا توکل بھی نہیں رکھتا۔ اگر انسان اللہ کے احکام کے مطابق اپنے فرائض کو بجالائے اور روزی کے جائز ذرائع استعمال کرے تو اللہ اُسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسباب رزق بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے، لہذا ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اسباب کی بجائے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا چاہیے کیونکہ وہ چاہے گا تو اسباب میں اثر پیدا ہوگا، اور نہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی یہ مثال بیان کر کے توحید خداوندی کا درس دیا ہے۔

فَرَمَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّرْجُوْنَ اس قسم کی مثالوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معاد پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان سے خالی ہیں ان کے لیے یہ مثالیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ نہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچانتے ہیں اور نہ اسکی اطاعت گزار بن کر رہتے ہیں، برخلاف اس کے جانور، پرندے، چرندے، کیڑے مکوڑے شجر و حجر سب اللہ کے اطاعت گزار ہیں اور اس کے حکم سے سر ہوا انحراف نہیں کرتے، مگر انسانوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کا منافق ہے،

بلکہ اکثریت ناشکر گنہگاروں کی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اس کی عطا کردہ  
نعمتوں کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔

---

النحل ۱۶

آیت ۸۰ ۲ ۸۳

ربما ۱۳

درس بست یکا ۲

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ  
لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا  
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَابِهَا  
وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۸۰﴾  
وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ  
لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ  
تَقِيكُمْ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ كَذَلِكَ  
يَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلَمُونَ ﴿۸۱﴾  
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾  
يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ  
الْكَافِرُونَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ :- اور اللہ نے بنائی ہے تمہارے لیے تمہارے  
گھروں میں سے سکونت کی جگہ۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے  
موشیوں کی کھالوں سے گھر، جن کو تم ہلکا خیال کرتے ہو کوچ  
ٹلے دن اور قیام ٹلے دن۔ اور ان کی اون، پشت اور بالوں  
سے طرح طرح کا سامان اور فائدہ اٹھانے کی چیز ایک وقت  
تیک ﴿۸۰﴾ اور اللہ نے اپنی تخلیق میں سے تمہارے لیے سایہ

بنایا ہے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں۔ اور اس نے تمہارے لیے قیصیں بنائی ہیں جو بچاتی ہیں تمہیں گرمی سے، اور قیصیں جو بچاتی ہیں تمہیں لڑائی سے اسی طرح اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر، تاکہ تم فرمانبردار ہو جاؤ (۸۱) پس اگر روگردانی کی ان لوگوں نے پس بیشک آپ پر کھول کر بیان کر دینا ہے (۸۲) پہنچتے ہیں یہ اللہ کی نعمت کو، پھر انکار کرتے ہیں اس کا، اور اکثر ان میں کفر کرنے والے (نافرمان) ہیں (۸۳)

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا کہ انسانوں کے تمام مخفی حالات سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے جو کائنات کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہے۔ قیامت کو بھی اپنے وقت پر دہی برپا کرے گا۔ انسان قیامت کے وقت کے متعلق کچھ نہیں جانتے، اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ انسان کی انفرادی موت بھی اچانک ہی واقع ہو جاتی ہے کوئی شخص اُس کے وقت اور مقام کو نہیں جانتا۔ گویا قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ میں اس لحاظ سے مناسبت ہے۔

پھر اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا ذکر کیا۔ پہلے انسان کے جسم میں موجود بڑی بڑی ٹہری ٹہری نختوں کو یاد دلایا۔ پھر پتندوں کو ہوا میں تھامنے کا بیان ہوا۔ کہ یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا شاہکار ہے۔ فرمایا یہ ایمان والوں کے لیے نشاناتِ قدرت ہیں جن میں غور کر کے وہ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمتِ بالغہ کو سمجھ سکتے ہیں۔

اب آج کے درس میں بھی اللہ نے انسان پر یکے گئے بعض انعامات کا ذکر کر کے انہیں اپنی قدرت اور وحدانیت کی دلیل بنایا ہے ارشاد ہوتا ہے

آیت

ذریعہ  
ن

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِكُمْ سَكَنًا اور اللہ نے تمہارے  
یہ تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا ہے سکنائے کے سکون اور سکون  
دونوں مادے ہیں۔ اگر یہ سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب ہے کہ ایسی جگہ  
جہاں تم سکونت یعنی رہائش اختیار کرتے ہو اور سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب  
ہو گا سکون یعنی آرام کھڑے کی جگہ۔ سورۃ الانعام میں رات کے متعلق بھی فرمایا  
جَعَلَ الْاَيْلَ سَكَنًا اُس نے تمہارے لیے رات کو آرام و سکون  
کا ذریعہ بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام جائزہ دن بھر روزی کی تلاش میں مشقت  
کے تھک ہار جاتے ہیں تو پھر انہیں اپنی تحلیل شدہ قوتوں کو بحال کرنے  
کے لیے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو انہیں رات کے سناٹے میں حاصل  
ہو جاتا ہے اور وہ اگلے دن کی مشقت کے لیے پھر تیار ہو جاتے ہیں۔  
عربی زبان میں کہتے ہیں كَمَا عَلَا لَكَ وَاظْلَمَكَ جو چیز تمہارے  
اوپر سایہ افکن ہوتی ہے اُسے سما کہتے ہیں اور اس کا اطلاق چھت پر بھی ہوتا  
ہے کہ یہ بھی النان کے سروں سے اُپر ہوتی ہے۔ پھر فرمایا كَمَا  
اَقْلَمَكَ جو چیز تمہیں اٹھاتی ہے، وہ زمین ہے۔ اس پر قدم رکھ کر النان  
چلتا پھرتا ہے، گویا زمین اُسے اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو چیز النان کو  
ارد گرد سے پرے کی صورت میں گھیرتی ہے وہ جدار یعنی دیوار ہے  
یہ تینوں چیزیں یعنی زمین چھت اور دیواریں مل جائیں تو مکان معرض وجود میں  
آجاتا ہے جس کا ذکر اللہ نے اس آیت کریمہ میں بطور احسان فرمایا ہے  
حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خوراک پانی، لباس اَوْقِيْتَا لَيْسَ كَسُوْدٌ  
اور سکون پھرنے کی جگہ مکان، انسان کی بنیادی ضروریات میں جو ہر انسان کو  
بالحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل حاصل ہونی چاہیے۔ موجودہ زمانے میں  
ان میں دو مزید چیزیں شامل کر دی گئی ہیں یعنی تعلیم جس کے ذریعے انسان  
اپنے فرائض کو پہچان سکے اور صحت۔ ان چھ بنیادی ضروریات کو یونیسکو

انسان کی  
بنیادی  
ضروریات

(UNESCO) بھی تسلیم کرتی ہے جنہوں نے علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَزِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ یعنی ہر مرد و زن پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فرائض ادا کر سکے چونکہ فرائض کی ادائیگی صحت و تندرستی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ بھی بنیادی ضرورت شمار کی گئی ہے۔ چنانچہ آج کی دنیا میں بھی کامیاب حکومت وہی تصور ہوتی ہے جو اپنے باشندوں کو بنیادی ضروریات مہیا کرے۔ ملک میں کوئی بھوکا پاپا سا نہ ہو۔ ہرنیک و بد کے لیے خوراک اور پانی لازمی ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ مکان اور لباس بھی ضروری ہے اگرچہ وہ ادنیٰ قسم کا ہی ہو شادی جوڑے کے لیے تو مکان کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں اسکی تصریح ہے کہ اگر کوئی مکان کا بندوبست نہیں کر سکتا تو اس کی شادی بھی ممکن نہیں۔ کم از کم اتنا مکان تو ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اہل و عیال سمیت گزارہ کر سکے۔ بہر حال اس مقام پر اللہ نے مکان جیسی بنیادی ضرورت کا ذکر کیا ہے۔ عام طور پر مکان مٹی گارے اور اینٹ پتھر کے ہوتے ہیں۔ تاہم یہ خیموں کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم زمانے میں ہوتے تھے۔ اور جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، بہر حال گرمی، سردی اور بارش وغیرہ سے بچاؤ کے لیے مکان ضروری ہے جسے اللہ نے یہاں پر انعام کے طور پر ذکر فرمایا۔

مفسرین کو اسے فرماتے ہیں کہ لفظ "سَكَنًا" سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ گھر کا مقصد آرام حاصل کرنا ہے اور گھر وہی اچھا ہوگا جس میں آکر انسان کو آرام و راحت حاصل ہو۔ اگر انسان کو گھر میں داخل ہو کر سکون نصیب نہیں ہوتا تو اس کی عالیشان بلڈنگ بھی بیکار محض ہے جو کہ مکان کے مقصد کو پورا نہیں کرتی۔ منہذا احمد کی روایت میں آتا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے سعادت مند شخص وہ ہے جسے اچھا گھر، اچھی بیوی اور اچھی سواری میسر ہو۔ اگر یہ تینوں چیزیں ناموافق ہوں، یعنی مکان میں گرمی، سردی



اور بارش سے بچاؤ کا انتظام نہ ہو، بیوی مرضی کے خلاف ہو، اور سواری بھی تنگ کرتی ہو، تو ایسا شخص دنیاوی لحاظ سے ثقی ہوگا۔ بہر حال مکان بکومت اور آرام کے لیے ہے اور انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔

چمچے کے

نزولِ قرآن کے زمانے میں گھر کے طور پر چمچے کے حصے عام استعمال ہوتے تھے۔ اکثر لوگ خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں خوراک اور پانی میسر آیا وہاں جیسے لگا کر رہائش اختیار کر لی، یہ ذخیرہ ختم ہو گیا تو آگے چلے جیے عام مکان کا ذکر کرنے کے بعد آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے خاص طور پر خیموں کے گھروں کا ذکر فرمایا کہ اس کا تم پر یہ بھی احسان ہے وَجَعَلَ

لَكُمْ مَوَاسِدَ جُلُودِ الْأَنْعَامِ يُؤْتُواكُم مِّنْهَا لے مویشیوں کی کھالوں سے گھر بنائے۔ اور یہ ایسے گھر ہیں تَسْتَخَفُونَ فِيهَا

کہ تم انہیں ہلکا خیال کرتے ہو يَوْمَ ظَعْنِكُمْ سفر کے دن وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ اور اپنے قیام کے دن۔ ظاہر ہے کہ اینٹ پتھر کا مکان تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا، البتہ کپڑے، پلاسٹک یا کھال کا خیمہ تو آسانی سے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خیمے کا گھر تم دورانِ سفر بھی ہلکا خیال کرتے ہو، کہ

آسانی جانور پر لاوا جاسکتا ہے اور دوسری جگہ آسانی سے قائم بھی کیا جاسکتا ہے گویا اقامت بھی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں

آتا ہے کہ ہم چالیس آدمی ایک موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ چمچے کے حصے میں مقیم تھے اور آپ نے وہاں ایک خوشخبری بھی سنائی، تو نزدیکی

کی روایت میں آتا ہے کہ گرم موسم میں سفر کے دوران افضل صدقہ ظِلٌّ فَسَطْحًا یعنی سایہ مہیا کرنا ہے اور کسی نے غازیوں اور مجاہدین کے

لیے خیمہ کا بندوبست کر دیا تو یہ اس کے لیے بہترین صدقہ ہوگا۔ پرانے زمانے میں خیموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ آج کے دور میں بھی فوجی نکل و حل

کے دوران خیموں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایام حج میں سعی اور عرفات کے میدانوں میں خیموں میں ہی قیام کیا جاتا ہے اور ہمیشہ کیا جاتا ہے گا۔ ہر سال دنیا بھر میں خیمہ لہتی کا یہ سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ جہاں تک خیموں کی ساخت کا تعلق ہے، اللہ نے فرمایا کہ چمڑے کے علاوہ وَكُفْرَةٍ اصْوَا فِهْمًا یہ جانوروں کی اداں سے بھی تیار ہوتے ہیں۔ بھیڑوں کی اداں اس مقصد کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ وَ اَوْ بَارِهَا يَهْدِي جَانُورِوٰنَ كِي بِشْمَ سے بھی تیار ہوتے ہیں۔ اونٹوں کا پشم خیمے بنانے کے کام آتا ہے وَ اَكْشَرُ نَارِوٰنَ اور ان کے بالوں سے بھی۔ لکڑی کے بال بھی خیمہ بنانے کے کام آتے ہیں۔ فرمایا اَتَاثًا اِنْ سَمَّ طَرَحَ طَرَحَ كِ سَامَانَ تِيَارَ كَرْتِ هُوَ مِطْنَةٌ اَوْ طَرَحْتِ اَوْ كِجَانِ كِ يَلِي كِ طَرَحَ جَانُورِوٰنَ كِ بَالُوٰنَ اَوْ اَوْنَ وَخِيَرَهَ سِ سِ تِيَارَ هُوْتِ تَقِي وَ مَتَّعَا اَلْطَّحْلِيْنَ اِنْ جِيَزُوٰنَ مِيْنَ اَللّٰهِ نِ مَدْتِ مَقْرَهَ سَمَكِ تَمَارِ يَلِي فَا دُرَّ كَا سَامَانَ رَكْحَا سِ، يِهَ سَرَبِ اَللّٰهِ تَعَالٰى كِي قَدْرَتِ اَوْ اِسْ كِي وَ حَا نِيَّتِ كِي نَشَانِيَاں هِيں۔

اگے اللہ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَ اَللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ مَّا خَلَقَ ظِلَالًا اللہ نے اپنی تخلیق کردہ اشیاء میں سے تمہارے لیے سایے بھی بنائے۔ دھوپ اور گرمی میں سایہ بہت بڑی نعمت ہے کہیں درختوں کا سایہ، کہیں پہاڑوں کا اور کہیں عمارات کا سایہ دیا فرمایا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اور جانور بڑی مشقت میں مبتلا ہوتے۔ خاص طور پر بادلوں کا سایہ تو بہت ہی خوشگوار ہوتا ہے صبح لے سینا میں بنی ابرائیل پر خدا تعالیٰ نے بادلوں کے سایہ کا خصوصی انتظام فرمایا تھا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اسی لیے حسنہ علیہ السلام نے فرمایا کہ دو لعنت والی چیزوں سے بچو ان میں سے ایک سایہ ہے اور دوسرا شامِ عام۔ فرمایا ان دو جگہوں پر بول و براز کھانا باعث لعنت ہے کیونکہ سایہ لوگوں کے آرام کرنے کی جگہ ہے

سایہ کی  
نعمت

اور اگر وہاں گندگی ہوگی تو ان کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ اسی طرح عام راستے پر بھی گندگی ہوگی تو مسافروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، لہذا ان دو چیزوں پر بول و براز کر کے لعنت کے مستحق نہ بنو۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں سے سایہ بھی ایک نعمت ہے۔

”وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَادًا“ اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے۔ غار بھی انسانوں کو بارش یا دھوپ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دشمن کا خوف ہو تو غاروں میں پناہ لی جاتی ہے۔ تو اللہ نے پہاڑوں کی غاروں کو بھی اپنی نشانی اور انسان کے لیے نعمت قرار دیا۔

بچاؤ کی  
قیصیں

آگے ایک اور نعمت کا تذکرہ فرمایا۔ ”وَجَعَلَ لَكُم سُرَابِیْمًا“ اور تمہارے لیے قیصیں بنائیں۔ قیص کا معنی گھمبیر ہے جو تمہیں گمراہی سے بچاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قیص انسان کو گمراہی اور سردی دونوں سے بچاتی ہے مگر یہاں پر سردی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ معنیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے اولین مخاطبین صحرا لے عرب کے لوگ تھے، جہاں گمراہی ہی پڑتی ہے۔ وہ لوگ سردی سے جہاں مانوس نہیں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف گمراہی کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ نے ایسی قیصیں بنائیں جو تمہیں گمراہی سے بچاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں مویشیوں کے تذکرہ میں ”وَفِیْہُمْ کَاذِبٌ مِّمَّنْ کَانَ یُنَادِیْہُمْ مِّنْ ہٰذَا اِنَّہُمْ لَیْسَ لَہُمْ سُرَابِیْمٌ“ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان میں تمہارے لیے گمراہی کا سامان ہے۔ ظاہر ہے کہ سردی کے موسم میں کھیل، شال اور فی لباس کی ضرورت ہوتی ہے جو جانوروں کے پشم اور بالوں سے تیار ہوتے ہیں۔ چونکہ وہاں پر سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے، اس لیے یہاں پر صرف گمراہی سے بچاؤ کا بیان آیا ہے۔

فرمایا، اس کے علاوہ ”وَسُرَابِیْمٍ“ لے قیص کا معنی گمراہی ہے۔ ہم نے ایسی قیصیں بھی بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں بچاتی ہیں۔ اس قیص سے

مرد لوہے کی زرہ بکتر ہے جو لوگ دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کے لیے پہننے لگے، موجودہ زمانے میں بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں جو اپنے سواروں کو دشمن کی گولہ باری سے محفوظ رکھتی ہیں سر پر خود پہننے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ انسان کسی ممکنہ چوٹ سے بچ سکے خود حضور علیہ السلام نے زرہ کا استعمال کیا ہے، چنانچہ احد کے روز آپ نے اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس قسم کے حفاظتی اقدام عالم اسباب کا لازمی حصہ ہیں اور انہیں اختیار کرنا چاہیے اس کے باوجود تکلیف اور راحت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جنگ احد میں ان تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

فرمایا كَذَلِكَ بَيِّنَةٌ لَّكُمْ وَمَا نُنزِلُ فِيهَا لِقَاءَ قَوْمٍ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
 تم پر اپنی نعمتیں پوری کرنا ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ۔ مکان، لباس، خوراک، سایہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں۔ اسی طرح بارش بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا احسان ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکریہ ادا کریں۔ اور اس کی فرمانبرداری کریں

فَاِنْ تَوَلَّوْاْ اَوْ پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں پوری طرح سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہ آئیں، تو اے پیغمبر علیہ السلام فَاِنَّكَ عَلَيْنَا لَلْكَافِرِينَ آپ کے ذمے تو کھول کر بیان کر دینا ہے۔ حق و باطل کو واضح کر دینا ہے۔ اگر یہ آپ کی بات کو نہیں مانتیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ خود ان سے منہ پٹ لیگا۔

الغائب  
 الہی کا  
 شکر یہ

فرمایا حقیقت یہ ہے یَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تمام نعمتیں عطا کرنے والا فقط وحدہ لا شریک ہے۔ اس کے باوجود تَعْرِفُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں یعنی ان کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں وَكَثُرُوا الْكَافِرُونَ کہ ان کی اکثریت کفر کرنے

والوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض تو حقیقی کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدت  
 ہی کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کے شریک بنا رکھے ہیں اور  
 رسومات یا طلبہ پر ہی اڑے ہوئے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو حقیقی کافر تو نہیں  
 مگر انعاماتِ اللہ کی ناشکری کر کے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔  
 اور یہ چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

---

النحل ۱۶

آیت ۸۴ تا ۸۷

ربما ۱۳

درس بستہ نمبر ۲۲

وَيَوْمَ نَبَعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا  
 يُؤَدُّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾  
 وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفِّفُ  
 عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ  
 أَشْرَكُوا شُرَكَاءَ هُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا  
 الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ، فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ  
 الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَالْقَوْلَ الْحَقَّ اللَّهُ  
 يَوْمَئِذٍ السَّكْمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا  
 يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ :- اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت سے  
 گواہ۔ پھر نہیں اجازت دی جائے گی ان لوگوں کو جنہوں نے  
 کفر کیا، اور نہ ان کو منانے کا موقع دیا جائے گا ﴿۸۴﴾ اور  
 جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے، عذاب  
 کو، پس نہیں تخفیف کی جائیگی ان سے اور نہ ان کو ٹھیل  
 دی جائے گی ﴿۸۵﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے  
 شرک کیا ہے اپنے شرکوں کو تو کہیں گے، اے ہمارے  
 پروردگار! یہ ہیں ہمارے شریک جن کو ہم پکارتے

تھے تیرے سوا۔ پس ڈالیں گے وہ اُن کی طرف بات اور کہیں گے، بیشک تم البتہ جھوٹے ہو (۸۶) اور ڈالیں گے اس دن اللہ کے سامنے اطاعت اور گم ہو جائیں گی اُن سے وہ باتیں جن کو وہ افتراء کیا کرتے تھے (۸۷)

انسان کے  
خلاف گواہی

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کے رد میں بہت سے دلائل اور نشاناتِ قدرت بیان فرمائے اور مشرکوں کی ناشکری کا ذکر کیا۔ اب آج کے درس میں کفار و مشرکین کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے کہ جب محاسبے کی منزل آئیگی تو انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس میں تخفیف بھی نہیں ہوگی۔ ارشاد ہوا ہے **وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا** اور جس دن ہم ہر امت سے گواہ کھڑا کریں گے۔ اس مقام پر گواہ سے مراد اللہ کے نبی ہیں اور گواہی سے مراد تبلیغ رسالت کی گواہی ہے۔ ہر نبی اپنی امت کے متعلق اللہ کے حضور گواہی دے گا۔ کہ اُس نے اللہ کا پیغام اپنی امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر انہوں نے اُسے تسلیم نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت کتنا خوفناک منظر ہو گا۔ اگلی آیات میں یہ بھی آ رہا ہے **“وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰی هٰؤُلَاءِ”** اور اے پیغمبر! آپ کو اس آخری امت پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ ہر شخص کے حق میں یا خلاف گواہی نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوگی بلکہ بعض دیگر چیزیں بھی گواہ کے طور پر پیش ہوں گی۔ مثلاً گواہ کا تبین فرشتے گواہی دیں گے جو ہر شخص کا انفرادی ریکارڈ مرتب کر رہے ہیں۔ ہر شخص کی حفاظت پر مامور اللہ کے فرشتے بھی بندے کے حق میں یا اس کے خلاف شہادت دیں گے۔ اس کے علاوہ ہر شخص کے اپنے اعضاء و جوارح اس کے حق میں گواہ بن جائیں گے۔ سورہ یٰسین میں موجود ہے **“الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی افْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا اَيْدِيَهُمْ وَنَشْهَدُ اَرْجُلَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ”**

اس دن ہم ان کے موہنوں کو منہ پر کر دیں گے اور ان کی کارکردگی کے متعلق ان کے ہاتھ اور پاؤں بول کر گواہی دیں گے۔

حدیث شریفین میں شجر و حجر کی گواہی کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز کے لیے اذان یا اقامت کہتا ہے تو شیطان چھتیس میل تک دُور بھاگ جاتا ہے اور اذان و اقامت کے اختتام پر پھر واپس آجاتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص محض اللہ کی رضا کے لیے اذان کہتا ہے، اس کی آواز سننے والی ہر چیز قیامت کے روز اس کے حق میں اللہ کے حضور گواہی دیگی۔ اس میں شجر، حجر، عمارت، بیمار، عجز، صبیحہ ہر چیز کی گواہی آجاتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ کے نبی تبلیغ رسالت کے متعلق قیامت کو گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔ **لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَ بَیِّنَاتٍ لِّمَنْ هُمْ كَافِرُونَ** اور نہ ہی ان کے منانے کا موقع دیا جائیگا۔ یعنی ان کو اُس وقت توبہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنی سابقہ کارکردگی پر تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ اُس وقت عمل کا وقت ختم ہو کر جزائے عمل شروع ہو چکا ہوگا لہذا وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی بھی نہیں مانگ سکیں گے۔ اگر دنیا کی زندگی میں تائب ہو کر اللہ کو راضی کر لیتے، اُس کو منا لیتے تو جزائے عمل کے وقت مفید ہو سکتا تھا، مگر اس وقت وہ موقع گزر چکا ہوگا، اور کفار کوئی حیلہ بہانہ نہیں کر سکیں گے۔ قرآن پاک میں متعزرت مقامات پر یہ ذکر ملتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ کے حضور عرض کریں گے کہ انہیں دنیا میں دوبارہ لٹا دیا جائے تو وہ اس کی اطاعت بجالائیں گے مثلاً سورۃ النعام میں ہے کہ جب انہیں دوزخ پر پیش کیا جائے گا۔

”فَقَالُوا يَا كَيْفَ نُنَادُّكَ وَلَا نَكُذِّبُ بِآيَاتِكَ رَبِّتَنَا وَمَنْ كُنَّا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“ اُس وقت وہ کہیں گے کاشیں کہ ہمیں دنیا میں واپس

خدا کی  
بسی





نہ انہیں ڈھیل دی جائیگی۔ دوسری جگہ ہے کہ یہ لوگ خود تمنا کریں گے کہ ایک دن کے لیے ہم سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے تاکہ ہم مقطور ہی دیر کے لیے سکون حاصل کر سکیں مگر اس وقت ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

فَرِيحًا وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شَرُّهُمُ أَشْرُكَ هُمْ وَأَوْجِبَ  
 مشرک لوگ اپنے شرکاء کو دیکھیں گے، قیامت کے دن اپنے باطل معبودوں  
 سے ملاقات ہوگی قَالَ لَوْ رَبَّنَا هُوَ لَأَشْرِكُكُمْ وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ  
 ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شرک الٰہیں کُنَّا نَدْعُو  
 صَدِّقَاتِكَ جِنُّ كُفْرًا تَعْلَمُونَ ہمارے سوا پکارتے تھے۔ وہ شرک جن کو  
 ہم مصیبت میں پکارتے تھے، جن کے نام کی نذر و نیاڑھیت تھے اور جن کی  
 ہم عبادت کرتے تھے۔ یہ ہے ہمارے وہ معبود۔ قَالَ قُوا إِلٰهِيكُمْ  
 الْقَوْلَ تَوَاصَوْا بَيْنَكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّهُ بَشِيرٌ ذَلِيلٌ لِّلْمُتَّقِينَ  
 اِسْتَكْمَلُوا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا كَذِبًا  
 والے ہر قسم کے معبود ہوں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں گزر چکا ہے کہ خود شیطان  
 بھی انکار کرنے لگا۔ جب لوگ قیامت کے دن اُس کا گھیراؤ کریں گے کہ  
 تو دنیا میں ہمیں بہکا مارا، لہذا آج ہم سے عذاب دور کرنے کا کوئی بندوبست  
 کر تو وہ جواب دینگا وَمَا كَانَ لَكَ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ  
 اِلَّا اَنْ دَعَوْتَهُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي (ابراہیم) میرا تم پر کوئی غلبہ  
 تو نہیں تھا یعنی میں نے تم سے کوئی بات زبردستی تو نہیں منوائی تھی۔ میں نے  
 تمہیں کفر، شرک اور بُرائی کی محض دعوت دی تھی جسے تم نے بلا سوچے سمجھے  
 قبول کر لیا۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو  
 تم اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہو۔

بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ماننے والے اور ان کی پوجا کرنے والے

شرکاء کا  
انکار

دیوی دیوتاؤں کو معبود ماننے والے، ان کی نیاز دینے والے اور عبادت کرنے والے جب اللہ کے حضور فرشتوں کو بطور معبود پیش کریں گے تو وہ بھی جواب دیں گے **سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تو تجھے ہی کارساز سمجھتے رہے، بھلا ہم انہیں کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہمیں اپنا معبود بنا لور یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء و صلحاء اور نیک لوگ انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہمیں اپنا معبود بنا لو۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق سورۃ مائدہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فریبت کریں گے کہ کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو، تو مسیح علیہ السلام عرض کریں گے اپور و دکار! مجھے یہ کیسے حق پہنچا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس کا تو نے مجھے حکم نہیں دیا۔ میں نے تو ان سے ہی کہا **اِنَّ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبَّكَ وَرَبَّكُمْ** صرف اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے جو لوگ قبروں کے ساتھ شرکیہ معاملات کرنے میں، وہ قبروں والے بھی سبزی کا اعلان کر دیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ لے شرک کرنے والو! اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔ ہم نے تمہیں اپنی پرستش کے لیے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ غرضیکہ سب انکار کر دیں گے۔**

جنتی اور  
دوزخی کا  
مکالمہ

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ حساب کتاب کی منزل کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائینگے تو آپس میں کہہ دوڑوں میل کے بعد کے باوجود وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور آپس میں مکالمہ بھی کریں گے چنانچہ سورۃ الصّٰفٰت میں موجود ہے کہ ایک مومن آدمی کسی کافر واقفکار کو دیکھنا چاہے گا **فَاَوْفٍ سَوَآءٍ الْجَنِّيُّ** "تو وہ اُسے جہنم میں پڑا پائیگا۔ پھر مومن اُس سے کہے گا کہ اگر میں بھی تیری بات پر چلتا تو آج تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔ اللہ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے کفر و شرک سے محفوظ

رکھا جس کی بنا پر میں آج راحت کے مقام میں ہوں اور تم تکلیف میں ہو۔ اسی طرح جب ملائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کی پرستش کو نہیوائے ان کو جنت میں دیکھیں گے تو کہیں گے "پروردگار! یہ ہیں ہمارے مجبور، مگر آگے سے جواب آئیگا" اِنَّ كُمْ لَكَ كَذِبُونَ "تم جھوٹے ہو۔ ہم نے تو تمہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے خود شیطان کا اتباع کیا اور آج اس کا بھگتان کر رہے ہو۔"

جب کفار و مشرکین ہر طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو پھر خالص اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ وَالْقَوْلُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ يَذُنُ السَّلَامُ آج کے دن اللہ کے سامنے اطاعت کی بات ڈالیں گے یعنی اس کی فرمانبرداری کا دم بھریں گے کہ اب ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں مگر اس وقت اس جذبے کا اظہار کسی کام نہ آئے گا۔ عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔ اور پھر اس وقت وَصَلَّ عَنْهُمْ طَمَاسًا كَانُوا يَفْتَرُونَ وہ سب باتیں ان سے گم ہو جائیں گی جن کو وہ افتراء کیا کرتے تھے۔ جو بھی شرکیہ یا کفریہ عقائد رکھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے یا جن شرکیہ رسومات کو عمر بھر سینے سے لگائے رکھا، وہ سب ختم ہو جائیں گی، کوئی چیز ان کی مدد کو نہیں پہنچے گی۔ اس وقت اطاعت کا اظہار "بعد از مرگ و اولاد" کے مترادف ہوگا۔

النحل ۱۶

آیت ۸۸ تا ۸۹

ربما ۱۳

دس بہت و ۲۳

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ  
عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَ  
يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنَ  
الْفُتُورِ وَجِئْنَاكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا  
عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً  
وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

۸۹ تا ۸۸

ترجمہ :- وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیعہ اختیار کیا ہے اور روکا ہے اللہ کے راستے سے، ہم زیادہ کریں گے ان کے لیے عذاب کے اوپر عذاب، اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿۸۸﴾ اور (اس وقت کو اپنے خیال میں لاؤ) جس دن ہم اٹھائیں گے ہر ایک امت سے گواہ ان پر انہی میں سے، اور لائیں گے ہم آپ کو گواہ بنا کر ان لوگوں پر۔ اور اتاری ہے ہم نے آپ پر کتاب، جو کھول کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لیے ﴿۸۹﴾

رابط آیت

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ نے عذاب کی وحید سنائی اور مشرکین و کفار کے متعلق فرمایا کہ جب وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے تو پھرنے تو اس میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائیگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ مشرک لوگ

اپنے معبودوں کو دیکھ کر اقرار کریں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے رہے مگر وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہمیں معبود مان کہ ہماری عبادت کرنے لگو۔ یہ تو خود ہی من مانی کرتے رہے۔ فرمایا اس وقت ان کی تمام خود ساختہ کاروائیاں گم ہو کر رہ جائیں گی۔

اسی عذاب کی وعید کے تسلسل میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ کفر، شرک، نفاق وغیرہ قرآن پاک کی اصطلاحات ہیں۔ کفر کا لغوی معنی لپھپایا یا انکار کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی بات کو چھپایا اور اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وَصَدَّقُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اصل میں یہی فعل فساد کی بنیاد بنتا ہے خود بھی اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا اور پھر دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ بنے سُورَةُ النِّعَامِ میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ خود بھی ایمان سے دُور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اسلام کے راستے سے روکا صرف مشرکین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہر دُور میں ایسا ہی ہونا رہا ہے۔ فرعون بھی روکتا تھا۔ قوم نوح اور قوم شعیب بھی ایسی ڈگر پر چلتی تھی۔ حضرت تعجب علیہ السلام نے قوم سے اسی طرح خطاب کیا تھا: وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُوا نَهَارًا وَحَا (الاعراف) ہر راستے پر مت بٹھیا کرو کہ جو شخص ایمان لاتا ہے تم اسے ٹراتے ہو اور راہ خدا سے روکتے ہو اور اس میں کچی تلاش کرتے ہو۔

دنیا کی کافر قوتیں آج بھی لوگوں کو اسلام کے راستے سے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عیسائی مشنریاں اسی کام پر لگی ہوئی ہیں نہایت گہری سازش کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام کے  
راستے میں  
رکاوٹ

اس معاملہ میں برطانوی، روسی، فرانسیسی، جرمنی، عیسائی سب اکٹھے ہیں۔ انگریزوں نے اپنے عروج کے دو سو سالوں میں اس معاملہ میں بڑی پیش رفت کی۔ انہوں نے پس ماندہ اقوام کو لالچ دے کر عیسائیت کی طرف راغب کیا۔ ان کے وزیر اعظم گڈسٹون نے اسمبلی میں قرآن کریم پڑھ کر دیکھا کہ کتنا بڑا کتاب دنیائے دنیا موجود ہے، دنیا مذہب نہیں بن سکتی۔ ان کا ادل و آخر مقصد قرآن پاک کو دنیا سے ختم کر کے دین اسلام سے لوگوں کا تعلق ختم کرنا ہے مگر اس عظیم کتاب کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے، اسی لیے پوری کوشش کے باوجود دنیا کی کوئی طاقت قرآن کریم کا ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں کر سکی۔ چہ جائیکہ اسے نابود کر دیا جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی عیسائی، فحاشی، عبرانی اور سنجائی کی قاطع ہی کتاب ہے۔ جب تک یہ ختم نہ ہو ان کی فحاشی ہندسہ پروان نہیں چڑھ سکتی۔ یہ اتنے گندے لوگ ہیں کہ مردوزن کی مرضی سے کیے گئے زنا کو زنا ہی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک زنا صرف وہ ہے جو بائبل کہا جائے۔ باطنت ان کے ہاں کوئی جرم نہیں اور دنیا کی ہر برائی ان کے ہاں جبریدہ فیشن میں داخل ہے۔

غرضیکہ کبھی خوشنما ہندسہ کی آرٹیں لوگوں کو دین سے روکا جاتا ہے۔ کبھی پیسے کے لالچ کے ذریعے، کبھی بھول اور ہسپتال قائم کرنے کے اور کبھی قرآن اور دین کے ہمدرد بن کر اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ روسی اور چینی تشدد کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کو سرعام عبادت سے روکتے ہیں ایسا پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام کے ماننے والے شک میں پڑ جائیں اور آہستہ آہستہ دین سے بیزار ہو جائیں۔ اُدھر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ تک پڑھنے کے لیے تیار نہیں اگر وہ ایسا کرتے تو غیر مسلم لیگاریا کا جواب دے سکتے مگر انہیں تو اسلامی مشاہیر کی بجائے یہودی، عیسائی اور اشترکی مشاہیر پر فخر ہے اور انہی کے گن گاتے ہیں۔ یہ سارے جال مسلمانوں کو اپنے دین سے متنفر کرنے کے لیے پھیلائے جا رہے ہیں مگر مسلمان غفلت کی لینڈ سوئے

ہوئے ہیں اور کوئی ٹوٹس ہی نہیں لے رہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں سچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں ہیں، ان کے پاس مسائل کی کمی نہیں، وہ بھی سکول، کالج اور ہسپتال قائم کر کے عیسائی مہرشز لوگوں کا دروازہ بند کر سکتے ہیں، وہ بھی پس ماندہ طبقوں کی دستگیری کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے

جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے جو مسلمانوں میں محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو اسلام کے خلاف سازش کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مجوسیوں، منافقوں

اور یہودیوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں بڑی زحمت اندازی کی۔ انہوں نے اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلام کو کمزور کیا، فرقہ بندی کی اور مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے ہے جس قدر کمزور ہوگا، اسی قدر مخالف قوتوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔ بہر حال غیر مسلم اقوام نے ہمیشہ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

فریبا جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے

روکا زدنہم عذاباً فوق العذاب ہم بڑھائیں گے ان کے لیے

عذاب پر عذاب بما کما نوا یفسدو ن اس وجہ سے کہ وہ فساد

کرتے تھے۔ عذاب پر عذاب یعنی دوسرا عذاب اس لیے کہ انہوں نے

خود بھی کفر کا راستہ اختیار کیا اور دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ ڈالی،

لہذا ایک عذاب تو ان کے اپنے کفر کا ہوگا اور دوسرا لوگوں کے بہکانے

کا، اسلام کا بنیادی قانون تو یہی ہے کہ ہر مجرم کو اس کے گناہ کی ایک ہی سزا

دی جائے مگر یہ لوگ چونکہ دوسروں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی ہیں لہذا دوسری

سزا کے مستحق ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو کوئی اچھا

راستہ قائم کرتا ہے، اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے

گا۔ اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کے برابر ایک ایک

مزد ثواب بھی اُسے حاصل ہوگا۔ اسی طرح پورا راستہ قائم کرنے والا، معاصی

مفسدین  
کلیئے سزا



اور بدعات کی راہ نکالنے والا اس کو وہ جہرم کا مجرم بھی ہو گا اور پھر اس بری رسم پر چلنے والے ہر شخص کے بدلے ایک ایک گناہ اس ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں بھی درج ہونا رہیگا۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کا اولین قتل ناحق کیا تھا۔ اب قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے ان میں ہر قتل کا ایک گناہ آدم علیہ السلام کے اُس بیٹے کے رعبٹر میں بھی درج ہوتا ہے گا جو اولین قتل ناحق کا مرتکب ہوا۔

غرضیکہ کفر، شرک، معاصی اور خدا کی شریعت کی خلاف ورزی زمین میں فساد ہے۔ ان امور سے زمین بگڑتی ہے، انسانی سوسائٹی میں خوف ہراس اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ زمین کی اصلاح اطاعت سے ہوتی ہے اور اس کا بگاڑ معاصی سے ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ زمین میں فساد برپا کھنے والوں کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

انبیاء کی  
گواہی

قیامت کے دن ہر فردی کے خلاف گواہ پیش کرنے کی بات گذشتہ درس میں بھی تحریر ہوئی ہے۔ اگلی آیت میں اُسے پھر دوسرا ایجا رہا ہے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأُوْاْ اُسْ وَقْتِ كُوْا دُكْرُ وَجِبْ قِيَامَتِ كِے دِنِ هِمِ هِر

امت پر خود انہی میں سے گواہ پیش کریں گے۔ ہر امت کا نبی اپنی امت کے خلاف گواہی دینگا کہ اس امت نے کس طرح اُس کی بات کو ٹھکرایا اور تکالیف پہنچائیں۔ اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، انبیاء کی پوجا کرتے ہیں شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ پھر اس گواہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ہر امت کے متعلق فیصلہ کریں گے۔ فرمایا یہ تو سابقہ امتوں کی بات ہے

اے پیغمبر آخر الزمان! وَجَدْتُمْ بَابَ شَهِيدًا عَلٰی هٰذَا لَمْ يَمِمْ اُجُوْ

اس آخری امت کے لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے۔ آپ بھی اپنی امت کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کیا

جائیگا۔ اس وقت کتنا خوفناک منظر ہوگا اور کتنی پریشانی کا عالم ہوگا جب محاسبے کی منزل آئے گی اور اللہ کی بارگاہ میں گواہیاں پیش ہوں گی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی کا اتباع اختیار کرے تاکہ قیامت کے دن اس کی بہتر گواہی کا مستحق بن سکے۔

قرآن بطور  
تبیان

ارشاد ہوتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اور ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز کی بہت زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ ایک سطحی نظر میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر چھوٹی بڑی چیز کی وضاحت تو نہیں ہے، پھر تبیان سے کیا مراد ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی چیز کو کسی مقام پر اجال کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہیں تفصیل موجود ہے۔ بعض مقامات پر نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل سے کسی حکم کی جزئیات سے آگاہ کر دیں گے۔ لہذا نبی کی وضاحت بھی قرآن پاک کی طرف سے ہی وضاحت سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں بالوضاحت موجود نہیں مگر اس پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے تو وہ بھی منجانب اللہ ہی سمجھا جائے گا اور قرآن پاک کے تبیان ہی میں شمار ہوگا۔ سورۃ النساء میں موجود ہے کہ جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے باوجود مومنوں کے رستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اُسے ادھر ہی پھیر دیں گے، جدھر وہاں جانا چاہتا ہے اور اُس کا ٹھکانا بالآخر جہنم ہوگا۔ یہاں عَنِ سَبِيلِ حِلِّ الْمُؤْمِنِينَ کا یہی مطلب ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں خصوصاً اخیر القرون کے مسلمانوں کے متفقہ رستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے، گویا اجماع امت کا فیصلہ بھی قرآن پاک کے تبیان ہی کا حصہ شمار ہوگا۔

زمانے کے ساتھ ساتھ نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل و عقد

کے لیے اللہ نے اجتہاد و استنباط کا اصول بھی بیان کیا ہے۔ جبکہ جگہ  
 "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ" کے الفاظ آتے ہیں یعنی اے صاحب  
 عقل و بصیرت لوگو! قرآن پاک میں بیان کردہ اصولوں پر غور و فکر کر کے مسائل  
 کا استنباط کرو۔ کہیں فرمایا "لَعَلَّكُمْ الَّذِينَ كَيْسْتُمْ تَصْطَوْنَكَ وَمِنْهُمْ  
 (النساء) اگر کوئی مشکل پیش آئے گی تو اجتہاد و استنباط کرنے والے آپ کو  
 بنائیں گے، لہذا ان کی طرف رجوع کرو کہ یہ بھی بتیان میں داخل ہے۔ امام  
 ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ شریعت کے چار اصول ہیں یعنی کتاب اللہ  
 سنت رسول اللہؐ، اجماع صحابہ اور قیاس۔ اگر پہلی تین چیزوں سے مسئلہ  
 حل نہ ہو تو ائمہ مجتہدین کے قیاس کو دیکھ لو۔ ان میں پہلے دو اصول یعنی  
 قرآن اور سنت مثبت ہیں اور یہ کسی چیز کو ثابت کرتے ہیں۔ البتہ دوسرے  
 دو اصول یعنی اجماع اور قیاس منظر ہیں۔ یہ کسی چیز کا قطعی ثبوت نہیں ممکن یہ  
 کسی چیز کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ امام ابوہریرہؓ، امام شافعیؒ، شاہ ولی اللہؒ  
 اور مولانا گنگوہیؒ امام ابن تیمیہؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ہر مسئلہ کی اصل بنیاد تو قرآن پاک  
 ہی ہے اور سنت بھی قرآن کی شرح ہی ہے۔ تاہم امام ابوہریرہؓ جصاصؒ یہ بھی  
 فرماتے ہیں کہ کائنات کے ہر مسئلہ کے بارے میں اللہ کا حکم موجود ہے۔  
 اس حکم کو یا تو خود اللہ کی کتاب نے واضح کیا ہوگا، یا اس کا بیان اللہ کے  
 نبی کی زبان سے ہوا ہوگا۔ یا مومنین کا اتفاق اس پر شاہد ہوگا، یا پھر ائمہ  
 مجتہدین اس دلیل کو واضح کریں گے جس پر اس مسئلہ کی بنیاد ہوگی۔ فرماتے  
 ہیں کہ قرآن پاک ہر مسئلہ کی جزئیات بیان نہیں کرنا بلکہ اس میں اصول و قوانین  
 موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر جزو کا حل پیش کیا جاسکتا ہے۔

ہدایت، رحمت  
 اور خوشخبری

فرمایا، اللہ کی یہ کتاب فُهِدَتْ بِهَا رَحْمَةُ رَبِّهِ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی  
 کرتی ہے۔ پھر جب لوگ اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں تو فرمایا یہی کن ب  
 وَرَحْمَةً بَاعْتَبِرُوا رَحْمَةً بِنِجْمِ رَبِّكَ الَّذِي اشْرَقَ فِي حَالِ

ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کا کلام ”وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ الَّذِينَ إِذَا أُتُوا بِالْحَسَنَاتِ قَالُوا هَٰؤُلَاءِ مِمَّا رَزَقَنَا اللَّهُ وَأَنَا فَاكِرُونَ“ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔ سورۃ یونس میں بھی موجود ہے کہ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ”أَنَّ لَهُمْ فَاكِهًا صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ تمہارے پروردگار کے پاس تمہارا سچائی کا قدم پڑ رہا ہے، لہذا کھجور نہیں، تم اچھے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ گے۔ اگر ایمان میں استقامت حاصل رہی قرآن پر عمل کرتے رہے اور معاصی سے بچتے رہے، کفر، شرک اور بدعات سے پرہیز کیا تو تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہو جاؤ گے۔

النحل ۱۶

آیت ۹۰

دبما ۱۳

درس بت چار ۲۴

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِي ذِي  
الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
وَالْبَغْيِ ۗ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا  
احسان کرنے کا، اور قربت داروں کو دینے کا۔ اور منع کرتا  
ہے بے حیائی سے، نامعقول باتوں سے اور سرکشی سے  
وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پہنچ لو ﴿۹۰﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی گواہی کا ذکر کیا۔ قیامت کے  
دن انبیاء علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام  
اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ اور پھر آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی آخری امت  
پر بطور گواہ پیش ہوں گے۔ گذشتہ آیت میں اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے  
آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ نیز  
فرمایا کہ یہ کتاب فرمانبرداروں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے

گذشتہ درس میں ”تَبَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ الْكُبْرَىٰ“ کا ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں  
ہر چیز کی اساسی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ آج کی آیت اس دعوے کی دلیل کا ایک عمدہ  
نمونہ ہے۔ اس مختصری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن  
میں سے تین مثبت ہیں اور تین منفی۔ کائنات میں کوئی اچھی یا بری چیز ایسی نہیں ہے  
جو ان چھ چیزوں سے باہر ہو۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود اس آیت کے  
متعلق فرماتے ہیں اَجْمَعَ آيَةً فِي الْقُرْآنِ یعنی یہ آیت قرآن کریم کی

جامع ترین  
آیت

جامع ترین آیت ہے۔ اگر انسان اسی ایک آیت پر عمل کرے تو اس کی صلاح کے لیے یہی آیت کافی ہے

اس آیت کی جامعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کئی حضرات صرف یہی آیت کہ میں کہ ایمان لائے۔ حضرت عثمان ابن مظعونؓ ابتدائی دور میں ہی اسلام لے آئے۔ یہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی بھی ہیں، مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرامؓ میں سے سب سے پہلے فوت ہونے والے بھی آپ ہی ہیں۔ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں میں اسلام قبول کرنے سے چھپتا تھا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ آپ پر خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے دو دفعہ اُپر دیکھا، پھر نگاہ مبارک نیچے کی طرف کر لی۔ اس کے بعد آپ نے سلسلہ گفتگو پھر شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس کیفیت کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ دی جو اس خاص کیفیت کے دوران نازل ہوئی تھی۔ اتنی جامع کالات آیت سن کہ میں فوراً ایمان لے آیا۔

اکثم بن سنیفی اپنی قوم کے سردار تھے حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے متعلق متنا تو دو آدمیوں کا ایک وفد حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کے حالات معلوم کیے جاسکیں۔ یہ دونوں بڑے سمجھدار آدمی تھے۔ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سوال کیا مَنْ اَنْتَ وَمَا اَنْتَ یعنی آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟ پہلے سوال (آپ کون ہیں) کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ یعنی میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ البتہ دوسرے سوال (آپ کیا ہیں) کے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی اِنَّ اللّٰهَ يَاصِّرُ... الاٰیۃ یہ سن کر وفد بڑا متاثر ہوا اور انہوں نے واپس جا کر اکثم سے کہا کہ ہم نے اس شخص سے دو سوال کیے۔ پہلے سوال کا

مقصد آپ کا نسب نامہ معلوم کرنا تھا کیونکہ عرب لوگ نسب پر بڑا فخر کرتے تھے مگر آپ نے اس سوال پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ بلکہ مختصر جواب دیا کہ میں محمد ابن عبداللہ ہوں۔ البتہ دو سوال کا جواب آپ نے تفصیل کے ساتھ دیا اور یہ آیت بھی پڑھی۔ وفد نے سفارش کی کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں لہذا آپ کی دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ آیت متذکرہ کا مضمون سن کر اکثر کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام تمام عمدہ باتوں اور اعلیٰ اخلاق کا حکم آیت ہے اور تمام رذیل اخلاق و اعمال سے روکتے ہیں۔ کہنے لگے، اے لوگو! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کے ماننے میں جلدی کرو فَكُونُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ رءُوسًا وَلَا تَكُونُوا أَذْنَابًا اس معاملے میں سر یعنی سردار بن کر پہل کر دو اور پیچھے ہٹنے والے کو اچھے نہ بنو۔ دین کی قبولیت میں جلدی کرنا بڑی سعادت کی بات ہے ابوسفیانؓ اپنے خاندان سمیت فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور دین کے زبردست حامی بن گئے۔ آپ نے اسلام کے لیے کاروائیوں سے نمایاں انجام دینے پر بھرپور کوشش کیا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں بڑی دیر کر دی۔

اسلام کا  
عالمی پروگرام

درحقیقت یہ آیت کہ نبیہ اسلام کے عالمی پروگرام پر مشتمل ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے سے یہ آیت جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے مولانا عبد اللہ سندھیؒ نے بھی قرآن پاک کی بہت زیادہ خدمت کی ہے آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ جلا وطنی میں گزارا مگر قرآن پاک کو سینے سے لگا کر رکھا اور جہاں بھی گئے قرآن پاک پڑھتے رہے۔ تو آپ نے پینتالیس برس تک قرآن کی تعلیم دی اور سات ہزار علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ روس گئے تو کوہاں پر دیگر لوگوں کے علاوہ موسیٰ جبار اللہ بھی بڑے عالم نے آپ سے قرآن پڑھا۔ چار سال تک ترکی میں رہے، تو اریاب حکومت کو خبردار کیا کہ تم اتحاد کے سیلاب میں بہتے جا رہے ہو۔

آؤ میں تمہیں قرآن پاک کی چالیس سورتوں کا ایسا خلاصہ بتانا ہوں کہ اس کو اپنے  
 پروگرام میں شامل کر لو گے تو بے دریغ سے نچ جاؤ گے بھگت مصطفیٰ کمال نے  
 آپ کی دعوت کی طرف تو جبر نہ دی تری سے آپ مکہ مکرمہ آگئے اور بارہ  
 برس تک لوگوں کو قرآن پاک کی تفسیر پڑھاتے رہے۔ جب وطن واپس آئے تو  
 فرمایا کہ بڑھاپے کی اس عمر میں کوئی شخص صرم شریف کو چھوڑنے کے لیے تیار  
 نہیں ہوتا مگر میرے سینے میں قرآن کریم کا ایک پروگرام ہے، میں چاہتا ہوں  
 کہ یہ پروگرام موت سے پہلے تمہیں بھی بتا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ سورۃ النحل  
 کی یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ... الخ اسلام کا عالمی پروگرام ہے  
 مسلمانوں کا یہ فخر یہ پروگرام ہے جو کسی دیگر قوم کے پاس نہیں ہے۔ اس کو  
 لے کر آگے بڑھو تو فلاح و کامیابی تمہارے قدم چومے گی بھگت امنوس کا مقام  
 ہے کہ خود مسلمان اس پروگرام کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور اس کی بجائے  
 عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں کا پروگرام اپنانے میں فخر محسوس کرنے لگے  
 ہیں۔ مشرقی لوگ اب مغربی ممالک کے پروگرام کے مطالعہ کے لیے جاتے ہیں  
 ان کے مشیر یہاں آتے ہیں تو اپنے پروگرام کی روشنی میں یہاں کے لیے سکیمیں  
 بناتے ہیں جنہیں ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ ہم غیر مسلم اقوام کی شاگردی اختیار  
 کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اختیار کے پروگرام پر عمل کر کے  
 ہی ترقی یافتہ بن سکتے ہیں۔ ہم نے وہ عالمی پروگرام ترک کر دیا ہے جس پر عمل پیرا  
 ہونے پر اللہ نے پہلے بھی اقوام عالم میں سر طبع کیا تھا اور اُممہ کے لیے بھی ہماری  
 عزت و وقار کا دار و مدار اسی پروگرام پر ہے۔

اس پروگرام کے پہلے حصے میں تین مثبت چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔  
 اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاللّٰهُ يَرْضٰى الْعَمَلِ الصّٰلِحِ  
 حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک بزرگ محمد ابن کعب قمری سے کہا کہ بھائی  
 ذرا عدل و انصاف کی تعریف تو کرو کیونکہ اس آیت کرمہ میں اللہ نے سب

نا مثبت  
 چیزیں  
 عدل



سے پہلا حکم عدل کا دیا ہے، کہنے لگے، آپ نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے، تاہم  
 سن لو! عدل کا مفہوم یہ ہے کُنْ لِّصَغِيرٍ اَبًا یعنی چھوٹے شخص کے لیے  
 باپ کی طرح شفیق اور رحمدل بن جاؤ۔ اور بڑے شخص کے لیے بیٹے کی مانند  
 مؤدب ہو جاؤ، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ كِبَارَنَا وَلَمْ  
 يَرْحَمْ صَغِيرَنَا فَالْيَسْ صَبًا یعنی جو بڑے کا ادب اور چھوٹے پر رحم  
 نہیں کرتا، وہ ہماری پارٹی کا آدمی نہیں ہے۔ فرمایا جو تمہارے برابر ہو، اسے  
 بھائی کی مانند سمجھو کیونکہ اَلْمَرْءُ اَكْثَرُ وِلَايَتِهِ عَرَبِيٌّ لَوْ كَانَتْ  
 كُوَيْبِطُيُونَ کے ساتھ اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کے جتنے بھائی ہوں  
 گے، اتنے ہی اس کے بازو ہوں گے اور اُسے قوت حاصل ہوگی۔ روح المعانی نے  
 کتے ہیں وَكَذَلِكَ لِلنِّسَاءِ اور عورتوں کے حق میں بھی ایسے ہی بن جاؤ۔ ان کو  
 بھی نظر انداز نہ کرو۔ ان کے حق میں بھی شفقت و مہربانی کا اظہار کرو۔ محمد بن کعب  
 قرظیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت! کسی مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دو حتیٰ کہ  
 کسی کے حق میں ایک کوڑا بھی زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا یہ سب چیزیں عدل و  
 انصاف میں داخل ہیں۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ چار اصول ایسے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء نے  
 دی ہے۔ ہماری شریعت میں بھی یہ اصول رائج ہیں۔ غرضیکہ تمام آسمانی نثر و کلام  
 یہ چار اصول ہیں۔ پہلا اصول طہارت یعنی پاکیزگی ہے۔ دوسرا اخلاص یعنی عجز و انکاری  
 ہے۔ تیسرا اصول ساحت یعنی رذیل اخلاق سے پرہیز، اور چوتھا اصول عدل ہے  
 اجتماعی معاملات عدل کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ عدل کے متعلق اللہ تعالیٰ  
 کا فرمان ہے "اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ"  
 (التساوی) جب تمہیں لوگوں پر حاکم بنایا جائے تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ نیز فرمایا  
 "وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا (الانصاف) جب بات کرو تو انصاف کی کرو۔  
 اللہ نے یہ بھی فرمایا "اعْدِلُوا قَدْ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" (المائدہ) عدل کیا

کہو، کہ یہ تقویٰ سے قریب تر عمل ہے۔ شاہ عید القادر فرماتے ہیں کہ معاملہ اپنوں کا ہو یا بیگانوں کا عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑو چاہے تمہیں کتنا بھی نقصان اٹھانا پڑے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن کستوری کے مینروں پر بٹھایا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے انصاف کرتے وقت اپنے بیگانے کا لحاظ رکھا، نہ دوست اور دشمن میں فرق کیا تھا۔ کو حق ادا کرنا، معاشرے میں عدل اور توازن قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے آج دنیا میں عدل ملتا نہیں بلکہ خریدنا پڑتا ہے۔ عدالتیں بڑی مہنجی ہیں۔ عدلیہ کی فیس اور وکیلوں کا معاوضہ ادا کرنا کمزور آدمی کے بس کی بات نہیں، مالدار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر اپنا ہرجائز اور ناجائز مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ منصف اور وکیل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس لیے غریب آدمی کہ انصاف نہیں ملتا۔ کہاں اسلام کا نظام عدل ہو جو حاکم اور محکوم، بڑے اور چھوٹے، آقا اور غلام، گورے اور کالے، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام تھکانے، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ افراط و تفریط کی وجہ سے کوئی پلٹا جھکے یا اٹھنے نہ پاسے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، انسان کے ظاہر و باطن یکساں ہوں، جو بات اپنے لیے ناپسند کرے، وہ بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔ امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ عدل میں سب سے پہلے توجیہ کا درجہ ہے کیونکہ توجیہ تعطیل اور تشریک کے درمیان والا راستہ ہے۔ ایک طرف تعطیل ہے یعنی خدا تعالیٰ کو محض معطل تصور کر لیا جائے کہ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتا، اس کی کوئی صفت نہیں، وہ کسی کا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، بس محض نام کا خدا ہے (نعوذ باللہ) اور دوسری طرف عبادت، ریاضت اور صفات میں عیوض

کو شریک بنایا جائے۔ ان دونوں خرابیوں کے درمیان توحید ہی لفظ عدل ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کہنا بھی عین عدل ہے۔ اس کے برخلاف عبادت میں اس قدر غرق ہو کہ انسان راہب بن کر دنیا ہی ترک کر دے، یہ افراط ہو گا دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کی عبادت سے بالکل ہی منہ موڑ جائے اور بالکل بیکار ہو کر بیٹھ جائے، یہ تفریط ہوگی تو گویا صحیح طریقے سے عبادت کہنا بھی عدل کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسی طرح سخاوت یا جود ہے جو سخی اور اسراف کے درمیان عدل کی منزل ہے۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ انسان سخی اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرے جسے جود کا نام دیا گیا ہے۔

(۲)  
احسان

تین ثنبت چیزوں میں سے دوسری چیز فرمایا وَ اَلْاِحْسَانَ وہ احسان ہے۔ ایک حدیث کی اصطلاح میں اعلیٰ درجے کی عبادت کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ احسان اس چیز کا نام ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا تَرَكَهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَتَرَاكَ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے سے کر کہ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال پیدا ہو سکے تو کم از کم اتنا تو تصور کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے یہ تو احسان کا ایک معنی ہے۔ البتہ اس مقام میں احسان سے مراد نیکی، ہمدردی، فیاضی، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح، ان کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دو سے پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران) فاروق سے بھی لوگوں نے کہا تھا اَحْسَنُ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصاص) تم بھی لوگوں پر احسان کرو جسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے مگر وہ کہنے لگے اِنَّمَا اَوْتَيْنَاهُ عِلْمًا عَلِيمًا عِنْدِي

میں نے یہ دولت اپنے علم و مہر کی بنا پر جمع کی ہے، اس میں اللہ کے احسان کی کیا بات ہے؟ اس پر اللہ نے اسے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا احسان کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا کرے۔ اگر خود نیک عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو تبلیغ کرنے کا کیا اثر ہوگا؟ اگرچہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا بجا ہے خود اچھی بات ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ بڑی کمزور بات ہے کہ خود تو فرائض کا تارک ہے مگر دوسروں کو حکم دیتا ہے، یا خود سنت پر عمل نہیں کرتا مگر دوسروں کو اس کی تلقین کرتا ہے۔ اچھا نتیجہ اسی وقت نکلے گا جب خود عامل بن کر دنیا کے سامنے آئے گا۔ اگر قول و فعل میں تضاد پایا گیا تو دنیا ایسی نیکی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ آج بھی لبرپا، امر نیکی اور جاپان وغیرہ کے لوگ مبلغ کے کردار کو دیکھتے ہیں جس شخص کا کردار درست ہوتا ہے اس کی بات بھی اُسکے چلتی ہے۔

بہر حال نیکی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہنا بہت بڑی بات ہے سورۃ الرحمن میں موجود ہے "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہے، اور یہ نیکی اپنے بیگانے دوست اور دشمن سب کے ساتھ ہونی چاہیے۔ یہی احسان کی منزل ہے

فرمایا، تیسری نسبت پیر یہ ہے وَأَيْتَانِ ذِي الْقُرْبَىٰ قرابت داروں کا حق اور کمزور شخص کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان کی منزل ہے جب کہ قرابت داروں کا حق ڈیل ہوتا ہے۔ ایک دن کا رشتہ ہوتا ہے اور دوسرا قرابت کا لہذا دو سرے لوگوں کی نسبت ان کا حق فائق ہوتا ہے۔ اسی لیے اس آیت کریمہ میں احسان کے بعد حق قرابت کو علیٰ ہ عنوان کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قرابت داروں کے حقوق بھی داگیر

رشتہ دار خواہ مخالف ہوں یا موافق اُن کا خیال رکھو، اگر محتاج ہیں تو اُن کی اعانت کرو۔ شریعت میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لہذا اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ بہت بڑا اصول ہے۔

تین ہفتی  
چیزیں  
(۱)  
فحاشی

تین شہوت چیزیں بیان کرنے کے بعد اللہ نے تین منفی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَجْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ تمہیں بے حیائی سے روکتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تین قوتیں ایسی ہیں جو ساری خیر کموں کی جڑ ہیں۔ پہلی قوت بہیمیہ شہوانیہ ہے۔ دوسری قوت بہیمیہ شیطانیہ ہے اور تیسری مغضبہ سبعیہ ہے۔ یہ تینوں قوتیں فحاشی سے تعلق رکھتی ہیں جن کا مشاہدہ اور بہمیت کی زیادتی ہوتا ہے۔ عریانی، زنا، لواطت، گالی گلوچ، رقص و سرود، بد اخلاق ڈرامے وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی شہوانیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ فحاشی قول کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور عمل کے ذریعے بھی۔ اگر انسان کا عقیدہ اور اخلاق خراب ہو جائے تو عرب لوگ اس کو بھی فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک کچل بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ مگر آج پوری دنیا عریانی کی لپیٹ میں ہے اور اس سے اجتناب کرنے کی بجائے اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ نیم برہنہ تصاویر، ناچ اور گانا وغیرہ بد اخلاقی کی باتیں ہیں جن سے خدانے منع کیا ہے۔ جو شخص فحاشی کی باتوں میں ملوث ہو گا۔ وہ فلاح نہیں پاسکا۔

(۲) دوسری منفی بات وَالْمُنْكَرِ ہے۔ اس میں وہ تمام بُری چیزیں آتی ہیں۔ جن سے شریعت بھی منع کرتی ہے اور عقل بھی بُرا مناتی ہے ہر نامعقول بات جو فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ کے خلاف ہو منکر کی تعریف میں آتی ہے۔ اس کا مشاہدہ قوتِ بہیمیہ اور قوتِ شیطانیہ کا علیہ ہونا ہے۔ اللہ نے ایسی تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

(۳)  
سرکشی

تیسری ممنوع چیز کے متعلق فرمایا وَالْبَغْيِ یہ بغاوت اور سرکشی ہے

جس سے اللہ نے منع فرما دیا ہے، ہر قسم کا ظلم، زیادتی، تعدی، مار پیٹ  
گالی گلوچ، چمینا جھپٹی، بے عزتی، قانون شکنی، چوری ڈاکہ وغیرہ یعنی کئی تعریف  
میں آتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

الغرض تین کام کرنے اور تین کام نہ کرنے کا بیان فرما کر اللہ  
نے اس آیت کریمہ میں اہل اسلام کا اجتماعی پروگرام واضح کر دیا اور آخر میں  
فرمایا **يَحْظُرْ كُمْ** اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے اور سمجھاتا ہے  
**لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ** تاکہ تم نصیحت پکڑ لو، اور ادا کرو لو ابھی کو سمجھ  
جاؤ اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا  
 الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ  
 عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا  
 تَعْمَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ  
 غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ  
 أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ  
 هِيَ أَرْبَابٌ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ  
 وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ  
 تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً  
 وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي  
 مَنْ يَشَاءُ وَلَسَعَلَنْ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾  
 وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ  
 قَدَمُ بَعْضِكُمْ بَعْضًا تَابُوْهَا وَتَذُقُوا سُوءَ بِمَا  
 صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ  
 عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا  
 قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

## كَلِمَاتٌ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾

ترجمہ :- اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب کہ تم عہد کرو، اور نہ توڑو تم قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد اور تحقیق ٹھہرایا تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اُپر ضامن۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو ﴿٩١﴾ اور نہ ہو اُس عورت کی طرح کہ جس نے توڑ دیا اپنا کلاما ہوا مضبوطی کے بعد ٹپکڑے ٹپکڑے کر کے بناتے ہو تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فاد کا ذریعہ، اس لیے کہ ایک گروہ زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے دوسرے سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو آزماتا ہے اس کے ساتھ، اور وہ کھول دیکتا تمہارے سامنے ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿٩٢﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو کر دیتا تم کو ایک ہی امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے، اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے، اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں کے بارے میں جو تم کیا کرتے تھے ﴿٩٣﴾ اور نہ بناؤ تم اپنی قسموں کو فاد اور خرابی کا ذریعہ اپنے درمیان پس پھل جائیں گے قدم پختہ ہونے کے بعد۔ اور چکھو گے تم سزا اس وجہ سے کہ تم نے روکا اللہ کے راستے سے۔ اور تمہارے لیے عذابِ عظیم ہو گا ﴿٩٤﴾ اور نہ خریدو اللہ کے عہد کے ساتھ قیمت مٹھوڑی۔ بیشک جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿٩٥﴾



گذشتہ سے پورے درس میں قرآن کریم کی جامعیت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو "تَبْدِیْکًا یَا کُلَّ شَیْءٍ" بنایا ہے یعنی اس کتاب میں بنیادی طور پر ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ اس کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جامع ترین آیت "إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ" میں تین مثبت اور تین منفی اشیاء کا ذکر فرمایا یعنی تین کام کرنے کا حکم دیا اور تین سے منع فرما دیا۔ کرنے والے امور میں عدل و احسان اور قربت داروں کے حقوق کی ادائیگی ہے اور نہ کرنے والے کام بے حیائی، برائی اور سرکشی ہیں۔ یہ آیت کہہ کر قرآن کے بیان کی بہترین مثال ہے کہ کوئی اچھی یا بُری چیز ایسی نہیں جو ان چھ باتوں سے باہر ہو۔ اس کی تشریح سابقہ درس میں عرض کر دی گئی تھی یہ آیت خطہ جمعہ میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

تخریفات معنوی  
کی عبارت

قرآن پاک کی اس عظیم آیت کے معانی بدلنے میں بعض فرقوں نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ مثلاً روافض کی بصدیہ ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے مثبت چیزوں کو تو اپنے اصلی معانی پر محمول کیا ہے۔ جب کہ منفی چیزوں میں اس طرح معنوی تخریفات کی ہے کہ فحشاء سے مراد ابو بکرؓ، منکر سے مراد حضرت عمر فاروقؓ اور نجی سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں (العیاذ باللہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں بزرگ ترین ہستیوں سے منع کیا ہے اور اس طرح لوگوں کو ان حضرات سے متنفر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تخریفات معنوی میں قادیانی بھی روافض سے پیچھے نہیں رہے انہوں نے از خود ایک بستی آباد کی جس کا نام ربوہ رکھا۔ پھر جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہہ دیا کہ دیکھو اس بستی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ سورۃ المؤمنین میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک انعام یاد دلایا "وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَآمَتَهُ آیَۃً ۙ وَأَوْثِنَهُمَا الْحَبْلَ ۙ رُبُّوۃً ذَاتِ فَتْرٍ ۙ وَمَعِیْنٍ ۙ ہُمْ نَعْمَ عَلَیہِ السَّلَامُ اور آپ کی والدہ کو اپنی نشانی بنایا اور انہیں

جائے قرار اور جاری پانی والی جگہ پر پناہ دی۔ قادیانی طبقہ کہتا ہے کہ یہاں پر ابن مریم سے مراد خود اُن کا گروہ ہے۔ کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن پاک میں ہمارا ذکر ہے۔ ہم دریا ئے چناب کے کنارے پر ربوہ میں آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے اور ایسی تحریف سے اپنی پناہ میں رکھے۔ کہاں ابن مریم اور آپ کی والدہ اور کہاں قادیانی فتنہ اور اُن کا خود ساختہ ربوہ۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے تین مثبت اور تین منفی چیزوں کا حکم دینے کے بعد عہد و پیمانہ پر قائم رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ عہد و پیمانہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کرنا ہے اور اپنے ہم جنس بندوں کے ساتھ بھی۔ دونوں قسم کے عہد کا مطلب یہ ہے کہ جو عہد و پیمانہ اللہ کے نام پر، اس کو حاضر ناظر جان کر یا اس کے نام کی قسم اٹھا کر کیے جائیں، اُن کو پورا کیا جائے۔ پھر یہ ہے کہ عہد عمومی بھی ہوتے ہیں اور خصوصی بھی۔ عمومی عہد یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اور اللہ کی وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی شریعت کی پابندی اپنے ذمے لازم قرار دیتا ہے، تو اب اس کا فرض ہے کہ اس عہد کو پورا کرے اور اس کے خلاف نہ چلے۔ خصوصی معاہدات وہ ہوتے ہیں جو ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے ورنہ انسان اخلاقی طور پر منافق ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے وَ اَوْفُوا بِالْعَهْدِ اللّٰہُ اِذَا عٰہَدْتُمْ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرو وَلَا تَنْفُضُوْا الْاٰیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِہَا اور قسموں کو نچتے کرنے کے بعد مت توڑو۔ وَلَقَدْ جَعَلْتُمْ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر کفیل یا ضامن بنایا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو گواہ بنا کر عہد کی پابندی کا وعدہ کیا ہے۔ تو پھر اپنے وعدے کی پوری پوری یا سدا رہی کرنا اور عہد شکنی کے لیے کسی حیلے بہانے کا سہارا نہ لینا اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری

عہد کی  
پابندی

کارگزاری کو جانتا ہے۔

عہد شکنی کی مثال اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ  
 لَقَّصْنَاهُ فِيكُم مِّنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا اور اس عہد شکنی  
 کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے کاتے ہوئے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔  
 مشورے کے مکے کی ایک صاحب مال عورت دن بھر سوت کاتتی اور شام کو ان  
 کٹی ہوئی ایٹوں کو توڑ ڈالتی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عورت سال کا اکثر حصہ سوت  
 کاتتی رہتی کہ جب کپڑا بنانے کا موسم آئیگا تو اس سے کپڑا بنا کر کسی کو تحفہ میں دے  
 دوں گی جب وہ موسم آتا تو کپڑا بنوانے کی بجائے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے  
 پھینک دیتی۔ یہ ایسی بیوقوف عورت تھی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ عہد و پیمان کی مثال  
 کتے ہوئے سوت جیسی ہے۔ پیمان کو بچتر کرنے کے بعد توڑ ڈالنا کہتے ہوئے  
 سوت کو ضائع کر دینے کے مترادف ہے۔

عہد شکنی کی  
 ممانعت

ارشاد ہوتا ہے تَخَذُونَ آيَاتِكُمْ حُرْمَةً لِّأَنفُسِكُمْ  
 تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد اور خرابی کا ذریعہ بنانے ہواں تَكُونُ امَّةً  
 هِيَ أَرْجَبُ مِنْ أُمَّةٍ اس واسطے کہ ایک گروہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے  
 پہلے تم ایک گروہ سے معاہدہ کرتے ہو، پھر دیکھتے ہو کہ دوسرا گروہ اس سے  
 بڑھا ہوا ہے تو پہلے گروہ کا عہد و پیمان توڑ کر دوسرے گروہ کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے  
 ہو۔ فرمایا یہ بہت بُری بات ہے۔ عہد و پیمان پر سختی سے قائم رہو۔ عہد شکنی  
 منافق کی صفت ہے إِذَا عَاهَدَ عَدُوَّكُمْ وَهُمْ كَثُرُوا وَعَهْدُكُمْ تَائِبٌ تَوَّابٌ  
 کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف مؤمن کے لیے حکم یہ ہے۔  
 «أَوْفُوا بِالْعُقُودِ» (المائدہ) عہد کو پورا کرو۔ عہد شکنی کے نتائج بڑے خراب  
 نکلتے ہیں، انسان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور وہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

صاحب تفسیر حسین بکھتے ہیں کہ مکی زندگی میں بھی بعض لوگوں نے حضور  
 علیہ السلام کی حمایت کا عہد کیا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں کی حالت بڑی کمزور تھی۔

جب انہوں نے قریش کا پلہ بھاری دیکھا تو آپ سے کہے گئے معاہدہ کی کچھ پروا نہ کی اور قریش کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے عہد و پیمان کی سختی سے پابندی کی، جس کی وجہ سے ان کا اعتماد بحال ہوا اور اسلام کو ترقی حاصل ہوئی۔

بخاری  
عہد شکنی

انگریزوں نے اپنے دور عروج میں مختلف اقوام سے جو معاہدے کیے، ان کی پابندی نہیں کی۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے ترکوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا مگر جب انگریزوں کو فتح حاصل ہو گئی تو معاہدے کی تکمیل میں لیت و لعل کرنے لگے۔ جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی تو برطانیہ کے وزیر جنگ لارڈ جارج نے ہر بلا کہہ دیا کہ اس قسم کے معاہدے پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض وقت گزاری کے لیے کیے جاتے ہیں۔ امریکہ پاکستان کا شروع سے حلیف ہونے کا دعویٰ کرتا رہا ہے مگر جب بھی ضرورت پڑی اس نے وعدہ ایفاء نہ کیا۔ پاک ہند ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں امریکہ نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی۔ ملک دو لخت ہو گیا۔ مگر یہ جہاز ہی دوڑاتا رہا ہے اور عملی طور پر معاہدے کا حق ادا نہ کیا۔ یہ متفقہ قسم کے لوگ ہیں، جو بھی ان پر اعتماد کرے گا، دھوکا کھا جائے گا۔ امریکہ اور برطانیہ عربوں کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر وئی ہمدردی اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنانے والے یہی لوگ ہیں، ورنہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ بہر حال غیر مسلم اقوام کے برخلاف اسلام ہر قسم کے عہد کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے، خواہ اس میں کتنا بھی نقصان کیوں نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا، اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناتے ہو کہ ایک قوم کے ساتھ معاہدہ کرتے ہو اور پھر دوسری طرف پلہ بھاری دیکھ کر ادھر ہو جاتے ہو۔ یہ ہرگز روا نہیں۔

فرمایا إِنَّمَا يَكْفُرُ اللَّهُ بِهٖ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اس قسم کے واقعات سے آزماتا ہے کہ یہ عہد و پیمان میں کس قدر سچتے ہیں اور اپنی

بات پر کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ فرمایا، یا ادرکھوا! وَ لَیْسَ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُونَ اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں تمہارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ جن میں تم اختلاف کرتے ہو، اُس وقت حقیقت حال پورے طریقے سے واضح ہو جائے گی۔

گمراہی اور  
ہدایت کا راستہ

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت ہے کہ سب لوگ ایک جیسے نہیں، کوئی مومن ہے کوئی کافر اور کوئی نیک اور کوئی بد۔ فرمایا وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلْکُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم سب کو ایک ہی امت یا گروہ بنا دیتا، مگر یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے۔ سورۃ الانعام میں گمراہی کا ہے "وَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعْکُمْ عَلَی الْهُدٰی" اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، مگر یہ جبری ہدایت ہوتی جو اس کے منشاء کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی خود انسان کی صوابدید پر رکھی ہے۔ ایمان وہی قابل قبول ہو گا جو وہ اپنی رضا و رغبت سے اختیار کرے گا، اور اگر کفر کا راستہ اختیار کرے گا۔  
تُوَعِدُ السُّرْمٰنُ حٰجِزًا یَّوْمَ الْقٰدِمِ

فرمایا اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ میں شامل کر دیتا، مگر وَلَیٰکُنْ یُفِضِلُ مِنْتَ کَیۡتَآءًا ۗ بَلٰکُمۡ وَہِ جَسۡمَہِ چاہتا ہے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اور گمراہ وہی ہوتا ہے جو بہت دھرمی اور ظلم و زیادتی کی بنا پر اپنی استعداد کو تخریب کر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے واضح طور پر اعلان فرمایا وَ یَاۤءِیُّہُ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیۡنَ (الصف) اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا "وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیۡنَ" اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ "وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیۡنَ" اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا "کُلَّ طَیۡعٍ اَلَّہُ عَلَیہَا یَکْفُرُہُمُ"

(النساء) اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر ٹپھے مار دیے ہیں سورۃ مطففین میں ہے كَلَّا بَلْ كَسَّبَتْ اَنْفُسَهُمْ فَاُكُوْبَهُمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اَنْ كِي كَار كَرْدِ كِي وَ جِسْر اَنْ كِي دِلُوں پَر زَنگ چڑھ گیا ہے اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی کے دل پر مہر لگا کر اسے ہدایت سے محروم نہیں کر دیتا اور نہ اسے ایمان سے محروم کرتا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے منافی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی باری ہائیں واضح کرنے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اسی طرف ڈال دیتا ہے۔

فرمایا اللہ جیسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے وَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور اس کی ارسال مثبتیت ہدایت کی طرف ہی ہوتی ہے۔ جو شخص ہدایت کا مشلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نصیب کر دیتا ہے۔ بلکہ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد) جو ہدایت کے راستے کی طرف آنا چاہتے ہیں، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔ اور رجوع کرنے والے کو زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ فرمایا وَ لَتَسْتَعْلَمَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں کے متعلق جو تم کرتے تھے۔ آگے منزل آلے والی ہے جب کوئی عذر نہیں سنا جائے گا، لہذا کسی کے ساتھ بدعتی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہر مومن اور کافر کے عہد کو پورا کرنا چاہیے۔

فرمایا وَلَا تَجِدُوا الْاِيْمَانَ كُمْ دَخَلًا لِّدِيْنِكُمْ اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔ پہلے قسم اٹھا کر سچے عہد کر لیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی، یہ اخلاقی طور پر ٹہری معیوب بات ہے۔ اگر ایسا کرو گے فَ تَنْزِلُ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ ثَوِيْلٌ تَنْزِيْلًا تَوْقُرُم مَضْبُوْبًا ہونے کے بعد پھر پھسل جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ بدعتی کی صورت میں نکلے گا۔ کوئی تمہارا

بدعتی  
ذریعہ  
ہے

حامی نہیں ہوگا۔ اگر تم عہد کی پابندی نہیں کرو گے تو لوگوں کو دین سے سزا  
 کرنے کا ذریعہ بنو گے۔ اور اس طرح تمہاری یہ بد عہدی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔  
 قرن اول کے مسلمانوں کی طرح اگر عہد پر قائم رہو گے، ذاتی اور اجتماعی معاملات  
 میں صلح و جنگ کے معاملات میں اگر بد عہدی نہیں کرو گے تو ساری دنیا  
 اسلام کی برتری کی قائل ہوگی اور دین کو سچا مذہب تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیگی۔  
فَمَا بَايِعْتُمْ يَوْمَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَا كُنْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اور تم اس وجہ سے سزا کا شرا چکھو گے کہ تم نے لوگوں  
 کو اللہ کے راستے سے روکا۔ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور تم بہت  
 بڑے عذاب کے مستحق بن جاؤ گے۔ تمہیں دنیا میں بھی ناکامی ہوگی اور آخرت  
 میں سخت سزا سے دوچار ہو گے۔ دنیا کے حقیقہ کی خاطر کی گئی بد عہدی دنیا  
 میں بھی کام نہیں آئے گی۔

فرمایا وَلَا تَسْتَأْذِنُوا بَعْدَ اللَّهِ تَمَنَّا قَلِيلًا اور نہ ضرید  
 اللہ کے عہد کے ساتھ حقوڑی قیمت۔ اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر عہد کیا مگر  
 اس عہد کو توڑ کر حقیقہ کو قبول کر لیا۔ یہ بڑا ہی خاکے کا سودا ہے۔ اگر تم اپنے  
 عہد و پیمانہ پر قائم رہتے إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لِّكُمْ تو اللہ کے  
 ہاں اس کا نتیجہ تمہارے لیے بہتر ہوتا۔ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ  
 اگر تم جانتے ہو۔ عہد و پیمانہ کی پختگی کی صورت میں تم پر دنیا میں بھی لوگ اعتماد کرتے  
 نہیں یہاں بھی مصدقہ حاصل ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر اجر پاتے۔  
 کاش کہ تمہیں اس بات کا علم ہوتا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُ  
 الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا  
 يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ  
 ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً  
 طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ  
 بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ  
 لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ  
 رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى  
 الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ  
 مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ :- اور جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے  
 گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔  
 اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے  
 صبر کیا۔ ان کا اجر بہتر ہو گا ان کاموں کے بدلے  
 میں جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۹۶﴾ جس شخص نے اچھا کام  
 کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو۔



پس ہم زندگی بسر کرائیں گے پاکیزہ۔ اور ہم ضرور بدلہ دیں گے اُن کو اُن کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے (۹۷) پس جب تو قرآنِ کریم پڑھے، تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطانِ مردود سے (۹۸) بیشک وہ (شیطان) کہ نہیں ہے اُس کا تسلط اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں (۹۹) بیشک اس کا زور اُن لوگوں پر ہے جو کہ اس کے ساتھ دوستانہ رکھتے ہیں، اور جو اس کی وجہ سے شرک کرنے والے ہیں (۱۰۰)

فانی اور  
باقی مال

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے عمد و پیمان کو پورا کرنے کی سخت تلقین فرمائی تھی۔ اپنی قسموں کے ذریعے حقیر مال حاصل کرنے کی مذمت بیان فرمائی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُس مال کی حقیقت بیان فرمائی ہے جو عہد شکنی کے ذریعے کمایا جاتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَفْئِدُ جُوحًا مِمَّا رَمَىٰ بِأَيْمَانِكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۹۷) وہ تو ختم ہو جائے گا۔ جس مال کی خاطر تم نے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور پھر عہد کو توڑا، وہ تمہارے پاس نہیں ہے گا۔ مفسرین کرام فرماتے کہ لفظ مَا عام ہے اور اس سے صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز زندگی، صحت، زمین، مکان، باغات، کھیتیاں، کارخانے وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ تمہیں اس دنیا سے بالآخر جانا ہے اور پھر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے گا، اِس دُنْيَا كَمَا يَمْلِكُ الْيَوْمَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ لِيُعَذِّبَ مَن يَشَاءُ بِمَا كَفَرَ حَتَّىٰ يَظُنَّ أَنَّهٗ اِلْتَمَسَ السَّلٰمَ فَاَلْمَمْنَا بِالسَّلٰمِ الَّذِي يَكْفُرُ بِمَا كَفَرَ فَاَلْمَمْنَا بِمَا كَفَرَ فَاَلْمَمْنَا بِمَا كَفَرَ فَاَلْمَمْنَا بِمَا كَفَرَ (۹۸) وہ باقی رہنے والا ہے۔ ہر چیز کا والی و وارث اللہ ہی ہے۔ اِن کا ایمان، نیکی، اخلاص، خضوع، طہارت، اعمالِ صالحہ سب اللہ کے پاس محفوظ رہتے ہیں، اِن میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ لہذا دنیا کی ناپائیدار چیزوں کی خاطر ہیر پھیری کرنے کی بجائے نیکی کو اپنا شعار بنا لو کہ یہی چیز باقی رہنے والی ہے

بوتہ نہیں کام دیگی۔

صبر بھی ملتے ابراہیمی کا اہم اصول اور نبی کی بات ہے۔ اللہ نے فرمایا  
 وَكَانَ حِزْبُكَ الَّذِي تَصَابِرُونَ أَجْرَهُمْ صَبْرًا كَرِيمًا  
 کو ضرور ان کا اجر عطا کریں گے۔ جنہوں نے ایقانے عہد کے لیے تکالیف بڑھات  
 کی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس نبی کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں اجر دے گا  
 بِالْحَسَنِ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ان بہتر کاموں کے بدلے میں جو  
 وہ انجام دیتے ہیں اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم صبر کرنے والوں کو ان  
 کی کارکردگی کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے۔ گویا ان کا بدلہ ان کے اعمال سے  
 بہر صورت بہتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ  
 فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَلِهَا" (الانعام) ہر نبی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہے، تو  
 معلوم ہوا کہ ہر نبی کا بدلہ اس نبی سے بہتر ہوگا اور نبی میں جس قدر اخلاص بڑھتا  
 جائیگا اسی قدر اجر میں بھی اضافہ ہوا جائے گا۔

فرمایا مَن عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ حَسْبُ شَخْصٍ  
 نیک اعمال کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ نیک اعمال کے صلے میں مرد و زن  
 میں کوئی تفاوت نہیں۔ بہر صنف کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے  
 گا۔ نزولِ قرآن کریم کے زمانے میں بعض عورتوں کے دل میں خیال پیدا ہوا تھا  
 کہ ہر میدان میں مرد ہی پیش پیش ہیں اور ہر مقام پر اللہ نے انہی کا تذکرہ کیا ہے  
 حالانکہ ہم بھی نصف انسانیت ہیں، ان کے اس تردد کے جواب میں  
 اللہ کے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں  
 کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کی اولین مثال تو یہی آیت ہے جس میں مرد اور عورت  
 دونوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں صنفوں میں سے کوئی بھی ہو۔ اس کے اچھے  
 اعمال کا بہتر بدلہ دیا جائے گا۔ سورۃ نساء میں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا  
 كَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ یعنی مردوں کے

عیت طیبہ

یہ بھی اُن کی کھائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی ان کی کھائی میں سے حصہ ہے، یعنی ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ آیت زبردست کی طرح کی آیت سورۃ نساء میں بھی موجود ہے "وَمَنْ لَّعِنَ مَلَّ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ" یعنی عمل صالح ہونا چاہیے خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، اللہ تعالیٰ سب کو رحمت میں داخل کرے گا۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ نے مردوں اور عورتوں کا ان کی تعریف کے ساتھ اکٹھا ذکر کیا ہے "اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَشِيْمِيْنَ وَالْحَشِيْمَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِيْنَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِيْنَ فَرُوْجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِيْنَ وَاللَّذِكِرَاتِ اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا" ان صفات کے حاملین تمام مردوں اور عورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

فرمایا جس نے بھی نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، شرط یہ ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہ اسے ایمان کی دولت حاصل ہو۔ اگر ایمان کی بنیاد موجود ہوگی تو اعمال صالحہ پھل لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے وعدہ فرمایا قَالَتْ حَيَاتُهُ حَيٰوةٌ طَيِّبَةٌ کہ ہم انہیں پاکیزہ زندگی بسر کریں گے یعنی اس دنیا میں وہ اچھی زندگی بسر کریں گے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ حیات طیبہ سے مراد محض خوشحالی کی زندگی نہیں جس میں مال و دولت اور ظاہری آرام و راحت میسر ہو، کیونکہ یہ چیزیں تو بعض اوقات بچے سچے ایمانداروں کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ پاکیزہ زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو رزق حلال اور قناعت نصیب ہو، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرِزْقًا كَفَافًا وَقَبَعَهُ  
 اللَّهُ بِمَا آتَاهُ تَحْتِيقًا وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو حقیقت اسلام حاصل ہو  
 گئی، جسے بقدر کفاف روزی میسر آگئی اور جسے اللہ نے عطا کردہ روزی پر  
 قناعت نصیب فرمادی۔ یہی حیاتِ طیبہ ہے کہ زبان پر اللہ کا ذکر ہو، دل  
 میں اللہ کی محبت اور سکون حاصل ہو۔ فرائض کو ادا کرنا ہو اور مستقبل کے متعلق  
 اچھا عقیدہ رکھتا ہو۔ جب کسی شخص کو رزقِ حلال میسر آجائے گا تو اسے اطاعت  
 میں حلاوت، سکون اور مزا آئے گا۔ جو شخص قناعت کرتا ہے، اور اللہ کے  
 ہر فیصلے پر راضی ہوتا ہے اُسے نیک کالم کرنے کی توفیق ملتی ہے اور صحیح  
 معنوں میں اللہ بھی اُس پر راضی ہوتا ہے۔ یہی حیاتِ طیبہ ہے۔

سعدی صاحبؒ نے ایک نیک آدمی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ چیتے کا  
 زخم خوردہ دریا کے کنارے بیٹھا شکرِ خدا بندہ نے کہا کہ اتنی تکلیف  
 کے باوجود اللہ کا شکر کس بات پر ادا کرتے ہو تو کہنے لگا "الحمد لله ربہ مصیبت  
 گرفتار آدم نہ بہ معصیت"

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مصیبت میں تو گرفتار کیا ہے مگر  
 معصیت سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت مولانا شیخ الحدادؒ مالٹا جیل میں انگریزوں  
 کے اسیر تھے، ہر روز دس پارے تلاوت بھی کرتے تھے، کثرت سے درود شریف  
 بھی پڑھتے اور ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کرتے کہ اس نے مصیبت میں  
 مبتلا کیا، کہیں معصیت میں مبتلا نہیں کر دیا۔ آپ نے جان پر کھیل کر انگریزوں  
 کے خلاف فتویٰ دیا جس کی پاداش میں آپ کو سخت ترین تکالیف پر مشتمل  
 پکڑنا پڑی مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ بہر حال ایمان سے خالی  
 لوگوں کو اگر دنیا میں آرام و راحت بھی میسر آجائے۔ تو یہ حیاتِ طیبہ نہیں بلکہ  
 حیاتِ خبیثہ ہوگی کہ جلدی ہی وہ جہنم کے کندہ نارتاش بننے والے ہیں۔  
 فرمایا ہم اعمالِ صالحہ انجام دینے والے مومنوں کو حیاتِ طیبہ سے نوازیں گے۔

وَكَفَّزْنَاهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے ان کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔  
 اس سے مراد جنت کی زندگی ہے کہ وہ بھی بہترین حیاتِ طیبہ ہوگی، ایسی زندگی  
 ہوگی جس کو موت نہیں، ایسا عذاب ہوگا جس کے بعد فقر نہیں، ایسی صحت ہوگی  
 جس کے بعد بیماری نہیں اور ایسی سعادت ہوگی جس کے بعد شقاوت نہیں  
 ہوگی بغرض یہ دنیا میں اگر مصائبِ الالم بھی ہوں تو پھر بھی مومن کی زندگی پاکیزہ زندگی ہوگی  
 اللہ نے اسے اطاعت کی توفیق دی، وہ فرائض ادا کر رہا ہے، یہی حیاتِ طیبہ  
 ہے۔ اس کے برخلاف ایمان سے محروم مخلقت میں پڑے ہوئے ہیں، ان  
 کی زندگیاں بُرے کاموں میں صرف ہو رہی ہیں، ہمیشہ جاہ و اقتدار کے بھوکے  
 رہتے ہیں، ان اللہ کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہے اور نہ ہی نوعِ انسان کے ساتھ  
 ہمدردی ہے، ان فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ آخرت پر ایمان ہے۔  
 ایسے لوگ ناپاک زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں حیاتِ طیبہ حاصل نہیں ہو سکتی۔  
 گذشتہ درس میں اللہ کا یہ احسان ذکر ہو چکا ہے "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ  
 الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ہم نے یہ قرآن پاک نازل فرمایا جس میں  
 ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ اب اگلی آیت میں اس عظیم کتاب کے آداب  
 کے سلسلے میں فرمایا ہے "فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَبَّ أَسْمِعْ أَنْ يُسْمِعَكَ  
 قَوْمٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"  
 تو سب سے پہلے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ طلب کریں قرآن کریم  
 کی تعلیم و تعلم اور اس کی تلاوت چونکہ اعلیٰ و ارفع کام ہے اس لیے شیطان  
 اس میں لٹل اڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان  
 تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کرے۔ اس لیے فرمایا کہ تلاوت شروع  
 کرنے سے پہلے اللہ کے ساتھ پناہ مانگ لیا کرو۔ نماز کی روح رواں بھی  
 تلاوتِ قرآن پاک ہی ہے۔ حدیث شریف میں معجزہ کے مختلف کلمات

تلاوت  
 سے  
 پہلے  
 تعوذ

اُتے ہیں جیسے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ یا  
 اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ نماز میں سورۃ فاتحہ  
 کی تلاوت سے پہلے تعوذ ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء و کرام  
 فرماتے ہیں کہ ہر حصہ نماز کی پہلی رکعت میں تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم دونوں  
 سنت ہیں جب کہ باقی رکعتوں میں صرف بسم اللہ مستحب ہے۔ تاہم امام  
 شافعیؒ ہر رکعت کی ابتدا میں تعوذ اور بسم اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم  
 کی تلاوت سے پہلے تعوذ تو اس آیت میں آگیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض  
 مقامات پر تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً بیت الخلاء میں جاتے وقت  
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْغَيْبِ وَالْخَبَايِثِ کے الفاظ سکھائے گئے ہیں۔ مباشرت  
 سے پہلے بھی شیطان سے تعوذ کر لینا چاہیے اَللّٰهُمَّ جَدِّبْنَا الشَّيْطٰنَ  
 اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ۔ اسی طرح ہر نیک کام کی ابتدا میں تسمیہ  
 کا حکم دیا گیا ہے۔ پکڑا پینتے وقت، کھانا کھانے وقت سواری پر سوار ہوتے  
 وقت، باہر قدم رکھتے وقت بسم اللہ پڑھ لینا چاہیے کہ یہ باعث برکت  
 اور مسنون ہے۔

عالیٰ علیہ

فرمایا تلاوت کرتے وقت شیطان مردود سے پناہ پکڑ لیں مگر یاد  
 رکھیں اِنَّكَ لَيْسَ لَكَ سُلْطٰنٌ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 بیشک اس کا غلبہ ایمان والوں پر نہیں ہوگا۔ اور ان پر بھی نہیں ہوگا۔ وَعَلٰی  
 رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ گو یا کہ کامل  
 الایمان لوگوں پر شیطان کا دائرہ نہیں چلتا۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ جب شیطان  
 ان سے چھپ چھا کر مارتا ہے تو انہیں فوراً سمجھ آجاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ  
 کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلٰی الَّذِيْنَ  
 يَتَوَكَّلُوْنَ شیطان کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کے ساتھ  
 دوستی کرتے ہیں۔ جو اس کی مداخلت کرتے ہیں۔ وہ اسی کے دوسرے

میں پھنسنے سے متنبہ رہیں اور بھروسوں کا ارتکاب کرنے نہ لگتے ہیں۔ گویا تمام صحیح شیطان کی درستی اور زفافت کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں۔

فرمایا شیطان کا تسلط اُن لوگوں پر بھی قائم ہو جاتا ہے وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے ہوتے ہیں۔ شریک رسوم ادا کرتے ہیں اور شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں پھر وہ جبر چاہے انہیں لیے پھرتا ہے یہاں کا ترجمہ دو طریقے سے کیا جاتا ہے ایک یہ کہ یہ سے مراد اللہ کی ذات ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ وہ شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ نیز یہاں کی "ب" سببہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے یعنی جو لوگ شیطان کے مبدی کی وجہ سے شریک کرتے ہیں اُن پر بھی شیطان کو علیہ حائل ہو جاتا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگ شیطان کی وسوسہ اندازی اور اغوا کی وجہ سے شریک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں، اُن پر شیطان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

النحل ۱۶

آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵

رسم ۱۳

درس بنت ہفت ۲

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا  
يُنزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتِرٌ بَلْ أَكْثَرُهُمْ  
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ  
رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ  
هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ  
أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ  
الَّذِي يُوحِيهِ إِلَيْهِ آعْجَبُ ۖ وَهَذَا لِسَانٌ  
عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِّبُ  
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ :- اور جن وقت ہم تبدیل کردیں ایک آیت  
کو دوسری آیت کی جگہ ، اور اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ بھی  
وہ اتارنا ہے ۔ تو کہتے ہیں (یہ نافرمان لوگ) کہ بیشک تو  
افتراء کرنے والا ہے ۔ نہیں ، بلکہ اکثر ان میں سے بے سمجھ  
ہیں ﴿۱۰۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اتارا ہے اس کو روح القدس



نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ، تاکہ ثابت کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لیے (۱۰۲) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بیشک یہ لوگ کہتے ہیں کہ سکھلاتا ہے اس کو ایک انسان۔ اُس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجیبی ہے۔ اور یہ قرآن عربی اور صفا زبان میں ہے (۱۰۳) بیشک وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیتوں پر، اللہ اُن کو راہ نہیں دکھاتا۔ اور اُن کے لیے عذاب الیم ہے (۱۰۴) بیشک افتراء باندھتے ہیں جھوٹ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہی لوگ ہیں جھوٹے (۱۰۵)

گزشتہ درس میں آداب تلاوت قرآن سکھلائے گئے تھے۔ اللہ ربّ ایت نے فرمایا کہ تلاوت شروع کرتے وقت شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ پکڑ لیں تاکہ آپ اس کے وسوسے سے بچ جائیں۔ فرمایا شیطان کا تسلط اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستانہ رکھتے ہیں اور پھر اسی کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والے کامل الایمان لوگوں پر شیطان کا دائرہ نہیں چلتا۔

اب آج کی آیات میں قرآن پاک ہی سے متعلق مشرکین کے بعض شکوک و شبہات کا دلائل کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ اس طرح گویا ان آیات کا گزشتہ مضمون کے ساتھ ربط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھے بغیر ایمانیات اور دین کے صحیح اصول معلوم نہیں ہو سکتے، حالانکہ ایک مومن ان کا محتاج ہے اسی طرح ذریعہ مسائل کا حل بھی قرآن کریم کے ربط سے لفظ معادہ مند ہے۔

سکتا، چنانچہ یہی بات آگے اسی رکوع میں آرہی ہے کہ کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، تم اپنی زبان سے کسی شے کو حلال و حرام قرار نہیں دے سکتے۔ غرضیکہ اللہ کا یہ پاک کلام زندگی کے ہر موڑ پر ہماری راہنمائی کرتا ہے اور یہ راہنمائی اس کی تلاوت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

نسخ آیات

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے اس اعلیٰ وارفع کلام کا ہر قسم کی تحریف اور شک و شبہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر اسی میں شک پیدا ہو گیا تو پھر اس کے احکام پر عمل درآمد کیسے ہوگا اور اس کی تلاوت سے صحیح نتیجہ کیسے مرتب ہوگا۔ چونکہ مشرکین مکہ قرآن پاک کے متن میں بعض اعتراضات کرتے تھے، اس لیے اللہ نے اُن کا بدل جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا كُنَّا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ اور جب ہم تبدیل کرتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ یعنی حکم کی تبدیلی پر قَالُوا لَوْ أَرَادْنَا تَمَا أَنْتَ مُصَفَّرٌ کافر اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ تو تو افسردہ کرتا ہے۔ یعنی جھوٹ بانڈھنا ہے کہ فلاں حکم فلاں کے ساتھ بدل گیا ہے۔ بحسب اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بدلنے کی کیا ضرورت تھی، کیا اللہ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم اُس کی مخلوق کے لیے موزوں ہے العیاذ باللہ اس سے تو اللہ تعالیٰ پر جہالت صادق آتی ہے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے درمیان آیت فرمایا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز کو وہ نازل کرتا ہے۔ اسے اپنے پہلے حکم کا بھی اچھی طرح علم ہے اور وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو بھی جانتا ہے نیز وہ اپنے نئے حکم یا آیت کی حکمت و مصلحت سے بھی خوب واقف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جس طرح زمانہ اور واقعات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض کو کسی وقت میں کسی دوا کی ضرورت

نسخ آیات  
کی حکمت

ہوتی ہے جب کہ کچھ وقت کے بعد اس کی حالت کے مطابق دوا تبدیل کرنا پڑتی ہے۔ کبھی سرد دوا مناسب حال ہوتی ہے اور کبھی گرم، گویا مریض کے مرض میں تبدیلی کے ساتھ طبیب دوا بھی تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانی معاشرے کے حالات و ضروریات سے واقف ہے اس لیے وہ اُن کے مناسب حال ہی احکام نازل فرماتا ہے۔ پھر جب معاشرے میں قدرے تبدیلی آجاتی ہے اور اُسے دوسرے احکام کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے احکام منسوخ کر کے

دوسرے جاری کر دیے جاتے ہیں۔ اب اللہ کی آفری شریعت یعنی عصر الزمان پر مکمل ہو چکی ہے۔ اب یہ دومی احکام ہیں جن میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا جب تک دنیا کا یہ نظام قائم ہے۔ یہ احکام بھی بہ طور نافذ العمل رہیں گے۔

نزول قرآن کے زمانہ میں بعض احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ مکی زندگی میں جو حکم تھا وہ مدنی زندگی میں جا کر تبدیل ہو گیا۔ مثلاً کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق مکی زندگی میں قانون یہ تھا "كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" (النساء) یعنی لڑائی سے ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اس وقت جماعت المسلمین کمزور تھی، اس لیے عدم جنگ میں ہی مسلمانوں کی مصلحت تھی۔ پھر جب مدنی دور میں مسلمانوں نے طاقت جمع کر لی اور وہ علی الاعلان جنگ کھسنے کے قابل ہو گئے۔ تو اللہ کا حکم آگیا "قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ" (التوبة) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اُن کے خلاف اعلان جنگ کرو گویا بیہود و نصاریٰ، کفار اور مشرکین سب کے ساتھ لڑائی لڑنے کا حکم دے دیا گیا کہ اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔

سورۃ بقرہ میں آتا ہے ”مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا“ جب ہم کوئی حکم منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کر دیتے ہیں تو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا کم از کم اُس جیسا حکم لے آتے ہیں۔ بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم اپنی نوعیت اور اثر و ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے ایسے حکم پر عمل پیرا ہونے میں بھی تسہیل کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، لہذا ہم اسے تبدیل کر دیتے ہیں بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ سَمْعًا أَكْثَرَ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ۔  
 مصالحت کو نہیں جانتے۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے تَزَكَّىٰ رُوحَ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ اَسْ كُوْرُوحِ الْقُدُسِ لَمْ يَرِے رَبِّ كِي طَرْفِے سَے حَقِّ كَے سَاكْفَے اُتَا رَے۔ بزعم خویش یہ افتراء اور جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس کی غرض و نغایت یہ ہے لِيُنذِرَ الَّذِينَ آمَنُوا اَنَّهُمُ الْاٰمِنَانِ كُو نِيْجَتَے كَے چنانچہ تلاوت قرآن سن کر ایمان والوں كَے دِلِ مَضْبُوْطُ ہُو جَاتَے ہِيں، ان كا اِيْمَانُ سِيْخْتِے ہُو جَاتَا ہِيے، وَه اَسْ پَرِيقِيْنِ رَكْحَتَے ہِيں اور اَسْ پَرِيعِلِ پِرا ہُو جَاتَے ہِيں۔ فَرَمَا يَاقُرْآنُ وَهَدِيْ وَاضْحِ ہِدَايْتِے ہُو اِنْسَانِ كِي زَنْدِگِي كَے ہَر مَوْضِعِ پَر رَاہِنَمَائِي كَے تَا ہِيے، اِنْسَانُوْنِ كِي سَمْتِ دَرَسْتِ كَرتَا ہِيے اور اِنھِيں اِنْذِيْرُوْلِ سَے نِكَالِ كَے رُو شْتِي كِي طَرْفِ لَاتَا ہِيے وَ كَبُشْتِي اِي لِّلْمُسْلِمِيْنِ يَے ہِيے مسلمانُوْنِ كَے يَے نُو شَجْرِي كا ذَرِيْعَے ہِيے۔ اَسْ پَر اِيْمَانِ لَاتَے اور عَمَلِ كَے نَے والُوں كَے يَے وَ اَمْنِي اور بہتر زَنْدِگِي كِي بِيْشَارْتِ ہِيے۔ سُوْرَۃ يُوْنُسِ مِں اِيْسِيے لُوگوں كَے مَتَعَلِقِ فَرَمَا يََا كِيْبَا ہِيے اَنْ لَھُمَّ قَدَمَ صِدْقِ عِنْدَ رَبِّھِمَّ اِن كِيلے اِنكے رُب كَے پَاسِ سِچَائِي كا پَا يَا ہِيے اِيْمَانِ لَانِے وَ اے سِچَائِي كَے پَانِے مِں قَدَمِ رُكْحَتَے ہِيں اور اَسْ پَرِيعِلِ كَے نِيْوَالُوْلِ كُو نُو شَجْرِي دِي جَاتِي ہِيے۔ يَے نِيْلِي كا مَضْمُونِ ہِيے ہُو كِيَا۔  
 اس آیت كَے مِے مِں رُوْحِ الْقُدُسِ كا لَفْظِ تُو جُو رِ طَلَبِ ہِيے اَسْ سَے

نزول قرآن  
 کی غرض

روح  
 القدس

مرا جبرائیل علیہ السلام ہی جن کے واسطے سے قرآن کریم حضورؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا سورۃ الشعرا میں موجود ہے "إِنَّهُ لَنَزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِرُوحِ الْأَمِينِ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ" اس قرآن کریم کو روح الامین نے رب العالمین کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ مشرک لوگ شاعر اسلام اور پیغمبر اسلام کی ہجو کرتے تھے اس پر آپ علیہ السلام نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ ان کے اشعار کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تائید روح القدس کے ساتھ کرے گا۔ چنانچہ حضرت حسانؓ مشرکوں کو شعروں میں جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ روح القدس کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ ملا اعلیٰ کے تمام گروہ کسی خاص امر کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اسی کا نام روح القدس کی تائید ہے۔

نزول قرآن  
پر اعتراض

فرمایا وَقَدْ نَعَلَكُمْ ۝ ہم خوب جانتے ہیں أَنَّهُمْ كَيْفَ يَكُونُ إِتِّمَاعُكُمْ ۝ بَدِئْتُمْ بِكَ كَافِرٍ وَمُشْرِكٍ لَوْ كَانُوا يَدْرُسُونَ ۝ کہ کافر و مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن پاک حضور علیہ السلام کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبرائیل یعیش یا بلعام نامی ایک روحی غلام تھا۔ اس کا پہلا مذہب عیسائیت تھا۔ انجیل پڑھا کرتا تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ شخص رات کے وقت کبھی کبھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے دین سیکھتا۔ بعض اوقات حضور علیہ السلام خود بھی اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس پر مشرکین نے یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ سچی شخص آپ کو بائبل سکھاتا ہے جسے آپ قرآن کے نام پر پیش کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب

اس بہتان کے جواب میں اللہ نے فرمایا لِسَانَ الَّذِي جَاءَ وَوَدَّ



النحل ۱۶

آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰

دب ما ۱۳

درس بیت ہشت ۲۸

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ  
 أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ  
 مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ  
 مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذَلِكَ  
 بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى  
 الْآخِرَةِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۷﴾  
 أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ  
 وَسَمِعَتْهُمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ  
 الْغَافِلُونَ ﴿۱۰۸﴾ لِأَجْرِمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ  
 هُمْ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ  
 هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فِتْنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا  
 وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ  
 رَحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ :- جس شخص نے کفر کیا اللہ کے ساتھ

بعد ایمان لانے کے ، مگر وہ شخص کہ جس کو مجبور کیا

گیا اور اس کا دل مطمئن تھا ایمان کے ساتھ

لیکن (گناہ اس پر ہے) جس نے دل کھول کر کفر کیا

ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے تذابِ عظیم ہے۔ (۱۰۶)

یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو پسند کیا آخرت کے مقابلے میں اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو کفر کرنے والی ہو (۱۰۷) یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر، اور یہی لوگ غافل ہیں (۱۰۸) ضرور ہر ضرور بیشک یہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں (۱۰۹) پھر بیشک تیرا پروردگار، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان کو فتنے میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، البتہ اس کے بعد بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۰)

گذشتہ آیات میں رسالت کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ یہ اللہ کا کلام ہے جسے جبرائیل امین نے اللہ کی جانب سے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ مشرکین بہتان لگاتے تھے کہ قرآن پاک سخائب اللہ نہیں بلکہ ایک عجمی شخص سے سیکھ کر آپ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن حکیم تو فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے، بھلا ایک عجمی آدمی یہ کیونکر پیش کر سکتا ہے حالانکہ وہ تو اپنا مافی الضمیر بھی عربی زبان میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ایسا افتراء وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اکراہ و اضطار کی حالت کے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ کلمہ کفر کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی

رابط آیات



شخص مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی زبان پر کلمہ کفر لانا ہے، تو وہ شخص کافر یا مرتد نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اُس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے شخص کو کفر کا کلمہ کہنے کی وقتی طور پر رخصت ہوگی۔

وقتی طور  
پر رخصت

تاریخ اسلام ان واقعات سے بھری پٹی ہے جن میں مشاہیر اسلام نے بے شمار ذاتی قربانیاں دے کر کلمہ کفر کو بلذکر رکھا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ کفار نے آپ کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا، حتیٰ کہ جان سے مار دینے کی دہمکی دی آپ نے مجبوری کی حالت میں کفار کی بات مان لی۔ جان چھوڑ کر اکرم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: **كَيْفَ جَعَدَ قَلْبِكَ نَهْرًا لِي** کہہ دے دل کی کیفیت کیسی ہے۔ زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کے باوجود دل دین پر مطمئن ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، حضور! دل تو بالکل مطمئن ہے۔ فرمایا کوئی بات نہیں **إِنْ عَادُوا فَقَدْ** اگر دوبارہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے اور کافر تمہیں مجبور کر دیں تو تم اسی طریقے سے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ امام ابو بکرؓ جصاصؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ خواہ جان کا خطرہ ہو یا جسم کے کسی عضو کے کٹ جانے کا ڈر ہو، متعلقہ شخص کو کفار کی بات ماننے کی صرف رخصت ہے، البتہ بلند درجہ یہ ہے کہ انسان حق کی بات پر ڈٹ جائے خواہ اس کے لیے شہادت ہی کیوں نہ قبول کرنی پڑے۔

دین کی خاطر  
قربانیاں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبِ عزیمت صحابہ میں سے حضرت بلالؓ کا نام کسی متعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کو کفار نے مجبور کیا **ارْجِعْ** یعنی اسلام کو چھوڑ کر پانے دین میں واپس آ جاؤ۔ آپ نے جواب دیا **لَا اَرْجِعُ** یعنی میں واپس نہیں پلٹوں گا۔ کفار کلمہ کفر کو کلمہ کفر لانا چاہتے تھے مگر آپ احد احد ہی پکارتے رہے۔ آپ کو گرم ریت پر لٹا کر اور پتھر رکھا گیا، آپ کے جسم کو گرم سلاخوں سے داغا گیا، مگر آپ اللہ اللہ کا ورد ہی کرتے رہے اور

کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ آپ نے فرمایا کہ کفار اللہ کے نام سے چڑتے ہیں۔ اگر مجھے کوئی کلمہ بھی معلوم ہو جس سے یہ چڑتے ہیں تو میں وہ بھی زبان پر لائے سے نہیں رکوں گا حضرت بلالؓ نے کمال عزیمت کا مظاہرہ کیا، سخت ترین جسمانی سزاؤں برداشت کیں مگر کفر کا کلمہ نہ کہا۔ اگرچہ آپؐ شہید نہیں ہوئے مگر آپ نے دین کی خاطر سر و دھڑ کی بازی لگادی۔ حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ سخت ترین سزائیں برداشت کرتے ہوئے شہید ہو گئے، مگر کفر کا کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے۔ آپ کی والدہ حضرت سمیئہؓ کی دونوں ٹانگیں دو مختلف اونٹوں کے ساتھ باندھ دی گئیں۔ پھر ابو جہل نے ان کے مقام مخصوصہ میں نیزہ مار کر آپ کو ہلاک کر دیا اور اللہ نے انہیں بلند ترین مرتبہ عطا فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت خبیب ابن زید انصاریؓ کسی طرح میلہ کذاب کے ہاتھ آ گئے۔ میلہ کہنے لگا۔ کیا تم محمدؐ کی رسالت کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، وہ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر میلہ نے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہو؟ حضرت خبیبؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں سننے کے لیے بھی تیار نہیں چاہتا۔ تمہاری رسالت کا اقرار کروں۔ کہنے لگا میں تمہارا ایک ایک عضو کاٹ کر ہلاک کر دوں گا۔ فرمایا تو جو چاہے کہ بغیر خبیبؓ آپ کا جوڑ جوڑ کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ مگر آپ کلمہ کفر زبان پر نہ لائے حضرت خبیبؓ کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔ کافروں نے کفر کا کلمہ کہلوانا چاہا، سولی پر چڑھانے کی دہکی دی مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور فرمایا اللہ کے راستے میں اسی کی عطا کردہ جان قربان کر دینا کوئی

بڑی بات نہیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ کو سولی پر لٹکا کر شہید  
 کر دیا گیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت خدیف اور حضرت زید ابن دسریج  
 کو کافروں نے ایک ہی دن شہید کیا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے حضور علیہ السلام  
 کی خدمت میں سلام بھیجا کہ اے اللہ! ہمارا اسلام ہمارے پیارے نبی تک پہنچا  
 نے۔ جب یہ پیغام حضور علیہ السلام کو ملا تو آپ نے دونوں کے لیے وصیہ اسلام کیا۔  
 امام ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل  
 کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذیفہ بھی اور آپ کے بعض ساتھی رومیوں کے  
 خلاف جہاد کرتے ہوئے اُن کے قیدی بن گئے۔ انہیں بادشاہ کے سامنے  
 پیش کیا گیا۔ تو اُس نے آپ کو دین سے پھیرنے کے لیے لالچ دینے کی  
 کوشش کی۔ کہنے لگا اگر دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لو تو میں تمہیں نہ  
 صرف اپنی حکومت میں شریک کر لوں گا۔ بلکہ اُزواجِ بنتی اپنی بیٹی کا نکاح  
 بھی تجھ سے کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اپنا سارا ملک اور پورا عرب بھی  
 مجھے دیتو میں آنحضرت جھکے کی مقدار بھی محمد کے دین سے پلٹنے کے لیے  
 تیار نہیں ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا جائے۔  
 آپ نے فرمایا۔ اللہ کے راستے میں ہلاک ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ میں اس  
 کے لیے تیار ہوں۔ پھر بادشاہ نے تانبے کی ایک بہت بڑی دیگ منگوائی  
 بعض روایات میں تانبے کا بنا ہوا گائے کا بہت بڑا مجھ بھی آتا ہے۔ بہر حال اس دیگ  
 یا گائے میں تیل یا کوئی اور چیز ڈال کر اُسے خوب گرم کیا گیا۔ پھر آپ کے ساتھیوں  
 میں سے ایک شخص کو اس تیل میں پھینک دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا  
 جسم جل کر کوئلہ بن گیا اور اُس کی ہڈیاں زائل ہونے لگیں۔ اس کے بعد پھر حضرت  
 عبداللہ سے کہا کہ مان جاؤ، ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ آپ نے  
 فرمایا کہ میں ایک لٹخہ بھر کے لیے بھی دین حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں  
 بادشاہ نے پھر حکم دیا کہ اُسے سولی پر چڑھا کر اس کے دائیں بائیں تیر چلاؤ۔ مگر آپ

دیکھو  
 عبداللہ بن حذیفہ  
 کا ایمان

پھر بھی اپنے ایمان پر قائم ہے۔ بادشاہ نے سولی سے اتروالیا اور کہا کہ اسے تپتی ہوئی دیگ میں پھینک دو۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بادشاہ نے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنا دین چھوڑ کر نصرانی بننے پر تیار ہو گئے ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، میں اپنی جان کے اتلاف کے تصور سے نہیں رونا، بلکہ اس لیے رورہا ہوں کہ اللہ نے مجھے ایک ہی جان دی ہے جو میں اُس کے راستے میں قربان کر رہا ہوں۔ اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں تو ایک ایک کر کے اللہ کے نام پر قربان کر دیتا۔ اس پر بادشاہ نے اپنے قریب بلا کر کہا کہ اگر تم میری پیشانی کو بوسہ دے دو تو تمہیں رہا کر دوں گا۔ فرمایا اس کام کے عوض میں اپنے سارے ساتھیوں کی رہائی چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت عبداللہؓ نے بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اپنے لشکر کے ہمراہ رہائی پا کر واپس آ گئے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، لوگو! سب سے پہلے میں عبداللہؓ کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہوں، تم بھی ایسا کرو۔ پھر سب لوگوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اب مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ عزیمت تو اسی میں ہے کہ انسان کفر کا کلہ کہنے کی بجائے شہادت قبول کر لے، مگر مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ ربانی بتی اپنی "تفسیر مظہری" میں لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب جان جانے کا خطرہ ہو تو انسان کفر زبان سے ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ یہ اجازت ہے اگرچہ عزیمت اس کے خلاف ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مجبور کیا جائے کہ دوسرے مسلمان کا مال تلف کر دو ورنہ جان سے مار دے جاؤ گے یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں گے۔ تو ایسے شخص کے لیے گنجائش ہے کہ وہ دوسرے بھائی کا مال تلف کر کے اپنی جان بچالے۔ ایسی صورت میں اگر انصاف والی حکومت ہوگی تو

غضطاری  
حالت کے  
مسائل

مجبور کرنے والے شخص سے ضمانت لی جائیگی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو مال تلف کرنے  
والا مسلمان بھی مال کا ازالہ کر سکتا ہے مگر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے۔ ہاں  
اگر کوئی دوسرے مسلمان کی جان تلف کرنے پر مجبور کرے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ  
مجبور آدمی اپنی جان کو دوسرے کی جان پر ترجیح نہ دے بلکہ خود ہلاک ہو جائے  
اور دوسرے مسلمان کی جان کے درپے نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی کو مجبور کیا جائے  
کہ فلال عورت سے زنا کرے ورنہ تمہاری جان ماری جائے گی تو اس کی بھی  
اجازت نہیں۔ اللہ کے نزدیک مسلمان عورت کی عزت و آبرو بڑی اہم  
ہے لہذا ایسا شخص اپنی جان پر ٹھیل کر مسلمان عورت کی عزت کو بچالے

عزیمت  
وخصت

ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ جس  
نے کفر کیا اللہ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد الْأَمْرُ أَكْبَرُ وَقَدْ صَدَّقَ  
مُطَمَّئِنًا بِالْإِيمَانِ مگر وہ جس کو مجبور کیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان کے  
ساتھ مطمئن تھا وَالسَّخِرَ مَنْ شَرَّحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا لیکن گناہ اُس پر  
ہے جس نے سینہ کھول کر کفر کیا۔ فَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ مِنَ اللَّهِ  
ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت  
میں جان بچانے کے لیے تو کلمہ کفر کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔  
مگر جو کوئی دل کی گرائی سے کلمہ کفر ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
سخن سزا کا مستوجب ہوگا۔

فرمایا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْيَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى  
الْآخِرَةِ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی  
کو پسند کیا اور کفر کا کلمہ زبان سے ادا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَأَنَّ اللَّهَ لَا  
يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ کہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔  
صلوٰۃ استقیم اسی کے حصے میں آتا ہے جس میں طلب اور خواہش ہو۔ اور جو

کوئی کفر پر مصر ہو اُسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد  
هُوَ تَابَ أَوْلَادِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ  
اُن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔ اُن کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔ وَ  
سَمِعِهِمْ اور ان کے کان بند ہو چکے ہیں کہ حق بات کو سنتے ہی نہیں ،  
 سنتے ہیں تو گوارا نہیں کرتے۔ وَإِبْصَارِهِمْ اور ان کی آنکھوں پر پردے  
 پڑ چکے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ غرضیکہ  
 وہ حق بات کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ یہ ان کے گلہ کفر کہنے کی وجہ سے ہے  
 فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ اور یہی لوگ غافل ہیں دنیا کی زندگی  
 کو پسند کر کے خواہشات نفسانیہ پر چلنے والے لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے  
غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لَاحِبَرُ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ  
هُمُ الْخَاسِرُونَ ضرور بر ضرور یعنی یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہ لوگ  
 آخرت کی زندگی میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

فرمایا إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا  
بَعْدَ مَا قَاتَلُوا بِحَرْبٍ لِّسَانِ  
جَاهِدُوا وَصَلُّوا بِحَرْبٍ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور مصائب  
 الالم پر صبر کیا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ  
 بیشک تمہارا پروردگار ان لوگوں کے لیے البتہ بہت بخش کرنے والا اور  
 از حد مہربان ہے۔ اگر ان سے کوئی معمولی لغزش ہو بھی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے  
 فضل اور وسیع رحمت سے ان کو معاف فرمادے گا۔ ایسے لوگوں پر کوئی  
 الزام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھنڈر لوگوں کو تسلی بھی دیدی ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۱۱۱ تا ۱۱۴

ربما ۱۳

درس بست و نہ ۲۹

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا  
وَتُؤْفَفُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهِيَ لَا  
يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ  
أَمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ  
كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ اللَّهِ فَذَاقَهَا  
اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا  
يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ  
فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾  
فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا  
وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ  
تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ :- جس دن آئے گا ہر ایک نفس - جھگڑا  
کرے گا اپنے نفس کی طرف سے وہ پورا پورا دیا جائے  
گا ہر نفس کو جو اُس نے عمل کیا، اور اُن پر ظلم نہیں  
کیا جائے گا ﴿۱۱۱﴾ اور اللہ نے بیان کی ہے ایک مثال  
ایک ایسی بستی کی جو امن والی اور اطمینان والی تھی۔ آتی  
تھی اس کی روزی کشادہ ہر طرف سے۔ پس اس بستی

والوں نے کفر کیا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ۔ پس چکھایا اللہ نے اس کو بھوک اور خوف کا لباس، اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے (۱۱۲) اور البتہ تحقیق آیا اُن کے پاس رسول اُن میں سے۔ پس جھٹلایا انہوں نے اُس کو، پس پکڑا اُن کو عذاب نے، اور وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۱۳) پس (لے لوگو!) کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے روزی دی ہے تم کو حلال اور پاک، اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہو (۱۱۴)

پہلے قرآن حکیم کی صداقت و حقانیت کا بیان ہوا۔ فرمایا قرآن پاک کو خورد و خوراک یا کسی عجیب شخص کا سکھلایا ہوا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ نیز یہ کہ جس نے اپنے اختیار اور ارادے سے اپنی زبان سے کفر کی بات نکالی وہ خدا کے غضب اور لعنت کا نشانہ بنے گا۔ ہاں! اضطرابی حالت میں جب کہ جان جانے یا کسی عضو کے کٹ جانے کا خطرہ ہو، تو جان بچانے کے لیے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا کہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اس لیے وہ کفر کی بات زبان پر لاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو محاسبہ اعمال کی کچھ فکر نہیں۔ یہ غمادی لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہیں، کان بند ہیں، اور آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ نہ حق بات کو محسوس کرتے ہیں، نہ سننے ہیں اور نہ اسے دیکھتے ہیں۔ فرمایا حقیقت میں یہی لوگ غافل ہیں۔

اس حقیر دنیا کی خاطر کفر اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آخرت اور محاسبہ عمل کی منزل یاد دلائی ہے۔ فرمایا يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ اُسْ دُنْ كُوْمَا دِكُرُو جب ہر نفس آئے گا تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا اِنْفُسَ كِي





باشندوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے ان پر عذاب مسلط کر دیا۔  
 ارشاد ہوتا ہے وَضَحَىٰ بِلِلّٰهِ مُشَدَّدًا قَرْحِيَةً اللہ نے ایک بستی کی مثال  
 بیان فرمائی ہے كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً جَوْ بِالْاَمْنِ وَالطَّيْمَانِ میں  
 تھی مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس بستی سے مراد مکہ  
 کی بستی ہے کیونکہ یہ سورۃ مکی سے اور اس بستی کا ذکر ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہ  
 محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال کسی ایک بستی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے  
 بلکہ ہر وہ بستی مراد کی جاسکتی ہے جہاں اس قسم کے حالات پائے جائیں۔  
 بہر حال مکہ کی یہ بستی ایک خوشحال بستی تھی۔ تمام ضروریات زندگی آسانی  
 کے ساتھ دستیاب تھیں۔ امن و سکون تھا، کوئی شخص متفکر نہیں تھا اور نہ کوئی  
 پریشان حال تھا۔ اشیائے خورد و نوش کی حالت یہ تھی يَا أَيُّهَا رِزْقُكَ  
رَعْدًا مِّنْ سُلْحٰنٍ اس کی کٹادہ روزی ہر طرف سے آتی تھی۔  
 غلہ، پھل اور کھانے پینے کی دیگر چیزیں بافراط موجود ہوتی تھیں۔ جہاں تک اس  
 بستی کے مامون ہونے کا تعلق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی  
رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا يَكْلًا اٰمِنًا (البقرہ) مولائے کریم اس  
 بستی کو امن والا بنا دے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَنْ دَخَلَهُ  
كَانَ اٰمِنًا (ال عمران) جو اس میں داخل ہوگا امن میں ہو جائے گا۔  
 یہاں پر کوئی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ فتنہ فساد کا کوئی ڈر نہیں۔ باوجود اس  
 کے کہ یہ جگہ بے آب و گیاہ ہے، نہ زمین، نہ باغات، نہ چشمے اور نہ  
 ہریالی مگر وہاں پر سارا سال رزق کی فراوانی رہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 نے دعا کی رِزْقًا اٰمِنًا (البقرہ) اس کے  
 رہنے والوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما، چنانچہ دنیا کے کسی بھی خطے میں پیدا  
 ہونے والے ہر قسم کے پھل اس بستی میں پہنچتے رہے ہیں اب بھی پہنچتے ہیں  
 اور انشا اللہ ہمیشہ پہنچتے رہیں گے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس بستی کی کٹادہ

روزی ہر طرف سے آتی تھی۔

ناقدری  
کی سزا

مگر اُس بستی والوں کی حالت یہ تھی فَكَفَرْتُمْ بِالْعَصْرِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ کفر کا معنی ایمان اور توحید کا انکار بھی ہے اور اس سے ناشکری اور ناقدری بھی مراد ہوتی ہے۔ عام طور پر بھی انسان کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ (ابراہیم) بیشک انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں مگر وہ زبان سے اللہ تک نہیں کہتا۔ تو اس بستی کے لوگ بھی خدا تعالیٰ کے انعامات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان پر اللہ کے تین خاص انعامات تھے۔ یعنی امن، اطمینان اور کشادہ روزی مگر ان کی ناقدری کی وجہ سے فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ اللّٰهُ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چھایا۔ ان کا وسیع رزق بھوک میں تبدیل ہو گیا اور امن و اطمینان کی بجائے ان پر خوف طاری ہو گیا۔ جَمَاعًا كَانُوا يَصْنَعُونَ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بُری کارگزاری کی یہ سزا دی۔

انکارِ رسالت  
پر عذاب

پہلے اللہ نے اپنے تین احسانات کا ذکر کیا اب جو تھے بڑے احسان کے متعلق فرمایا وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ ؕ اَلْبَيْتِ تَحْقِيقِ اللّٰهِ کا عظیم الشان رسول اُن کے پاس آیا، جس کو وہ پہچانتے تھے کہ اُن کے خاندان کا آدمی ہے، صادق اور امین ہے، راستباز اور نیک ہے، اُس کے اخلاق اتنے حمیدہ ہیں کہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ پھر جب اللہ کے اُس رسول نے لوگوں کو پیغام سنایا فَكَذَّبُوهُ عزائم انہوں نے اُس عظیم الشان رسول کی تکذیب کی اور اُسے اللہ کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاحْذَرُوهُمْ الْعَذَابِ پس اللہ کے عذاب نے انہیں اچھڑاؤ ہے سَوْ ظَلِمْتُمْ در انحالیکہ وہ ظلم کرنے والے تھے حضور علیہ السلام نے مکہ والوں کے لیے ہر دعا فرمائی اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ

اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والے سال یعنی قحط ڈال دے  
اللہ نے مکے والوں پر بھی قحط مسلط کر دیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ہر طرف  
خشکی تھی، اوپر دھواں سا نظر آتا تھا، کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا تھا۔ حتیٰ کہ  
لوگ چھڑا اور مردا تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کی کشادہ روزی کو  
ایسی تنگی میں بدل دیا۔

ادھر امن و امان کی حالت بھی بگڑتی چلی گئی جب انہوں نے اللہ کے نبی  
کو جھٹلایا۔ اُسے طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں تو وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے  
اور بالآخر مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو دارالاسلام بنا لیا۔ اللہ نے وہاں پر مسلمانوں کی مدد  
فرمائی، انہوں نے طاقت جمع کی اور مکے والوں پر مسلسل خوف کی حالت طاری  
ہو گئی اور جب تک مکہ فتح نہ ہو گیا۔ ان کے دن کا سکون اور راست کا چین ختم  
ہو کر رہ گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ حالات صرف مکہ کی بستی تک  
ہی محدود نہیں بلکہ جس جگہ بھی اللہ کی نعمتوں کی نافرمانی اور اللہ کے رسولوں کا انکار  
ہوگا۔ وہاں ایسے ہی حالات پیدا ہوں گے۔ آگے سورۃ سبأ میں اللہ تعالیٰ  
نے اہل سبأ کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو بھی اللہ نے عیش و آرام کے  
بڑے سامان جہاں فرمائے مگر انہوں نے ناشکری کا اظہار کیا تو اللہ نے بہت  
بڑا سیلاب بھیجا جس کی وجہ سے ان کی زمینیں، باغات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں  
اللہ نے زمین سے روئیدگی کی طاقت ہی سلب کر لی۔ وہاں پر غلے اور پھلدار  
درختوں کی بجائے جنگلی بیر پیدا ہونے لگے۔ ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں نظر  
آنے لگیں حالانکہ وہاں پر ڈھم کا پانی میسر تھا جس کی بنا پر میلوں لمبے باغات  
اور غلے کے کھیت ہوا کرتے تھے۔ اللہ نے ہر چیز تباہ کر دی اور فرمایا  
وَهَلْ يُجِزِيٰ اِلَّا الْكُفُوْدُ (سبأ) ہم ناشکر کمزوروں کو ایسا ہی بدل  
دیا کرتے ہیں۔

امن و امان  
کی ضرورت

انسانی زندگی کے لیے امن و امان بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر کاروبار زندگی کھٹپ ہو جاتا ہے، کادخانے، زراعت، صنعت و صرفت غرضیکہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ دوسرے ملک کے ساتھ جنگ کی حالت ہو تو ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے۔ بیماری ہوتی ہے۔ املاک تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ مرنے لگتے ہیں۔ اندرونی طور پر بھی بلائیں ہو تو ہر وقت چوری، ڈاکے کا خطرہ رہتا ہے، لوگوں کی جان، مال اور عزت غیر محفوظ ہو جاتی ہے، آج دنیا میں ہر طرف بلائیں کی فضا پھیلی ہوئی ہے۔ سڑکیاں دارانہ نظام معیشت نے حرص اور لالچ کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص جائزہ اور ناجائز طریقے سے سرمائے کی فکر میں رہتا ہے، خواہ اسمیں دوسروں کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اکثر اکی نظام اس سے بھی بدتر ہے جس میں کسی انسان کی عزت نفس محفوظ نہیں ہوتی، انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا ہے مسائل آمدن چند ماہ محسوس ہیں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح بلائیں اور بے چینی مسئلہ سایہ فگن رہتی ہے اس کے برخلاف آسمانی شرائع ایسا نظام حیا قائم کرتا ہے جہاں ہر شخص کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو، ہر شخص کو اس کے حسب حال روزی میسر ہو اور پورا معاشرہ امن و امان دوستی اور اخوت کا گہوارہ ہو۔

حدیث شریف میں حضرت حذیفہؓ کا بیان آتا ہے کہ ابتدائی دور میں مجھے بالکل اطمینان حاصل تھا میں کسی بھی آدمی سے بلا خوف و خطر معاملہ کر سکتا تھا، لیکن بعد میں حالات تبدیل ہو گئے۔ اب میں خاص خاص آدمیوں سے معاملات کرتا ہوں۔ امن کے زمانہ میں میں سمجھتا تھا کہ اگر میں کسی مسلمان سے معاملہ کروں گا اور مجھے کوئی نقصان پہنچے گا لَیْسَ دَنْ اِلَیَّکَ دَیْتُکَ تو اس مسلمان کا دین میرے اس نقصان کو بڑا ثبوت نہیں کرے گا یعنی وہ مسلمان مجھے دھوکہ دیتے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کسی غیر مسلم یعنی یہودی، عیسائی یا مشرک سے معاملہ کرتے وقت مجھے یقین ہونا تھا کہ اگر مجھے نقصان ہوا لَیْسَ دَنْ اِلَیَّکَ

سلطنت توحاکم اس نقصان کی تلافی کرنے کا یعنی میں اگر حاکم وقت کے پاس شکایت کروں گا تو وہ میرے نقصان کو برداشت نہیں کرے گا بلکہ میرا حق دلا دے گا۔ مجھے بالکل اطمینان تھا اور اچھے نظام کا یہی خاصہ ہے۔ اس کے برخلاف ہم برے نظاموں کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں، نذرین کو سکون اور نہ رات کو آرام ہر وقت، دستمن، پچور، ڈاکو، پڑوسی کا خطرہ رہتا ہے۔ کسی سے معاملہ کر کے وقت تسلی نہیں ہوتی۔ یہ نظام معیشت کی خرابی ہے کہ نہ امن و چین حاصل ہے اور نہ کٹا رہ روزی نصیب ہے، مکان، خوراک، لباس، عزت نفس، صحت، تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ جو ہر آدمی کو حاصل ہونی چاہئیں مگر یہاں حالت یہ ہے کہ ایک طرف سر لشک عمارات اور پتھر کھف زندگی ہے تو دوسری طرف دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں ہر چھپانے کو سایہ نہیں اور علاج کے بغیر لوگ موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ ان حالات میں امن و امان کا تصور کہاں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بڑے امتحانات کیے ہیں مگر یہ ان کی قدر نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے **فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا رَزَقَهُ اللَّهُ مِنْ حَلَالٍ طَيْبًا** پس کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں۔ حرام اور ناپاک کے قریب بھی نہ جاؤ۔ حرام دین اور اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اللہ نے اپنے سارے نبیوں کو یہی تعلیم دی **كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ** حلالاً طیباً (البقرہ) زمین کی پاک اور حلال چیزیں استعمال کرو۔ نجس اشیاء کا استعمال نہ کرو۔ ظاہری نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز گل مٹھ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے ایسی چیز مضر صحت ہوگی اور مکروہ تحریمی کے حکم میں آئے گی اور بالآخر نجاست یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا نام لے کر بکری ذبح کرے مگر ہو وہ چوری کی تو یہ طیب ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ ظاہری طور پر بے عیب ہونے

حلال اور  
طیب روزی

کے باوجود نجس ہی رہے گی۔ آگے اللہ نے محرمات کی مختلف اقسام بھی بیان فرمائی ہیں۔ چوری، ڈاکہ، رشوت، سہولت، کمال کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ لعب کی کھائی، قوڑ سازی اور قلمی صنعت سے کمایا ہوا مال کیسے طیب ہو سکتا ہے، کھیل تماشیا ہو یا کما بجانا سب حرام ذرائع آمدنی ہیں، ان ذرائع سے حاصل کردہ مال حلال نہیں ہوگا اور پھر یہ ہے کہ حرام اور نجس مال کھانے والے کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا۔ ایسی چیزیں انسان کے لیے جہنم کا زورہ بنیں گی۔

شکر گزاری

ایک تو حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی تلقین کی اور دوسرے فرمایا۔ وَ الشُّكْرُ وَإِنْعَمَتِ الْمَلِكِ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْ آيَاتِهِ تَعْبُدُونَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ کی نعمتوں کی قدر کرو، اگر تم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کا یہی مطلب ہے کہ ہر نعمت جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اور اس کا استعمال بھی جائز ہو۔ فضول اور حرام کاموں پر مال ضائع نہ کیا جائے۔ حلال و حرام میں امتیاز رکھا جائے اور اللہ کے قانون کی پابندی کی جائے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيَّكُمْ الْمَيِّتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ  
 الْخِنْزِيرِ وَمَا اِهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ؕ فَمَنْ اضْطُرَّ  
 غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَاِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا  
 تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُكُمْ الْكُذِبَ  
 هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَّتَفْتُرُوا عَلَيَّ اللَّهُ  
 الْكُذِبَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتُرُوْنَ عَلَيَّ اللَّهُ  
 الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَلَهُمْ  
 عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوا حَرَمْنَا  
 مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ  
 وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ  
 اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ  
 ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا  
 اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ ۱- بیشک حرام قرار دیا ہے تم پر (اللہ نے)  
 مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے  
 سوا غیر کا نام پکارا گیا ہو پس جو شخص مجبور ہوا (اس حال



میں کہ) وہ سرکشی کرنے والا نہیں ہے اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۵) اور نہ کہو اس چیز کو کہ بیان کرتی ہیں تمہاری زبانیں جھوٹ، یہ حلال ہے اور یہ حرام، تاکہ افتراء باندھو تم اللہ پر جھوٹ۔ بیشک وہ لوگ جو افتراء باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، وہ نہیں فلاح پائیں گے (۱۱۶) فائدہ ہے تھوڑا سا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۱۷) اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے، ہم نے حرام و حلال دہی وہ چیز جو ہم نے بیان کی ہے آپ پر اس سے پہلے۔ اور ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کرتے تھے (۱۱۸) پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے برائی کی نادانی کے ساتھ پھر توبہ کی ہے اس کے بعد اور اصلاح کی ہے انہوں نے، تو بیشک تیرا پروردگار اس کے بعد البتہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۹)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان ہو چکا ہے کہ حلال اور طیب چیزیں کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے چار قطعاً حرام چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ حلت و حرمت کا یہ قانون اس سے پہلے سورۃ بقرہ، سورۃ مائدہ اور سورۃ النعام میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جس کی پابندی اہل ایمان کے لیے نہایت ضروری ہے ان محرمات میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ماکولات میں شمار ہیں اور لوگوں کا اکثر و بیشتر ان اشیاء سے

چار حرام  
چیزیں

واسطہ پر تار مہنا ہے۔ یہ منہ بیان کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر مشرک  
مذکورہ محرمات کو بڑا نہیں سمجھتے تھے اور ان کو بلا دریغ استعمال کرتے تھے،  
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قطعی حرمت کا حکم لگایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ادِّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمَيْتَةَ بِشَاہ  
اللہ نے تم پر مردار حرام قرار دیا ہے۔ اگر کسی حلال جانور کو شریعت کے تدارک  
ہونے طریقے کے مطابق ذبح نہ کیا جائے، تو اگرچہ وہ ذبح کیا گیا ہے، مگر  
وہ مردار کے حکم میں ہی آئے گا۔ اگر کوئی جانور بھٹیٹر بھٹی و غیرہ خود بخود مر گئی تو  
ظاہر ہے کہ وہ مردار ہی ہوگی اور اللہ کے اس حکم کے مطابق اس کا کھانا  
قطعی حرام ہوگا۔ سورۃ ماائدہ میں مردار کی بعض دوسری صورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے  
یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے، یا چوٹ لگنے سے مر جائے  
یا کسی اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے، یا جسے درندے بھاڑ کھائیں یا جو کسی سختان  
پر ذبح کیا گیا ہو۔ اگر کوئی جانور عند اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کر دیا جائے تو وہ بھی  
مردار کی تعریف میں آئے گا۔ کچھ جھڑکا کرتے ہیں یا انگریز جانور کی پیشانی میں  
گوئی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں طریقے حرام ہیں، کوئی مسلمان ایسے جانور  
کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی زندہ جانور کے جسم سے کوئی حصہ کاٹ  
لیا جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کسی پر مجبوری کی حالت  
ہوتی تھی، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا تو اونٹ کی کوہان کاٹ کر کھا لیتے تھے۔  
زخم بعد میں ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی دنبے کی چچی کاٹ لی جائے  
تو وہ حرام کے حکم میں آئے گی حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَا أَمِنَ  
مِنَ الْجُحْشِ فَهُوَ مَيْتٌ جو حضور زندہ جانور سے کاٹ کر الگ کر لیا  
جائے وہ مردار تصور ہوگا۔ مفسرین کرام مردار کی حرمت کی یہ حکمت بیان کرتے  
ہیں کہ جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے اور مردار کھانے میں لطف و نشاط کا عنصر  
مفقود ہوتا ہے۔ انسان میں اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، لہذا اس کو حرام

قرار دیا گیا ہے۔

(۲)  
خون

فرمایا ایک تو مردِ حرام ہے اور دوسرا وَالذَّمْرُ یعنی سینے والا خون بھی حرام ہے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت جو خون بہہ جاتا ہے۔ یہ ناپاک اور حرام ہے۔ چونکہ خوراک انسانی اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے خون کے انتقال سے انسان میں درندگی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ تو بخوار درندے، شیر، چیتا وغیرہ کی طرح انسان بھی درندگی پر اتر آتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے خون حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اضطراری حالت کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں آ رہا ہے۔ اگر کسی شخص کے جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم ہو جائے کہ اس کی زندگی کا بچاؤ مشکل ہو جائے تو ایسی حالت میں فقہائے کرام نے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ عام حالات یا معمولی تکلیف میں انتقالِ خون درست نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ طہارت، سماحت، اخبات اور عدالت جیسے پاکیزہ اخلاق کی نشوونما میں خوراک کو بڑا دخل حاصل ہے۔ انسان جس قسم کی خوراک استعمال کرے گا۔ اس کے اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔

(۳)  
خنزیری کا  
گوشت

تیسری حرام چیز فرمایا وَالْخِنْزِيرِ خنزیر کا گوشت ہے، حقیقت خنزیر کی ہر چیز بال، کھال، ہڈیاں، خون وغیرہ حرام ہیں تاہم چونکہ بعض اقوام میں عام طور پر اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے گوشت کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کی شراعی میں خنزیر حرام ہی رہا ہے مگر یہ سب علیائوں کی بدبختی ہے جو اسے بھٹک بھری کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل فرمائیں گے تو وہ اپنی قوم سے سخت ناراض ہوں گے کہ جس جانور کو سارے نبیوں کی شریعت میں حرام قرار دیا گیا۔ اسے آپ کی قوم نے خوب

کھایا، چنانچہ اس کی تذلیل کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس جانور میں دو ایسی قبیح خصلتیں پائی جاتی ہیں، جو انسانی فطرت کے خلاف ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جانور گندگی کھاتا ہے۔ لہذا اس کا گوشت کھانے والے شخص کے دل و دماغ میں بھی گندگی کے اثرات پیدا ہوں گے۔ دوسری بری خصلت یہ ہے کہ یہ ایسا بے غیرت جانور ہے کہ کسی گھٹی نر ایک مادہ سے بیک وقت جفتی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خنزیر بچہ قوموں میں انتہائی درجے کی بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ جس کا مشاہدہ دنیا میں کیا جا رہا ہے۔ بغیر نیک اللہ نے خنزیر کا گوشت بھی حرام قرار دیا ہے۔

چوتھی حرام چیز نذر بغیر اللہ ہے۔ وَمَا أَهْلُ لَغَيْبِ اللَّهِ بِهِ جَوَاحِرُ الشُّرُكِ سوا کسی دوسری ہستی کے تقرب اور خوشنودی کے لیے مشہور کیا گیا ہو، وہ بھی حرام ہے۔ اگر کوئی جانور یا دیگر کوئی چیز لات و منات یا عزنی وغیرہ کی نذر کی گئی تو وہ حرام ہوگئی۔ اسی طرح شیخ سدھو کی گائے یا دامان بکرا اسی تعریف میں آتا ہے۔ اہلال کا معنی ہی آواز بلند کرنا یا تشہیر کرنا ہوتا ہے مقصد یہ کہ اگر کوئی چیز اللہ کے نام پر منسوب کی گئی تو حرام ہو جائے گی۔ البتہ ایصالِ ثواب مختلف چیز ہے۔ کوئی شخص اس نیت سے اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے کہ اس کا ثواب قلائد بزرگ یا فلاں شخص کو ایصال کرنا مقصود ہے، تو اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ پیران پیر کی گیارھویں کا بھی صحیح تصور ہی ہے۔ اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ پیران پیر یا کسی دوسرے بزرگ کے لیے قربانی نہیں کریں گے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور جان و مال میں نقصان کا خطرہ ہوگا تو یہی چیز نذر بغیر اللہ ہے۔ بغیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے یا چادر پکٹے جائیں یا مٹھائی تقسیم کی جائے تو اگرچہ بظاہر تو اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی مگر محققین فرماتے ہیں کہ ایسی چیزیں روحانی سجاوٹ پائی جاتی ہے۔ ایسا مال کھانے والوں کی روح ناپاک ہو جاتی

(۲۷)  
نذر بغیر اللہ

ہے اور ان کا باطن مسخ ہو جاتا ہے۔ ان میں اچھے جذبات کی بجائے غلیظ جذبات چم لیتے ہیں۔ اس نجاست اور بڑے اخلاق کو صاحبِ رحمانیت لوگ بخوبی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی توجہ طلب ہے۔ جس شخص کا عقیدہ گنہگار ہے اگر وہ اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے گا، تب بھی اس کا ذبیحہ مردار کی طرح حرام ہی ہوگا۔ ذبیحہ ان کا پاک ہوتا ہے۔ جن کا عقیدہ صحیح ہو۔ البتہ اہل کتاب کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ جائز ہوگا کیونکہ وہ اپنی نسبت آسمانی کتاب کی طرف کرتے ہیں۔ البتہ کسی بت پرست مجوسی یا مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ خواہ وہ ہزار دفعہ اللہ کا نام لیجے ذبح کرے بہر حال اللہ نے ان چار چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

بجالت  
اضطراری

اس قطعی حکم کے بعد استثنائی صورت بھی بیان کر دی ہے فقہین اضطرار جو کوئی اضطراری حالت میں ہو۔ اس کے پاس حرام اشیاء کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ ہو اور اس کی زندگی کو خطرہ پیدا ہو جائے تو اسے ایسی اشیاء استعمال کرنے کی وقتی طور پر اجازت ہے بشرطیکہ عین کساح مضطرب شخص ہر گز نہ کرے والا نہ ہو۔ کساح سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جان بچانے کے لیے نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کے لیے حرام چیز استعمال کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نافرمانی کے کام کے دوران کسی شخص پر اضطراری حالت وارد ہو جائے تو اس کے لیے بھی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چوری یا ڈاکے کی نیت سے سفر کر رہا ہے تو اسے سفر میں روزہ افطار کرنے اور نماز میں قصر کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ وہ بڑے مقصد کے لیے جا رہا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا شخص گنہگار تو

ضرور ہے مگر افطار اور قصر کا حق اُسے بہر حال حاصل ہے۔  
 فرمایا حرام کی اباحت کے لیے دوسری شرط یہ ہے وَلَا عَادٍ كَرْمِضْرَب  
 شخص حد سے بڑھنے والا نہ ہو۔ مثلاً اگر باؤ بصر حرام چیز کھا کر جان بچا سکتا ہے  
 تو ادھر سیر کھانے کی کوشش نہ کرے۔ زیادہ کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ  
 اضطراری حالت میں اگر اس اباحت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس کی جان چلی  
 جاتی ہے تو وہ آدمی گنہگار ہوگا کہ اُس نے اللہ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ  
 نہیں اٹھایا۔ اور اگر ایسی حالت میں حرام کھا لیا ہے تو اللہ نے اس کی اجازت  
 دِي فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ وہ نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا  
 مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔

اگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْوُلُوا إِنَّمَا  
 نَصِفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللَّهَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ وَالْحُرْمَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ حَلَالٌ وَهُ  
 کو اپنی زبانوں سے حلال اور حرام قرار نہ دو۔ حلت و حرمت تمہارے اختیار میں  
 نہیں بلکہ اَلْحَدَلُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ وَالْحُرْمَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ حَلَالٌ وَهُ  
 ہے جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام قرار  
 دیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت  
 میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ اگر میں اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت پر ایمان رکھوں  
 اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں تو کیا مجھے نجات حاصل ہو جائے گی؟  
 حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہاں، بیشک تم جلتی ہو۔

کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں  
 ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں۔  
 حلت و حرمت کا اختیار نہ کسی بادشاہ کو ہے، نہ صدر کو اور نہ کسی پارلیمنٹ  
 کو۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں تحلیل و تحریم ایک تکوین نافذ کا نام ہے یعنی  
 خدا تعالیٰ کے ہر چیز کے مالک ہونے کی وجہ سے یہ ایک قطعی حکم ہے کہ یہ کام

حلت و  
 حرمت  
 کا قائل

کرو گے تو مواخذہ ہوگا اور فلاں چیز ترک کرو گے تو ماخوذ ہوگے بعض اوقات اشکال  
 پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کا کام تو نبی کی طرف بھی منسوب ہے ﴿وَيَجِلُّ  
 لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِنَّ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف) کہ وہ  
 پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اس کے جواب  
 میں مفسرین کہہ کر فرماتے ہیں کہ نبی اپنی طرف سے کسی چیز پر حلت و حرمت  
 کا حکم نہیں لگاتا، بلکہ نبی کا بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہوتا ہے کہ اللہ نے  
 اس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مجتہد حضرات بھی بعض چیزوں  
 پر حلت و حرمت کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی اپنی طرف سے نہیں ہوتا  
 بلکہ وہ قرآن و سنت میں غور کر کے بیان کرتے ہیں کہ بات اس طرح سمجھ  
 میں آ رہی ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام اور اس کی یہ دلیل ہے سو اللہ نے  
 فرمایا کہ اپنی زبانوں سے یوں مت کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے  
 جب اللہ نے کسی چیز کو حرام نہیں کیا تو قسم کیسے یہ حکم لگاتے ہو۔ مشرکوں  
 نے بیچرہ۔ سائبہ وغیرہ کئی قسم کے محرمات بنا رکھے تھے۔ آج بھی مختلف  
 علاقوں میں لوگ نذر و نیاز کی بعض چیزوں کو بعض مردوں یا بعض عورتوں  
 کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں حالانکہ اللہ نے تو ان کو حلال قرار دیا ہے۔ جو شخص  
 ایسا کرے گا وہ مشرک ٹھہرے گا۔

فرمایا اپنی زبانوں سے حلال یا حرام قرار نہ دو لِيَتَّقُوا عَلَيَّ  
 اللَّهُ الْكَذِبُ کہ یہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔ فرمایا  
 إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ  
 اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ مطلب یہ ہے  
 کہ کسی چیز کو خود حلال یا حرام ٹھہرانے کی بجائے شریعت کا حکم تلاش کرو کہ  
 اللہ نے کیا فرمایا ہے اور اللہ کے نبی نے کس طرح بیان فرمایا ہے۔ پھر  
 مجتہدین اور علمائے کرام کی تحقیق کیا ہے۔ خود ساختہ حکم لگانے والوں نے

متعلق فرمایا متاعِ قَلْبِیْل؟ یہ چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھانے والی بات ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْسَ اُوْکَیْ لَہُمْ اِن کئے لیے درناک عذاب بھی موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حلت و حرمت کے سلسلہ میں اللہ کی حدوں کو نہ توڑو ورنہ عذاب الیم کا شکار ہو جاؤ گے۔

مزیہ فرمایا وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوا حَرَمْنَا مَا قَصَدْنَا عَلَیْكَ صِتٌ قَبْلَ یَہودیوں پر اللہ نے وہ چیزیں حرام قرار دیدیں جن کا ذکر ہم نے آپ کے ساتھ پہلے کیا ہے یہودیوں کے وقتی محرمانت کا تذکرہ سورۃ ماڈہ اور سورۃ النعام میں بھی موجود ہے کہ اُن کی سرکشی کی وجہ سے اللہ نے اُن کے لیے ناخن والے جانور اور چربی حرام قرار دے دی تھی۔ سورۃ النعام میں حَرَمْنَا کُلَّ ذِی ظُفْرِ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے ناخن والے جانور، جن کا پنجہ چھٹا ہوا ہوتا ہے، حرام قرار دے دیے "وَحَرَمْنَا عَلَیْہُمْ شَحْوْمَہُمْ" اور اُن کی چربی بھی اُن پر حرام کر دی تھی اور یہ سب کچھ انکی سرکشی کی سزا کے طور پر کیا تھا۔ البتہ بڑیوں یا آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی حلال تھی۔ گوشت میں سے چربی کا ذرہ ذرہ علیحدہ کرنا پڑتا تھا۔ فرمایا یہ سخت حکم دے کر وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ شَیْءًا ہم نے اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی وَالسُّکُنُ کَالْحِیَّاتِ اَنْفُسُہُمْ کِیْطَلَمُوْنَ بکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے تھے۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو توڑا تو اللہ نے ان کے لیے بعض چیزیں حرام قرار دے دیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا تُشَاہِدُوْا اَنْفُسَکُمْ اِنۡہُمْ اِنۡفُسُوْکُمْ پر تشدد نہ کیا کرو۔ لوگ خود ہی بعض رسومات جاری کہہ لیتے ہیں اور پھر ان کی پابندی بھی خود ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ کسی کام کے لیے اپنے آپ کو پابند کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تو مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ فرمایا اگر ایا کرو گے تو خدا تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ رسومات کی پابندی کرو گے۔ اپنے لیے مشکلات پیدا کرو گے

وقتی  
محرمانت



رحمت الہی

فرماتا ہے إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ  
 پھر بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی کے ساتھ  
 برائی کا ارتکاب کیا۔ عقل و شعور پر پردہ پڑ گیا اور کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے  
 فَسَوْفَ تَأْتِيهِمْ فِيهِمْ آيَاتٌ فَذَلِكُمْ كَيْدٌ بَصِيرَةٍ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ  
 احساس ہو گیا وَأَصْحَابُكُمْ وَأُولَآئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ  
 کیا تھا تو وہ ادا کر دیا اور آئندہ کے لیے محتاط ہو گئے۔ تو فرمایا إِنَّ رَبَّكَ  
 مِنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ  
 کے بعد بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے اگر کوئی شخص  
 سچے دل سے تائب ہو جاتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ  
 بھی اپنی بخشش اور رحمت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے، اس  
 کی تمام سابقہ خطا میں معاف ہو جاتی ہیں۔

النحل ۱۶

آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳

ربما ۱۴

درس سی و یک ۳۱

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا  
 وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ  
 اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾  
 وَاتَّيَّنَتْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي  
 الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ  
 أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ  
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ :- بیشک ابراہیم علیہ السلام تھے پیشوا اور  
 اطاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے، ایک طرف  
 لگنے والے۔ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں  
 سے ﴿۱۲۰﴾ وہ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے  
 اللہ نے اُن کو برگزیدہ بنایا، اور ہدایت دی سیدھے راستے  
 کی طرف ﴿۱۲۱﴾ اور دہی ہم نے اُن کو دُنیا میں بھلائی،  
 اور بیشک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے  
 ہیں ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ آپ  
 پیروی کریں ابراہیم کی ملت کی جو ایک طرف لگنے والے  
 تھے، اور نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے ﴿۱۲۳﴾

رابط آیت

اس سورۃ میں شرک کی مختلف قسمیں بیان ہو چکی ہیں۔ منکرین کی طرف سے توحید و رسالت اور قیامت کے انکار کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ مشرکین کی طرف سے حلال و حرام میں دخل اندازی کا تذکرہ بھی ہو گیا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا رابطہ گذشتہ سے پیوستہ درس کے ساتھ ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک خوشحال اور امن والی بستی کا ذکر فرمایا تھا جس کے باشندوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا۔ اس بستی سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کر کے کر دی تھی اور یہی چیز ان دونوں دروس میں قدر مشترک ہے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل بیان فرماتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ آپ اللہ کے ایماندار بندے اور سچے شکر گزار تھے، نیز آپ شرک سے سخت متنفر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دعوے کی سختی سے تردید فرمائی ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ فرمایا املت ابراہیمی کے حقیقی وارث حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکار ہیں، لہذا آپ کو بھی ملت ابراہیمی کے اتباع کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

امامت  
ابراہیمی

ارشاد ہوتا ہے **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً بَشِيكًا** ابراہیم علیہ السلام پیشوا اور امام تھے۔ قرآن پاک میں لفظ امت کسی معنوں میں استعمال ہوا ہے امت کا عام فہم معنی جماعت ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے **وَأَوْشَكَاءُ لِلَّهِ أَنْ بَعَدَكُمُ أُمَّةٌ وَوَّاحِدَةٌ** اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت یا گروہ بنا دیتا۔ یا جیسے فرمایا **كُنْتُمْ خِزْيَانًا خَائِفِينَ** اُس خِزْيَانًا لَدَيْكُمْ **رَسُلًا** (آل عمران) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں کو نیچی کا حکم کرتے ہو اور بڑائی سے روکتے ہو۔ امت کا ایک اور معنی مدت بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ یوسف میں خیبر سے رہائی پانے والے بادشاہ کے

مصاحب کے متعلق آتا ہے "وَأَذْكُرُ كَيْدَ أُمَّةٍ" کہ اسے ایک امت کے بعد یاد آیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس سے کوئی بات کی تھی۔ امت کا معنی اطاعت اور ملت بھی آتا ہے۔ تاہم اس آیت کہ یہ میں امت کا لفظ امام اور پیشوا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے امام تھے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" اے ابراہیم علیہ السلام! میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا کہ جس کا اتباع ضروری ہوگا۔ ویسے امت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی صادق آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں وہ تمام کمالات جمع فرمائی تھے جو ایک پوری جماعت میں بحیثیت مجموعی ہو سکتے ہیں۔ وہ مالک ہے، چاہے تو ایک شخص میں جہاں بصر کی خوبیاں جمع کر دے جیسا کہ مقولہ ہے لَيْسَ عَلَيْكَ اللَّهُ بِمُسْتَسْكِنٍ أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ وَوَاحِدٍ۔ تاہم اس مقام پر مقتدا پیشوا اور معلم مراد ہے۔

امام ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کیا ہے۔  
 رَبُّنَا مَعَاذًا كَانَتْ أُمَّةٌ قَانَتْ لِلَّهِ عِنِّي حَضْرَتِ مَعَاذِ  
 اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ایک مکمل امت تھے۔ کسی شخص نے  
 آپ کے حق میں لفظ امت کے استعمال پر اعتراض کیا تو ابن مسعود نے  
 فرمایا کہ امت کا ایک معنی معلم الخیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بڑے پائے  
 کے نبی کی بات بتلانے والے معلم تھے، اس لیے ان کے حق میں یہ لفظ استعمال  
 کیا گیا ہے۔ آپ کی ذات وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے  
 قرآن پڑھا، وہ ان چار آدموں سے سیکھے یعنی عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل،  
 ابی بن کعب اور سالمؓ۔ تو گویا آپ معلم الخیر تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام  
 سے بڑھ کر نبی کی بات بتلانے والا کون ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا

ابراہیم علیہ السلام ایک امت یعنی امام، پیشوا، مقتدا اور معلم الخیر تھے۔

اطاعت اور  
حنیفیت

فرمایا ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے قَاتِلَ لِلّٰهِ اللّٰهُ تَعَالٰی کی اطاعت اور  
فرمانبرداری کرنے والے بھی تھے۔ قنوت کا معنی اطاعت اور خشوع و خضوع بھی  
ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الزمر میں ہے ”اَمَّنْ هُوَ قَاتِلٌ اَنْتَ اَنْتَ  
الَّذِي سَاحِدًا وَقَالِمًا بَجَلًا يَخْفِضُ رَاْسَ كَيْفَ لَوْ لَمْ يَكُنْ فِي سَجْدَةٍ  
اور قیام کے ذریعے اطاعت کا حق ادا کرتا ہے کیا وہ ناشکر گزاروں اور  
نافرانوں کی طرح ہو سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے  
مکمل اطاعت گزار تھے اور ساتھ ساتھ حَنِيفًا حَنِيفًا بھی تھے، یعنی  
ہر طرف سے کٹ کر، ہر باطل دین سے ہٹ کر صرف اور صرف خدا کے  
سچے دین کی طرف نکلنے والے تھے۔ لغوی طور پر حنفت کا معنی چلتے وقت پاؤں  
کا اندر کی طرف مائل ہونا ہے اور حنیف اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پاؤں جھکا  
کر چلتا ہو یعنی ایک طرف کو مائل ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس لحاظ سے حنیف ہیں  
کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک طرف نکلنے والے تھے۔

امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الفوز البکیر میں مزید وضاحت فرمائی ہے  
فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا ہو، نماز پڑھنے وقت  
اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرتا ہو۔ بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہو۔ ختنہ کرتا  
ہو اور غسل جنابت کرتا ہو وہ حنیف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ  
ساری خوبیاں موجود تھیں۔ آپ بچے ہوئے تھے۔ خود خانہ کعبہ تعمیر کیا، خود اس  
کا حج کیا، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، ختنہ کیا اور غسل جنابت تو آپ  
کے بعد عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا جو کہ ملت ابراہیمی کا ایک  
جزو ہے تو اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے عام مومنوں کو بھی حنیفیت کا درس دیا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے  
”حَنِيفًا لِّلّٰهِ عَنِ مَشْرِكِيْنَ بِهٖ“ تم سب کے سب حنیف

یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور مشرک نہ بنو۔ حضرت ابراہیم کے مشرک نہ ہونے کے متعلق اللہ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام، السجۃ) آپ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ابراہیم علیہ السلام  
بطرف نیت

ابراہیم علیہ السلام تو اس قدر خدا پرست تھے، لہذا مشرکوں کو شرم آنی چاہیے جو تمام تر مشرک کے باوجود اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں کہ ہم ان کے دین پر ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ حلال و حرام خود اپنی طرف سے ٹھہرا لیتے ہیں، خدا تعالیٰ کی صفات، عبادت اور نذر و نیاز نہ ہیں اس کا شریک ٹھہرتے ہیں، وغیر اللہ کو مافوق الایباب پکارتے ہیں، شریک رسوم ادا کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود ابراہیمی کہلانا چاہتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حنیف تھے، ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی طرف نگے ہوئے تھے وَكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور مشرکوں میں سے قطعاً نہیں تھے بلکہ کفر اور شرک سے سخت بیزار تھے آپ نے کفر اور شرک کی تردید میں بڑے دلائل پیش کیے ہیں اور توحید پرستی کے عملی دلائل بہم پہنچائے ہیں۔ قیام عراق کے دوران بادشاہ اور تمام لوگ آپ کے مخالف تھے حتیٰ کہ سگاباب اور پورا قبیلہ بھی آپ کے خلاف تھا۔ بابل جلیے وسیع و عریض مشرکوں میں آپ کا ایک بھی حامی نہیں تھا۔ آپ تنہا کفر اور شرک کا مقابلہ کرتے رہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر مشرک لوگ اپنی نیت ان کی طرف کر کے حقائق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ شَاكِرًا لِّأَنْعَمَاءِ رَبِّهِ اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے والے تھے۔ ادھر مشرکین کا حال گیارہویں رکوع میں گزر چکا ہے "يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا" کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے تھے مگر ان کا انکار اور نافرمانی کرتے تھے۔

شکرِ نعمت

جدا کہ گذشتہ رکوع میں بیان ہو چکا ہے ان کے لیے اللہ کا سب سے بڑا انعام  
یہ تھا اور وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ ۖ قَالُوا سَمِعْنَاكَ مِمَّا قَالُوا لَكَ  
میں سے اللہ کا عظیم الشان رسول آیا "فَكَذَّبُوهُ" مگر ان بد سمجھوں نے  
اسے بھی تجھ جیسا دیا، ایمان نہ لائے اور اس طرح اللہ کی ایک عظیم نعمت کی قدر دانی  
کی۔ کفرانِ نعمت کے متعلق سورۃ ابراہیم میں نازل ہو چکا ہے "الَّذِينَ كَفَرُوا  
الَّذِينَ كَفَرُوا لَعْنَةُ اللَّهِ كَفَرُوا" کیا آپ نے نہیں دیکھا  
ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کی سبقت نہ ماقدری کی۔ یہ نعمت اللہ  
کا رسول ہی تھا جسے جھٹلایا گیا۔ ان کے برخلاف ابراہیم علیہ السلام تو انعاماتِ اللہ  
کے حد درجہ قدر دان تھے اور اس کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر  
میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف سے عطا کردہ روزی کے اس قدر قدر دان  
اور شکر گزار تھے کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے کہ کہیں اللہ کی نعمت کی  
ماقدری نہ ہو جائے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ مسافر کے انتظار میں رہتے  
حتیٰ کہ جب فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کر آئے اور آپ کے پاس انسانی  
شکل میں حاضر ہوئے "فَمَا لَيْتَ اَنْ جَاءُوْا بِعَجَلٍ حَنِيْذٍ" (دھود)  
تو آپ فوراً کچھ پڑا اٹل کر لے آئے تاکہ مہمانوں کی خدمت کر سکیں۔ قرآن پاک  
نے آپ کی یہ صفت بھی بیان کی ہے "وَ اٰتٰىهِمْ سَوَ الْذٰى وَ هُوَ  
(النجم) ابراہیم علیہ السلام نے اپنا عہد پورا فرمایا۔ جب ابتداء کا وقت آیا،  
آپ کو آگ میں پھینک دینے کی تیاری ہو گئی تو آپ کو ذرا بھی تہمید یا وہم نہیں  
ہوا بلکہ حکمِ خداوندی پر راضی رہے۔ سورۃ الصافات میں ہے "اِذْ جَاءُوْا رٰكِبًا  
يَقْلِبُ سِيْلًا" آپ اپنے پروردگار کے پاس قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوئے  
آپ ابو الانبیاء اور امام الانبیاء ہیں۔ آپ حنیفیت کے سب سے پہلے  
اور سب سے بڑے امام ہیں۔ فرمایا اِحْتَبِهِنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى لَنْ اُتٰىكُمْ  
برگزیدہ بنایا و ہذالہ الخ صراطِ مُسْتَقِيْمٍ اور آپ کو سیدھے

راستے کی طرف ہدایت دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جو اس نے ابراہیم علیہ السلام پر کیے۔ اور پھر آپ نے بھی ان احسانات کا پورا پورا شکریہ ادا کیا، اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا اور ایک لحظہ بھروسے کے لیے بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں ہوئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا وَإِنِّي نَادَيْتُكَ فِي الدُّنْيَا حَسْبَكَ

ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھلائی عطا فرمائی۔ روزی میں فراخی عطا کی۔

صاحبِ وجاہت اور کمال درجے کی اولاد دی۔ تمام حق پرست آپ کی

عزت کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو نیچی اور شہرت عطا فرمائی۔ آپ کی اولاد

میں سلسلہ نبوت قائم کیا۔ چنانچہ قیامت تک کے لیے آپ کے حق میں دعائیں

ہونے لگیں۔ ہم آخری امت کے لوگ بھی جب نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود پڑھتے ہیں۔ اللَّهُمَّ صَلِّ

عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ تو ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

اے سزاگرم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آل پر اپنی رحمتوں کا نزول

فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو اپنی رحمتوں

اور برکتوں سے نوازا۔ یہود و نصاریٰ غلط کار ہونے کے باوجود حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں۔ یہی دنیا کی بھلائی ہے۔ پھر واضح کیا کہ دنیا

میں بھلائی حاصل ہونے کا مطلب نہیں ہے کہ آپ آخرت سے محروم رہ

جائیں گے، بلکہ وَإِنَّكَ فِي الْأَخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ آپ آخرت

میں بھی نیکو کار لوگوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ نے دنیا میں آپ کو مقتدر اور

پیشوا بنایا۔ دینِ قیم اور صراطِ مستقیم پر چلایا اور سب لوگوں کو اسی راستے پر چلنے کا حکم

دیا، تو آخرت میں بھی آپ اگلی صلفوں میں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل کا بیان بھی ہو گیا۔

دنیا کی  
بھلائی



ملت ابراہیمی  
کا اتباع

پھر فرمایا ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی  
یعنی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ  
ابْرَاهِيمَ حَنِيفًا کہ آپ ملت ابراہیمی کی پیروی اختیار کریں۔ آپ کی  
ملت وہی دین حق اور دین اسلام ہے جو ابتداء سے جلا آرہا ہے۔ دین  
تمام نبیوں کا ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، ملت بھی تقریباً سب کی ایک ہی  
ہے۔ دین اور ملت سے مراد موٹے موٹے اصول ہیں جو ہمیشہ یکساں رہے  
ہیں البتہ مختلف انبیاء کی شرائع میں مکان و زمان کی مناسبت سے بعض  
تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور صغیرات ہوتی ہیں  
جو مصلحت کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ البتہ ملت اور دین تبدیل  
نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ بھی ملت ابراہیمی کا اتباع کریں۔ وہ  
ابراہیم علیہ السلام جو حنیف یعنی ہر طرف سے کٹے کہ اور ہر دین سے  
بیزار ہو کر صرف ایک اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف رجوع  
کرنے والے تھے۔ وَمَا كُنَّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور آپ  
مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ نے شرک کی دوبارہ تائید نہ دید کہ  
دی کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سہرے بھی احتمال نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں  
نے کبھی کسی قسم کے شرک کی حمایت کی ہو۔ وہ تو بچے ٹوہرے تھے، لہذا مشرکوں  
کو آپ کا نام لیتے ہوئے اور آپ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے  
کچھ تو شرم آنی چاہیے۔

النحل ۱۶

آیت ۱۲۴ تا ۱۲۵

ربما ۱۴

درس ہی و دو ۲۲

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ:۔ بیشک مقرر کی گئی ہفتے کے دن کی تعظیم اُن لوگوں پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فیصلہ کرے گا۔ اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۴﴾ آپ دعوت دیں اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور جھگڑا کریں اُن سے اس بات کے ساتھ جو بہتر ہے۔ بیشک تیرا پروردگار بہتر جانتا ہے اُس کو جو اُس کے راستے سے ہٹ گیا اور وہ بہتر جانتا ہے ہدایت والوں کو ﴿۱۲۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل و کمالات بیان فرمائے، اُن کی ملت کا ذکر کیا اور اُن کی پیروی کا حکم دیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ مشرکین

بطا آیت

عرب اگر چہ نسلی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ آپ کا طریقہ  
 چھوڑ چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو حنیف اور موحد تھے اور شرک سے قطعی  
 طور پر بیزار تھے، مگر عرب کے لوگ شرک میں ملوث ہو چکے تھے، ان کی  
 اکثریت کفر پر اور شرک پر رسوم ہی میں پھنس کر رہ گئی تھی اور اصل دین رسولِ مکیؐ کی  
 عرب میں کوئی جگہ بت پرستی سے خالی نہ تھی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ  
 خانہ کعبہ بھی بت پرستی کا گڑھ بن چکا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان شرک پر اور کفر پر افعال  
 کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا کتنی زیادتی اور مشرکوں کے  
 لیے باعثِ شرم ہے۔

منبتہ کے  
 دن کی تعظیم

بعض اہل کتاب اعتراض کرتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں تو پھر ہفتے کے دن کی تعظیم  
 اور اس دن خاص عبادت کیوں نہیں کرتے۔ اللہ نے اس اعتراض کے  
 جواب میں فرمایا اِنَّ مَا جَعَلَ السَّبْتُ عَلٰى الَّذِيْنَ احْتَكَمُوْا فِيْهِ  
 بیشک ہفتے کے دن کی خصوصیت (تعظیم اور خاص عبادت) ان لوگوں کے  
 لیے مقرر کی گئی تھی جنہوں نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ ہفتے  
 کے دن کی خصوصیت کا ذکر سورۃ بقرہ اور سورۃ ماائدہ میں بھی موجود ہے، مگر اس  
 دن کو یہ حیثیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ  
 اس کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور بعد والے انبیاء کے  
 زمانہ میں نافذ ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دور میں لوگوں نے اس خاص دن کے متعلق  
 اختلاف کیا تھا۔ اس اختلاف کی حقیقت کا تذکرہ حضور علیہ السلام کی حدیث  
 مبارکہ میں ملتا ہے۔ تفسیری روایات میں بھی آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی  
 قوم سے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے جمعہ کا خصوصی دن مقرر فرمایا ہے، لہذا  
 اس دن کاروبار ترک کر کے محض اللہ کی عبادت کیا کرو۔ مگر یہودیوں نے  
 اس دن کی فضیلت کو تسلیم کرنے میں اختلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو

اُس دن کو خاص دن تسلیم کریں گے۔ تعطیل منائیں گے اور کاروبار چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ جس دن اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد فارغ ہوا تھا، اور وہ ہفتے کا دن بنتا ہے۔ اس کی تفصیل تورات میں موجود ہے اور قرآن میں بھی اشارۃً ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ دن میں مکمل کیا اور پھر آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے دن آخری وقت میں ہوئی۔ کائنات کی تخلیق کا سلسلہ تو چھ دن میں مکمل ہو گیا۔ اور ہفتہ کا دن خالی تو انہوں نے اس دن کو اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے جمعہ کے دن میں اختلاف کیا۔ اسی طرح نصاریٰ پر بھی جمعہ کا دن پیش کیا گیا کہ اس دن اللہ کی خاص عبادت کیا کرے مگر انہوں نے بھی اس طرف توجرتہ کی اور کہتے گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود کی عید ہمارے بعد ہو، لہذا انہوں نے یہودیوں کے ہفتہ سے بعد والا دن اتوار اختیار کر لیا کہ ہم اس دن چھٹی کر کے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عبادت کیا کریں گے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی سعادت ہمارے حصے میں رکھی تھی جب تک کہ یہود و نصاریٰ اس سے محروم ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:

لَيْسَ الْخَيْرُ إِلَّا خَيْرُ نَوْمٍ وَلَا وَاللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَعْدَ أَنْ أُوْتِيَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا هُمْ رَبُّنَا أَنْزَلَ فِيهِمْ

ہیں مگر قیامت والے دن سب سے اول ہوں گے۔ یہود ہم سے ایک دن بعد اور نصاریٰ ان کے ایک دن بعد یعنی علی الترتیب ہفتہ اور اتوار کو پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو تمام ایام پر فضیلت بخشی ہے اور اسے سید الايام کا خطاب دیا ہے کہ یہ ان تمام دنوں کا سردار ہے۔

صاحب تفسیر حینی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو ہفتے کے دن سامان اٹھانے کا روز بار کے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اسے روک لیا اور حکم دیا کہ اس کی گھر دن اتار دو کیونکہ اس نے ہفتہ کے دن کی تعظیم نہ کر کے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ چنانچہ اس شخص کو

قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کٹے نام پھینک دی گئی جسے چالیس دن تک درندے اور پرندے کوچ توڑ کر کھاتے رہے۔ اس دن کی تعظیم کا اتنا سخت حکم تھا۔ پھر داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اس دن کی تحفیر کی۔ ان کو ہفتے کے دن شکار سے منع کیا گیا تھا مگر وہ اس دن براہ راست تو بھلی کاشکار نہیں کرتے تھے، البتہ انہیں جوض میں بند کر دیتے اور انوار کو علی الصبح پکڑ لیتے تھے، اس طرح وہ جیلہ سازی سے اللہ کے حکم کی نافرمانی اور ہفتے کے دن کی ناقدری کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ان لوگوں کی شکلیں بندروں اور خنزیروں میں تبدیل ہو گئیں اور پھر صفحہ ہستی سے باہر ہی ناپید کر دیے گئے۔ اللہ نے اتنی سخت سزا دی۔

جمعہ کے دن آسانی

اللہ تعالیٰ نے امتِ آخر الزمان کے لیے جمعہ کا دن مقبر فرمایا ہے مگر زیادہ سستی نہیں کی بلکہ اہل ایمان کے لیے آسانی پیدا فرمائی ہے۔ اس دن کے متعلق سورۃ جمعہ میں موجود ہے۔ اے ایمان والو! "اِذَا نُوذِيَ لِلصَّلَاةِ مِنَ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ" جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوری طور پر نماز کے لیے حاضر ہو جاؤ اور کاروبار ترک کر دو۔ اس حکم میں دو چیزیں ہیں ایک ذکر اللہ یعنی خطبہ سناؤ اور دوسرا نماز پڑھنا۔ فرمایا "اِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ" پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل کر روزی تلاش کرو۔ عاراً دن تعطیل منانے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز کے بعد اپنے کاروبار، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت، مزدوری، جہاں بھی تم کام کرتے ہو جا سکتے ہو۔ صرف نماز جمعہ کا حکم ملو کر ہے۔ اگر کوئی شخص بلا عذر تین جمعے مسلسل ترک کرے تو وہ منافقوں میں شمار ہوگا، دل پر مہر لگ جائے گی۔ بہر حال اللہ نے ہمارے لیے بڑی آسانی فرمادی ہے کہ سب سے ایام بھی عطا فرمایا اور زیادہ سستی بھی نہیں فرمائی

ہفتے کے دن کی سختی ان لوگوں پر تھی جنہوں نے جمعہ کا دن تو قبول نہ کیا اور اس کی بجائے ہفتے کو پند کیا اور پھر اس پر پورے نہ اترے۔ فرمایا وَإِنَّ رَبَّكَ لِيُحْكِمَ لَكُمْ بِذُنُوبِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ بیشک نیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے تھے ان کا حتمی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی آخری عدالت میں ہی ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی بات کی ہے۔ اور تبلیغ کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیں جس کے لیے اللہ نے تین طریقے تجویز کیے ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ تاہم ہر نبی دعوت الی اللہ کا داعی ہوتا ہے کہ یہ امر اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ بخود حضور خاتم النبیین کے متعلق قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ دَاعِيَ الْاِلٰه اللہ سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چراغ ہیں۔ اللہ نے عام اہل ایمان کے متعلق بھی فرمایا وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ (حکم سجدہ) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کے راستے کی دعوت دیتا ہے۔ بخود بھی ایمان رکھتا ہے اور عامل بالاحکام بھی ہے۔ مومن، عامل اور داعی ہونا انبیاء کا طریق کار ہے۔ بہر حال اللہ نے دعوت کے تین طریقے بیان فرمائے ہیں جن میں سے پہلا طریقہ فرمایا بِالْحِكْمَةِ اور دانائی کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیں امام مالکؒ نے سنت کہ حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کی تمام صحیح، یقینی اور قطعی باتیں حکمت میں داخل ہیں۔ ان کے ذریعے شوک و شہامت دور ہوتے ہیں اور دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے وَمَنْ يُّؤْتِ الْحِكْمَةَ

یہ تبلیغ  
سنت

فَقَدْ أَوْقَبَ خَيْرًا كَثِيرًا جَس كَوْحَمَت دے دی گئی، سمجھ  
 عطا کر دی گئی، اُسے گویا کہ بہت بڑی بھلائی مل گئی جب حکیم اور دانا لوگوں کے  
 سامنے حقائق بیان کیے جائیں تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں  
 اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا اللہُمَّ ارْزُقْنَا الْحَقَّ اَلْقَوْتَ  
 كَمَا هِيَ اَلْاے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت سمجھا دے۔ جیسا کہ وہ  
 واقع میں ہیں۔ یہ پہلے درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو حقائق کو سمجھنے کی  
 صلاحیت اور استعداد رکھتے ہیں۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے  
 لوگوں کے سامنے کوئی چیز پیش کی جائے تو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ پھر دوسری  
 قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے درجے کی عقل و فہم نہیں رکھتے۔ بات  
 سمجھانے کے لیے اُن کے سامنے کوئی مثال، اچھا کلام یا کوئی اچھا شعر پیش  
 کیا جائے جس سے ان کی طبیعت متاثر ہو تو پھر وہ بات کو سمجھتے ہیں۔

(۶۷) موعظتِ حسنہ

وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ اِدْر اچھی نصیحت کے ساتھ۔ ایسے لوگوں کے لیے موعظتِ  
 حسنہ کا طریقہ کار آمد ہوتا ہے۔ اِنَّ مِنَ الْبَيَانَ لِكِسْحَرًا۔ اچھا بیان جادو اثر  
 ہوتا ہے۔ اچھے اشعار بھی بعض اوقات بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں ہمارے دور کے  
 لوگوں میں مولانا ابوالکلام کو اپنی تحریر و تقریر پر کمال حاصل تھا۔ آپ کوئی چیز پیش کرنے  
 کے بعد اسکے مناسب حال شعر نقل کرتے ہیں تو ساری بات ذہن میں اُتر  
 جاتی ہے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی اللہ نے کمال ملکہ عطا فرمایا  
 تھا۔ آپ اپنے موعظ و تقاریر میں ایسے بر محل اشعار پیش کرتے تھے کہ ایک  
 اُن پڑھ آدمی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہتا تھا گویا عمرہ الفاظ اور اعلیٰ  
 بیان کے ذریعے کسی چیز کو پیش کرنا موعظتِ حسنہ یا اچھی نصیحت کہلاتا  
 ہے۔ ایسا وعظ و نصیحت جس میں طعن و تشنیع اور گالی گلوں نہ ہو، ضرور اثر کرتا ہے  
 «الفتح الربانی» حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہفتہ وار موعظ ہیں جن میں اللہ  
 نے کمال درجے کا اثر رکھا ہے۔ عربی زبان میں یہ نصح و دل میں اترتے چلے

جاتے ہیں، لوگ ذوق و شوق کے ساتھ سنتے ہیں۔  
خود قرآن پاک کا ایک نام **صَوْعِ ظَنِّ** بھی ہے کہ اسے پڑھ کر لوگ  
نصیحت حاصل کرتے ہیں، اس سے عقیدے اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے  
عمرہ طریقے سے نصیحت کی مثال خود قرآن نے بھی بیان کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ  
نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے  
کا حکم دیا تو ساتھ فرمایا **فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا** (ظاہر) اس سے نرم لہجہ  
میں بات کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ غرضیکہ نصیحت کمرے  
وقت ہمیشہ نرم بات کرنی چاہیے تاکہ مخاطب کے لیے مؤثر ثابت ہو۔  
حضرت علیہ السلام ایک موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک شخص آیا اور  
دوران خطبہ ہی کہنے لگا کہ حضرت! آپ <sup>تعالیٰ</sup> مجھے وہ بات سکھائیں جس سے میں  
ناواقف ہوں اور اللہ نے آپ کو اس سے واقف کیا ہے۔ آپ نے  
لوہے کی کرسی منگوائی، اس پر تشریف فرما ہوئے، اس شخص نے کہ بات سمجھائی اور  
اس کے بعد اپنا پہلا خطبہ جاری رکھا۔ اسی طرح ایک دیہاتی حضور کی خدمت میں  
حاضر ہو کر کہنے لگا۔ **اِنَّكَ سَأَلْتُكَ فَصَدَّقَ عَلَيْنَا**۔ حضرت  
میں ایک سائل ہوں۔ دیہاتی آدمی ہوں، ادب و آداب کی پاسداری نہیں،  
لہذا سختی سے سوال کروں گا، آپ ناراض نہ ہونا بلکہ میرے سوالوں کا جواب  
دینا۔ آپ نے فرمایا، پوچھ کر کیا پوچھتا ہے، اس نے سوالات کیے اور آپ  
نے نہایت نرمی سے جواب دیے۔ ایک اور موقع پر آپ علیہ السلام ازمنہ  
پر سوار جاتے ہیں کہ ایک شخص آگے بڑھ کر ازمنہ کی دھار پکڑ لیتا ہے اور کہتا  
ہے کہ آپ آگے پھیر جائیں، پہلے میری راہنمائی کر دیں۔ اس شخص نے سوال  
کیا۔ حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ شخص سوال پیش کر رہا  
ہے، تم بھی سنو، پھر اس شخص نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے اس کا جواب  
دیا۔ سائل کی تسلی ہو گئی اور صحابہ کو بھی اطمینان حاصل ہوا۔ آپ نے اس شخص



سے فرمایا خَلِّ یعنی اب ہمارے چھوڑ دے اور ہمیں جانے دے۔ چنانچہ آپ  
آگے تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک  
شخص آیا اور نماز کے دوران ہی گفتگو شروع کر دی۔ لوگوں نے خاموش رہنے  
کا اشارہ بھی کیا، مگر وہ شخص غصے میں بولتا رہا۔ پھر جب نماز ختم ہو گئی تو حضور  
علیہ السلام نے اُسے قریب بٹھا کر سمجھایا کہ نماز اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تہلیل  
کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ اس میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے، اس لیے  
نماز کے دوران کلام نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے اچھے طریقے سے اسکی اصلاح فرما  
دی تو وہ شخص کہنے لگا، خدا کی قسم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں  
نے آج تک ایسا شیوق معلم نہیں دیکھا۔ آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈرپٹ  
کی، نہ مار پیٹا اور نہ ہی کسی قسم کی زجر و ملامت کی بلکہ نہایت اچھے طریقے سے  
بات سمجھادی بغرضیکہ تبلیغ کا دوسرا طریقہ اچھی نصیحت ہے جو عمدہ پیرائے  
میں کی گئی ہو اور جو مخاطب کے دل و دماغ پر اثر کرے۔ فرمایا دوسرے  
درجے کے لوگوں کو اچھے طریقے سے نصیحت کریں۔

(۳)

مباحث  
بطریق آہن

فرمایا تبلیغ دین کا تیسرا طریقہ یہ ہے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هُمْ  
أَحْسَنُ اور اگر مخاطب سے بحث مباحثہ کی ضرورت پیش آجائے، سوال و جواب کا  
موقع ہو، اعتراض کا جواب دینا مطلوب ہو تو سختی اور تند خوئی کی بجائے نرمی اور  
حکمت عملی سے ہر سوال کا جواب دیں گالی گلوچ کی نوبت نہیں آنی چاہیے، کئی  
کے ساتھ جھگڑنے کی ضرورت نہیں، اخلاقی حدود میں بہتے ہوئے ہر اعتراض کو  
خندہ پیشانی سے سنیں اور اس کا اچھے طریقے سے جواب دیں۔ اگر اچھے طریقے  
سے معاملہ کو سمجھائیں گے تو اس کا مثبت اثر ہوگا۔ برخلاف اس کے ہمارے  
ہاں ہر فرقہ کے پیروکار دوسرے فرقہ والوں کو مغلوب کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں  
اور پھر اس سلسلہ میں اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے گالی گلوچ اور طعن و تشنیع

تینک نو بیٹ پینج جاتی ہے جو کہ کسی طرح بھی احسن طریقہ نہیں۔ اس سے نہ تو مقرر کو کچھ حاصل ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے پلے کچھ پڑتا ہے۔ یہ طریقہ تبلیغ ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے اور اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اہل کتاب بڑے جھگڑاؤ قسم کے لوگ ہیں مگر ان کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا "وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (العنکبوت) ان کے ساتھ بھی سبوت و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو اچھے طریقہ سے مجادلہ کریں۔ تقریر و تحریر میں دوسرے کے خلاف گندی زبان و قلم کا استعمال قطعاً پسندیدہ امر نہیں۔ اللہ کے نزدیک دوسرے کی تذلیل کہنا بہت بری بات ہے لہذا مباحث میں شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوگا۔

تین قسم کے لوگوں کے لیے اللہ نے تین طریقے بتلا دیے ہیں کہ ان اصولوں کی روشنی میں فریضہ تبلیغ ادا کرو۔ تمام انبیاء نے ہی طریقہ اختیار کیے۔ مخالفین نے انبیاء کے حق میں سخت ترین الفاظ استعمال کیے، جسمانی اور ذہنی اذیت پہنچائی مگر انہوں نے ہمیشہ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرم گفتاری کو اپنا شعار بنایا۔ روح علیہ السلام کی قوم آپ کے خلاف سخت ترین الفاظ استعمال کرتی تھی۔ کہتے تھے تیری بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ قوم نے کہا، ہم تمہیں کھلی گھڑی میں بتلا پاتے ہیں مگر اللہ کے پے نبی نے جواب میں صرف اتنا فرمایا "يَقُوْمُ لَيْسَ بِيْ حَسْبِيَ اَنْ اَمِيْرِيْ قَوْمِ اَمِيْرٍ مَّوَدَّوْنِيْ" بلکہ تمام جانوروں کے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اور تمہیں ان کا حکم سنا رہا ہوں۔ سورۃ سبأ میں حضور علیہ السلام کی زبان سے کسلاوا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں "اِنَّ لِقَوْمِ اللّٰهِ هَشِيًّا وَفِرًا دٰمِيًّا تَمَّوْا تَمَّوْا" کہ تم خدا کے لیے دو دو ہو کر یا فردا فردا کھڑے ہو کر غور کرو تو اسی نتیجے پر پہنچو

کے ”مَا يَصْحَابُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ“ کہ تمہارے صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانچی والی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو علم و حکمت کے دریا بہا رہا ہے۔ اس کے ایک ایک کلمے میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ دین کے لیے ہمیشہ نرم خوئی کو اختیار کیا اور یہی طریقہ اللہ نے عام لوگوں کو بھی سکھایا ہے۔

ہمارے دور کے مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اس طریقہ تبلیغ کے مجسم نمونہ تھے۔ ان کے مواعظ حزن سے کمال حکمت اور ایمان کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ جب کوئی آپ کو کسی دور سے فرقے کے ساتھ مناظرے کی دعوت دیتا تو آپ انکار کر دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر مخالف نے کوئی صحیح بات کہی تو میں فوراً مان جاؤں گا اور تم کہو گے کہ میں نے تمہاری تحقیر کر دی ہے، لہذا میں مناظرہ بازی کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ ہمارے مدارس میں علم مناظرہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔ اگر کوئی مخالف فریق حق بات کہتا ہے تو اس کو تسلیم کرنے میں تامل نہ کرو اور جو غلط بات کہتا ہے اس کا حسن طریقے سے جواب دو۔ مگر اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی کسی کی حق بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مخالفت برائے مخالفت کا بھوت سر پر سوار ہے اور یہی چیز اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ آج ہم اسلام کا نام لے کر اسی کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک بھی نہیں ہے۔

فرمایا کسی کے ساتھ مناظرہ، مباحثہ یا جھگڑا کرو تو بہتر طریقے سے۔  
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ  
 بیشک تیرا پروردگار اس شخص کو جانتا ہے جو راستے سے بہکا ہوا ہے  
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب

جانتا ہے۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے سب لوگوں کے درمیان فیصلہ بھی اسی نے کرنا ہے، لہذا تم کبھی غلط راستہ اختیار نہ کرو۔

---

النحل ۱۶

آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸

ربما ۱۳

درس سی و سوم ۲۳

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَوْقَبْتُمْ بِهِ  
 وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (۱۲۶)  
 وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (۱۲۷) إِنَّ  
 اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (۱۲۸)

۱۶  
۲۳

ترجمہ یہ اور اگر تم بدلہ لو، پس بدلہ لو اس کی  
 مثل جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو  
 تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے (۱۲۶) اور  
 (لئے پیغمبر!) آپ صبر کریں۔ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا  
 مگر اللہ (کی توفیق) سے۔ اور نہ تم گنہگار ہوں آپ ان  
 (مخالفوں) پر، اور نہ ہوں تنگی میں اس چیز سے جو یہ تدبیر  
 کرتے ہیں (۱۲۷) بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے  
 جو ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں (۱۲۸)

زمانہ نزول

سورۃ النحل کی ان آخری تین آیات کے زمانہ نزول کے متعلق مفسرین کی دو

راہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے اسناد، مکہ کے اسناد الحدیث حضرت عطاء کی روایت

سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ ہذا کی ان تین آیات کے سوا باقی ساری سورۃ مکی

دور میں نازل ہوئی جب کہ یہ آیات مدنی زندگی میں نازل ہوئیں اور ان کا زمانہ نزول

فتح مکہ کے قریب ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری سورۃ مکی

ہے اور ان آیات میں بیان کردہ انتقامی کاروائی کا قانون غزوہ احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر مکان و زمان کے لیے نافذ العمل ہے۔ اس لحاظ سے غزوہ احد کے دفع پر پیش آمدہ حالات پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے پہلے نظر یہ کے مطابق ان تین آیات کا شان نزول غزوہ احد سے وابستہ ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی بہتر مسلمان شہید ہوئے جن کے ساتھ کفار نے بڑی زیادتی کی۔ ان شہداء کے اعضاء کاٹ کر ان کا منہ بنا لیا گیا حتیٰ کہ سید الشہداء امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گیا۔ اس کاروائی کا مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے اپنے شہداء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا بخدا! اگر اللہ نے ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو ہم ان کے ساتھ اس سے ڈگنی انتقامی کاروائی کریں گے۔ ہم بھی ان کے مردوں کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کو شکل بنائیں گے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس عزم کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں اللہ نے زیادتی کرنے سے منع فرمادیا، چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے ارادے سے رجوع کر لیا اور دوسرے لوگوں کو بھی کسی کا منہ بنانے سے منع فرما دیا۔ امام سیوطیؒ نے منہ بزار کے حوالے سے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قسم کا کفارہ بھی ادا کیا اور آئندہ ایسی منتقامہ کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ عَاقَبْتُمْ اَلَّذِيْنَ جَاءَ بِالسُّلْطٰنِ فَاَقْبُوا  
بِمِثْلِ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بدلہ لیتے وقت زیادتی نہ کرو۔ بلکہ سچائی گئی تکلیف کی حدود میں رہتے ہوئے دشمن کو اتنی ہی اذیت پہنچاؤ۔ اور یہ بھی محض اجازت ہے، ضروری نہیں۔ اس کے برخلاف وَلٰكِنْ صَبْرٌ قَوْمٌ اگر تم اس تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے صبر سے کام لو، یعنی بدلہ لینے کا ارادہ ہی ترک کر دو، دشمن کو ویسے ہی معاف کر دو وَلَهُمْ عَذَابٌ

شان نزول

انتقامی کاروائی کی حدود

لِّلصَّالِحِينَ تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ بہتر ہے۔  
 گویا معاف کر دینا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ یہ معافی تمہارے لیے گناہوں کا  
 کفارہ بنے گی۔ اور تمہارے درجات بلند ہوں گے۔ اس سے آخرت میں  
 بہت فائدہ ہوگا۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ان آخری آیات کا تعلق سورۃ نہاکی  
 آیت نمبر ۹ کے ساتھ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پیغام  
 پیش کیا ہے اَللّٰهُ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ... الخ  
 اللہ نے جن تین مثبت چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں پہلی چیز عدل ہے اور عدل  
 کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن جس قدر ازیت پہنچائے اسے اسی قدر تکلیف دی  
 جائے اور زیادتی نہ کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہی چیز بیان کی ہے کہ عدل  
 والی صاف کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو اور خواہ تمہارے سامنے تمہارا دشمن  
 ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ یہی سورتوں میں بالعموم توجید و رسالت، قرآن پاک کی صداقت  
 اور معاد کا ذکر ہے تاہم عدل ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کا ذکر اللہ نے یہی  
 زندگی ہی میں کر دیا اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھادی کہ غالب آنے کی صورت میں اگر  
 انتقام لینا چاہو تو کسی پر زیادتی نہ کرو اور نہ تم خود ظالم بن جاؤ گے اور اگر صبر کرو  
 اور بالکل معاف ہی کر دو تو یہ عزیمت کا مقام ہے، اس کا نتیجہ مزید بہتر  
 صورت میں نکلے گا۔ اس قانون کی ضرورت یہی زندگی میں اس لیے بھی  
 محفی کہ اس وقت مسلمان فریضہ تبلیغ ادا کر رہے تھے، لوگوں پر اسلام پیش  
 کر رہے تھے اور اس کے جواب میں مشرکین کی طرف سے بڑی تکلیف دہ  
 باتیں سننا پڑتی تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں میں انتقامی آگ بھڑک اٹھتی تو اللہ  
 نے پیشگی قانون بتلادیا کہ بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کر دو اور اگر بدلہ ہی لینا  
 ہو تو عدل سے تجاوز نہ کرو۔

انتقامی کارروائی کے ضمن میں امام ابو بکر جصاصؓ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اگر دشمن نے تمہارے آدمی کی جان تلف کی ہے تو تم بھی اس کی جان لے سکتے ہو۔ اور اگر دشمن نے کسی کا کوئی عضو کاٹا ہے تو تم بھی اس کا وہی عضو تلف کر سکتے ہو۔ اس قانون کی تفصیل اللہ نے سورۃ ما مدہ میں بیان فرمادی ہے: **أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا فَمَنْ ظَفَرَ** **تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ** یعنی قصاص کی صورت یہ ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کا بھی قصاص ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا۔ قتل کے معاملہ میں قانون یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو قاتل کو ویسے ہی قتل کیا جائے جس طرح اس نے خود قتل کیا تھا۔ مثلاً اگر کسی نے کسی شخص کا پہلے کوئی عضو قطع کیا اور پھر اس کو مکمل طور پر جان سے مار دیا، تو اس کے قصاص میں بھی ایسا ہی کیا جاسکتا ہے۔ تاہم عام قانون یہ ہے کہ قتل کے قصاص کے لیے تلوار سے بیکارگی گھر دن اڑادی جائے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا ہے تو اس میں بعینہ قصاص ممکن نہیں، لہذا اس کے بدلے میں اسے تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ جہاں مماثلت ممکن ہو، وہاں ایسا ہی عمل کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے کسی شخص کی ٹانگ کھٹنے سے کاٹ دی ہے تو اس کے بدلے کھٹنے سے ہی ٹانگ کاٹی جائے گی، اگر کسی کا ہاتھ کسی سے کاٹا گیا ہے تو قصاص میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی نے کسی کی ٹانگ پر ضرب لگائی ہے اور وہ درمیان سے ٹوٹ گئی ہے تو اب عین اتنی ہی ضرب لگانا اور بالکل اس مقام سے ٹانگ کو توڑنا، یا بالکل وہی آلہ استعمال کرنا اور پھر اس کے نتیجے میں بال اتنی ہی ہڈی کا ٹوٹنا اور اتنی ہی درد پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسی صورت



میں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قصاص کی بجائے اتنی سزا کی ضمانت دینا ہوگی۔  
یعنی مضروب شخص کو معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔

امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے  
کہ جس طرح اعضاء کا معاوضہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مالی نقصان کا بھی  
معاوضہ ادا ہو سکتا ہے۔ مثلاً کھنی نے دوسرے شخص کی لکڑی چوری کر کے  
اسے چھت میں استعمال کر لیا ہے یا اس کا صندوق یا فرنیچر بنا لیا ہے۔ اسی  
طرح کسی کی گندم چوری کر کے اسے لپوا کر روٹی کھالی ہے، تو ایسی صورت میں  
چوری شدہ چیز کا البعینہ واپس ہونا ممکن نہیں رہتا ہے۔ لہذا امام صاحبؒ  
فرماتے ہیں کہ اس معصومہ چیز کی قیمت ادا کرنا پڑے گی، یہ انتقامی کارروائی  
کا قانون اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔

صبر کی  
ترغیب

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیمت کے مقام پر صبر کی خاص طور پر تلقین  
فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے مگر اس  
خطاب میں آپ کے پیروکار بھی شامل ہیں۔ ارشاد فرماتا ہے وَاصْبِرْ  
أَبِصْبِرْ كَرِيْمًا وَمَا صَبْرًا كَرِيْمًا إِلَّا بِاللَّهِ يَكِينٌ آپ کا صبر کرنا اللہ تعالیٰ  
کی معاونت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ  
اللہ کی توفیق کے بغیر انسان نیچی کا کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، لہذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ  
سے توفیق کا طلبگار رہنا چاہیے۔ حضرت شکیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا۔  
«وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ (ہود) جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
توفیق حاصل نہ ہو، میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی کی توفیق سے انسان کام کاج  
کرتا ہے، صبر اور برداشت کرتا ہے۔ یہ حال اللہ تعالیٰ سے میرا واسطہ ہے» کی  
تلقین فرمائی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم  
حضور کے لیے  
تسبی

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ آپ کافروں اور مشرکوں،  
مخالفوں اور منافقوں کی کارگزاروں کے بارے میں خدشہ مند نہ ہوں۔ وَلَا تَحْزَنْ

عَلَيْهِمْ أَنْ يَرْغَبُوا فِي تَدْبِيرِ شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ  
 كَيْمُ كَرْمُونَ اور ان کی تدبیروں سے تنگ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی  
 چالوں کا خود توڑ پیدا کرے گا، لہذا آپ کے دل میں شکی نہیں پیدا ہونی چاہیے  
 اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور مہربانی آپ کے شامل حال ہے گی۔ لہذا آپ غمزدہ نہ  
 ہوں " وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرُومِينَ " اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر  
 کرنے والا ہے، وہ خود ان سے نرٹ لے گا۔

پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا بَشَاةَ اللَّهِ تَعَالَى  
 کی مہربانی اور مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور دوسری بات  
 يَوْمَ الَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں۔ مطلب  
 یہ کہ اللہ کی معیت اس سے ڈرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو حاصل  
 ہوتی ہے۔ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہنا ضروری ہے اور اس  
 کے لیے تقویٰ اور نیکی کی ضرورت ہے۔ جس شخص میں خوفِ خدا ہو گا وہ شہرِ نبوت  
 کی حدود کی پاسداری بھی کرے گا، کفر، شرک، انفاق اور بد عقیدگی سے بچتا ہے گا۔  
 اللہ کے ساتھ معاملہ ہمیشہ سچائی کے ساتھ درست رہ سکتا ہے۔ اگر دل میں  
 کسی قسم کا کھوٹ ہو گا تو تعلق باللہ درست نہیں رہ سکتا۔ البتہ مخلوق کے  
 ساتھ تعلقات کی درستی احسان پر موقوف ہے۔ انسان اپنے بھائی بندوں کے  
 ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا، ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرے گا تو  
 اس کا تعلق مخلوقِ خدا کے ساتھ درست ہو جائیگا۔ غرضیکہ اس حصہ آیت میں  
 حقیقۃً اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر آ گیا ہے اور یہی دو چیزیں پورے  
 دین کی جڑ اور بنیاد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی معاملہ صحیح ہو اور مخلوق کے  
 ساتھ بھی نیکی کا سلوک ہو۔

امام نازی فرماتے ہیں کہ دین کا پختہ دو باتیں ہیں۔ ایک بات التَّعْظِيمُ  
 تَعْلِيمُ اور شَفَقَةُ الْمَاءِ یعنی اللہ کے احکام کی تعظیم اور ان پر عمل درآمد ہے اور دوسری

اَلشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ كِى مَخْلُوْقٍ بِرَشِيْقَتٍ وَ مَرَبَانِي كَرَمًا  
 ہے۔ ان دو باتوں کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ تقویٰ اور احسان ہی نکلے گا جس کا ذکر  
 اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اور اللہ کی مدد انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن  
 میں یہ دو چیزیں پائی جائیں۔ سلف صالحین میں یہ چیزیں موجود تھیں تو اللہ تعالیٰ  
 کی مدد بھی ہمیشہ ان کے شامل حال رہتی تھی۔ جب ان دو چیزوں میں کمزوری  
 واقع ہو گئی تو امت تنزل میں چلی گئی۔ اب کئی صدیوں سے امت مسلمہ کا  
 حال دنیا کے سامنے ہے۔ وجہ یہی ہے کہ نہ ان میں تقویٰ باقی رہا ہے اور نہ  
 احسان۔ عدل و انصاف، مفقود ہے۔ حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ تمام  
 طبقات میں سرکشی پائی جاتی ہے۔ اللہ کے احکام سے علی الاعلان بغاوت  
 جو رہی ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ کی رحمت اور مدد کیسے حاصل ہوگی۔  
 ہمارے اندر وہ شر اٹھ ہی نہیں پائی جاتی جو معیت الہی کا سبب بنتی ہیں  
 تو ہمیں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

معیت الہی

اللہ تعالیٰ کی معیت بہت بڑی چیز ہے اور اس کے لیے انبیاء علیہم السلام  
 بھی دعائیں کرتے تھے۔ غار ثور والا واقعہ دیکھ لیں حضور علیہ السلام نے حضرت  
 ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ اس غار میں پناہ لے رکھی ہے۔ حضرت صدیقؓ کے  
 دل میں دشمن کا خوف پیدا ہوتا ہے تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں لَا تَخْشَى  
 اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (قویاں) خوف نہ کھائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہمیں  
 کس بات کا غم ہے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے  
 نکال کھڑے ہوئے تو آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ لوگوں میں کس قدر  
 خوف پیدا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح قوم کو تسلی دی تھی کہ فَاَنْتُمْ كَرِهْتُمْ  
 اِنَّ مِیْمَنًا وَّجِبُّ سَیِّئًا دِیْنًا (الشعراء) میرا کہہ دو گا کہ میرے ساتھ ہے۔  
 وہی راہ نکالے گا۔ ہم اسی کے حکم سے باہر نکلے ہیں لہذا اس کی مدد ہمارے  
 شامل حال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔

## خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ  
مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نضر العلوم گوجرانوالہ  
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے یہ خطبات بڑی اہمیت  
رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیصلہ کن  
جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ  
بیجا نہیں تھے جمعیتہ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مد نظر بعض محترم ہستیوں نے  
ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے  
جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرا کار کے خطبات  
بیجا مل جاتے ہیں حضرت مدنی کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے  
تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام  
حضرت مدنی کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ  
اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اطرف  
میں نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض  
احباب نے حضرت مدنی کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ  
خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ بر دست یہ  
گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خلیفہ سیو بارہ،  
(۲) خطبہ زنگور بنگال، (۳) خطبہ دہلی، (۴) کوکنا ڈا، (۵) علی گڑھ، (۶) جونپور، (۷) لاہور،  
(۸) سہارنپور، (۹) بمبئی، (۱۰) حیدرآباد دکن، (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۱۸x۲۳، صفحات ۵۰۰، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت ۸۰ روپے  
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نضر العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ  
ملنے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نضر العلوم گوجرانوالہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ کی

ماہی ناز اور مقبول عام تفسیر

## معالم العرفان فی دروس القرآن

مکمل طبع ہو گئی ہے

اللہ رب العزت کے کلام پاک کو عوام کے اذہان کے قریب کرنے لیے مفسرین کرام نے بے شمار کوششیں کی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ یہ تفسیر بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ رواں دواں اور آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر، ضروری مسائل کی توضیح، ضروریات وقت، زمانہ و ماحول کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج، قرآن کریم کی آیات سے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرام، ائمہ کرام اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توجیحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور مذاہب باطلہ اور نظامات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رد اس تفسیر کا خاص امتیاز ہے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اس تفسیر کی قیمت ۳۱۵۵ روپے ہے۔

علماء، طلباء، خطباء، اور عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات افزا ہے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ، فون ۲۱۸۵۳۰

# مجالس العربیہ و روس القرآن

انباء

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

موتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہدین اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب صاحب

منزل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

شراکتی

محمود انور بیٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (پبلشرز)

محمد منیر صاحب Ph:221943

پبلسنگ ہاؤس القرآن گوجرانوالہ